سلسلۂ نصابات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

(بی۔ اے کے لیے)

ہندی مملکت برطانیہ

کا

عروج اور وسعت

مصنفۂ

سر آلفرڈ لائل پی۔ سی۔ کے۔ سی۔ بی۔ ڈی۔ سی۔ ال

مترجمہ

مولوی سید محمد عبد السلام صاحب ایم۔ اے۔ ایچ۔ پی

سنہ ۱۳۴۰ھ م سنہ ۱۳۳۱ف م سنہ ۱۹۲۲ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندی مملکت برطانیہ

مقدمہ

انگریزوں کے تاریخی کارناموں میں تسخیر ہند کا بیان بادی النظر میں ایک ضمنی داستان سے زیادہ وقیع نہیں ہے چنانچہ جن مورخوں کی تمام تر توجہ یورپ کے اہم واقعات کی طرف مبذول رہی ہے اُن کی یہ رائے کچھ قابلِ الزام نہیں ہے کہ ایک انگریزی تجارتی کمپنی کا ایک وسیع مشرقی سلطنت کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دینا قومی اقبال مندی کا ایک تعجب خیز اور حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ مگر جو اہل الرائے اس شاندار انجام کے آغاز سے واقعات کی رفتار اور سلسلے پر غائر نظر رکھتے چلے آئے ہیں اور جنہوں نے اس اصول کو فراموش نہیں کیا ہے کہ بیرونی تجارت ایک جہاز راں قوم کی ترقی کی روح رواں ہے اور کم از کم دو صدی تک انگلستان کی سیاسی حکمت عملی کا خاص رُجحان بحری قوت کی ترقی اور بیرونی تجارت کے فروغ کی طرف رہا ہے یہاں تک کہ بقول سر ایچ پارنل اٹھارہویں صدی کی ساری لڑائیاں بالواسطہ تجارت ہی کو فروغ دینے کے لئے لڑی گئیں۔ اُن کے نزدیک یہ تسخیر تعجب خیز یا ناقابلِ توجیہ نہیں ہے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان مسلسل بحری لڑائیوں اور تجارتی مقابلوں کا ایک شاندار مال غنیمت ہے جو انگلستان کے ہاتھ آیا ہے۔

اِس مختصر کتاب کی صرف یہی غرض نہیں ہے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے عروج کی ایک مجمل داستان بیان کر دی جائے بلکہ جن اسباب و واقعات اور اُن کے اجتماعی اثرات سے یہ شاندار نتیجہ حاصل ہوا ہے اس کی جستجو بھی مدنظر ہے۔

یہ عام رائے ہے کہ برٹش انڈیا کی اگر کوئی بسیط تاریخ لکھی جائے تو وہ بدمزگی اور الجھن سے خالی نہیں ہوتی۔ کچھ وجہ تو اس کی یہ ہے کہ یورپ والوں کی زبانیں اور اُن کے کان مشرقی مقامات اور اشخاص کے غیر مانوس ناموں سے آشنا نہیں۔ مگر اس بدمزگی کی بڑی وجہ اس تاریخ کی وہ خصوصیت ہے جس کی ہم ذیل میں تشریح کرتے ہیں۔

تمام مشرقی ممالک کی تاریخوں کی طرح ہندوستان کی یہ تاریخ بھی ایسے واقعات سے بھری ہوی ہے کہ اگر وہ جنگی کارنامے ہیں تو بے قاعدہ لڑائیوں سے زیادہ وقیع نہیں اور اگر سیاسی تبدیلیاں ہیں تو بغاوتوں، سازشوں۔ خانہ جنگیوں اور اسی قسم کے دوسرے معمولی حادثات کی حد تک پہنچتی ہیں جو ہم چشم حکومتوں میں جہدحیات کے لئے پیش آتے رہتے ہیں برّاعظم ایشیا کبھی نظام اجتماعی، ارتقاء سیاسی یا ترقی قومی کا میدان عمل نہیں رہا۔ اس لئے اس حیثیت سے ایشیائی تاریخ پر بحث کرنیکی گنجائش نہیں ہے۔ جتنے مشاہیر گزرے ہیں وہ یا تو ملوک جابر ہیں یا فاتحان کامگار۔ مگر ہر ایک کی منفرد شخصیت تمام نظام مملکت پر محیط نظر آتی ہے۔ تمدن کا معیار بالکل غیر مبدل اور غیر متاثر ہے اور قومیت کا احساس اگر کہیں ہے تو نہایت ابتدائی حالت میں ہے۔ جن بڑی سلطنتوں سے تاریخ واقف ہے اُن کی رعایا پر اگر نظر ڈالیئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کثیر الانفار گروہ کو جبر یا قدر نے کسی ایک سیادت یا قیادت کے تحت میں مجتمع تو کر دیا ہے مگر ان کے اختلاف کا رنگ قومی اور مذہبی فرقہ بندیوں کی شان میں پھوٹا پڑتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایشیا کے ہر بڑے ملک پر کسی اجنبی قوم یا غیر ملکی خاندان کی حکومت ہے۔ فاتحین و مفتوحین کے ایک بڑے حصّے میں زبان یا مذہب کی کوئی یگانگت نہیں اس لئے مفتوحین عموماً انقلابِ حکومت کو ایک شان انفعالیت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں یعنے اگر ایک غیر قوم کی جگہ دوسری غیر قوم لے لیتی ہے تو اس کی کوئی مخالفت نہیں کی جاتی اور خود ہندوستانیوں کی تو یہ حالت رہی ہے کہ ابتدا ہی سے بجائے کسی قسم کی مخالفت کرنے کے انہوں نے برطانوی اقتدار کے بڑھانے میں بہ طیب خاطر امداد کی ہے۔ مگر بہرحال ہندوستان اور انگلستان کے موجودہ تعلقات کی سیاسی صورت حال دنیا کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔ دونوں ملک ایک دوسرے سے دور و دراز فاصلے پر علٰحدہ علٰحدہ برّاعظم میں واقع ہیں اور قومیت و مذہب کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں

اس سے پہلے تاریخ کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی قوم نے اپنے صدر مقام سے اتنے بعید فاصلے پر ایسے کثیر الاقطاع، مختلف العناصر اور معمور و آباد ملک کو فتح کرکے اس پر ایسی کامیابی کے ساتھ حکومت کی ہو۔

ایسا ہوتا رہا ہے کہ جو سلطنت اپنی ہمسایہ سلطنتوں کے مقابلے میں فنون حرب و اصول سیاست میں ممتاز رہی وہ وسعت پاکر ایک دولت عظیم بن گئی ہے۔ اسکندر مقدونوی کی ایشیائی فتوحات سے اس فاتح کے جانشینوں کے عہد میں ایک ایسی ایشیائی سلطنت کی بنیاد پڑ گئی تھی جس سے یونانی خیالات اور روایات سواحل بحر روم سے تقریباً ہندوستان کے دامن تک پھیل گئے تھے اور یونانی حاکموں کی دماغی قابلیت اور سیاسی فوقیت کی وجہ سے باوجود مختلف الانواع آبادی کے عرصے تک یہی خیالات اور روایات قائم رہیں۔ پھر جب رومیوں نے یونانیوں سے دریائے فرات کے مغربی ممالک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو انہوں نے نہ صرف مسلسل فتوحات کے ذریعے سے اپنے محکوم صوبوں اور باجگذار ریاستوں کو ایک سلسلے میں مربوط کیا بلکہ مناسب معاہدوں اور حکمت عملیوں سے اپنے اتحادیوں اور دوسرے زیر حفاظت ہمسایوں کو بھی اپنے دامنِ اقتدار میں لے لیا۔ یوں کہنا چاہئے کہ بعض خصوصیات کے اعتبار سے رومیوں کا وہ طریق حکمرانی ہمارے موجودہ اصول فرمانروائی کا پیش خیمہ ثابت ہوا لیکن رومی سلطنت کے اجزا مجتمع تھے اور وسائل آمدورفت کے اعتبار سے ایک سلسلے میں مربوط تھے۔ رومی بحر روم کے تمام ساحلی علاقے کے مالک تھے اور اُن کا دارالحکومت روما یا قسطنطنیہ ایسی مرکزی حیثیت رکھتا تھا کہ تمام محروسات اس کے اثر اور زد میں تھے۔ رومیوں کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ روس کا ایک زانو شمالی یورپ کے سینے پر ہے اور دوسرا وسط ایشیا کے سینے پر، اور وہ اس معاملے میں سب پر سبقت لے گیا ہے کہ اس نے مشرق و مغرب کی قدیمی حدود فاصل کو توڑ کر دونوں اقلیموں کے قلب میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم کی ہے۔ لیکن رومی ہوں یا روسی یا کوئی اور تاریخی سلطنتیں سب کی محروسات اپنے صدر مقام سے قدم بقدم آگے بڑھی ہیں۔ پہلے ایک قدم مضبوطی سے جمالیا گیا ہے پھر دوسرا اٹھایا گیا ہے اور اپنی شاہراہ کی ایک داغ بیل پوری کر چکنے بعد دوسری ڈالی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ

مرکزِ حکومت اور محیطِ محروسات کے درمیان سلسلۂ فتوحات کہیں منقطع نہیں ہونے دیا گیا ہے۔ مگر سلطنت ہند اس کلیئے سے مستثنیٰ ہے جس زمانے میں کہ انگریز اپنا اثر ہندوستان میں جمارہے تھے بلکہ اس کے عرصے بعد تک ہندوستان اور انگلستان کے درمیان ہزارہا میل کے دو بحر اعظم یعنے بحر اوقیانوس اور بحر ہند حائل تھے اس لئے یہہ کہنا استعارے سے بالکل خالی ہوگا کہ ہندوستان پر برطانوی قبضہ تاریخ عالم میں ایک نادرالوجود مثال ایسی حکومت کی ہے جو وطن سے دور اور اجنبی مخلوق پر سمندر کو مرکز قرار دیکر قائم کی گئی ہے۔

گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں یورپ کی قوموں نے متواتر یورشیں ایشیا پر جاری رکھی ہیں اور جو سیاسی تبدیلیاں اُن کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی رہی ہیں۔ اُن کا لحاظ کرکے اگر دیکھا جائے تو تمام ہندوستان اور برہما پر برطانیہ عظمیٰ کا قبضہ ہو جانا ایک مایۂ ناز تاریخی کارنامہ ہے۔ اگرچہ ایشیا کے آیندہ سیاسی حشر کے اعتبار سے روس کا وسطی ممالک پر اپنی طاقتور گرفت کو بالاستقلال بڑھائے جانا بھی ایک ہیبت و عظمت کی شان رکھتا ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ روس نے دشوار گزار برّی فتوحات کی شاہراہ عام پر وسط ایشیا کے مرتفع علاقوں سے مشقت کے ساتھ قدم بڑھایا ہے اور انگلستان نے غیر مخدوش بحری راستے کو اختیار کرکے جنوبی ایشیا تک سرعت و آسانی کے ساتھ رسائی حاصل کرلی ہے۔ چنانچہ اب تک جس کسی دوسری قوم کا قبضہ ہندوستان پر ہوا ہے اس کی بنا شمالی کوہستان میں پڑی اور تکمیل جنوب کی طرف سمندر تک ہوی برخلاف اس کے برطانوی قبضے کی بنا جنوبی سمندر میں پڑی اور تکمیل شمال کی طرف کوہستان تک ہوئی۔ یہاں اس توضیح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ عظیم الشان مہم بغیر زبردست بحری قوت و اقتدار کے کسی طرح سر نہیں ہوسکتی تھی۔

ذیل کے صفحات میں اس کی تفصیل کی جائیگی کہ وہ کیا ابتدائی واقعات اور اصلی اسباب تھے جن کی کشش یورپ کی جہازران قوموں کو ہندوستان کے میدان عمل گوئے سبقت لیجانے پر جد و جہد کرنے کے لئے کھینچ لائی۔ نیز اس کی بھی توضیح کی جائیگی کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں انگلستان نے جو اس کشاکش میں میدان جیتا اسمیں بلاواسطہ مساعی کا کتنا ہاتھ تھا اور حسنِ اتفاق کو کتنا دخل تھا۔

باب اول
فصل اول

باب اول

ہندوستانی تجارت کی ابتدائی رقابتیں

فصل اول

اٹلی۔ اسپین پرتگال

اہلِ یورپ کے نزدیک نہایت قدیم زمانے سے سودمند ترین سلسلۂ تجارت وہ سمجھا جاتا رہا ہے جو جنوب مشرقی ایشیا کے زرخیز ممالک خصوصاً ہندوستان اور مجمع الجزائر ملایا کے ساتھ قائم رہے ہے۔ یورپ کی متمدن اور حوصلہ مند سلطنتیں اسی تجارت کیلئے خونریز بری اور بحری لڑائیوں میں برابر مصروف رہی ہیں۔ حصول دولت کی خواہش اور قسمت آزمائی کے حوصلے نے جتنی ترقی کی ہے اتنی ہی یہ رقابت بڑھتی چلی گئی ہے اور جس قوم یا جس شہر کو اس تجارت سے جتنا زیادہ بہرہ مند ہونیکا موقع ملا اسکا تمول اتنا ہی زیادہ ہوا تقریباً اٹھارہ سو سال[1] یعنے خاندان طالمی کے زمانے سے تقریباً اس وقت تک جبکہ اہلِ پرتگال نے راس امید کے گرد جہازرانی میں کامیابی حاصل کی تمام بحری تجارت کی منڈی اور درمیانی مقام شہر اسکندریہ رہا ہے۔ رومی شہنشاہوں کو مصر کی مرفہ الحالی کا خاص طور سے خیال تھا اور انہوں نے بحر قلزم کی تمام بحری تجارت کا گویا بالکل ٹھیکہ لے لینے میں کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ انہوں نے کئی بحری مہمات وقتاً فوقتاً عرب کے جنوب مغربی ساحل پر اس لئے بھیجیں کہ عدن پر قبضہ کرکے عربوں کے ہاتھ سے ہندوستانی تجارت چھین لیں کیونکہ عدن اس وقت بھی ایسا ہی اہم مقام تھا جیسا کہ اب ہے۔ حقیقتہً رومیوں نے اس زمانے میں ان سمندروں میں وہی حیثیت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جو اب سولہ سو برس کے بعد انگریزوں کو حاصل ہوئی ہے۔ مگر وہ کامیاب نہو سکے۔ اگرچہ رومیوں کی بحری قوت عربوں کو بالکل بیدخل

[1] رابرٹسن کی کتاب ڈسکوئزیشن کنسرننگ اینشنٹ انڈیا۔

کر دینے کے قابل نہ تھی مگر فلیوین خاندان کے عہدِ حکومت میں بحری تجارت کا جو راستہ براہِ راست ایشیا تک تھا وہ تقریباً وہی تھا جو بہت سے الٹ پھیر کے بعد آجکل قائم ہو گیا ہے۔ اور وہ راستہ مصر سویز۔ عدن سے ہوتا ہوا بحرِ ہند کو عبور کر کے ہندوستان کے مغربی سواحل کے بندرگاہوں تک چلا آتا ہے۔ اہلِ پلمیرا نے خلیج فارس سے دریائے فرات میں ہو کر ملک شام تک مشرقی تجارت کے لئے ایک برّی راستہ نکالکر مشرقی تجارت اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی جس پر رومیوں کو رشک وحسد پیدا ہوا۔ اور شہر پلمیرا کی تباہی و بربادی کے اسباب میں سے یہ بھی ایک سبب ہو کر رہا۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ روما نے اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں تمام ایشیائی تجارت کے اصلی سرچشموں پر ایسا قبضہ کر رکھا تھا کہ آجتک سوائے برطانیہ عظمیٰ کے دول یورپ میں سے کسی اور طاقت کو نصیب نہیں ہوا۔ البتہ برطانیہ کو روما پر یہ مزید فوقیت حاصل ہے کہ علاوہ تمام تجارتی راستوں کے اس کے قبضے میں سلطنت ہند بھی ہے جس کو اس زبردست تجارتی چشمے کا منبع و مخرج ہونے کی حیثیت بجا طور پر حاصل ہے۔

خلفائے اسلام کے عہد میں عربوں کی یورشوں نے ان تمام متمدن سلطنتوں کو تہ وبالا کر دیا تھا جن کے قبضۂ وحفاظت میں بحرِ قلزم اور خلیج فارس کے تجارتی راستے تھے جب اسلامی فتوحات کا سیلاب مصر اور شام پر پھیل گیا تو قسطنطنیہ کو بحیرۂ روم کے شرقی حصے کی تجارتی منڈی کی حیثیت حاصل ہوگئی اور یورپ کی تجارت ہندوستان اور چین کے ساتھ اس راستے سے ہونے لگی جو وسط ایشیا کو عبور کر کے بحیرۂ اسود تک مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک کو الگ چھوڑتا ہوا جاتا تھا۔ فِن لے اپنی کتاب بزنطین امپائر میں لکھتا ہے کہ آٹھویں اور نویں صدی میں تمام یورپین تجارت کا مرکز قسطنطنیہ ہو گیا تھا اور اِس شہر کی سی حیثیت اس وقت تک کسی اور شہر کو نہیں حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت یونان کی بحری قوت تمام دنیا میں زبردست تھی لیکن اندرونی حکومت کی ناقابلیت۔ استبدادی تشدد۔ اور بیرونی حملوں نے سلطنت بزنطینی کو تباہ کر دیا۔ قسطنطنیہ کو زوال ہوتے ہی وینس اور جنیوا کو شانِ عروج حاصل ہوئی کیونکہ یہ دونوں شہر سمندر کے ان حصوں پر واقع تھے جو خشکی کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ اس لئے ایشیائی فتوحات کی تباہ کن زد سے محفوظ تھے۔ اہلِ وینس کی یہ حرکت نہایت کوتہ اندیشانہ رقابت پر مبنی تھی کہ جب چوتھی صلیبی جنگ کے لئے انہوں نے عیسائی فوجوں کو بحیرہ روم میں سے ہو کر مصر میں اُتارنیکا ٹھیکہ لیا تو اس پر بھی

باب اول
فصل اول

اصرار کیا کہ ان کو قسطنطنیہ کے خلاف مہم لیجانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ اس مہم کے ذریعے سے ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ یونانیوں کے ہاتھ سے نکلکر لاطینیوں کے قبضے میں آگیا۔ اس ضرب نے یونان کی مشرقی قوت کو مہلک صدمہ پہنچایا۔ اور روز بروز اسکی قوت مدافعت ترکی یورشوں کے مقابلے میں کم ہوتی چلی گئی۔ اس اثناء میں اطالوی شہر عموماً ایشیائی مال کو یورپ تک پہنچانیکا ذریعہ بنتے چلے گئے یہاں تک کہ پندرھویں صدی عیسوی میں یہ تمام سودمند کاروبار اس درجے اہلِ وینس کے توسّل سے ہونے لگا کہ ان کے واسطے یہ کہنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ تمام مشرقی تموّل ان کی مٹھی میں تھا۔

پندرھوں صدی کے آخر میں دنیا کی تجارت کی تاریخ میں دو زبردست واقعات یکایک اور تقریباً ساتھ ہی ساتھ پیش آئے۔ یعنے برِّ اعظم امریکہ دریافت ہوا اور راسِ امید کے گرد جہازرانی میں کامیابی ہوئی۔ ان کا اثر یہ ہوا کہ ایشیائی بحری تجارت کو نہایت وسعت حاصل ہوگئی۔ سواحلِ اوقیانوس پر جو شہر واقع تھے ان میں اور جنوبی ایشیا میں براہ راست سلسلۂ جہازرانی جاری ہوکر اس تجارت کے لئے خاص خاص راہیں کھل گئیں اور ایشیائی پیداوار کے عوض میں کثرت سے سیم وزر کی مقدار حاصل ہونے لگی۔ کرۂ ارض کے شرق وغرب میں نئے نئے ممالک دریافت کرنیکے شوق اور حوصلے نے جہازرانی کی شان وشکوہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اور اہلِ یورپ کی حرفتی فوقیت۔ بلند حوصلگی۔ اور دولتمندی نے انکو تمام کھلے سمندروں کی تجارت کا اجارہ دار بنا دیا۔ اِس نئے میدانِ عمل میں فوقیت حاصل کرنے کے لئے اقوامِ یورپ کی آپس کی رقابتیں بہت جلد شروع ہوگئیں۔ جبکہ پوپ الگزینڈر بورجیا نے اپنے اعلان مقدس کے ذریعے سے تمام نامعلوم غیر مسیحی دنیا کو اسپین اور پرتگال میں تقسیم کیا تو ہندوستان پرتگال کے حصّے میں آیا تھا۔ اہلِ پرتگال تمام پندرھویں صدی کے اثنا میں اپنی مملکت کی افریقہ کے مغربی سواحل پر توسیع کرتے چلے جارہے تھے مگر اس مقدس اعلان کے شائع ہوتے ہی انہوں نے پر پرواز پیدا کئے۔ اور غیر متنزلزل جوش وخروش کے ساتھ ہندوستان کے ساحل پر قلعہ بند نوآبادیاں قائم کرنی شروع کیں۔ بحرِ ہند کے تمام معرکے کے مقامات پر قبضہ جمانے لگے۔ اور قسطنطنیہ یا اسکندریہ کے مسلمان حکمرانوں کی طرف سے جو کوششیں ان سمندروں میں یورپ کے تفوّق کو کم کرنے کی ہورہی تھیں ان کو پے درپے شکست دینی شروع کی۔ یہ پرتگالیوں کی

باب اول
فصل اول

خاص اقبالمندی کی دلیل ہے کہ سلیمان اعظم بھی باوجود اپنے انتہائی عروج و قوت کے پرتگالیوں کو بحر ہند سے خارج کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا ورنہ اس کی کامیابی مشرقی عیسائی سلطنتوں کو روز بد دکھا کر رہتی ۔ ترکی سلطان کا اثر سولھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں بحیرۂ قلزم اور خلیج فارس پر چھایا ہوا تھا ۔ اور اس کا بیڑہ تمام بحر روم پر حاوی تھا ۔ اگر اس کے ساتھ ہی وہ ہندوستانی تجارت کو مصر اور شام والے پرانے برّی راستے پر قائم رکھ سکتا تو جو دولت اس کو حاصل ہوتی اس سے اس کی بری اور بحری قوت میں بے انتہا اضافہ ہوجاتا ۔ آجکل بھی آبنائے باسفورس پر ایک زبردست فوجی قوت جو ایشیائی تجارت پر قبضہ کئے ہوئے ہو نصف یورپ کو ہر وقت لرزہ براندام رکھ سکتی ہے اور تین سو سال پہلے تو اس کا مقابلہ محالات سے تھا ۔ بہرحال سلطنت وینس نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ اگر ایشیائی تجارت کا برّی راستہ بتدیل ہوکر بحری راستہ قائم ہوگیا تو خود اس کی بربادی کا سامان ہوجائیگا اس لئے اس سلطنت نے سلطان ترکی کی امداد پورے جوش و قوت کے ساتھ کی مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی ۔ جس وقت لزبن دارالحکومت پرتگال کے سفیر وینس نے اپنی حکومت کو یہ اطلاع دی کہ میں نے یہاں جہازوں کو ایشیا سے واپس آتے دیکھا ہے جن پر ہندوستانی مال لدا ہوا تھا تو اس کی حکومت نے فوراً محسوس کرلیا کہ ان کی اہم ترین تجارت کے سلسلے کے قطع ہوجانے کا خطرہ ہے ۔ غرض یہ کہ سولھویں صدی کے آخر زمانے تک اطالویوں کے ہاتھ سے وہ بیش بہا استحقاق یعنے ایشیائی تجارت کا سلسلہ جاتا رہا ۔ اور اسی زمانے سے ان کی تجارت و تموّل کے زوال نے یہ ثابت کردیا کہ ان کی دولتمندی اور توسیع مملکت کا اصل سرچشمہ کون سا تھا ۔ اب بحر روم اور بحر اسود کے سواحل سے ، اسکندریہ اور قسطنطنیہ سے ، وینس اور جنیوا سے ہندوستانی تجارت مستقل ہوکر مغربی یورپ کی ایک جہازراں قوم یعنے پرتگال کے ہاتھ میں آگئی ۔ ایک عرصے تک پرتگیزوں نے ہندوستان کے سمندروں میں اس تجارت کو سب سے چھین کر اس کا ٹھیکہ لے رکھا اور کسی پرتگیز بادشاہ نے کسی مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی تساہل یا تغافل نہیں کیا ۔ اور

باب اول
فصل اول

جنوبی ایشیا کے تمام ساحلوں پر خلیج فارس سے سیلون تک حاوی ہو جانیکے لئے برابر بحری مہمات بھیجیں۔ انہوں نے خلیج فارس کے بحری صدر مقاموں پر قبضہ کر لیا اور بحر قلزم میں بھی اپنی بحری فوقیت قائم کرنے کے لئے سخت جدوجہد سے کام لیا۔ لیکن ۱۵۱۷ء میں عثمانی سلطان نے مصر کو اپنی محروسات میں شامل کر لیا تھا اور ترکی بیڑہ پرتگیزوں کے لئے ناقابل تسخیر ثابت ہوا۔ گر پرتگیزوں کی فاتحانہ سرسبزی کا زمانہ مختصر ہوا۔ کیونکہ ۱۵۸۰ء میں اُن کی تمام قوت و حوصلہ مندی اِس سے خاک میں مِل گئی کہ اُن کا ملک اسپین نے فتح کر کے اپنی محروسات میں شامل کر لیا۔ لیکن اہل اسپین نے اِس زرین موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ انہیں ہندوستان کے بحری سفر اختیار کرنے کی زحمت گوارا کرنے کے بجائے امریکہ کی طلائی اور نقرئی معدنوں کو کھودنے میں زیادہ سہولت معلوم ہوئی اور بجائے اپنے سیم و زر کو صرف کرنے کے اس کو جمع کرنا زیادہ پسند کیا۔ اسپینی تجارت در اصل حکومت کے قبضے میں تھی اور خود حکومت کی اصلی غرض توسیع مملکت تھی نہ کہ ترقی تجارت کیونکہ وہ سونے اور چاندی کی کانوں پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ رومیوں کے زمانے سے آجتک ہندوستانی تجارت کیلئے یورپ کا سیم و زر کھچتا چلا آیا ہے۔ لیکن اہل اسپین کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی جو عرصے تک یورپ میں بھی قائم رہی کہ سیم و زر کی برآمد سے ملک کی دولت کھچکر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ اسپین سے سیم و زر کی نکاسی سخت ممنوع ہونے کی وجہ سے اُن کی ایشیائی تجارت کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا۔ یہ غلط اصول یورپ کی بیرونی تجارت کے فروغ و ترقی کا پوری طور سے سدراہ ہوا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی پر سترھویں صدی میں اکثر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے سیم و زر باہر لیجا لیجا کر انگلستان کو مفلس کر دیا ہے اور یہ بہت ہی تھوڑے زمانے کی بات ہے کہ بحری تجارت پیشہ طبقات نے غیر اور دور دراز ممالک سے حاصل کئے ہوئے تجربات کی مدد سے یہ سمجھنا شروع کیا کہ ہر قیمتی معدن کا سیماب کی طرح یہ خاصہ ہے کہ اگر اس کو اپنی قدرتی سطح نہیں ملیگی تو وہ اپنی قیمت سے گر جائے گی۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ سولھویں صدی کے آخر زمانے تک یورپ کی تجارت

باب اول
فصل اول

بحیرۂ روم کے بندرگاہوں سے۔ اسکندریہ اور قسطنطنیہ سے، وینس اور جنیوا سے منتقل ہو کر بحر اوقیانوس اور بحر شمالی کی جہاز راں قوموں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ سیدھا بحری راستہ دریافت ہو چکا تھا۔ اور مغربی قوموں میں تجارتی رقابتیں چھڑ چکی تھیں۔ بحری سلسلۂ آمد و رفت نے یورپ اور ایشیا کے درمیان ایسے امور متعلقہ پیدا کر دیئے کہ رفتہ رفتہ مگر یقینی طور پر دونوں براعظموں کے تعلقات پیوستہ تر ہوتے چلے گئے۔ اور ان تعلقات نے دونوں براعظموں کی تاریخ مابعد پر معتدبہ اثر ڈالا جہاز راں قوموں کی سیاسیات کو پوری طور پر متاثر کیا اور ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ اسی کے ہاتھ ہوا۔ جبکہ ملکہ الزبتھ نے ۱۵۷۸ء میں ہالینڈ کی آزادی کے اعلان کو تسلیم کر کے اسپین کے ساتھ جنگ مول لے لی تو انگلستان اور ہالینڈ کی متفقہ بحری فوجیں پرتگال کی ایشیائی نو آبادیوں کی طرف جو سب کی سب اس وقت تخت اسپین سے متعلق ہو گئی تھیں متوجہ ہوئیں۔ اسپین سے بغاوت کرنیوالے متحدہ صوبجات کی شاہ اسپین فلپ ثانی کے خلاف متفقہ اور شدید جہد حیات نے اسپین کے جہازوں کو مشرقی سمندر و نکے پروٹسٹنٹ تاجروں کے انتقامی حملوں کے سامنے بے پناہ کر دیا تھا۔ ادھر ۱۵۸۸ء میں اسپنش آرمیڈا پر شاندار فتح حاصل کر لینے سے انگلستان کی ہمت بہت ہی بڑھ گئی تھی یہاں تک کہ انگریزی سوداگروں نے ملکہ الزبتھ کی خدمت میں ایک یادداشت اس مضمون کی پیش کی کہ اُن کو ممالک مشرق میں تجارت کرنے اور قسمت آزمانے کی اجازت عطا فرمائی جائے اور سلطنت کی طرف سے مناسب ہمت افزائی بھی کی جائے۔ انہوں نے اپنی یادداشت میں لکھا کہ "اس قسم کی تجارت سے رفتہ رفتہ ملکی جہاز رانی۔ حوصلہ مندی اور بحری قوت میں بالکل اسی طرح اضافہ ہوتا چلا جائے گا جیسا کہ پرتگالی بیڑے کی حالت میں ہوتا چلا گیا تھا" مگر اسپین نے انگلستان کے اس مشرقی تجارت کے اجارے میں دخل دینے پر اس درجہ اظہار ناراضگی کیا کہ ملکہ الزبتھ کی پریوی کونسل کو ۱۵۹۹ء میں اٹھارہ مہینے تک اپنے تاجروں کو اس قسم کا کوئی حکمنامہ عطا کرنے کا کام ملتوی رکھنا پڑا کیونکہ اس وقت اسپین کے ساتھ معاہدہ صلح کے متعلق گفت و شنید ہو رہی تھی۔ لیکن جب ممالک مشرق کی طالع آزمائی کے شوقینوں نے برابر اپنی استدعاؤں کو

جاری رکھا تو انجام کار سنہ ۱۶۰۰ء میں لندن کمپنی کو ایک حکم نامہ میعادی پندرہ سالہ سلطنت کی طرف سے عطا فرمایا گیا کمپنی کو اپنے اختیارات دینے والا فرمان ایک عظیم الشان حوصلہ مندی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اب تک اپنی پرانی حیثیت پر قائم ہے۔ اس سے ایشیا کے اس سرچشمۂ تجارت کے مخرج اور مجری کا پتہ چلتا ہے جس کے برابر بڑھتے رہنے والے سیلاب نے انگریزی قوم کے زور و زر میں روز افزوں اضافہ کیا۔

اگرچہ ہالینڈ نے اہل اسپین کے خلاف ایشیا کے اس تجارتی اجارے میں علانیہ دراندازی شروع کر رکھی تھی مگر یہ وہ وقت تھا جبکہ یورپ میں ایشیا کے ساتھ آزادی و امن سے تجارت کرنا ایک بین الاقوامی استحقاق تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ یورپ کا ہر ملک پوری جد وجہد کے ساتھ اس سودمند تجارت کا بڑے سے بڑا حصہ اپنے قبضے وتصرف میں لانے اور تمام دخل اندازوں کا قدم درمیان سے نکال لینے میں مشغول تھا اور اس تجارت پر مکمل قبضہ اور قابو حاصل کر لینے کے لئے برابر کشاکش باہمی جاری تھی۔ ہر ایک اپنی بحری بیرونی فتوحات میں اسی طرح سرگرم کار تھا جیسے ملکی اندرونی فتوحات میں ہونا چاہیئے۔ اور اپنے منطقۂ تجارت میں قدم رکھنے والوں پر ایسی بے دردی اور بے جگری سے حملہ کرتا تھا جیسے کسی اپنے دشمنِ وطن پر کرنا چاہیئے۔ سولھویں صدی کے آخر زمانے میں مشرقی ممالک کے ساتھ تجارت کرنے کے جملہ حقوق کو اہل اسپین نے اپنے لئے بطور شاہی حقوق کے محفوظ کر رکھا تھا۔ ہندوستانی سمندر اُن کے بحور محروسہ سمجھے جاتے تھے۔ اور وہ سواحل ہند پر کسی یورپین قوم کو سوائے اپنے کوئی بندرگاہ قائم رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ وہ علی الاعلان کہتے تھے کہ "ممالک مشرق و مغرب (ایشیا اور امریکہ) ہمارے گھر ہیں جن پر سوسال سے زیادہ عرصے سے ہمارا ذاتی قبضہ ہے۔ اور کسی کو بلا ہماری خاص اجازت کے اُن میں قدم رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے"۔ اِن وسیع ممالک پر دراصل اس وقت اہل اسپین کو وہی دعویٰ تھا جو آج کل انگریزوں کو سلطنت ہند پر ہے۔ سفیر انگلستان سے اسپین کی ممالک مشرق و مغرب کی نگران مجلس کے پریذیڈنٹ نے صاف لفظوں میں

باب اول
فصل اول

کہہ دیا تھا کہ "اِن ممالک میں بلا اجازت مداخلت کرنے والوں کی سزاؤں میں مجھکو رحم و انصاف کے مقابلے میں جبر و تشدد زیادہ پسند ہے"۔ اور آزاد تجارت کا اصول جو دیگر ممالک میں رائج ہے وہ اِن ممالک پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قانون اقوام کی رو سے یہ ممالک اسپین کے مقبوضات ہیں۔ ۱۶۰۵ء میں اہل اسپین نے ہالینڈ کے ہر باشندے کے لئے جو ممالک مشرق کے ساتھ تجارت کرنے کی جرأت کرے سخت ترین سزا مقرر کی تھی۔ لیکن اسپین اور اس کے باغی صوبوں کی جنگ یورپ و ایشیا میں یکساں شدت و سختی کے ساتھ ہوتی رہی اور اس سے سواحل ہند کے پرتگالی مقبوضات کا زوال تیزی کے ساتھ شروع ہوگیا۔ آبنائے لکا اور بحر چین میں کئی شدید اور خونریز لڑائیاں ہوئیں جن میں فتح کے بعد بھی بیرحمانہ قتل عام سے کام لیا گیا۔ اُس گفت و شنید صلح میں جس کی رُو سے ہالینڈ کی آزادی کو بالآخر اسپین نے تسلیم کرلیا اہم ترین امر متنازعہ فیہ مشرقی تجارت کا مسئلہ تھا۔ شاہ اسپین نے ۱۶۰۸ء میں اِس پر رضامندی ظاہر کی کہ اگر ہالینڈ اپنی طرف سے ایشیائی جہازرانی کے حق سے دست بردار ہو جائے تو اسپین اپنے متحدہ باغی صوبوں کی خود مختاری کو تسلیم کرلیگا۔ لیکن اہل ہالینڈ نے اِسی حق کو اپنی سلطنت کی سب سے قیمتی جائداد سمجھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان دونوں بحری سلطنتوں کے قیام و استحکام کا اصل ذریعہ ہندوستانی تجارت ہے۔ وہ اس کو محسوس کرتے تھے کہ اس استحقاق کے چھوڑ دینے سے وہ تباہ ہو جائیں گے اور اس کو حاصل کرنے سے اس کو یہ موقع ملتا رہے گا کہ جب کبھی اس پر اسپین کی طرف سے یورپ میں جبر و تشدد کیا جائے تو اس کا انتقام وہ اسپین کے ایشیائی مقبوضات سے لے سکیں۔ غرض یہ کہ ہالینڈ نے مشرقی ممالک میں آزادی کے ساتھ تجارت کرنیکا استحقاق حاصل کرلینے پر یہاں تک اصرار کیا کہ اسپین کے لئے چارۂ کار نہ رہا۔ گو کوئی علانیہ معاہدہ نہیں ہوا مگر فریقین میں ایک اندرونی سمجھوتہ ضرور ہوگیا۔

باب اول
فصل دوم

فصل دوم

ہالینڈ۔ انگلستان۔ فرانس

عجیب بات یہ تھی کہ ہالینڈ کو ایک طرف تو اسپین کے مقابلے میں آزادی تجارت کے حصول کا دعویٰ تھا۔ دوسری طرف ہالینڈ خود اس تجارت کا بالکل اجارہ دار بنا رہنا چاہتا تھا ۱۵۹۷-۱۶۰۰ء کے درمیان میں ہالینڈ کے جہازوں نے پہلے پہل راس امید کے گرد چکر لگا کر ایشیائی سمندروں میں داخلہ حاصل کیا مگر یہاں اُن کو اسپین کی فوجوں کے ہاتھوں بہت سختی اور خونریزی برداشت کرنی پڑی ۱۶۰۲ء میں ہالینڈ میں یونی ورسل ایسٹ انڈیا کمپنی یعنے عالمگیر تجارتی کمپنی قائم کی گئی۔ اس میں آزاد شدہ صوبہ جات متحدہ نے عام طور پر حصہ لیکر بہت بڑا سرمایہ فراہم کیا۔ راس امید کے مشرقی ممالک اور آبنائے مجیلان کے مغربی ممالک کے ساتھ تجارت کرنیکا اِس کمپنی کو اجارہ دیا گیا۔ ممالک متحدہ کی طرف سے فوجوں سے کام لینے کے لئے فوجی افسر مقرر کرنے اور صلح و جنگ کے اعلان کرنے کے پورے اختیارات اِس کمپنی کو تفویض کئے گئے۔ زبردست بیڑے تیار کر کے اس غرض سے روانہ کئے گئے کہ ہندوستان کے ساحلوں اور گرم مصالحہ پیدا کرنیوالے جزیروں سے اسپینی اور پرتگالیوں کو نکال باہر کریں۔ ہالینڈ کی نوآبادیات قائم کریں اور ہالینڈ کی طرف سے تمام مشرقی تجارت پر اسی طرح قبضہ کریں جس طرح دشمن کے کسی ملک پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ایک کمپنی کی حیثیت سے انگریز بھی ایشیائی تجارت کے میدان عمل میں پہلے پہل قدم زن ہوئے تھے۔ اسلئے ہالینڈ کی اِن کارروائیوں میں ابتداءً انگریزوں کی بھی شرکت و امداد رہی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے تک اگرچہ یورپ میں یہ دونوں برسر اتفاق رہے مگر ایشیا میں باہمی اختلاف شروع ہوگیا۔ اور ۱۶۱۱ء میں لندن کمپنی نے اپنی سلطنت سے اِستدعا کی کہ

باب اول
فصل دوم

ہالینڈ کی دست برد سے ہماری حفاظت کی جائے اور ہمارے نقصانات کی تلافی کرائی جائے کیونکہ وہ ہم کو ممالک مشرق کی تمام تجارت گاہوں سے نکالے دیتے ہیں چنانچہ ایک متحدہ کمیشن بغرض تصفیہ مقرر کیا گیا مگر ہالینڈ نے گرم مصالحے کی تجارت کا اجارہ دار ہونے کا دعویٰ کیا اور کوئی باہمی تصفیہ نہ ہو سکا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی ابتدائی تجارت کا کچھ اندازہ بتا دیا جائے۔ ڈچ کمپنی کے قبضے میں اکیاون جہاز ممالک مشرق میں کام کرنے والے تھے۔ اس کمپنی کا سرمایہ بذریعہ حصص کے نولاکھ پونڈ تھا اور چار لاکھ پونڈ سود پر قرض لیا گیا تھا۔ انگریزی کمپنی نے ۱۶۱۵ء میں دو جہازوں کے مال پر صرف محصول سائر چودہ ہزار پونڈ ادا کیا تھا۔ اور ۱۶۱۶ء میں صرف ایک جہاز پر ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ سے زائد کا مال بار ہو کر آیا تھا۔ ہالینڈ نے یہ تجویز بے شک پیش کی تھی کہ ڈچ اور انگریزی کمپنیاں اپنے سرمائے کو ایک جگہ کرلیں تاکہ ایک متحدہ کمپنی قائم ہو جائے۔ نیز اپنے میدان عمل کو تقسیم کرلیں اور اپنی فوجوں کو متحد کر کے مشرقی ممالک سے اسپین کو بالکل نکال باہر کریں۔ مگر اور وجوہ کے علاوہ چونکہ جیمز اول شاہ انگلستان اس وقت اسپین کی دوستی کا جویا تھا اس لئے یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔ غرض یہ کہ اس بے انتہا سود مند تجارت کے میدان عمل تقسیم کرنے اور اپنے اپنے حدود میں قائم رہ کر اپنے اپنے حصے سے فائدہ اٹھانے کی تمام ابتدائی کوششیں۔ اور رقابت و مخالفت کا تصفیہ کرنے کے تمام سمجھوتے جو ہالینڈ اور انگلستان میں ہو سکتے تھے متذکرۂ صدر موانع کی وجہ سے جوں کے توں رہ گئے اور ایک نہ ایک دن چھڑ جانے والی جنگ کے خطرات روز بروز زیادہ پیچیدہ اور شدید ہوتے چلے گئے۔ یہ دونوں پروٹسٹنٹ قومیں یعنے انگریز اور ڈچ صرف ایک امر پر دلی اتفاق رکھتی تھیں۔ یعنے دونوں کو اہل اسپین و پرتگال سے شدید خصومت تھی۔ دونوں نے سواحل ہند سے مار مار کر پرتگیزوں کو نکال باہر کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اور اتفاق سے ۱۶۱۳-۱۶۱۵ء میں ایک بڑے جہاز پر پرتگیزوں نے زبردستی قبضہ بھی کر لیا تھا اور اسی جہاز کی ایک حصہ دار مغل شہنشاہ کی والدہ مکرمہ تھیں۔ اس لئے دربار مغلیہ میں پرتگالیوں کے خلاف بُرے خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں انگریزی کمپنی کے جو مراسلات

لندن میں وصول ہوتے تھے وہ پرتگیزوں کے ساتھ خونریز لڑائیوں کی تفصیلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک خاص مراسلے میں سورت میں چار پانسو پرتگالیوں کے قتل کئے جانے۔ جلا دیئے جانے اور غرقاب کئے جانیکا حال درج ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ قتل و غارت کے افسانے ایک معمولی خط میں درج ہیں اور لکھنے والا بے تکلف بغیر کسی اندرونی احساس کا اظہار کیئے اِن واقعات پر عبور کر کے قیمت اشیا کی تفصیل درج کر جاتا ہے۔ اور اس قسم کے رنگوں کا حال لکھتا چلا جاتا ہے جو ہندوستانی آب وہوا میں پکے نہیں رہتے ہیں۔ بہرحال ۱۶۱۵ء تک پرتگال کی تجارت کو حد سے زیادہ زوال ہوگیا۔ اور اسپین نے پرتگال کے اس بڑھتے ہوئے اِفلاس کا کوئی تدارک نہ کیا تھا۔ برخلاف اِس کے ہالینڈ کی حکومت نے اس تجارت کو سلطنت کا سب سے اہم معاملہ سمجھا اور بڑی بڑی رقموں سے کمپنی کی امداد کی۔ لیکن پرتگال کی جگہ ہالینڈ کا رقیب تجارت بن جانا انگلستان کے لئے کسی طرح مفید نہیں تھا۔ خاندان اسٹوارٹ کے پہلے دو بادشاہوں کے زمانے سے انگلستان کی سیاسیات کی حالت کبھی اسپین اور کبھی فرانس کی دوستی حاصل کرنے کی خاطر برابر مذبذب ہوتی رہی تھی اور اسی سے ہالینڈ کے دل میں انگریزوں کی طرف سے غیریت کے خیالات برابر بڑھتے چلے جاتے تھے جن کو مشرقی تجارت کی رقابتوں سے اور ترقی مِل گئی۔ چنانچہ پوری سترھویں صدی کے دوران میں ہالینڈ اور انگلینڈ کے درمیان متواتر کشاکش و آویزش کی تفصیل سے انگلستان کے مشرقی تاریخی کارنامے بھرے پڑے ہیں۔ اور یہ تمام آویزشیں ہندوستانی تجارت کے میدان میں بازی لیجانے اور اس کی اشاعت و ترقی کے لئے ضروری مقامات پر قبضہ حاصل کرنے کے لیئے وقوع میں آئیں۔ ہالینڈ نے رفتہ رفتہ اکثر پرتگیزی نوآبادیوں پر قبضہ حاصل کرلیا تھا۔ اور اس کو تمام مشرقی سمندروں اور جزیروں میں دولت عظمیٰ ہونے کا دعویٰ تھا۔ اور اسی وجہ سے ہالینڈ کا مقابلہ اکثر انگلستان سے ہوجاتا تھا گر انگلستان کی طاقت ابھی ان سمندروں میں زیادہ نہ تھی اور جیمس اول اور اس کے بیٹے چارلس کی متلون اور غیر مستقل حکومت کی طرف سے اِن حوصلہ مند تاجروں

باب اول
فصل دوم

کو کچھ بھی مدد نہیں ملتی تھی اس لئے انگلستان اس وقت ہالینڈ کی ٹکر کا نہیں تھا۔
یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اس زمانے کی اصطلاح میں ممالک مشرق صرف ہندوستان ہی کو نہیں کہتے تھے بلکہ ہندوستان کے علاوہ خلیج بنگال۔ آبنائے ملکا کے مشرقی ممالک۔ جاوا۔ سیام اور مشرق اقصیٰ میں جو گرم مصالحہ پیدا کرنیوالے جزیرے بحر چین تک واقع تھے مثلاً سیلیبیس اور مولکاس وغیرہ سب ممالک مشرق میں شامل تھے۔ انگریزی کمپنی نے چین وجاپان کے ساتھ بھی بڑی شدومد سے تجارتی تعلقات قائم کر لئے تھے۔ منافع کی یہ حالت تھی کہ اگر سو فیصدی سے کچھ کم بھی ہوتا تو اُسے خاصہ منافع کہا جاتا تھا۔ سترھویں صدی کے نصف اولیٰ میں گرم مصالحے پیدا کرنیوالے جزیروں کی تجارت کو بہت ہی اہم اور سودمند سمجھا جاتا تھا[۱] اور کیونکہ اسی تجارت پر حقیقتہً ہالینڈ اور اہل ہالینڈ کی خوشحالی و سرسبزی کا انحصار تھا اس لئے اس سے انگریزوں کو بالکل بے دخل کر دینے کا انھوں نے عزم بالجزم کر لیا تھا۔ ہالینڈ نے فی الواقع آبنائے ملکا سے آگے کے مشرقی سمندروں میں انگریزی کمپنی کو یہاں تک تنگ کیا اور ان کے کاروبار کا اس درجہ مانع ہوا کہ انگریز آہستہ آہستہ اس قطعے سے قدم ہٹانے لگے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ اپنی تجارت کو سواحل ہند اور ملحقہ ممالک کی طرف منتقل کرتے چلے آئے۔ اِس طرح مجبور ہو کر انگریزوں میں روز بروز اپنے تمام کاروبار کو ہندوستان کے بندرگاہوں اور کارخانوں پر مجتمع کرنے کا اور سلطنت مغلیہ سے تعلقات قائم کرنے کا رجحان پیدا ہوتا گیا۔ اور اِن قدرتی اسباب پر نظر کر کے ہم بہت کچھ اُن دوراز کار نتائج کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو انگریزوں کے زمانۂ مابعد کے عروج و توسیع حکومت کی رفتار و ترقی میں معین و مددگار ہوئے۔
غرض یہ کہ اس طرح گرم بازاری کی رقابتوں نے سند یافتہ کمپنیوں کے سلسلے

---

[۱] سنہ ۱۶۰۶ء میں ایک انگریزی جہاز پر لونگ بار ہو کر آئی تو اسکا منافع دوسو چونتیس فی صدی حاصل ہوا۔ منقول از بروس کی کتاب "اینلز آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی"۔

قائم ہونے میں ایک تحرک پیدا کردیا کیونکہ ایشیائی سمندروں کے تاجروں کو اپنا راستہ خود صاف کرنا اور اپنی حیثیت خود قائم رکھنی پڑتی تھی۔ ان کو اپنی سلطنتوں کی طرف سے ایشیا میں کسی قسم کی امداد پہنچنے کی توقع نہ تھی اور اپنے یورپ والے ہمچشموں سے بیرحمی اور خصومت کے سوائے اور کیا امید ہوسکتی تھی۔ ان جہازراں قوموں کی نظروں میں ملک سے زائد مال اور فتح سے زائد تجارت کی قدر و قیمت تھی۔ چونکہ اقوام یورپ میں یہ سمجھوتہ سا ہو رہا تھا کہ سیاسی تعلقات کا اثر مقررہ خطوط طول البلد سے آگے تک قائم نہیں رہتا۔ اسلئے ممالک بعید سے تجارت کرنے کے لئے مناسب جائے قیام پر قبضہ کرنے اور جہازوں پر فوجیں رکھنے کی ضرورت تھی۔ ہر اکیلے جہاز کے واسطے گرفتار ہو جانے یا ڈبو دیئے جانے کا خطرہ تھا۔ کسی بندرگاہ پر ہر چھوٹی سی نوآبادی کو قرب وجوار کے دیسی حاکموں یا ناظموں کے ہاتھوں مضرت وایذا پہنچنے یا بالکل لوٹ لیئے جانے کا ڈر لگا رہتا تھا۔ اور یورپین ہمچشموں کی طرف سے بالکل یقین تھا کہ وہ تمام کاروبار کو غارت و برباد کردینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے۔ فرانس اور اسپین کے درمیان ۱۵۹۸ء میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے جزائر کناری کے مغربی اقطاع میں حدود اختیارات تقسیم ہوگئے۔ اگرچہ اسپین و پرتگال کو مشرق میں بہت کچھ مذہبی و سیاسی اختیارات کا ادعا تھا مگر یہ ایسے غیر مستقل اور ناقابل لحاظ تھے کہ یورپ کے بین الاقوامی قوانین نے انکا اثر قبول نہیں کیا تھا۔ بہرحال سندیافتہ کمپنیوں نے موجودہ صورت واقعات کا مقابلہ کرنے اور حسب ضرورت مقبوضات حاصل کرکے تجارت کو ترقی دینے کے لیئے ایک خاص حکمت یہ ایجاد کرلی تھی کہ فرمان عطا کرنیوالی سلطنت اپنی اس تجارت پیشہ رعایا کی باہمی آویزشوں اور بے عنوانیوں کی ذمہ دار یا جوابدہ نہیں قرار دی جاتی تھی۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس فرمان کے ذریعے سے بعض شاہی اختیارات خاص خاص معاملات میں کمپنی کو تفویض کردیئے جاتے تھے گویا ایک طرح سے وہ ذاتی ذمہ داری پر صلح وجنگ کا اجازت نامہ تھا۔ اور اس عطائے اختیار کے طریقے نے اس وقت سے

باب اول
فصل اول

اب تک ایک طویل سلسلۂ واقعات ایسا پیدا کردیا ہے جو اب تک جاری ہے اور بجائے خود نہایت تعجب خیز تاریخ ہے ۔

ہم یہ امر واقعہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اصول اختیار و انتظام جس کی امداد سے ہماری ہندوستانی سلطنت کی بنیاد قائم ہوی دراصل اُس بے اصول اور اتفاقیہ طریق قسمت آزمائی سے بالکل مختلف ہے جس پر عام فہم لوگ سلطنت ہند کے قیام کو مبنی سمجھتے ہیں ۔ بلکہ فی الحقیقت ایک آزاد اور متمول قوم کے ہاتھ میں یہی اصول اختیار اور انتظام توسیع تجارت و نو آبادیات کا آلہ و ذریعہ بن گیا ۔ جس خوان یغما پر کشاکش ہوتی تھی وہ مغربی یورپ اور ایشیا و بحر قلزم کے بندرگاہوں سے چین و جاپان تک کے درمیان تجارت کا کوئی حصہ یا اس پر پورا قبضہ حاصل کرنا تھا ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدیم نوشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساحل عرب یا خلیج فارس یا سواحل غرب ہند سے شمال مشرق چین تک برّاعظم ایشیا کا کوئی مقام یا جزیرہ ایسا نہیں بچا تھا کہ جس پر تجارت ہو سکتی ہو اور یورپین اقوام اپنے استحقاق و استفاضے کے لیئے جان توڑ کوششوں اور سخت آمیزشوں میں مصروف نہ رہی ہوں ۔ جس ارمغان کی خاطر یہ تمام جد و جہد کی جاتی تھی اس کی قدر و قیمت سے متخاصمین اس وقت بھی واقف تھے اور زمانۂ مابعد کی تاریخ نے اچھی طرح ثابت کر دکھایا ہے کہ ان رقیبوں کی ملکی دولت قومی آزادی اور سیاسی عظمت کا انحصار اس غیر ملکی تجارت میں فتح یا شکست حاصل کرنے پر تھا ۔ یہ بیرونی درآمدیں ہی تھیں جن کے محاصل سے اسپین کی زبردست بری اور بحری فوجوں کی کفالت ہوتی تھی ۔ یہ بحری تجارت ہی تھی جس نے جمہوریہ ہالینڈ کی غیر متزلزل قوتِ مدافعت کو برابر قائم رکھا ۔ اور یہ عالمگیر کاروبار رہی ہے جس پر انگلستان کی عظمت و شوکت منحصر ہے ۔ سترھویں صدی میں بحری درآمد و برآمد ایشیا کے ساتھ مال کی خرید و فروخت پر منحصر تھی ۔ اور ہر قومی سلطنت بالواسطہ یا بلاواسطہ اس میں حصہ لینے کی کوشش کرتی تھی ۔ سب سے پہلے جہازرانوں کا تعلق اسپین اور پرتگال کی شخصی حکومتوں سے تھا اور

باب اول
فصل اول

انھوں نے حقوق جہازرانی اور قطعات ارض پر اپنی سلطنتوں کے نام سے قبضہ کیا۔ اور ان سلطنتوں نے فوراً ان تمام مفتوحات کو جزو سلطنت قرار دے لیا۔ مگر جمہوریہ ہالینڈ اور اس کی ایسٹ انڈیا کمپنی میں بھی نہایت قریبی تعلقات تھے۔ ایک انگریزی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۰۲ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے شرکا میں اکثر ممبران پریوی کونسل عمائدین ملک۔ گیارہ فوجداری حکام اور جاگیردار شامل تھے اور اس کا خالص سرمایہ سولہ لاکھ پونڈ تھا۔ ۱۶۱۷ء میں جبکہ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی دوسری فہرست سرمایہ کھولی تو صرف لندن میں سولہ لاکھ بیس ہزار چالیس پونڈ کے حصے فوراً خرید کر لیئے گئے۔ اور ۱۶۲۲ء کے حسابات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مال جو تین لاکھ چھپن ہزار دو سو اٹھائیس پونڈ کا خرید کیا گیا تھا وہ انیس لاکھ چودہ ہزار چھ سو پونڈ میں انگلستان میں فروخت ہوا۔ فی الحقیقت یہ دونوں کمپنیاں اس وقت میں ایسی تھیں کہ بہ اعتبار اپنے وسائل و قوت کے چھوٹی موٹی سلطنت کی ہمسری کرتی تھیں۔ مگر دونوں کمپنیوں میں ایک خاص فرق یہ تھا کہ ڈچ کمپنی کے ساتھ اس کی سلطنت بطور ایک شریک کے مخلوط سی ہو رہی تھی اور انگریزی کمپنی نے ابتدائے قیام سے اٹھارہویں صدی کے آخر تک وہ روش اختیار کر رکھی تھی کہ انگریزی سلطنت کی حیثیت کسی طرح سے ایک نفع نقصان کے شریک کی سی نہیں تھی نہ اس کی وجہ سے وہ اپنے کو خطرے میں ڈالتی تھی اور نہ کسی بات کی ذمہ دار تھی البتہ وقتاً فوقتاً منافع میں سے حصہ بٹانے یا تجدید اجازت نامے کے وقت نذرانۂ عظیم لینے کے لیئے سلطنت دخل دیا کرتی تھی۔ جیسے کسی چلتے ہوئے کام میں کوئی گھر بیٹھا ساجھی ہو کہ ہر وقت اپنی آرام کی نیند سوئے جائے۔ اور کسی وقت اگر کوئی جمہوری قومی مفاد یا نقصان کا تقاضہ ہو تو آنکھ کھولے اور ذرا سا ہاتھ بٹا دے اور بس اس طرح سلطنت کی امداد سے بہت کم متوقع ہو کر اور زیادہ تر اپنے ہی وسائل پر بھروسہ کر کے انگریز کمپنی جو کچھ کرتی تھی اپنی ہی دولت اور قوت کے بہتے پر کرتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں اس کو بہت سے مخدوش انقلابات سے دوچار ہونا پڑا وہاں اس نے بہت سی مستقل مہمات بھی سر کر لیں ؛

جس کثرت سے غیر ضابطہ جنگیں سولھویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک

باب اول
فصل اول

یورپ کی جہازراں قوموں میں لڑی گئی ہیں ان کا اندازہ کرنا آج کل کے زمانے میں جب کہ بین الاقوامی قوانین اور عالمگیر سیاسیات کا دور دورہ ہے مشکل ہے اگر ہندوستان یا خلیج فارس کے انگریزی تاجر اپنی شکایات اور تنازعات اہل ہالینڈ یا فرانس یا پرتگال کے خلاف ہر مرتبہ اپنی سلطنت تک پہنچا کر تلافی چاہنے کے محتاج رہتے تو اب تک ان کا نام و نشان کبھی کا مٹ چکا ہوتا۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے ہتھیار خود سنبھالے۔ اور ان کی فوجی کارروائیاں بعض اوقات بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً ۱۶۲۲ء میں انگلستان اور پرتگال کے درمیان باضابطہ صلح تھی۔ اس زمانے میں پرتگال اسپین کے ماتحت تھا۔ لیکن بحر ہند میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی پرتگیزوں سے شدید جنگ میں مصروف تھی کیونکہ پرتگیزوں نے کمپنی بہادر کی تجارت میں دخل دیا تھا اور اس کے جہازوں کو پریشان کیا تھا۔ اس سلسلے میں انگریزی کمپنی نے سورت میں ایک چھوٹا سا بیڑہ مسلح کیا اور اسے خلیج فارس میں شاہ عباس شاہ ایران کی امداد کے لئے روانہ کیا تا پرتگیزوں کو جزیرۂ ہرمز سے نکال دینے میں مدد دے جس پر پرتگالیوں نے ایک صدی سے قبضہ کر رکھا تھا اور جس کی وجہ سے تمام خلیج فارس بالکل ان کی زد میں تھی۔ ایرانی فوجوں کی امداد سے یہ مہم نہایت تکمیل کے ساتھ سرانجام ہوئی۔ قلعے پر باقاعدہ گولہ باری کی گئی اور پرتگالی شاہی بیڑے سے باضابطہ بحری جنگ ہوئی یہاں تک کہ جزیرے پر قبضہ حاصل ہو گیا قلعہ جات مسمار کر دئے گئے اور پرتگیزی اسیروں کو گووا روانہ کر دیا گیا۔

کوئی تحریری اطلاع اس امر کی موجود نہیں ہے کہ حکومت پرتگال نے اس بے ضابطگی پر یورپ میں کوئی احتجاج کیا ہو۔ درانحالیکہ موجودہ زمانے میں تمام سیاسی حلقوں میں ایسے واقعے سے ایک ہلچل پیدا ہو جاتی۔ البتہ یہ نوشتہ تو موجود ہے کہ شاہ انگلستان جیمس اول اور ڈیوک آف بکنگھم امیر البحر اعلیٰ نے کمپنی سے سلطنت کے حصے کی ایک رقم خطیر طوعاً و کرہاً وصول کی۔ پھر ایک مرتبہ کمپنی نے پرتگیزوں کی چیرہ دستیوں کا تدارک کرنے کے لئے ایک اور بیڑہ تیار کر کے بھیجنے کی اجازت طلب کی تو ڈیوک آف بکنگھم نے پھر ایک معقول نذرانہ وصول کیا اغلب یہ ہے کہ اگر جزیرۂ ہرمز کا معاملہ یورپ میں اٹھایا بھی جاتا تو انگریزی کمپنی بہت سی بے ضابطگیاں اور دراز دستیاں

باب اول
فصل اول

پرتگیزوں سے منسوب کر کے اپنی بے عنوانی کی توجیہ کر لیتی کیونکہ جو قومیں اس وقت مشرقی تجارت میں سرگرم تھیں ان کو اپنے رقیبوں کے مقابلے میں اس قسم کے اخلاقی اور تمدنی اصول کا بہت کم پاس ولحاظ رہتا تھا۔

اہل ہالینڈ اگرچہ ضابطے کی رو سے انگریزوں کے جانبدار اور اتحادی تھے لیکن وہ ایشیا میں پرتگیزوں سے بھی زیادہ خطرناک دشمن ثابت ہوئے۔ اور ایسے ایسے صدمے انگریزی مشرقی تجارت کو پہنچانے لگے کہ انگریزی کمپنی کیلئے انکا برداشت کرنا محال ہو گیا۔ چنانچہ یہ دونوں کمپنیاں تیزی کے ساتھ ایک ناگزیر جنگ کی طرف قدم زن ہوئیں جس کو نہ کوئی بین الاقوامی قانون روک سکتا تھا نہ جنگی قواعد تھام سکتے تھے۔ اور جس میں متخاصمین کے واسطے یہ بالکل جائز تھا کہ اپنے مد مقابل کو بالکل برباد و غارت کر دینے کے لئے نہ کوئی دقیقہ اٹھا رکھیں اور نہ انکو دم لینے دیں۔ فریقین کے پاس مسلح جہاز اور قلعہ بند مقامات تھے مگر باوجودیکہ اہل ہالینڈ کے پاس انگریزوں سے زیادہ تعداد میں قلعہ جات اور مقبوضات تھے تاہم چونکہ انکا یہ دستور رہا تھا کہ ہر معرکے کے مقام پر جائز یا ناجائز قبضہ کر ہی لیتے تھے اس لئے ان کو اکثر مقامی حکام سے بر سر مقابلہ رہنا پڑتا تھا۔ اور کثیر فوجی اخراجات نے انکے سرمائے کو بہت ہی کمزور کر دیا تھا۔ بہرحال ایک طویل نامہ و پیام کے بعد ۱۶۱۹ء میں ہالینڈ اور انگلستان میں آخر کار ایک معاہدہ قرار پایا جس کی اصل قرارداد یہ تھی کہ باہمی نقصانات کی تلافی و معاوضہ کر دیا جائے۔ یہ خبر ہندوستان میں خوش قسمتی سے ایسے وقت پہنچی کہ انگریزی گیارہ اور ڈچ سترہ جنگی جہاز ایک خونریز جنگ کے لئے تیار کھڑے تھے اور اس معاہدے سے وہ جنگ رک گئی۔ یہ معاہدہ جو بیس سال کے لئے کیا گیا تھا، مشکل سے بیس ماہ تک زیر عمل رہ سکا اور مشرق میں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر کبھی بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ تجارتی رقابت کی ضروریات کی وجہ سے باہمی مناقشے اور مجادلے بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک قہر آلود تشدد نے معاملات کو برداشت کی حد سے بہت آگے بڑھا دیا۔ اہل ہالینڈ نے ۱۶۲۳ء میں مقام ایمبوئنا واقع جزائر مولکاس میں تقریباً ہر متنفس انگریز کو قتل کر ڈالا۔ اور اس بے رحمانہ بے انصافی سے

باب اول
فصل اول

اُس نسل کے انگریزی جہاز رانوں اور تاجروں کے دل میں اہل ہالینڈ کی طرف سے نہایت ہی خونریز انتقام کے دیرپا خیالات قائم ہو گئے جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر یورپ میں اِن دونوں قوموں میں شدید مخاصمت و مجادلت کی نوبت آگر رہی مصالحے کے جزیروں میں اہل ہالینڈ کو جو فوقیت حاصل تھی اور جس شدت سے وہ اپنی خصومتوں کا اظہار کرتے تھے اس نے انگریزی تاجروں کو اپنی تجارت کا رخ ان جزائر کو چھوڑ کر برّاعظم ایشیا کی طرف پھیرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اسی زمانے میں سواحل ہند پر کارخانہ جات قائم کرنے کی طرف انگریزوں کی توجہ خاص طور پر مبذول ہوئی۔ ۱۶۱۲ء میں جیمز اول کے سفیر سر ٹامس رو کے توسط سے شاہ جہانگیر نے خاص مراعات کا ایک فرمان انگریزی کمپنی کو عطا فرمایا جس کی رُو سے انگریزی کمپنی کو سب سے اول سورت میں قدم جمانے کی اجازت ملی۔ ۱۶۳۰ء انگریزی اور پرتگیزی بیڑوں نے اس شاہراہ تجارت پر ایک بحری جنگ کرکے اپنی اپنی قوموں کی عزت قائم رکھی مگر اس آویزش سے ان قوموں کے یورپین تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ چونکہ اہل ہالینڈ پرتگال کے ہندوستانی اور سیلونی مقبوضات پر برابر شدید حملے کر رہے تھے اس لئے پرتگال کی قوت روز بروز ضعیف ہوتی چلی گئی۔ ۱۶۴۰ء میں جب پرتگال نے اسپین کے پنجے سے رہائی پاکر خود مختاری حاصل کی تو اس نے ایشیا میں اپنے قدم جمائے رکھنے کے لئے چند کمزور بیڑیاں لیں مگر معاہدہ منسٹر نے ۱۶۴۸ء میں اس کے ہندوستانی مقبوضات کو محدود کرکے اس کو میدان مقابلہ میں بالکل پیچھے چھوڑ دیا۔ ۱۶۳۸ء میں سورت انگریزی کمپنی کا خاص مستقر بن گیا۔ اور ۱۶۴۳ء تک اس کمپنی کا عمل مسلی پٹم اور مدراس میں قائم ہو گیا اور بنگال کے ساتھ سلسلۂ تجارت قائم کرنے کے لئے ایک کارخانہ دریائے ہگلی پر کھول دیا گیا۔ اسی زمانے میں کمپنی نے اپنے ایک ملازم ڈاکٹر بوٹن کو شاہی خدمت کیلئے آگرے بھیجا۔ اس ڈاکٹر نے مغل شہنشاہ کا کامیابی سے علاج کیا جس کے انعام کے طور پر محلات شاہی کی خاص طبیب کی خدمت اس کو سپرد فرمادی گئی اور کمپنی کا اثر بھی مغلیہ دربار میں بہت کچھ بڑھ گیا۔ سترھویں صدی کے وسط تک کمپنی کی تجارت تقریباً جنوب ایشیا کے تمام

ساحلی علاقے میں خلیج فارس سے چین کے دامن تک پھیل گئی۔ اور چونکہ اہل ہالینڈ کی تجارتی کارروائیاں بھی تقریباً ان ہی محاذوں پر عمل میں آرہی تھیں۔ اس لیئے یہ تمام وسیع خط تصادم دونوں کمپنیوں کے مقابلوں اور محاربوں کا جولانگاہ بنارہا۔ بدقسمتی سے خود انگلستان میں اس وقت بادشاہ اور پارلیمنٹ میں خانہ جنگی ہورہی تھی اس لیئے انگریزوں کی مشرقی اولوالعزمیاں ایک عرصے تک پست رہیں۔ انگریزی سلطنت اس وقت میں بہت کمزور تھی اور بالکل اتفاقیہ امداد ان آویزشوں میں دے سکتی تھی جو مشرقی تاجروں کو اپنے ہم چشموں کے ساتھ پیش آتی رہتی تھیں۔ برخلاف اِس کے اہل ہالینڈ اور پرتگال کو ان کی سلطنتیں برابر امداد پہنچاتی رہتی تھیں کیونکہ تمام مشرقی مہمات ومقبوضات کا مسئلہ ان سلطنتوں کے نزدیک قومی اور ملکی اختیارات کے مسئلے کے برابر اہم اور وزنی سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ انگریزی کمپنی کی حیثیت اس خانہ جنگی کے وقت عملاً ایک تجارتی حیثیت تھی جس کو وہ شاہی وملکی قوتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اسلیئے یہ امر واقعہ بالکل قابل تعجب نہیں ہے کہ انگلستان کی خانہ جنگی ختم ہونیکے وقت انگریزی کمپنی نہایت سرد بازاری کی حالت میں ہوگئی تھی اور اہل ہالینڈ نے انگریزوں پر سواحل ہند پر فوقیت حاصل کرلی تھی۔ ان کی تجارت کا سلسلہ گرم مصالحے کے جزیروں سے بالکل قطع کردیا تھا اور ہرجگہ ان کے ساتھ نہایت تھتک آمیز اور مغرورانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اس زمانے کے سرکاری کاغذات کو دیکھا جائے تو متواتر شکایتیں "ان ناقابل برداشت نقصانوں۔ بے رحمیوں۔ دیدہ دلیریوں۔ چالبازیوں۔ عیاریوں اور پیچیدہ کارروائیوں" کی ملتی ہیں جو انگریزوں کے خلاف اہل ہالینڈ کام میں لاتے تھے۔ ان کو مسلح جہازات کثیر افواج کے ساتھ بھیجکر غیر اقوام تاجروں کو گرفتار کرلینے یا خارج البلد کردینے میں ذرا بھی تکلف نہیں ہوتا تھا۔ نہ اپنے مفاد کی خاطر پرائے مقبوضات پر زبردستی قبضہ کرلینے میں کچھ بھی باک ہوتا تھا۔

انگریزی کمپنی کو اکثر دخل درمعقولات کرنے والے یا ذاتی تجارت کرنے والوں کی بے جا مداخلت سے بھی بہت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ ان میں سے

باب اول
فصل اول

بعض تو بحری قزاقوں سے کسی طرح کم نہیں تھے اور ایشیا کے سمندروں میں انکی تمام درازدستیوں کا جواب مقامی حکومت کی طرف سے کمپنی سے طلب کیا جاتا تھا۔ یورپ و ایشیا میں چونکہ سفارت یا سیاست کے قرار دادہ تعلقات اس وقت تک قائم نہ ہوئے تھے۔ اس لیئے وہی کمپنی تمام قوم کی قائم مقام سمجھی جاتی جس کو باقاعدہ اجازت نامہ اپنی سلطنت سے اور مناسب مراعات وعطیات سلطنت مغلیہ یا اس کے عمال کی طرف سے عطا ہو چکے تھے چنانچہ اسی کمپنی کو اپنے اہل وطن کی تمام بے عنوانیوں کا خمیازہ بھگتنا اور نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگر کسی انگریز تاجر نے کسی پرتگیز یا ڈچ کے خلاف کوئی قصور کر لیا تو اور بھی غضب آجاتا تھا۔ کیونکہ ان دونوں قوموں کو کسی مداخلت کرنے والے جہاز کو غرقاب کر دینے اور تمام جہازرانوں کو بالقصد دریا بُرد کردینے یا ان کے مقاصد میں ہرج ڈالنے والے کسی کارخانے کی اینٹ سے اینٹ بجادینے میں ذرّہ برابر باک نہیں ہوتا تھا۔ حقیقتہً اس زمانے میں انگریزی تجارت کو اپنا راستہ خود صاف کرنا ہوتا تھا اور ایسے دشمنوں سے مقابلہ کرنا ہوتا تھا جو اُسے مشرق کے متمول بازاروں میں سے بالکل بے دخل کردینے کیلئے تیار تھے۔ اِس لیئے یہاں صرف ایک ایسی تجارتی کمپنی کامیاب ہوسکتی تھی جس کی امداد پر سلطنت ہوتی۔ جس کو مشرقی تجارت کا بالکل اجارہ دیدیا جاتا اور جس کے پاس اتنا سرمایہ اور ایسی قوت ہوتی کہ وہ اس زمانے کی ضرورت کے مطابق مستقل نظام کو قائم رکھ سکتی ان ناگزیر خصوصیات کے اعتبار سے اس زمانے کی تمام تجارت کرنے والی قوموں پر سترھویں صدی میں ہالینڈ کو فوقیت حاصل تھی۔ اس زمانے کے ایک انگریز مصنف نے بہت صحیح لکھا ہے کہ تمام جمہوریہ ہالینڈ اغراض تجارت وجہازرانی کے لیئے عملاً ایک جماعت کارکنان کی حیثیت رکھتی تھی۔ دراصل ڈچ کمپنیاں اپنے نظام کے اعتبار سے بالکل نظام ریاست میں داخل تھیں اور چونکہ اہل ہالینڈ بالعموم تاجر یا جہازراں ہوتے تھے اِس لیئے ان کی تجارتی حکمت علمی زیادہ زبردست۔ زیادہ مستقل اور ملکی امداد سے زیادہ بہرہ مند ہوتی تھی بمقابلہ اُن قوموں کے جن کی حکومت

باب اول
فصل اول

درباریوں کے اور اُن رئیسوں کے ہاتھ میں تھی جو سمندر کی زندگی سے بے بہرہ تھے اور جن کی متضاد شخصی اغراض خود اپنی پیچیدگیوں میں اُنھیں مصروف رکھتی تھیں؛

ضرورت ہے کہ سترھویں صدی کے نصفِ اول کی مشرقی تجارت کی تاریخ کو زیادہ وضاحت وتفصیل سے بیان کیا جائے کیونکہ بالعموم اس جمہوری مفاد کی اہمیت وکیفیت کو سمجھنے کی بہت کم کوشش کی جاتی ہے جو اس تجارت کے ابتدائی مراحل کے ساتھ وابستہ ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو اِسی تجارتی کاروبار میں یورپ وایشیا کے اُن سیاسی تعلقات کی باریک علامات نظر آجائیں گی جو گزشتہ تین صدیوں کے عرصے میں برابر قریب تر اور وابستہ تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ اگر کبھی کسی جہاز راں قوم نے تمام ایشیائی تجارت کو اپنے قبضے میں رکھا جیسے کہ فنیقیوں نے بحر روم کی تمام تجارت پر قبضہ کر رکھا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تجارت امن اور آزادی کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور جو ملک خشکی کے راستے میں پڑتے تھے ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی اور نہ خود انہوں نے کوئی تعرض کیا خشکی کے راستوں میں حدود اختیار معین ہوتے تھے جن سے کوئی تجاوز نہیں کرسکتا تھا مگر تری کے راستے سب کے لئے کھلے ہوئے اور بے قید تھے اور جبکہ مختلف تاجر قوموں نے ایشیا کے بندرگاہوں میں کشاکش شروع کی تو اہل ہالینڈ۔ پرتگال وانگلستان ایک دوسرے کے ساتھ بالکل اسی طرح آئے دن کے مقابلے ومجادلے میں مصروف ہو گئے جیسے دو صدی پہلے بحر روم میں یونانی۔ اطالوی اور عرب مصروف تھے۔ وہ زمانہ یورپ میں بھی مسلسل جنگ وخونریزی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ یورپ کی سیاسیات اور تاجروں کے ایشیائی مجادلات کی رفتار باہم موثر ومتاثر ہوتی رہتی تھی۔ حاکمان سلطنت اور وزرا کو اس تجارت کے فوائد کا ضرور خیال تھا جس سے اُن کے خزانوں کو برابر امداد ملتی رہتی تھی اور اسی لئے آج کل کے زمانے کی طرح اُس وقت بھی یورپ کے بادشاہوں کے

باب اول
فصل اول

آپس کے تعلقات بہت کچھ ان کی بیرونی تجارت کے ساتھ وابستہ تھے۔ اور انپر اس تجارت کا اثر پڑتا رہتا تھا۔ اسپین کے ہاتھوں جو ایذائیں ہالینڈ کے پروٹسٹنٹ مصلحین مذہب کو پہنچیں اُن سے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد پڑی۔ اہل ہالینڈ کی کامگاری نے انگریزی اولوالعزمی میں تحرک پیدا کی۔ اور اُن دونوں پروٹسٹنٹ قوموں میں ممالک مشرق میں جو متواتر آویزشیں ہوتی رہیں انھوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان دونوں کے قومی تعلقات کو کمزور اور ایک زمانے کے لئے بالکل شکستہ کر دیا ہو بلکہ اس نے انگریزی حوصلہ مندی میں جنگی قابلیت۔ حفاظت خود اختیاری اور آخر کار اہل ہالینڈ کی دیکھا دیکھی حصول مقبوضات کی تدبیر کا بھی اضافہ کر دیا۔ دنیا کی تاریخ کسی ایسی تجارت کی مثال نہیں پیش کر سکتی جس کی اصلی غرض حصول مقبوضات بھی نہ ہوا اور پھر اس میں اس شدت سے خونریزی عمل میں آئی ہو۔ ممالک مشرق میں طالع آزمائی کے خطرات نے تھوڑے ہی عرصے میں انگریزوں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ دنیا کے اس حصے میں با امن تجارت کی امید ہرگز نہیں رکھنی چاہئے۔ چنانچہ انگریزوں نے یہ بہت ہی دانائی کا کام کیا کہ تمام سترھویں صدی میں صرف تجارت سے غرض رکھی۔ برخلاف اس کے پرتگال و ہالینڈ نے ابتدا ہی سے اقطاع ملک پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ تو لازمی نتیجہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونیوالی اور اپنے برتے پر چلنے والی کمپنیوں کا نکلنے ہی والا تھا کہ وہ سب آہستہ آہستہ مسلح کارکن جماعتیں بن جائیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ مسلح کارکن جماعتیں کس طرح اپنی حیثیت تبدیل کر کے سیاسی دولتیں بن گئیں ؛

سترھویں صدی کے ابتدا ہی سے یورپ میں جمہوریہ ہالینڈ کی قوت واستحکام کیساتھ ساتھ ایشیا میں بھی انکی اولوالعزمیوں اور دراز دستیوں میں ترقی ہوتی گئی۔ سی سالہ جنگ کے زمانے میں آسٹریا و اسپین کی دونوں کیتھولک شخصی سلطنتوں کے خلاف جن کے تعصب سے تمام یورپ کو خطرہ تھا فرانس اور جرمنی کی پروٹسٹنٹ سلطنتیں ہالینڈ کی جانبدار ہو گئیں۔ اس اتحاد نے ہالینڈ کی حیثیت کو

خشکی میں خاص طور سے محفوظ کر دیا اور اس وجہ سے وہ تری میں انگلستان کا پُرخطر رقیب بن گیا۔ اہل ہالینڈ انگریزوں کو برابر پس پشت ڈالے جاتے تھے۔ انھوں نے اپنی مشرقی سلطنت کی بنیاد قائم کر لی تھی اور برازیل میں اچھی طرح قدم جما لئے تھے۔ انھوں نے مغربی سمندروں میں اسپین کے وہ تمام جہازات گرفتار کر لیئے تھے جو میکسیکو سے ہوانا کو بیش بہا مال لیئے جا رہے تھے۔ اور انھوں نے ازابیلا ملکۂ اسپین کا تمام بیڑہ غارت کر دیا تھا۔ وہ یورپ کے تنگ اقطاع تری کے مالک بنتے جاتے تھے اور انہوں نے فرانس کی امداد سے اسپینش نیدرلینڈ کو دھمکی دے رکھی تھی اور انگریزوں کو یہ پورا پورا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا ہالینڈ و فرانس متحد ہو کر انگلش چینل کی دوسری جانب کے اُس تمام ساحلی علاقے پر قبضہ نہ کر لیں جو سواحل انگلستان کے متوازی ہے۔

یہ خاص فوائد تھے جن سے ایشیائی سمندروں میں ہالینڈ کو فوقیت حاصل ہو گئی تھی اور اس نے پرتگال کے اکثر اہم مشرقی مقبوضات چھین کر اپنی تجارت گاہیں منتخب مقامات پر مضبوطی سے قائم کر لی تھیں۔ بہرحال کرومویل کی زبردست حکومت کے زمانے میں انگریزوں نے بھی مشرق میں اپنی حالت کچھ سدھارنی شروع کی جو سیاسی اور تجارتی رقابتیں ہالینڈ اور انگلینڈ میں عرصے سے چلی آ رہی تھیں وہ حد درجے کو پہنچکر ۱۶۵۱-۵۴ء کی جنگ کی صورت میں نمایاں ہوئیں۔ اس جنگ میں مشرقی تاجروں نے جن کی شکایات اہل ہالینڈ سے خصومت تھیں اپنی سلطنت سے یہ اجازت حاصل کی کہ ایک بیڑہ تیار کر کے مشرقی سمندروں میں اہل ہالینڈ کے خلاف بھیجیں جنھوں نے ہندوستانی سمندروں میں انگریزی جہازرانی پر مشق ستم برابر جاری رکھی تھی۔ ۱۶۵۴ء میں تخاصمین میں ایک صلحنامے پر دستخط ہوئے جس کی رو سے انگلستان کو تمام نقصانات کا خصوصاً امبوئنا کے قتل عام کا معاوضہ ملا اور آئندہ کے لیئے ہندوستان کے ساحلی علاقے پر انگریزوں کی حیثیت مشخص کر دیگئی۔ کرومویل کو اپنی خانہ جنگی سے فرصت پائی ہوئی حکومت کے لیئے روپیے کی سخت ضرورت تھی اس لیئے باوجود یہ جاننے کے کہ اہل ہالینڈ کی خصومتیں اور پیچیدہ دستیاں

باب اول
فصل اول

مشرقی سمندروں میں برابر جاری تھیں اس نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حقوقِ مشرقی تجارت کا اجارہ توڑ کر اس تجارت کو ہر شخص کے لئے آزاد کردے اور بڑی وقتوں سے لندن کمپنی کے کارکنوں کی استدعاؤں اور عذرداریوں نے اسے اپنے اس ارادے سے باز رکھا۔ لیکن اس امر کے واضح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اگر تجارت آزاد کردی جاتی تو ایشیا کے شخصی تجار اپنے مشترکہ دشمن کے بہت آسانی سے شکار ہوجاتے۔ کیونکہ انگریزوں کے تجارتی دشمن ہالینڈ کی قوت پھر بڑھنی شروع ہوگئی تھی۔ انہوں نے پھر مشرقی رزمگاہ کے لئے کثرت سے بڑی اور بحری فوج تیار کرلی تھی اور انگریزی تجارت میں پھر دخل دینا شروع کردیا تھا۔ انگریزی آڑھتیوں کو ستانے لگے تھے اور تمام معاہدات کو پس پشت ڈالدیا تھا۔ انہوں نے انگریزوں کو ایشیا کے مشرقی سواحل سے بالکل خارج کردیا تھا۔ سیلون پر قبضہ کرلیا تھا۔ انگریزی کمپنی کے جاوا کے صدر مقام بنطام کا سلسلۂ آمدورفت بند کردیا تھا اور پھر ایک دفعہ انگریزی کارخانوں کو مصالحے کے جزیروں میں بالکل نیست و نابود کرنے کی کوشش کی تھی؛

اس ظلم کے ساتھ ہی ایک آفت یہ تھی کہ شاہجہاں کے بیٹوں میں ۱۶۵۸ء میں خانہ جنگی شاہجہاں کی حیات ہی میں شروع ہوگئی جس سے کمپنی کے تمام مقبوضات و معاملات جانکنی کی سی حالت میں ہوگئے مگر ۱۶۶۰ء میں جب اورنگ زیب نے اپنے دوسرے بھائیوں پر فتح حاصل کرلی تو پھر امن قائم ہوگیا۔ اورنگ زیب کی طویل حکومت کا ابتدائی زمانہ جو انگلو انڈین تاریخ کے لئے نہایت اہم زمانہ تھا انگلستان میں چارلس دوم کی تخت نشینی کا زمانہ تھا جس میں کہ انگلستان کے سیاسی تعلقات میں پورا پورا انقلاب ہوا اور انگریزی تجارت پر بھی اسکا گہرا اثر پڑا کمپنی زیادہ وسیع اختیارات کی طالب تھی اور چارلس دوم موجودہ منشوروں سے کرومویل کا نام محو کرنا چاہتا تھا اسلئے اس نے کمپنی کو ایک نیا منشور عطا کیا جس کی رو سے کمپنی کو اختیار دیدیا گیا کہ ہر غیر مسیحی قوم سے باختیار خود صلح و جنگ کرسکے درانحالیکہ کمپنی کے اصل

باب اول
فصل اول

دشمن مسیحی ہی تھے۔ اسوقت پرتگال نے انگریزوں کی دوستی حاصل کرنیکی کوشش کی کیونکہ اس کو یہ امید ہوئی کہ وہ انگریزوں کی مدد سے اپنے وہ مشرقی مقبوضات حاصل کرسکے گا جو اس زمانے میں اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے جب کہ وہ اسپین کی ماتحتی میں آگیا تھا۔ یا کم سے کم اپنے انہی مقبوضات کو ہالینڈ کی دست برد سے بچاسکے گا جو اب تک اس کے پاس باقی رہ گئے تھے۔ اس نامہ وپیام کے سلسلے میں انگریزوں کے ہاتھ ایک نہایت قیمتی مقام یعنے جزیرۂ بمبئی آگیا جو کہ انگریزوں کو اس معاہدے کے صلے میں پرتگیزوں نے دیدیا کہ ہالینڈ کے ایشیائی حملوں کی مدافعت میں انگریز پرتگیزوں کی امداد کریں۔ مگر پرتگیزوں کو جتنا ہالینڈ والوں کا ڈر تھا اتنا ہی انگریزوں سے حسد تھا۔ اسلیئے انگریزوں کا اطمینان کے ساتھ بمبئی پر کئی سال کے بعد قبضہ ہوسکا۔ بلکہ ۱۶۶۹ء سے پہلے بمبئی اور سنیٹ ہلینا پوری طور پر لندن کمپنی کی ملکیت میں نہ آسکے۔

۱۶۶۱ء میں چارلس دوم نے لندن کمپنی کو اپنے منشور کے ذریعے سے ممالک مشرق کے ساتھ کاروبار کرنے کا پورا پورا اجارہ دیدیا جس کے ساتھ یہ مراعات بھی تھے کہ کمپنی اپنا سکہ رائج کرے۔ مقدمات فیصل کرے۔ مداخلت بیجا کرنے والوں کو سزائیں دے اور ممالک مشرق کی کسی غیر مسیحی قوم کے ساتھ بہ اختیار خود صلح وجنگ کرسکے۔ اس بادشاہ نے کروم ویل کے مشہور قانون جہاز رانی پر بھی عمل درآمد کیا جس کا منشا یہ تھا کہ انگلستان کا جو سامان غیر ملکی سامان کے تبادلے میں دیا جائے وہ سوائے انگریزی جہاز رانوں کے کوئی اور نہ لیجاسکے اور یہ قانون خاص طور سے اہل ہالینڈ پر اثر ڈالنے کے لئے بنایا گیا تھا جس کے ہاتھ میں اس وقت یورپ کی تمام بحری تجارت تھی۔

اس طریقے پر قدیم وشدید دشمنوں کا برابر سے مقابلہ کرنے کے لیئے انگلستان کے تجارتی وسائل معرض وجود میں آئے اور مرتب کیئے گئے اور اس میں شبہ وشک کی گنجائش نہیں ہے کہ انگریزی تجارت کے

باب اول
فصل اول

ایشیا میں قدم جمانے اور کمپنی کی نوآبادیات کا وجود قائم کرنے کے لیئے اس قسم کے اجارے اور اسی قسم کے مراعات و اختیارات کی ضرورت تھی۔ کیونکہ غیر مسیحی ملکوں میں اس زمانے میں انگریزوں کا کوئی ملکی قائم مقام نہیں رہتا تھا اور کسی ایک تاجر یا مالک جہاز کی شکایات پر سلطنت کوئی توجہ نہیں کرتی اور ہم چشم تجارت پیشہ اقوام کی طرف سے جس بے صرفہ ظلم و ستم کا برتاؤ ممالک غیر میں کیا جاتا تھا اس کی ایک نظیر ایمبوئنا کے قتل عام سے اچھی طرح مل سکتی ہے۔ کوئی کارکن تجارتی جماعت نہ اپنی سلطنت پر کوئی اثر قائم رکھ سکتی تھی نہ سمندر میں اپنے جہازوں کی حفاظت کر سکتی تھی نہ اپنی غیر ملکی تجارت گاہوں کو محفوظ رکھ سکتی تھی تاوقتیکہ اس کے پاس ایک خطیر سرمایہ اور کثرت سے مسلح فوج نہو۔ اپنی فوج سے کام لینے کی اجازت نہ ہو اور غیر ملکی نوآبادیات میں اپنے ہم وطنوں کے جرائم کی سزا و جزا کے اختیارات نہ ہوں ؀

مشرقی تجارت کو تقویت پہنچانے کی ان تمام کارروائیوں نے اہل ہالینڈ کو بہت ہی غضب آلود کیا جن کو ایک اور خدشہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ انگلستان کے فرانس کے ہاتھ ڈنکرک کو فروخت کر دینے سے فرانس کو یورپ کے تنگ سمندروں میں داخل ہونے کا راستہ مل گیا تھا۔ ادھر اسپین کے غیر جانبدار قطعات ملک جو فرانس اور ہالینڈ کے درمیان حد فاصل کا کام دیتے تھے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ چنانچہ مشرقی معاملات پر ہالینڈ اور انگلینڈ کا اختلاف شدید تر و مہلک تر ہوتا چلا گیا۔ اِدھر ہالینڈ اِس پر تُلا ہوا تھا کہ انگریزوں کو اپنی مشرقی تجارت میں کسی طرح مداخلت نہ کرنے دے۔ اور بالکل مار کر نکال باہر کرے۔ اُدھر انگریزوں کو برابر اس کے تدارک کی فکر تھی کہ ان کے مشرقی تاجروں پر جو ناقابل برداشت جور و ستم کیا جاتا تھا وہ نہونے پائے۔ ۱۶۶۴ء میں سفیر فرانس متعینۂ لندن نے اپنی گورنمنٹ کو یہ اطلاع دی کہ انگلستان ہالینڈ کے ساتھ دست و گریباں ہونے کو تلا بیٹھا ہے مگر چونکہ کالبرٹ کی رائے کے مطابق لوئی چہاردہم شاہ فرانس نے بھی اسی زمانے میں ایک فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی تھی اِس لئے اس نے

مصلحت یہی سمجھی کہ امن قائم رکھا جائے۔ شاہ فرانس کو خدشہ تھا کہ اگر جنگ چھڑ گئی تو جو قوم فتحیاب ہو گئی اس کو بے انتہا اور ناقابل مقابلہ بحری فوقیت حاصل ہو جائے گی اور چونکہ خود اس کا بیڑہ تیار نہیں تھا اس لئے وہ سواحل فرانس پر توازن قوت قائم رکھنا چاہتا تھا۔ پھر بھی صورت معاملات اس درجہ نازک ہو گئی تھی کہ ۱۶۶۵ء میں جنگ چھڑ کر رہی اور چونکہ ایک سابقہ معاہدے کی رو سے فرانس پر ایک پابندی عائد تھی۔ اس لئے وہ با دل ناخواستہ ہالینڈ کا جانبدار ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سترھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں اسپین و پرتگال کی تجارت و نوآبادیات کو غارت و برباد کرنے کی خواہش نے انگلستان و ہالینڈ کو ممالک مشرق میں متحد ہونے پر آمادہ کیا۔ پھر جبکہ اسپین کی قوت کو زوال ہو گیا اور میدان انہی دو جہازراں قوموں کے ہاتھ رہا تو یہ دونوں پنجے جھاڑ کر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے لیکن ۱۶۶۵ء میں جو خونخوار بحری لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ انھوں نے انگلینڈ و ہالینڈ کو برابر سے کمزور کر دیا۔ اور اب دونوں کو فرانس کے ارادوں کی طرف سے نہ صرف یورپین بلکہ ایشیائی معاملات میں بدگمانی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ فرانس بھی خم ٹھونک کر اکھاڑے میں اُتر آیا ہے درانحالیکہ اس وقت کے بہت عرصے بعد فرانس کو ساحل ہند پر کہیں ڈھنگ سے قدم جمانے کا موقع ملا۔

اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمانہ موجودہ کا ایک منطقی مغالطہ ہے کہ تجارت کو ایک پُرامن پیشہ کہا جاتا ہے کیونکہ تاریخی واقعات اِس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ جب تک کہ تاجروں کو اپنی حفاظت خود کرنی پڑتی تھی وہ اپنے بل بوتے پر اپنی بڑی و بحری فوجیں کام میں لاتے تھے۔ اس کے بعد جب سلطنتیں اپنی اپنی کمپنیوں کی مدد کو اکھاڑے میں کود پڑتی تھیں تو یہی لڑائیاں قومی جنگیں ہو جاتی تھیں۔

باب دوم

یورپ و ایشیا کے سیاسیات کا باہمی تعلق و تاثر (سنہ ۱۶۶۰ تا ۱۷۰۰ء)

فصل اول

یورپ کی صورت معاملات

سترھویں صدی کے ربع آخر میں مغربی یورپ کی تین جہازراں قومیں یعنے انگلستان ہالینڈ اور فرانس علانیہ ایشیائی سمندروں میں تجارتی مقابلے کے لئے آ کودی تھیں اور اسپین و پرتگال تھک کر پیچھے رہ چکے تھے۔ ان دونوں کی بحری قوتیں ٹوٹ چکی تھیں اور اگرچہ ان کی نوآبادیاں ان کے قبضے میں تھیں مگر ان کی تجارت کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ ممالک مشرق میں انگریزی کمپنی کی عملداری کی تفصیل اس وقت یہ تھی کہ اس کے قبضے میں صوبۂ بنطام۔ مکاسار۔ اور چند دیگر مقامات مجمع الجزائر ہند میں تھے۔ فورٹ سنیٹ جارج اور اس کے متعلقہ کارخانہ جات ساحل کورومنڈل و خلیج بنگال میں تھے اور سواحل غرب ہند پر بمبئی۔ سورت اور چند دیگر متعلقہ تجارت گاہیں تھیں اور کچھ مقامات خلیج فارس میں تھے۔[1]

حکومت برطانیہ کے عروج کی ابتدائی اور آخری منازل کو پوری طور سے روشنی میں لانے کے لیئے نیز اس امر کی تشریح کرنے کے لئے کہ اس لمبی اور پُر واقعات تگ و دو میں دوسرے متخاصمین کے مقابلے میں انگلستان کے ہاتھ کیونکر میدان رہا۔ اِس بات کے لیئے بڑی ضرورت ہے کہ اِس صدی کے آخری زمانے کی سیاسیات یورپ اور اس کے انقلابات سے مجملاً بحث کی جائے کیونکہ انگلستان کو

[1] برڈ وڈ کی کتاب "رپورٹ آن اولڈ ریکارڈس"۔

باب دوم
فصل اول

مشرق میں جو کامیابی حاصل ہوئی اُس کی اصل وجہ یورپ میں فرانس کی غلطیاں اور ہالینڈ کی بداقبالیاں ہوئیں۔ سترھویں صدی کے شروع زمانے سے انگلستان کی بیرونی حکمت عملی کی اجراو ترتیب پر مشرقی تجارت کا عنصر بہت وزنی اور غالب ہو گیا تھا۔ کیونکہ لندن کے سوداگروں نے دربار شاہی اور پارلیمنٹ پر اثر ڈالنے کے کافی وسائل اپنے قبضے میں کر رکھے تھے۔ لیکن یورپ کی صورت معاملات کی ہر گھڑی بدلنے والی ضروریات کے ساتھ اِس اہم قومی تجارتی مفاد کو منطبق کرنے میں خاص خاص دقتیں پیش آتی تھیں۔ سنہ ۱۶۶۰ء میں انگلستان میں پھر شاہی حکومت قائم ہوئی اور سنہ ۱۶۸۸ء میں انقلاب کا واقعہ پیش آیا۔ اِس تمام زمانے میں انگریزی تجارت کو نہایت ترقی و فروغ حاصل ہوا۔ مگر انگریزوں کو برابر اہل ہالینڈ کی حاسدانہ خصومت کا مقابلہ ایشیا میں کرنا پڑتا تھا۔ برخلاف اِس کے یورپ میں فرانس کی دراز دستی اور کلاں کاری کے مقابلے میں ہالینڈ۔ انگلستان کا قدرتی دوست اور اتحادی تھا۔ مشرق میں انگریزی مفاد کے لحاظ سے یہ موت و زیست کا مسئلہ تھا کہ ہالینڈ کی قوت کو توڑا جائے۔ یورپ میں بقا و فنائے قومی کا تقاضا تھا کہ ہالینڈ کی قوت قائم رکھی جائے۔ اِس طرح توازنِ تجارت ایشیا کا تطابق توازن سیاست یورپ سے محال ہو گیا تھا چنانچہ اس زمانے کے ایک ماہر سیاست نے صاف الفاظ میں یہ ظاہر کر دیا تھا کہ انگلستان کا عقدۂ لاینحل یہ ہے کہ وہ ہالینڈ کے ساتھ صلح بھی قائم رکھے اور اپنی ایشیائی تجارت بھی برقرار رکھے۔ انگریز اگر ہالینڈ کی امداد فرانس کے مقابلے میں کرتے تھے تو ہالینڈ انگریزوں کو دھکے دیکر ایشیا میں سے نکالے دیتا تھا اور اگر انگریز ہالینڈ کے خلاف فرانس کی امداد کرتے تو اس کے معنے یہ تھے کہ وہ ایک جہازراں قوم کی قوت توڑ کے ایک دوسری جہازراں قوم کو اپنے مقابلے کے لئے تقویت پہنچاتے ہیں جو پہلی سے زیادہ مخدوش ہو سکتی تھی۔ فرانس نے اپنی بحری قوت کی ترتیب کی طرف اس وقت دل سے توجہ شروع کر دی تھی سنہ ۱۶۶۴ء میں فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی گئی اور سنہ ۱۶۶۵ء میں اسنے ایک بیڑہ ممالک مشرق کی طرف روانہ کر دیا تھا سنہ ۱۶۷۲ء میں جبکہ انگلستان و فرانس نے ہالینڈ کے خلاف

باب دوم
فصل اول

اتحاد کر لیا تھا ایک مسلح بیڑہ زیر سرکردگی ڈی لا ہے ہندوستان بھیجدیا گیا۔ جس نے سیلون کے ایک عمدہ بندرگاہ ٹرنکومالی پر اور مدراس کے قریب دوسرے بندرگاہ سینٹ ٹام پر بھی قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کا ایک اتحادی قوم کی عملی کارروائیوں میں دخل دینا خلاف اخلاق تھا اس لئے ان قبضوں کی کوئی مخالفت نہیں کی گئی مگر فرانسیسیوں کا ساحل کورومنڈل پر قدم رکھنا بھی انگریزوں کی بڑی بے اطمینانی کا باعث ہوا تھا کیونکہ آیندہ صدی ہی میں دونوں قوموں میں ان سواحل پر جنگ ہونے والی تھی۔ اس کے بعد اِن دونوں مقامات کو ہالینڈ نے فرانس سے چھین لیا مگر اس انتقال قبضہ سے بھی انگریزوں کے مفاد کو کوئی امداد نہ مل سکی ؛

انگلستان کے بیرونی تعلقات اس زمانے میں بہت غیر مستقل اور نہایت پیچیدہ ہو رہے تھے۔ ۱۶۶۵ء میں ہالینڈ و انگلینڈ برسر جنگ رہے۔ ۱۶۶۶ء میں انگریزوں کے خلاف فرانس اور ہالینڈ متفق ہو کر برسرپیکار ہوے۔ ۱۶۶۸ء میں انگلینڈ۔ ہالینڈ اور سویڈن نے فرانس کے خلاف اتحاد ثلاثہ کیا۔ ۱۶۷۲ء میں فرانس اور انگلینڈ ہالینڈ پر حملہ کرنے کے لئے متفق ہوئے۔ اور ۱۶۷۸ء میں انگلینڈ نے پھر ہالینڈ کے ساتھ فرانس کے حملوں کے مقابلے میں مدافعت کا معاہدہ کیا[1]۔ اور ان تمام تابڑ توڑ تبدیلیوں کی تہ میں وہی ایشیائی تجارت کام کر رہی تھی ؛

جو تینوں لڑائیاں انگلستان کو ہالینڈ کے خلاف سترھویں صدی میں ۱۶۵۲ء سے ۱۶۷۲ء تک لڑنی پڑیں ان سب کی وجہ محرک یہی تجارتی خصومتیں اور نوآبادیوں کی دشمنیاں تھیں اور کرومویل کے زمانے میں جو لڑائی ہوئی تھی وہ بلا واسطہ انہی شکایات کی بنا پر ہوئی تھی جو انگریزوں کو اہل ہالینڈ کے خلاف ایشیا میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور ۱۶۶۵ء میں جو خوشگوار تعلقات منقطع ہو گئے تھے ان کی وجہ بھی

---

[1] ۔ اس زمانے میں ہی انگریزی کمپنی کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انھوں نے حکومت کی مرضی کے مطابق آدمیوں کی ایک بڑی تعداد بمبئی کی حفاظت کے لئے روانہ کی۔ اور پینتیس آدمیوں کا ایک بیڑہ بھی بھیجا ؛

باب دوم
فصل اول

اہل ہالینڈ کا وہ عزم بالجزم تھا کہ انگریزی تجارت کے فروغ کو ایشیا میں روک کر برباد کر دیں۔ ۱۶۶۶ء میں فرانس، ہالینڈ کا جانبدار ہو گیا اور کئی معرکتہ الآراء بحری آویزشیں وقوع میں آئیں۔ مگر ادھر فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے اسپینش فلانڈرس پر حملہ کر دیا جس سے ہالینڈ کو اس درجہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ انگریزوں کی تجاویز صلح پر رضامند ہو گیا اور صلحنامہ بریڈا پر ۱۶۶۷ء میں دستخط ہوئے۔ اس صلحنامہ سے حدود مملکت پر تو کوئی اثر نہیں پڑا مگر تمام تجارتی تنازعات کا باہمی تصفیہ ہو گیا۔ انگلستان نے فرانس کے ساتھ بھی صلح کر لی مگر چونکہ لوئی چہاردہم اپنے فلانڈرس کی یورش کو برابر آگے بڑھائے چلا جا رہا تھا اس لیئے ہالینڈ۔ انگلینڈ اور سویڈن کا اتحاد ثلاثہ اس غرض سے قائم ہوا کہ فرانس اور اسپین پر زور ڈالکر ان میں کوئی سمجھوتہ کرا دیا جائے۔ پھر ۱۶۷۰ء میں ایک نیا دور شروع ہوا یعنے انگریزی اور فرانسیسی بادشاہوں نے ایک خفیہ معاہدۂ ڈاور کے ذریعے سے ہالینڈ پر متفقہ حملہ کرنیکا پیمان وفا باندھا۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چارلس دوم کو فرانس کی رشوتوں نے اور رومن کیتھولک فرقے کی ہمدردیوں نے ۱۶۷۲ء میں فرانس کا شریک ہونیکی ترغیب دی۔ مگر یہ غلط خیال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرانس کی شرکت جو چارلس دوم نے کی اس کی وجہ ایک حد تک انگلستان کی مذہبی اور معاشرتی آزادخیالی کی روک تھام کے لئے تھی لیکن جس بیرونی اثر نے چارلس کو اس شرکت پر آمادہ کیا وہ وہی ہالینڈ کا روزافزوں فروغ تجارت تھا جس کے ساتھ انگریزی تجارت کو امریکہ و ایشیا میں برابر مقابلے کرنے پڑتے تھے۔ چنانچہ ایک خفیہ معاہدے کے ذریعہ سے یہ طے پا گیا کہ انگلستان۔ فرانس اور پرتگال ایک متحدہ بحری مہم ایشیائی ڈچ مقبوضات کے خلاف روانہ کریں اور ان تمام مقبوضات پر قبضہ کر کے اتحادی ان کو بحصۂ رسدی تقسیم کر لیں۔ اس سے اچھی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ ایشیائی معاملات سے یکساں تعلق رکھنے والی ان دو قوموں میں باہمی مجادلت و مخاصمت کے زبردست اور وقتاً فوقتاً اعادہ کرنے والے اسباب موجود تھے۔ سر ولیم ٹمپل نے جو اس اتحاد ثلاثہ کا محرکِ اصلی تھا اپنے ایک مضمون میں اس سوال پر بحث کی ہے کہ ہالینڈ کی تباہی سے انگلستان کو زیادہ

فائدہ پہنچنے کی امید تھی یا فرانس کو اس بات میں شک تھا کہ ہالینڈ کو تباہ کر کے انگلستان کے لئے یہ ممکن ہو جائے گا کہ وہ ہالینڈ کی تجارت اور جہاز رانی کو اپنے قبضے میں کرلے مگر ساتھ ہی اُس کو یہ بھی خوف تھا کہ اگر انگلستان فرانس کا جانبدار نہ بنا تو ہالینڈ اور فرانس انگلستان کے خلاف متحد ہو جائیں گے بہرحال ۱۶۷۱ء میں انگلستان فرانس کا شریک ہو ہی گیا اور ہالینڈ سے جنگ شروع ہوئی جس کا اختتام انگریزوں کے لئے ۱۶۷۴ء میں ہوا۔ بطور نتیجۂ جنگ کے انگلستان کو یہ حاصل ہوا کہ ہالینڈ نے انگریزی جھنڈے کو یورپین تنگ سمندروں میں سلامی دینے کا وعدہ کیا اور یہ پابندی اپنے اوپر عائد کی کہ آئندہ کے لئے تمام تجارتی تنازعات کا ثالثی فیصلہ ہوا کریگا۔ مگر لوئیس چہاردہم فلانڈرس کے سرحدی ممالک کو برابر فتح کرتا چلا جارہا تھا اور اُس کی زبردست فوجوں کا سیلاب ہالینڈ پر پھرتا چلا جارہا تھا اور پرنس آف اورینج نے اعلان کردیا تھا کہ وہ آخری دم تک لڑکر خندق میں جان دیگا۔ آخرکار انگلستان نے ہالینڈ کو تباہی سے بچانے کے لئے اس کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ کیا اور ۱۶۷۸ء میں مقام نیمگن پر ایک صلحنامہ عام مرتب کیا گیا جس کی شرائط فرانس کے حق میں بہت مفید تھیں کیونکہ نیدرلینڈ کے بہت سے سرحدی مقامات جو فرانس نے فتح کئے تھے اُسی کے قبضے میں رہ گئے۔

اِن طویل اور مسلسل یورپین جنگوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان کی قوت بہت بڑھ گئی اور ہالینڈ بہت کمزور ہوگیا۔ ۱۶۷۲ء میں جب فرانسیسی حملے نے ہالینڈ کو خطرہ و مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا اس وقت انگلستان کی تجارت کو تعجب خیز فروغ حاصل ہورہا تھا۔ ۱۶۷۸ء کا صلحنامہ نئے تنازعات کی وجہ سے پھر پس پشت ڈالدیا گیا۔ اور اس کے بعد سے فرانس اپنی حریصانہ اور مسرفانہ لڑائیوں میں بالکل منہمک ہوگیا۔ اور ہالینڈ اپنی جدوجہد حیات میں مبتلا ہوگیا۔ یعنے وہ دونوں جہازراں قومیں جن سے انگلستان کو ایشیا میں کوئی خدشہ تھا براعظم یورپ میں ایک جنگ عظیم میں باہم مبتلا ہوگئیں۔ ان لڑائیوں کا خاتمہ ۱۶۹۷ء میں صلحنامہ ریسویک کے ذریعے سے ہوا مگر اس جنگ سے نجات پانے پر ہالینڈ کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اُس کی تجارت پاش پاش ہوچکی تھی اور ممالک بعید میں مہمات بھیجنے کے وسائل بے انتہا کمزور ہوچکے

باب دوم
فصل اول

تھے ۔ اِدھر ہالینڈ نے فرانس کی ان نوآبادیوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا جو کولبرٹ کی زیر نگرانی ممالک مشرق میں قائم کی گئی تھیں اور فرانس اپنی بڑی مہمات میں اس درجہ مصروف رہا تھا خصوصاً اُس وقت جبکہ جنگ کا پانسہ اُس کے خلاف پلٹنے لگا تھا کہ اب اُس میں اتنی ہمت اور اُس کے پاس ایسے وسائل باقی نہیں رہے تھے کہ کالبرٹ کی عمیق تجاویز توسیع تجارت و نوآبادیات کو از سرِ نو زندہ کرسکے ۔ اُس کی بحری ترقیاں بھی رک گئی تھیں اور اُس کی بحری حوصلہ مندی ۱۷۱۳ء کے معاہدۂ اٹرشیٹ سے پہلے پر پرواز نہ پیدا کرسکی ۔ خلاصہ یہ کہ ہالینڈ اور فرانس نے ایک دوسرے کو بالکل بیکار کرکے انگریزوں کا بھلا کردیا اور اُن کو دور و دراز سمندروں میں خوب شناوری کا موقع مِل گیا ۔ چنانچہ انگریزوں نے آہستہ آہستہ مگر سلسلہ وار ایشیائی تجارت و فتوحات میں سب سے سبقت لیجانے کے لئے قدم بڑھانا شروع کیا ۔

یورپ کی اِن طویل اور مسلسل لڑائیوں کے زمانے سے ہی انگریزی مشرقی تجارت کے فروغ کی ابتدا سمجھنی چاہئے کیونکہ یہی وہ وقت تھا جبکہ انگریز اپنے قدم مضبوطی سے سواحل ہند پر جمانے کے قابل ہوئے ۔ میکالے کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چارلس دوم کی تخت نشینی کے ابتدائی بیس سال میں انگلستان میں صرف بنگال کے مال کی درآمد آٹھ ہزار پونڈ سے تین لاکھ پونڈ تک پہنچ گئی تھی اور کمپنی کو ممالک مشرق کے مال کی درآمد کا اجارہ ملنے سے جو منافع ہوا اُس کا شمار اتنا تھا کہ کسی طرح یقین ہی نہ آئے ۔ ۱۶۸۵ء میں کمپنی کا صدر مقام سواحل مغرب میں سورت سے بمبئی تبدیل کردیا گیا ۔ ۱۶۸۷ء میں بنگال کی خاص ایجنسی ہُگلی سے کلکتہ کو منتقل کردی گئی اور جزیرہ نمائے ہند کے مشرقی ساحل پر مدراس کو صدر مقام بنادیا گیا ۔ خاندان اسٹوارٹ کے دونوں آخری بادشاہوں نے کمپنی کی بڑی فیاضی سے ہمت افزائیاں کیں ۔ بڑی بڑی مراعات کے فرامین عطا فرمائے اور کمپنی کی نوآبادیات کی ضرورت کے لئے مسلح افواج تک روانہ کیں ۔ بمبئی ۔ کلکتہ اور مدراس کی تینوں تجارت گاہوں کو قائم کرلینے کے بعد ۱۶۸۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ تجویز پاس کرلی کہ اپنی نوآبادیات میں

باب دوم
فصل اول

خود مختارانہ قوانین جاری کرے۔ قلعہ بندیاں کرے۔ سکّہ رائج کرے۔ محاصل وصول کرے۔ اور وہ تمام اختیارات کام میں لائے جو ایک خود مختار جماعت کو اپنے مقبوضات میں حاصل ہوتے ہیں۔ یہی بمبئی۔ کلکتہ اور مدراس اپنے اپنے احاطے کے دارالحکومت بن گئے اور انہی مرکزی مقامات پر انگریزی سلطنت کی بنیادیں ڈالی گئیں۔ جہاں سے اس کی توسیع کے شاخسانے برابر پھیلتے چلے گئے۔ کمپنی نے ایک باقاعدہ دیسی فوج کی بھرتی بھی شروع کر دی تاکہ اپنے حق حفاظت خود اختیاری کو کسی تشدد کے وقت یا باقاعدہ حملوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے کام میں لا سکے۔ اور اگر ضرورت پڑے تو مقامی عمال یا چھوٹے موٹے ملکداروں سے جنگ بھی کر سکے۔ اِن نئی تجاویز کے عمل درآمد میں ہی وہ تخم موجود تھا جس نے اپنی چھوٹی چھوٹی شاخوں یعنے منتشر تجارت گاہوں کو پھیلا کر ایک عظیم الشان سایہ دار سلطنت کی صورت اختیار کر لی اور سلطنت مغلیہ کی ابتدائی کمزوریوں نے اس انقلابِ حکومت کا موقع و محل بھی پیدا کر دیا ؂

باب دوم
فصل دوم

فصل دوم

ہندوستان کی صورت معاملات

جب تک کہ سلطنت مغلیہ کا شاہی انتظام ہندوستانی صوبہ جات کے آخری گوشے تک جاری وساری رہا اور سواحل سمندر تک بھی اسکا اثر برابر قائم رہا اس وقت تک انگریزی تاجروں کو بالکل اطمینان رہا۔ اُن کو محصول برآمد کے متعلق مقررہ مراعات دیدی گئی تھیں اُن کو کارخانے قائم کرنے کے لئے قطعات زمین اور دیگر حقوق عطا ہوتے رہتے تھے جن کا معاوضہ وہ نقد رقم میں فوراً ادا کردیتے تھے کیونکہ اُن کی رقم کی مالیت انھیں مل جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کے سرحدی مقامات میں امن و اطاعت کے آثار کم ہونے لگے۔ سیواجی ایک مرہٹہ سردار نے دکن کو اپنا جولانگاہ بنالیا۔ اُس نے کرناٹک پر حملہ کیا اور مغربی ساحل کے تمام بالائی خطے پر اپنا اقتدار جمانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بندرگاہیں اور نوآبادیاں بھی اُس کی دستبرد سے نہ بچ سکیں جو یورپین اقوام کے قبضے میں تھیں۔ ۱۶۶۴ء میں اُس نے سورت کے انگریزی کارخانے پر تاخت کی مگر سر جارج اکسنڈن نے نہایت جانبازی کے ساتھ کامیاب مدافعت کی۔ ۱۶۷۱ء میں اُس نے بڑی بڑی نذرانے کی رقمیں سورت اور دوسری پرتگالی نوآبادیوں سے وصول کیں۔ سلطنت مغلیہ کے عُمّال بھی اس سردار کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کا کوئی اطمینان نہیں دلا سکتے تھے کیونکہ شہنشاہ اورنگ زیب کی عنان توجہ اُس وقت افغانستان کی بغاوت کی طرف منعطف تھی مگر باوجود ایک طویل اور زبردست مہم لیجانے کے بھی وہ اس بغاوت کو فرو نہ کرسکا اورنگ زیب جب دکن واپس آیا تو اُس نے اپنے دشمنوں کی قوت کو میدان مقابلے میں پہلے سے بہت زبردست پایا۔ ۱۶۸۰ء میں سیواجی کا انتقال ہوگیا۔

باب دوم
فصل دوم

مگر اس کے بیٹے سمبھاجی نے سلسلۂ بغاوت کو جاری رکھا۔ بادشاہ کو ایک بعید مہم پر جانے کی وجہ سے عرصے تک دارالحکومت سے غیر حاضر رہنا پڑا تھا جس سے حکومت کے انتظام میں ابتری پھیلی ہوی تھی اور کچھ اس وجہ سے کہ دشمن ایک جگہ جم کر مقابلہ کرنے سے پہلو بچاتا تھا اور اس کی تلاش میں شاہی فوجوں کو مارا مارا پھرنا پڑتا تھا فوجیں اس متواتر جنگ آزمائی سے خستہ و دل برداشتہ ہو گئی تھیں۔ اورنگ زیب نے جنوبی ہند کی دونوں اسلامی سلطنتوں یعنے گولکنڈہ اور بیجاپور کو تباہ کر دیا تھا ورنہ ممکن تھا کہ ایسے وقت میں یہ سلطنتیں مرہٹوں کے طوفان خیز سیلاب کو کچھ روک لیتیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کی وبا ملک کے اس سرے سے اس سرے تک پھوٹ پڑی۔ اور ملکی انتظام متزلزل ہونے سے غیر ملکی جماؤ مستقل ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ تجارتی کمپنیوں کو اس طوائف الملوکی میں اپنی حفاظت کے لئے مجبوراً ایک خود مختارانہ حیثیت اختیار کرنی پڑی۔ صدر حکومت کی گرفت جسقدر اقطاع بعیدہ پر کمزور ہوتی چلی گئی اسیقدر مقامی آزادیاں اور ان کے ساتھ ہی ساتھ دراز دستیاں بڑھتی چلی گئیں۔ غیر ملکی تاجر مقامی عمال کے بالجبر استحصال اور متلوّن طلبانوں کے شکار ہونے لگے۔ پھر بھی ان کی حفاظت کی کوئی باقاعدہ ذمہ داری نہیں کیجاتی تھی۔ یہاں تک کہ جو مراعات و حقوق ان تاجروں کو دارالحکومت سے عطا فرمائے جاتے تھے ان کو بھی شاہی عمال بے پروائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ ساحلی مقامات پر پس پشت ڈالدیتے تھے۔

اس صورتِ واقعات کو دیکھ کر بہت بحث مباحثے کے بعد انگریزی کمپنی نے یہ تسلیم کیا کہ اہل ہالینڈ و پرتگال کی حفاظت و بے خطری کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تجارت گاہوں پر علانیہ قبضہ کر کے ان کی قلعہ بندیاں کر لی تھیں۔ اس طرح ان مقبوضات کے رہنے والے شاہی خوشی و ناخوشی سے فارغ رہتے تھے اور ہمسایہ عمال شاہی یا مقامی حاکموں کی طرف سے اگر کوئی دراز دستی کی جاتی تو اس کا جواب ترکی بہ ترکی دے سکتے تھے۔ انکے حدود اختیار سواحل سمندر تک محدود تھے اور ان کی غرض سوائے حفاظت تجارت کے اور کوئی نہیں تھی۔ مگر انگریزوں نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی محسوس کیا کہ

باب دوم
فصل دوم

ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا کہ اندرون ملک میں کسی غیر ملک کا جھنڈا بلند کیا جاسکے۔ پرتگالیوں نے گوا میں اپنی نوآبادی اُس وقت قائم کر لی تھی جبکہ مغلوں کی سلطنت نے مغربی سواحل تک وسعت نہیں پائی تھی اور اہل ہالینڈ نے اپنے خود مختار مقبوضات کو زیادہ تر جزائر تک محدود کر رکھا تھا۔ مگر سترھویں صدی میں باوجود اپنے ضعف و کمزوری کے بھی مغلیہ شان و قوت میں اس درجہ زوال نہیں آیا تھا کہ خاص سلطنت کے حدود میں کوئی دعویدار پیدا ہوا ور صاف بچ جائے۔ چنانچہ ۱۶۸۶ء میں جو انگریزی کمپنی نے شہنشاہ اورنگ زیب کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو کمپنی کے تمام مقبوضات اس جلد بازی کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ خوش قسمتی سے اُسی زمانے میں سمبھاجی کی گرفتاری اور قتل سے جنوب مغرب کی ہندو قوموں میں اپنے ▬▬ بادشاہ کے خلاف آتش بغاوت مشتعل ہو گئی اور شہنشاہ کو بے ترتیب لڑائیوں اور بے سلیقہ بغاوتوں کی بھول بھلیاں میں اس درجہ مصروفیت ہو گئی کہ غیر ملکی گستاخوں کی طرف قرار واقعی توجہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ علاوہ برآں چونکہ سلطنت مغلیہ کے پاس کوئی باقاعدہ بیڑہ نہیں تھا اس وجہ سے بندرگاہوں کی اور دریا کے ذریعے سے سمندر میں جانیوالے راستوں کی ناکہ بندی نہ ہو سکی نہ غیر ملکی جہازات کو آنے جانے سے روکا جا سکا۔ اور سب پر طرّہ یہ ہوا کہ غیر ملکی تاجروں سے دوستانہ تعلقات قطع ہو جانے سے شاہی محاصل سائرات کو سخت نقصان پہنچنے لگا۔

ہندوستان کی سولھویں صدی کی تاریخ میں دو امور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر علت و معلول کے سلسلوں کو ان سے چلایا جائے اور رفتار واقعات پر نظر رکھی جائے تو آخر میں تین سو سال کے اندر یہ تمام سلسلے پھر ایک جگہ مل کر ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے قیام و استحکام پر ختم ہو جاتے ہیں۔ پہلا امر ایک یورپین قوم یعنی پرتگیزوں کا سمندر کے راستے سے ہندوستان خاص میں اول مرتبہ قدم جمانا اور اپنی نوآبادی قائم کرنا ہے۔ دوسرا امر دریائے سیحوں کے اس پار کی تاتار قوم کے ایک سردار کے ہاتھوں سلطنت مغلیہ کا قائم ہونا ہے۔ یورپین قوم نے چند سال پہلے سمندر کے راستے سے زبردستی داخلہ حاصل کیا

باب دوم
فصل دوم

اور مغلوں نے چند سال بعد اپنا آخری اور فیصلہ کن حملہ خشکی کے راستے سے کیا۔ **البوقرق** پرتگیزی سردار نے ۱۵۱۰ء میں **گوا** پر قبضہ کیا اور ۱۵۲۵ء میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد ہندوستان میں چغتائی خاندان کے ایک تاتاری سردار **بابر** کی شاندار حوصلہ مندی اور قابلانہ جنگجوئی سے قائم ہوئی جس نے صرف بارہ ہزار نبرد آزماؤں کے ذریعے سے دہلی کے پٹھانوں کی سلطنت کو الٹ دیا۔ اور ہندوستان کے تمام شمالی صوبہ جات کو یکے بعد دیگرے زیرفرمان کرلیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب آخری عزت قائم رکھنے والا اس خاندان مغلیہ کا ہوا جس نے ہندوستان پر سولھویں صدی کے وسط سے کامیابی سے حکومت قائم کررکھی تھی۔ یہ سلطنت اپنے انتہائی استحکام وعروج کو شہنشاہ اکبر کے زمانے میں پہنچ گئی جو ملکہ ایلزبتھ کا ہم عصر تھا۔ اکبر کی تخت نشینی یعنے ۱۵۵۶ء سے اورنگ زیب کی وفات یعنے ۱۷۰۷ء تک چار بادشاہوں نے ایک سو اکاون ۱۵۱ سال تک حکومت کی۔ اور چونکہ ایشیا میں حکومت کی طوالت حکومت کی جلالت کا ثبوت ہے اس لئے ڈیڑھ سو سال تک مغلوں کو پورے ہندوستان کا مالک سمجھنا چاہئے۔ مگر شاہی خاندان اپنی نسل وعادات کے اعتبار سے غیرملکی تھا۔ حکومت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ اصل ولایت سے تازہ نسلیں لائی جاتی تھیں۔ جنگجو وسیاسی طبقہ ان حوصلہ مند غیرملکیوں پر مشتمل تھا جو وسط ایشیا سے آکر اپنے ہم مذہب اور ہم قوم بادشاہ کی ملازمت اختیار کرلیتے تھے۔ شہنشاہ اکبر اور اُس کے دو جانشین بڑے قابل حکمران تھے انھوں نے ہندوؤں کے شاہی خاندان سے رابطۂ اتحاد پیدا کیا۔ عام ملکی رعایا کے عقائد و روایات کی ایک حد تک تکریم کی۔ اور اپنی سیاسی و مذہبی خودمختاری کو معقولیت کے حدود سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ شہنشاہ جہانگیر وشاہجہاں دونوں ہندو بیگموں کے بیٹے تھے۔ مگر شاہجہاں کا بیٹا اورنگ زیب مسلمان ماں باپ کا بیٹا تھا اور اپنے عادات کے اعتبار سے متعصب مسلمان تھا۔ شاہجہاں کے بیٹوں میں جو خانہ جنگی ہوئی تھی اُس میں فتح پالینے کے بعد

باب دوم
فصل دوم

اورنگ زیب کے تعصب[1] نے مردم آزاری اور حوصلہ مندی نے ہوسِ ملک گیری کی صورت اختیار کرلی۔ اورنگ زیب کی طویل حکومت کے آغاز میں ایک فرانسیسی طبیب دربار مسمی فرانسس برنیئیؔ دار الحکومت ہند میں موجود تھا۔ اُسکی تحریروں میں اُس زمانے کے حالات کی اصلی تصویر کھچی ہوئی ملتی ہے۔ اُس کی تصنیف دراصل اُس زمانے کی منہ سے بولتی تصویر ہے اور طرز حکومت ترتیب افواج و طرز معاشرت و انتظام مملکت پر اُس نے بڑی قابلانہ رائیں ظاہر کی ہیں۔ شاید ان تمام تحریروں میں سب سے زیادہ قدر و قیمت کے قابل فرانسس برنیئے کا وہ خط ہے جو اس نے "ہندوستان کے حالات" کے عنوان سے اپنی واپسی فرانس پر لوئی چہاردہم کے مشہور وزیر کالبرٹ کو لکھا تھا جس نے اُس فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ڈالی تھی جو اٹھارھویں صدی میں انگریزی کمپنی کی زبردست رقیب ثابت ہوئی۔ جنگی و سیاسی طبقے کے جو حالات برنیئیؔ نے لکھے ہیں وہ بڑے سبق آموز ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "مغل اعظم ہندوستان میں ایک غیر ملکی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے تئیں ایک ایسے غیر مانوس ملک میں موجود پاتا ہے جس میں فی مغل بلکہ فی مسلمان سینکڑوں غیر مذہب کے لوگ (ہندو) موجود ہیں۔ خود دربار میں ابتدائی دور حکومت کی طرح صرف مغل ہی مغل نہیں ہیں بلکہ اوزبک۔ ایرانی۔ عرب۔ ترک تاتاری یا اُن کی نسلوں کا ایک بیچ میل ہے"۔ ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے کہ "یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دربار مغلیہ کے امرا قدیم خاندانوں کے اراکین ہیں جیسے کہ ہمارے وطن فرانس میں ہوتے ہیں بلکہ اُن میں مختلف قوموں کے طالع آزما شامل ہیں جو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی یا طلبی پر حاضر آستانہ ہو گئے ہیں۔ اُن میں عموماً ادنیٰ نسل کے لوگ ہیں اور اکثر ایسے لوگ ہیں جو اصل نسل غلام ہیں یہ بادشاہ کی

[1] انگریزی مورخوں کی عادت ہے کہ وہ اورنگ زیب کو متعصب **اور مردم آزار** **لکھا کرتے** ہیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی نے ایک رسالہ **اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر** کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس میں مورخین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہ رسالہ طلبائے اسلام کو ضرور پڑھنا چاہئے تاکہ مورخوں نے اورنگ زیب کی نسبت جو فاسد خیالات پیدا کر دیئے ہیں وہ رفع ہوں۔ فی الواقع اورنگ زیب کا اسلام اور اہل اسلام پر احسان ہے۔ وہ حامی اسلام تھا۔ (تنقید ناظر مذہبی کتب جامعۂ عثمانیہ)

باب دوم
فصل دوم

شان تلوّن و تفنّن پر منحصر ہے کہ جسے چاہے آسمان کو پہنچا دے اور جسے چاہے زمین پر گرا دے"۔

اُس کے بعد برنئیر نے بالتفصیل یہ بیان کیا ہے کہ "تمام شخصی جائدادیں غیر محفوظ ہیں۔ تمام محاصل اراضی غیر معین ہیں۔ حکومت غیر مستقل ہے۔ انصاف غیر متوقع ہے اور بادشاہ اور اُس کے عمال خود مختار ہیں اور اپنی مرضی پر دنیا کو چلانا چاہتے ہیں۔ خود مختاری کی انتہا اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اہل زراعت و حرفت اپنی ضروریات زندگی سے محروم کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ غریب کاشتکار اپنے گھر چھوڑ چھوڑ کر نکلے جا رہے ہیں اور زراعت کا ستیاناس ہوا جا رہا ہے۔ غرض یہ کہ وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو عموماً ایشیائی سلطنتوں کے زوال کا باعث ہوتی ہیں"۔ وہ کہتا ہے کہ "اسی سقیم انتظام کی وجہ سے ہندوستان کے اکثر شہروں میں کالی پیلی مٹی یا اسی قسم کے ادنیٰ ملبے کے کچے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ اب تک ویران نہیں ہو گیا ہے تو اب اُس میں عنقریب تباہی و ویرانی کے آثار نظر نہ آتے ہوں"۔ غرض یہ کہ برنئیر نے ایسی علامات و آثار سے بحث کی ہے جن کو ایک غائر نظر رکھنے والا کسی سلطنت کے سیاسی و اقتصادی زوال کی علامات سے تعبیر کر سکتا ہے۔

برنئیر نے جس زمانے کا حال لکھا ہے اُس سے کچھ ہی عرصے بعد اورنگ زیب نے اُن کبھی نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ جنوبی ہند میں شروع کیا جنھوں نے اُس کو ایسی بداقبالیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیا کہ اُس کی حکومت کا آخری دور تاریک تر ہوتا چلا گیا۔ بے شک وہ جنوب کی اُن چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب ہو گیا جو ہندو آبادی کو اپنے قبضے و اقتدار میں دبائے رکھتی تھیں مگر اُس نے اپنی سلطنت کو وسعت دیکر در اصل اُسے کمزور کر لیا۔ کیونکہ جنوب کے بعید صوبوں پر مرکز حکومت میں بیٹھکر انتظام نہیں قائم کیا جا سکتا تھا اور ہندوؤں میں اُس کے تعصب کی وجہ سے صرف اشتعال ہی نہیں پیدا ہو گیا تھا۔ بلکہ اس سبب سے کہ وہ اُن کو اپنے قابو میں نہ رکھ سکتا تھا ان میں جرأت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ علاوہ براں سلطنت مغلیہ نے کبھی

باب دوم
فصل دوم

اپنی بحری سرحد کی طرف کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ فی الحقیقت درہ ہائے افغانستان سے ہو کر آنے والے شمال و مغربی حملہ آوروں کے سوائے نہ مغلوں کو کسی اور طرف کے حملے کی امید تھی نہ یہ خیال تھا کہ کسی اور طرف سے کوئی حملہ یا مداخلت کا اندیشہ کرنا چاہئے۔ اگر کوئی بحری قوت اُس وقت موجود تھی تو سدّیوں کی تھی جو حبشیوں کی ایک خود مختار بستی کے حاکم تھے اور اُن کا حاکم اکثر اپنا بیڑہ اُجرت پر شہنشاہ اورنگ زیب کی خدمت کرنے کے لئے ایسے وقت پر دیدیا کرتا تھا جبکہ جزیرہ نمائے ہند کے مغربی سواحل پر کوئی ضرورت آپڑے،

ایسے ایسے موافق اسباب جمع ہو گئے۔ اور اس قسم کے مدد کرنیوالے واقعات پیش آئے کہ مرکزی حکومت کا ابتدائی زوال ہوا۔ سلطنت کے انتہائی عضوں پر شاہی اختیارات سُست ہو گئے مرہٹہ سرداروں کی سرکردگی میں عام ہندوؤں نے بلوے کرنے شروع کر دیئے جس سے تمام ملک میں تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ ان سب موقعوں سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے بہت کم دقت کے ساتھ سترھویں صدی کے آخر زمانے میں اپنے قدم ہندوستانی سواحل پر جما لئے۔ ساتھ ہی اُس کے یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جس وقت سلطنت مغلیہ کی اندرونی غلطیوں اور بے انتظامیوں نے بحری حملہ آوروں کے لئے راستہ کھولنا شروع کیا تھا اُسی وقت یورپ بھی ایسی لڑائیوں کا میدان بنا ہوا تھا جن کی وجہ سے بہت زمانے تک کے لئے انگلستان کے دونوں تجارتی رقیبوں یعنے فرانس اور ہالینڈ کے تمام وسائل آپس میں صرف ہو کر بالکل بے کار ہو گئے،

سترھویں صدی کے نصف اُخریٰ میں جن دونوں خود مختار و خودسر بادشاہوں نے ہندوستان و فرانس میں فرماں فرمائی کی ہے۔ اُنکا دورِ حکومت باعتبار زمانۂ تخت نشینی کے بھی بہت کچھ ملتا ہوا ہے اور دونوں کی وفات بھی اٹھارھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں صرف چند سال آگے پیچھے ہوئی ہے۔ اِن دونوں مشہور فرمانرواؤں نے جس طرزِ عمل سے اپنی ذات کو وابستہ کیا تھا اور جو بداقبالی کے نتائج اُس سے نکلے اُنمیں بھی اسقدر حقیقی مشابہت

باب دوم
فصل دوم

کہ اس کو محض تاویل سے نہیں تعبیر کیا جا سکتا ہو

اورنگ زیب اور لوئی چہاردہم نے تخت سلطنت پر اُسوقت قدم رکھا جبکہ دونوں کی سلطنتیں انتہائے شان و شوکت کو پہنچ چکی تھیں۔ دونوں نے شروع سے ہی ایسی روش اختیار کی کہ صرف فتوحات سے اور کمزوروں پر بے صرفہ حملہ کرنے سے کام رکھا جو ابتدائً کامیاب ہوتے رہے۔ دونوں نے اپنی سلطنتوں کی خوشحالی اور اپنے خاندان حکومت کے استحکام کو برباد کر دینے کے سامان اپنی ناعاقبت اندیشی اور مسرفانہ جنگ بازی سے پیدا کیے۔ اپنی رعایا کو مجنونانہ مذہبی تعصب کی وجہ سے اذیتیں پہنچانا[1] تمام مقامی نظامات کو برباد کر کے جملہ انتظامی اختیارات کا ناقابل برداشت بار مرکزی حکومت کے سر ڈال دینا۔ ادنیٰ طبقے کے نوکر چاکروں۔ ذلیل نفس پرستوں اور متعصب تنگ خیالوں کو دربار میں اثر و اقتدار عطا کرنا اور سب پر مستزاد یہ کہ درباریوں میں نمائش و نمود اور عام طبقے میں نفس پرستی یا جمود کا پیدا ہو جانا فرانس کے خاندان بوربون کے سپوت لوئی چہاردہم اور ہندوستان کے خاندان مغلیہ کے چراغ اورنگ زیب کے دور حکومت کے خصوصیات تھے۔ اور دونوں جگہ دیکھئے کہ نصف صدی کی خودسرانہ بدحکومتی کو غیر ملکی جنگوں۔ مذہبی بغاوتوں اور استبدادی درازدستیوں نے اِس درجہ ناقابل اصلاح بنا دیا کہ حکومت کی رگ رگ ڈھیلی پڑ گئی اور رعایا پر ہر طرف سے بلائیں اور آفتیں نازل ہونے لگیں ہو

سترھویں صدی کے آخر زمانے میں مطلع ابر آلود ہونے لگا اور اٹھارھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں دونوں بادشاہوں کی خوش اقبالی کا چاند چھپنا شروع

---

[1] "مجنونانہ مذہبی تعصب" کے الفاظ خود اُس تعصب پر دلالت کرتے ہیں جو یورپ کے مورخوں کو اورنگ زیب کی نسبت بالعموم ہے۔ اورنگ زیب کے دربار میں صرف مسلمان نہ تھے بلکہ بڑے بڑے ہندو بھی شامل تھے جو اثر و اقتدار رکھتے تھے اسی سے بادشاہ کی بے تعصبی ثابت ہوتی ہے۔ اسی مضمون کے متعلق ایک نوٹ صفحہ ۹۴ پر دیا گیا ہے۔ اُس کو اس فقرے کے ساتھ بھی پڑھنا مناسب ہوگا۔ (تنقید ناظر مذہبی کتب جامعۂ عثمانیہ)

باب دوم
فصل دوم

ہوگیا۔ اور قضا و قدر نے یہ چاہا کہ دونوں سلطنتوں کا زوال و تنزل انگریزوں کی تجارت کے عروج و اقتدار کا معین و مددگار ہو جائے۔ سنہ ۱۶۹۱ء میں شاہ ولیم نے ریاست ہائے جرمنی اور انگلستان ہالینڈ و اسپین کا اتحاد فرانس کے خلاف قائم کیا۔ اس اتحاد سے فرانس کا بڑھنے والا زور رک گیا اور اس کی توسیع تجارت و مملکت کی تمام تجاویز ایک بڑی یورپین جنگ میں پائمال کردی گئیں۔ اگرچہ صلح رسیویک سے علانیہ جنگ کئی سال ملتوی رہی مگر سنہ ۱۶۹۰ء سے سنہ ۱۷۱۳ء تک فرانس کو بڑے پیمانے پر اور بے انتہا مصارف برداشت کرکے اپنے تمام یورپین ہمسایوں کے ساتھ معنوی آویزشوں میں مبتلا رہنا پڑا۔

سلطنت مغلیہ کی حالت اس سے بھی بدتر رہی۔ سترھویں صدی کے دوران میں جبکہ سلطنت مغلیہ کے زور کا زمانہ تھا کسی بیرونی حوصلہ مند کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ سرزمین ہند پر قدم رکھ سکے۔ سوائے اس حالت کے کہ شاہی اجازت سے وہ قیام کرسکتا تھا اور وہ بھی بالکل غیر مطمئن قیام ہوتا تھا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے شروع ہوتے ہی شاہی حکومت کی بدنظمی علانیہ بڑھنے لگی بلکہ انتہا کو پہنچنے لگی۔ اورنگ زیب کا دور حکومت کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہندوؤں نے جو اس کے تعصب و تشدد سے تنگ آکر بغاوت کی تھی اس کی آگ کے شعلے بھڑکتے جاتے تھے اور گردوپیش کو متاثر کرتے جاتے تھے۔ ملک میں یہ خیال یقین کے درجے تک پہنچ گیا تھا کہ اورنگ زیب کی وفات پر اس کے بیٹوں میں تخت سلطنت کے لئے جنگ ہوکر رہیگی۔ اور فاتح تخت و تاج کا مالک بنیگا۔ مالی مشکلات بڑھتی جاتی تھیں اور بادشاہ کا انتظام ہر جگہ علانیہ سست نظر آتا تھا۔ یہ تمام امور ایک مشرقی خاندان حکومت کی کمزوری زوال اور سریعی بربادی کے اسباب ہوتے ہیں اور ہوکر رہے۔ شمال مغرب میں ایرانیوں اور شورہ پشت افغانی جرگوں نے اورنگ زیب سے تمام شاہی سرحدی قلعہ جات چھین لیئے تھے۔ چنانچہ یہ نہایت اہم سرحد اس کی گرفت سے نکل چکی تھی اور وسط ایشیا کے حملہ آوروں کی شاہراہ پھر کھل گئی تھی۔ جنوب مغرب میں بیجاپور و گولکنڈہ کی سلطنتوں کو تباہ کرکے

باب دوم
فصل دوم

اورنگ زیب نے کسی ایسے نظام کو قائم کرنے کی قابلیت نہیں ظاہر کی جس سے وہ تمام شورہ پشت عناصر قبضہ و تسلط میں رکھے جا سکتے جن کو اُس کی کوتہ اندیشانہ ہوسِ ملک گیری نے آزاد و مطلق العنان کر دیا تھا۔ فوج سے برطرف کئے ہوئے سپاہی۔ قتل و غارت کے شکار کاشتکار۔ اور جبر و تشدد برداشت کئے ہوئے ہندو زمیندار سب کے سب مرہٹہ سرداروں کے جھنڈوں کے تلے جمع ہو گئے۔ چنانچہ کہیں شاہی سرداروں کو رشوتیں دی گئیں۔ کہیں اُن کا مقابلہ کیا گیا۔ علاقوں کو لوٹا گیا۔ محاصل کو قطع کیا گیا۔ اور مغل فوجوں کو ایک ایک کر کے شکستیں دی گئیں۔ اپنی حکومت کے آخری بیس سال کے عرصے میں یعنی ۱۶۸۳ء سے ۱۷۰۷ء تک اورنگ زیب نے اپنی فوجوں کی قیادت رزمگاہ جنوب مغرب میں خود اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی یہاں تک کہ نواسی سال کی عمر میں بمقام احمد نگر اس کا انتقال ہو گیا۔ باعتبار اپنی طرز روش کے دنیا کی تاریخ میں اورنگ زیب اور مارکس آریلیس سے زائد کوئی دو بادشاہ ایک دوسرے سے غیر مشابہ نہیں گزرے ہوں گے۔ تاہم اورنگ زیب کا حشر دیکھ کر بے ساختہ اِس رومن بادشاہ کی یاد دل میں تازہ ہو جاتی ہے جبکہ وہ چودہ سال کی متواتر سرحدی جنگ بازی کے بعد اپنے پینونیا کے پڑاؤ میں دم توڑ رہا تھا اور اُس کے مشرقی صوبہ جات کو پارتھی قوم دھمکی دے رہی تھی اور وحشی قومیں اُس کی ہزارہا فوجوں کو دریائے ڈینوب پر تھکائے مار رہی تھیں۔ غرض یہ کہ سلطنت مغلیہ کی یہ تمام اندرونی خرابیاں شیرازۂ سلطنت منتشر ہونے کی ظاہر علامتیں اور ایک بڑے انقلاب سیاسی کا پیش خیمہ تھیں۔

باب سوم
فصل اول

باب سوم

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کا استحکام ۱۶۹۰ء–۱۷۰۲ء

فصل اول

مشرقی تجارت کی حالت اور اہمیت

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیئے سترھویں صدی کا آخر زمانہ ایک طرح کا چولا تبدیل کرنے کا زمانہ تھا یعنے اس نے ایک خالص تجارتی کارخانے سے پریشانی و مصیبت کا سامنا کر کے ایک طرح کی ابتدائی مقامی خود مختار سلطنت کی سی حیثیت اختیار کرنی شروع کی تھی۔ سلطنت مغلیہ کی روز افزوں کمزوری نے کمپنی کی تجارت کے خطرات کو المضاعف کر دیا تھا۔ کیونکہ جو لڑائیاں کمپنی کی نوآبادیات کے قریب ہوتی رہتی تھیں ان سے ہر وقت اِس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی غارت گر اس طرف کا رخ نہ کرے۔ کوئی استحصال بالجبر کرنے والا اِدھر نہ آ دھمکے۔ کوئی خدائی فوجدار بیچ میں نہ کود پڑے یا کوئی یورپین ہم چشم حملہ کر کے ادھر کے حقوق نہ غصب کر لے۔ چنانچہ کمپنی نے بالقصد یہ طرز عمل اختیار کیا کہ جہاں تک ہو اپنے تئیں دیسی افسروں کے تسلط و توسل سے آزاد کیا جائے۔ اور اسی بنا پر اپنے عُمّال کو خاص طور سے یہ حکم دیا کہ تحصیلِ محاصل کے اضافہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ ۱۶۹۰ء میں کمپنی نے جو گشتی احکام اپنے عُمّال کے نام جاری کیئے ان میں یہ الفاظ تھے کہ "ہم کو اپنے مالیہ کی ترقی کی بھی اتنی ہی فکر لازم ہے جتنی اپنی تجارت کی۔ اسی کے ذریعے سے ہم اپنی فوجی قوت ایسے وقت میں قائم رکھ سکتے ہیں

باب سوم
فصل اول

جبکہ بیسیوں حادثے ہماری تجارت میں خلل ڈالنے والے پیدا ہوتے رہتے ہیں اسی کے ذریعے سے ہم ہندوستان میں ایک قوم بن سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ ڈچ عقلا نے اپنی تمام ہدایات میں جہاں دس جملے اپنی حکومت اپنی انتظامی و جنگی حکمت عملی۔ اپنی نبرد آزمائی اور توفیر مالیہ کے متعلق لکھے ہیں وہاں صرف ایک جملہ اپنی تجارت کے متعلق لکھا ہے۔ چنانچہ اب ہماری غرض یہ ہے کہ وہ انتظامی و جنگی حکمت عملی اختیار کریں اور اس قدر کثیر رقم بطور محاصل کے وصول کریں کہ زمانۂ آئندہ کے لیئے ایک بڑی اور مستحکم انگریزی سلطنت ہندوستان میں قائم ہو جائے۔"

کمپنی کی یہ ہدایات صاف ظاہر کرتی ہیں کہ حکومت کی ہوا اُس کو لگ چکی تھی اور وہ علاوہ تجارت کے کسی اور بڑے شکار کے فکر میں تھی اور آہستہ آہستہ اپنی قوت عمل کو خاص سرزمین ہند میں مجتمع کرتی جاتی تھی۔ مدراس اور بمبئی میں کمپنی کے قلعہ جات خاصی حالت میں تھے اگرچہ ان کی فوجوں میں بہ استثنائے چند یورپینوں کے زیادہ تر ارمنیوں عربوں حبشیوں اور دوغلے پرتگالیوں کی آمیزش تھی۔ بنگال میں شاہی وائسرائے خود اس قدر مصائب میں گرفتار تھا کہ اس نے کمپنی کے ایجنٹ کو کلکتہ کی قلعہ بندی کی اجازت دیدی چنانچہ اس زمانے کے بادشاہ انگلستان کے نام پر فورٹ ولیم تعمیر کیا گیا۔ سنہ ۱۶۸۶ء میں کمپنی نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے تمام مقبوضات کو ایک باقاعدہ نظام کے تحت میں مرتب کرے چنانچہ اس غرض کے لیئے اس نے شاہ جیمز سے اپنے گورنر کے لیئے ہندوستان میں صلح و جنگ کرنے کے اختیارات حاصل کر کے انگلستان میں ایک مسلح بحری مہم تیار کی اور سر جان چائلڈ کی سرگردگی میں اس مہم کو یہ احکام دیکر روانہ کیا کہ دیسی عمال کے ہاتھوں جو نقصانات کمپنی کو برداشت کرنے پڑے ہیں اور جس جس طرح کمپنی کی اہانت کی گئی ہے ان سب کی تلافی کے مطالبے میں سلطنت مغلیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کردے۔ اگرچہ سلطنت مغلیہ اس وقت سقیم حالت میں تھی تاہم اس میں اتنی نخوت و قوت باقی تھی کہ ایسے گستاخ حملہ آوروں کو پیس ڈالے۔

باب سوم
فصل اول

چنانچہ مغربی ہندوستان میں شاہی اختیارات کی خلاف ورزی کرنے کا خمیازہ سخت مصیبت کی صورت میں کمپنی کو اٹھانا پڑا۔ کیونکہ شہنشاہ اورنگ زیب تھوڑے ہی فاصلہ پر اپنی فوج کے بڑے حصے کے ساتھ موجود تھا۔ بمبئی میں کمپنی کی فوج میں صرف پندرہ یورپین تھے باقی ایک خام کار بے قاعدہ دیسی فوج تھی۔ انگریزی گورنر اپنے ہی شہر اور قلعے میں محصور ہو گیا۔ اور حبشی سیدی سردار کے بیڑے نے اس کا قافیہ تنگ کر دیا۔ بنگال اور شمال مشرقی سواحل پر جو مہم بھیجی گئی تھی وہ بالکل ناکام رہی۔ اس صوبے کے انگریزی کارخانوں پر حملے ہوئے اور عارضی طور پر انگریز ان کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے یہ احکام صادر فرما دیئے کہ انگریزوں کو مدارس سے بالکل نکال باہر کیا جائے اور انگریزی حاکم صوبہ نے جب یہ سنا کہ ایک مغل فوج جنوب کی طرف کوچ کر چکی ہے تو اس کے اور اس کے چند یورپین سپاہیوں اور دو خلے پرتگالیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ سر جان چائلڈ جو اس جنگی حکمت عملی کی روح رواں تھا ۱۶۹۰ء میں فوت ہو گیا اور اس تمام حوصلہ مندی کا ذلت کے ساتھ شہنشاہ اورنگ زیب کے ایک فرمان پر خاتمہ ہو گیا جس میں شہنشاہ نے یہ اظہار فرمایا تھا کہ انگریزوں کی طرف سے ایک عاجزانہ درخواست رحم وصول ہونے پر جہاں پناہ نے اس قوم کی گستاخیوں سے درگزر فرما دیا ہے۔ جب یہ خبر کمپنی کے ڈائرکٹروں کو انگلستان میں پہنچی تو اس فرمان پر ان کو بہت کچھ غصہ آیا کیونکہ انگریزوں کی طرف سے کوئی درخواست رحم نہیں ارسال کی گئی تھی۔ مگر وہ موقعہ اس قسم کے بحث مباحثے کو جاری رکھنے کے لئے موزوں نہیں تھا۔

اس کے بعد کے دس سال میں سلطنت مغلیہ کی پریشانی اور تنزل کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ اورنگ زیب کے ایک بیٹے نے ایک ایک بڑی فوج کے ساتھ ایران سے ہندوستان پر حملہ[1] کر دیا اور اس وقت

[1] اورنگ زیب کے بیٹے کا ایران سے ہندوستان پر حملہ کرنا غلط واقعہ ہے۔[2] تمام فارسی

باب سوم
فصل اول

میں جنوبی ہند کے صوبہ جات دکن - میسور اور کرناٹک میں بڑی فوجی قوت کے ذریعے سے شاہی اقتدار قائم رکھا جا سکا - بہر حال اورنگ زیب کی طویل حکومت نے تمام ہندوستان کو ایک انقلاب عظیم کی امید و بیم میں رکھ چھوڑا تھا - چنانچہ معاملات کے تزلزل نے غیر ملکی نو آبادیات کو - خودسر عاملوں - باغی سرداروں - غارتگر لٹیروں - اور حریص ہم چشموں کی چیرہ دستیوں سے مقابلہ کرنے کے لیئے روز بروز اپنے ذاتی وسائل پر بھروسہ کرکے حفاظت خود اختیاری پر مجبور کیا - یورپین ہمچشموں کی یہ حالت تھی کہ ۱۶۹۰ء سے ۱۶۹۷ء تک یورپ میں برابر نبرد آزمائی ہورہی تھی اور فرانس نے انگلستان جانے والے انگریزی جہازوں کو شدت سے نقصانات پہنچائے تھے - یہاں تک کہ ایک موقع پر تجارتی جہازوں کے ایک پورے بیڑے پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا - خود اہل ہالینڈ باوجودیکہ یورپ میں انگریزوں کے بھروسے کے اتحادی تھے مگر انھوں نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو ایشیا میں روکنے کے لیئے اپنی قدیم حاسدانہ کارروائیوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

انگریزوں نے اپنی مشرقی تجارت کی انتہائی اہمیت کو سترھویں صدی کے آخری زمانے میں پوری طور سے سمجھ لیا تھا جس کا ثبوت سر چارلس ڈیوینٹ کی تحریروں سے ملتا ہے جس کو معاملات تجارت میں اس زمانے میں حکم ہونے کی حیثیت حاصل تھی - سر چارلس لکھتا ہے کہ خاندان ٹیوڈر کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ؛ - اور اردو تاریخیں جو ابتک نظر سے گزریں وہ متفق ہیں کہ اورنگ زیب کا ایک لڑکا محمد اکبر راجپوتوں کے اغوا سے باپ سے باغی ہوگیا - لڑائی میں شکست کھا کر ایران کو چلا گیا - انگریزی تاریخ ہند مولفہ تامسن مطبوعہ ۱۹۰۸ء کے صفحہ ۱۸۲ میں لکھا ہے "ان کو (راجپوت کو) شکست فاش ہوی اور باغی شہزادہ (محمد اکبر) نے پہلے مرہٹوں کے پاس پناہ لی اور پھر براہ سمندر ایران چلا گیا - جہاں سے واپسی اسکو نصیب نہ ہوی (از مولوی صفی الدین صاحب ناظر مذہبی کتب جامعہ عثمانیہ)

باب سوم
فصل اول

صد سالہ عہد حکومت میں انگلستان کو اعلیٰ درجے کی خوشحالی نصیب ہوئی اُدھر اہلِ ہالینڈ نے اپنی روزافزوں ترقی نسل کے لیئے اپنے ملک میں گنجائش نہ پائی اس لیئے دونوں قوموں کو بیرونی تجارت کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ برخلاف اِس کے فرانسیسی قوم کی تعداد سولھویں صدی کی مذہبی لڑائیوں کی وجہ سے بہت گھٹ گئی اِس لیئے دونوں پروٹسٹنٹ قوموں یعنے انگلستان وہالینڈ کو بہت اچھا موقع مل گیا کہ اپنی سمندر پار کی تجارت زور و شور کیساتھ بڑھاتے چلے جائیں۔ ایک اور جگہ مشرقی تجارت پر ایک مضمون کے دوران میں سر چارلس نے تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی ہے کہ کیا کیا مالی فوائد اور سیاسی اغراض انگلستان کو ممالک مشرق میں اپنی حیثیت قائم رکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں اور کس درجے کو تہ اندیشی یہ ہوگی کہ اہلِ ہالینڈ کو ممالک مشرق میں ایسا اقتدار حاصل کر لینے دیا جائے کہ وہ کسی رقیب کو ابھرنے ہی نہ دیں۔ خاص مشرقی تجارت کے متعلق سر چارلس کے الفاظ یہ ہیں کہ "جس ملک کا پورا قبضہ اِس تجارت پر ہوگا۔ اسی کا قانون تمام دنیا کی تجارت پر چلے گا۔" سر چارلس نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ اگر انگریز ہندوستان پر سے اپنی گرفت کھو بیٹھیں گے۔ تو ان کو اپنے آدھے غیر ملکی کاروبار سے ہاتھ اٹھا لینا پڑے گا۔ اور وہ اس بات پر بہت زور دیتا ہے کہ تجارت کھو بیٹھنے سے ہم سمندر کی حکومت سے بالکل محروم کر دیئے جائیں گے کیونکہ بیرونی تجارت ہی ایک بڑی بحری قوت کی کفیل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد سر چارلس نے ممالک مشرق میں ہالینڈ کی مہتم بالشان قوت کی تفصیل دی ہے۔ اس سرمایے کی تعداد بتائی ہے جو اس عظمت وشان کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے میں صرف ہوا ہے۔ اُن قلعہ جات ومحفوظ مقامات کا حال لکھا ہے جن میں کثرت سے فوج اور سامان رسد جمع ہے۔ اُن کے زبردست بیڑے۔ اُنکے موقعے کی بندرگاہوں اور اِن کی قوت عمل اور دولت و اتحاد کی تعریف کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "ڈچ کمپنی در اصل ساتوں آزاد شدہ صوبہ جات کی سات کونسلوں کا

باب سوم
فصل اول

تجارتی مجسمہ ہے۔ جو صوبہ جات متحدہ کے قیام کے وقت سے قائم ہے اور جس کے اراکین میں ملک کے بہترین و قابل ترین دل و دماغ شامل ہیں۔ سر چارلس نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر انگریز اس تجارت کو ڈھیلا چھوڑ دینگے تو اہل ہالینڈ بلاشبہ اس پر پورا قبضہ حاصل کرلیں گے اور پھر انگلستان کے واسطے سوائے اس کے چارۂ کار نہیں رہے گا کہ ہالینڈ کے زیر سایہ اور اس کے جھنڈے کے تلے کچھ کاروبار کرلیا کرے۔ پھر سر چارلس نے حساب لگاکر بتایا ہے کہ اگر ہالینڈ مشرقی تجارت کا اجارہ دار بن گیا تو اس کو سالانہ ساٹھ لاکھ پونڈ کی آمدنی ہوگی جو پیرو اور میکسیکو کے مجموعی محاصل سلطنت سے زائد ہے۔ اس کثرتِ تمول سے بحری فوقیت کا پاسہ انگریزوں کے بالکل خلاف پلٹ جائے گا اور انگریزی سلطنت بالکل تباہ ہوجائے گی۔ کیونکہ یہ خطرہ بھی لگا ہوا تھا کہ ہالینڈ کے صوبہ جات فرانس کی ماتحتی میں آجائیں۔ برخلاف اس کے اگر انگریز کمر ہمت باندھ لیں گے اور ہالینڈ کو دبالیں گے اور اگر انگریزی تجارت اس درجے کو پہنچ جائیگی جس درجے کو وہ پہنچ سکتی ہے تو انگلستان کو وہ قوت و عظمت حاصل ہوجائے گی کہ وہ اپنے وسائل سے کام لیکر دنیا کی کسی قوم کی ٹکر اٹھا سکیگا بلکہ بالکل روما کی طرح وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک۔ دنیا کے قانون کا واضع اور قوت۔ عزت اور تقسیم خدمت کا اپنی وسیع محروسات میں سرچشمہ بن جائے گا۔" اس کے ساتھ ہی ہم کو ایک دوسرے ہمعصر حکم کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ جو سر چارلس سے زیادہ سر برآوردہ تھا۔ یہ شخص لیبنز تھا جس نے ۱۶۷۲ء میں بادشاہ فرانس لوئی چہار دہم کی خدمت میں اپنی ضابطے کی طول وطویل تجویز موسومہ کونسیلیم ایجپٹکیم پیش کی تھی جس میں اس نے اپنے بادشاہ کو بڑی شد و مد سے یہ مشورہ دیا تھا کہ مصر پر قبضہ کرکے اسے اپنے محروسات میں شامل کرلے۔ اس کا بڑا استدلال یہ تھا کہ مصر پر قبضہ ہوجانے سے مشرق کی بے بہا تجارت فرانس کے تصرف میں آجائے گی جس سے وہ ہالینڈ کی بحری قوت اور دولت کے تمام وسائل قطع کرکے

اسے آسانی سے برباد کر سکے گا۔ اور خود اپنی ایک بحری سلطنت قائم کر سکے گا
چونکہ لوئی چہاردہم اسی زمانے میں ہالینڈ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا
اس لیئے لینیز نے بادشاہ پر یہ واضح کیا کہ براہ راست ملک ہالینڈ پر حملہ
کرنے سے اہل ہالینڈ کو ایسی عمدگی سے زیر نہیں کیا جا سکتا جیسے ان کی
ممالک مشرق کی عظمت واقتدار کو شکست کر کے کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی
اس کے اس نے بعض لاجواب تجاویز ایک عظیم الشان ایشیائی سلطنت
آسانی سے قائم کر لینے کے متعلق پیش کی تھیں۔ آخر میں اس نے لکھا ہے کہ
"اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر اہل پرتگال اپنی ابتدائی مہمات
میں زیادہ فوجوں کا استعمال کرتے تو وہ تمام ہندوستان کو اپنے قبضے میں
لے آتے۔ کیونکہ ایشیا کے تمام براعظم کے فتح کرنے میں اتنی دشواری نہیں ہو سکتی
جتنی یورپ کے ایک ملک جرمنی کے فتح کرنے میں ہو سکتی ہے۔ فرانس کے
بادشاہ کو صرف اس دولت وقوت کی ضرورت ہے جو ایشیائی تجارت سے
حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر وہ بآسانی یورپ کے تمام معاملات کا سرپنچ
بن سکتا ہے"۔

یہ استبصار واستدلال جو سیاست وتجارت کے مشہور اور سربرآوردہ
ماہروں کے دل ودماغ سے نکلے ہیں۔ اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ وہ
کس شان کا انعام تھا جس کی خاطر دنیا کی جہازراں قومیں میدان عمل میں
بازی لیجانے کی جد وجہد میں مصروف تھیں اور جس کے کارن اب انگریز
بھی متحاربین کی جولانگاہ میں کود پڑے تھے۔

ان مصنفین نے صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے کہ یہ انعام بے بہا
ہے اور ساتھ ہی کوئی یورپین قوم اس دلیری اور خردمندی کے ساتھ
ایشیائی سلطنت قائم کرنے کی دل میں ٹھان لے اس کو حاصل کر سکتی ہے
لینیز اور ڈیونٹ کی تحریریں اس قدیم غلطی کی اصلاح کرنے کے لئے کافی
ہوں گی جس سے اکثر انگریزی مورخ بھی نہیں بچ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہماری
ہندوستانی سلطنت کے متعلق یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ چند منتشر

باب سوم
فصل اول

تجارتی بندرگاہوں کو واقعات نے بالکل ایک غیر معلوم اور نہ سمجھ میں آنے والے عجیب طریقے سے مربوط کر کے ایک عظیم الشان سلطنت بنا دیا ہے۔ اس موقع پر یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ عامیانہ خیال کس درجہ عمیق نظری کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین کرنا ایک مورخ کا فرض ہے کہ ایسی شہادتیں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ انگریزی کامیابی کے اسباب بالکل قانون فطرت کے مطابق تھے اور جو نتیجہ پیدا ہوا اس کے متعلق پہلے سے یہ اطمینان کر لیا گیا تھا کہ یہی ہوگا۔ انگریزی سلطنت کی شاخیں جس جڑ سے پھیلی ہیں وہ اس سے بہت زیادہ گہری اور پائدار تھی جتنی کہ عام طور سے خیال کی جاتی ہے۔ اصلیت سمجھنے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سرزمین ہند کی انگریزی نوآبادیات صرف یورپ و ہندوستان کے مال کے باہمی تبادلے کی منڈیاں ہی نہیں تھیں۔ بلکہ وہ ایسے بنیادی مقامات تھے جن پر کہ انگلستان کی اس تمام تجارت کی عمارت قائم تھی جس کا سلسلہ ایشیا کے ساتھ اور خلیج فارس سے مشرق کی طرف سماٹرا۔ جاوا۔ اور گرم مصالحہ پیدا کرنے والے جزائر کے ساتھ بحر چین تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس وقت دنیا بھر میں جو سب سے زیادہ سودمند بحری تجارت کہی جا سکتی تھی اس کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے یہ ہندوستانی نوآبادیات اصلی اور لازمی کڑیاں تھیں۔ جس قوم کے قبضے میں یہ کاروبار ہوتا وہی اس تمام تجارت کی مالک ہو سکتی تھی جو ایشیا اور مغربی یورپ کے درمیان ہوتی تھی اور وہی قوم تمام ملحقہ یورپین ممالک کی ضروریات مہیا کر سکتی تھی۔ اس وسیع میدان عمل میں اپنے اثرات قدم بقدم آگے بڑھانے سے جو روز افزوں دولت و قوت حاصل ہوتی گئی اور اصلی معرکے کے مقامات کو رفتہ رفتہ اپنے قبضے میں کرنے سے جو کامیابی کی کنجیاں ہاتھ میں آتی چلی گئیں انہی کے بل بوتے پر انگلستان کے مشرقی اقتدار کے ابتدائی مدارج طے ہوئے۔ ان بڑی تجارتی کارکن جماعتوں کی ساخت اکثر اعتبار سے اُن عملوکہ نوآبادیات سے مشابہ تھی جن سے بعد کو ایسی سلطنتوں کی بنیادیں پڑ گئیں۔ جیسے کہ میری لینڈ یا پینی سلوینیا شمالی امریکہ میں ہیں۔

اصلی کارکن جماعتوں نے گورنر اور کونسل مقرر کی اور اپنے اصلی ملک کے بادشاہ کی ماتحتی میں ان جماعتوں کو بھی قریب قریب شاہی اختیارات حاصل رہے۔ ان کی حالت باجگزار ریاستوں کی سی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایسی ریاستوں کے بہت سے اختیارات ان کو حاصل تھے مگر بہت سی ذمہ داریاں ان پر نہیں عائد کی گئی تھیں۔ یہ امر اس وقت اچھی طرح ثابت ہو گیا تھا کہ انگریزی مشرقی تجارت کے قیام واستحکام کے لیئے اس کی ضرورت تھی کہ ایک مجاز تجارتی کمپنی کو اندرونی حفظ وامن کے اختیارات عطا کیئے جائیں اور اس کے پاس ایک حدتک وہ وسائل۔ انتظامی اصول اور اتحاد تجویز وعمل بھی موجود ہوں جو مقامی حکومتوں کے عام فوائد اور اختیاری ذمہ داریوں کے واسطے ناگزیر ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں مشرقی ممالک میں کوئی سیاسی قائم مقام یورپ کی طرف سے موجود نہیں رہتے تھے اور ملکی رقیب کثرت سے خصومت پر آمادہ موجود تھے۔ انگلینڈ وہالینڈ میں سترھویں صدی کے دوران میں جو عرصے تک ممالک مشرق میں آویزشیں ہوتی رہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ وسیع تجارتی حلقے میں کوئی نہ کوئی تقسیم ہو جائے۔ اگرچہ اُنیسویں صدی تک کوئی حقیقی سیاسی جمعیت نہیں حاصل ہو سکی تاہم اس غرض کے حاصل کرنے کے علامات اسی وقت سے ظاہر ہونے لگے تھے جبکہ انگریزی حوصلہ مندی نے اپنا نقطۂ اجتماع خاص ہندوستان کو بنانے کی طرف میلان ظاہر کیا اور اہل ہالینڈ علانیہ جاوا اور سماٹرا کی طرف جھک پڑے۔ اور اپنی قوت اس سمت میں جمع کرنے لگے۔ آبنائے ملاکا سے آگے اہلِ ہالینڈ کی فوقیت مسلمہ تھی۔ ان کے حدود اختیار کا مستقر بطادیہ میں تھا اور انھوں نے ۱۶۸۳ء میں جاوا کامعر کے کا مقام بنطام بھی اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس ملک کے سب سے بیش بہا مال یعنے مرچ سیاہ کی تجارت کا مجازاً ان کو اجارہ ہی مِل گیا تھا۔ انگریزوں کے پیش نظر اہل ہالینڈ کا نمونہ تھا جنھوں نے پرتگالیوں سے یہ حکمت عملی سیکھی تھی کہ اپنی نوآبادیات کو

باب سوم
فصل اول

قلعہ بندی اور زبردست فوج کے ذریعے سے مستحکم رکھتے تھے۔ حصول مقبوضات کی کوشش میں رہتے تھے اور اپنے مقبوضات کو عطیات یا معافیات نہیں سمجھتے تھے جو مشرقی خودمختار فرماں رواؤں نے براہ پرورش کسی جماعت تجار کو دی ہوں بلکہ ایسے محروسات سمجھتے تھے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے ملکی بادشاہ کی طرف سے امن و انتظام قائم رکھنے کو سپرد کیئے گئے ہوں۔ انگریزوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ان کے پاؤں صرف انھی نقوش قدم پر چلنے سے جم سکتے ہیں۔ چنانچہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ویسے ویسے ان کے مقبوضات کا انتظام بھی اس نمونے کے قالب میں ڈھلتا گیا۔

باب سوم
فصل دوم

فصل دوم

متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی

لندن کمپنی کے بے انتہا منافع نے لندن میں رشک و رقابت کی آگ بھڑکا رکھی تھی اور کمپنی کے اجارے کو توڑ کر مشرق کے معمور خزانے پر ٹوٹ پڑنے کے لیئے بڑی بڑی زوردار کوششیں کی جارہی تھیں۔ سر جوشیا چائلڈ کے ہاتھ میں اس وقت لندن کمپنی کا انتظام تھا اور وہ اپنے اختیارات کو خودمختارانہ استعمال کرتا تھا اور اس نے شاہ جیمز ثانی اور تمام ان متوسلین شاہی کو جو ذرا ظہور اثر بادشاہ پر رکھتے تھے بڑے بڑے نذرانے پیش کر کر کے لندن کمپنی کے واسطے شاہی امداد و مراعات حاصل کر رکھی تھیں مگر انڈیا ہاؤس نے ٹوری فریق کے طریقے پہ چلنا شروع ہی کیا تھا کہ سوء اتفاق سے پھر پروٹسٹنٹ فرقے کی ہوا ایسی بندھی کہ ولیم ثالث تخت انگلستان پر متمکن ہوگیا۔ اور ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد ایک نئی کمپنی ایک نئے فرمان شاہی کے ذریعے سے قائم کی گئی جو بالکل ایک نئے پیمانے اور جدید انتظام کے ساتھ پرانی کمپنی کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار ہوگئی۔ ۱۶۹۳ء میں پرانی کمپنی سے اصل سرمائے پر پانچ فی صدی کا ٹکس سلطنت کی طرف سے طلب کیا گیا جس کی ادائگی میں پرانی کمپنی نے تساہل کیا اس لیئے اس کا فرمان منسوخ کرنے کا اعلان کیا گیا اور بعد میں بڑی دقت سے اس فرمان کی تجدید اس شرط پر کی گئی کہ تین سال کی قبل از وقت اطلاع پر حکومت کو اس کے منسوخ یا ختم کر دینے کا اختیار ہوگا۔ پھر ۱۶۹۸ء میں مسٹر مانٹیگو وزیر مال (چانسلر آف دی اکسچیکر) نے روپے کی سخت ضرورت کی وجہ سے پارلیمنٹ میں ایک ایکٹ پاس کرایا جس کی رو سے نئی کمپنی کو ایک فرمان شاہی عطا کیا گیا کیونکہ اس کمپنی نے آٹھ فی صدی سود پر

باب سوم
فصل دوم

بیس لاکھ پونڈ سلطنت کو قرضہ دینے کی ذمہ داری کرلی تھی۔ یہ قرضہ اہل ملک نے ایسے شوق سے جمع کر دیا کہ اس سے انگلستان کی دولت کا اور قومی تجارت کی قوت و وسعت پر اعتماد کامل رکھنے کا پورا پورا ثبوت مل گیا۔

ہندوستان میں ایک دوسری رقیب تجارت کمپنی کے ورود نے مخدوش اندرونی پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو برباد کرنے کی انتہائی کوشش کرنے لگیں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ انگریزی جھنڈا کھڑا کیا اور علیحدہ علیحدہ قائم مقام دربار مغلیہ کی سرپرستی حاصل کرنے کے لیئے ایک دوسرے کے مقابلے میں بھیجنے شروع کیئے۔ یہ بدنام تباہ کرنیوالی رقابت سنہ ۱۷۰۸ء میں گوڈولفن کی ثالثی سے ٹھیک اس وقت اختتام کو پہنچی جبکہ اسپینش سکسیشن کی مشہور لڑائی شروع ہونے والی تھی اور ملکۂ این تخت انگلستان پر متمکن ہو ہی چکی تھی۔ اس باہمی فیصلے کا یہ اثر ہوا کہ انگریزوں کی تمام اولوالعزمیاں۔ دولتمندیاں۔ اور بحری تجربہ کاریاں ایک کارکن جماعت کی مرکزی قوت میں مجتمع ہو کر جنوبی ایشیا میں انگلستان کے اقتدار کو مستحکم بنا دینے میں کام آنے لگیں۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کے ہاتھوں انگلستان کے ہندوستانی معاملات کا سرانجام آئندہ ایکسو پچپن سال تک رہا اس وقت میں اپنی پشت پناہی پر سب سے زیادہ دولت مند شہر اور سب سے زیادہ جہازرانی کا تجربہ رکھنے والی قوم کو رکھتی تھی اور چونکہ تجارتی طبقات کا اثر نظام سلطنت پر روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور کمپنی خود بھی سلطنت کو بڑے بڑے نذرانے پیش کرتی رہتی تھی اس لیئے انگریزی سلطنت کی نوازشیں اچھی طرح اس کمپنی پر مبذول تھیں۔ جس کمپنی کو یہ فوائد حاصل ہوں۔ جس کے مستقر کی بنیادیں ایسی مستحکم ہوں۔ جس کی غیر ملکی آبادیات قلعہ بند ہوں۔ جس کے جہازات ایسے مسلح ہوں اور جس کو فرمان شاہی نے ہندوستان میں صلح و جنگ کرنے کا اور فوج بھرتی کرنے کا مجاز کر رکھا ہو۔ وہ یقیناً اس قابل ہوسکتی تھی کہ ایک شکستہ و ریختہ مشرقی سلطنت کے عمال کی درازدستیوں سے پوری طور پر

باب سوم
فصل دوم

اپنی حفاظت کرے بلکہ موقع بموقع اپنی چوکیوں کو ایسے کمزور مقابلوں کے خلاف بڑھاتی بھی جائے۔

وینس اور جنیوا کے تاریخی حالات نے اچھی طرح ثابت کردیا ہے کہ جو قوم اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں تمول و تمدن کے اعتبار سے ممتاز ہو اس کے ہاتھ میں اگر مسلح تجارت آجائے تو وہ کیا کچھ کرسکتی ہے اگرچہ اِن دونوں شہروں کے قبضے میں یورپین سمندروں کی ایشیائی تجارت کے آجانے سے ان کی حیثیت اچھی خاصی خود مختار سلطنتوں کی سی ہوگئی تھی تاہم اس حیثیت میں بھی ان کے وسائل ایسے زبردست نہیں تھے جیسے کہ سترھویں صدی کے فرمان شاہی رکھنے والی انگریزی کمپنی کے تھے۔ سلطنت بزنطینی کے زوال نے ایطالوی شہروں کو یونانیوں کی جگہ مشرق بحیرۂ روم میں ولادی تھی اور انھوں نے جزائر کی قلعہ بندیاں کیں معرکے کے ساحلی مقامات پر تصرف کرلیا اور اس ترکیب سے تجارت اور مملکت پر بحر روم میں بالکل اسی طرح اپنا قبضہ جمالیا تھا جس طرح کہ ہالینڈ اور انگلینڈ نے سواحل ہندوستان پر اپنے قدم جمائے تھے۔ کیا اس پر جنیوا کمپنی کا مکمل قبضہ تھا اس کمپنی نے اکثر جزائر یوناں پر دوسو بیس سال تک اس طرح حکومت کی ہے کہ اُسے چھوٹے پیمانے پر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستانی محروسات کے مطابق کہا جاسکتا ہے جس طرح کہ خلیج فارس یا بحر ہند کے سواحل پر ہالینڈ و پرتگال کی نو آبادیات کے آثار قدیمہ اب تک موجود ہیں اسی طرح ایشیائے کوچک یونان کے سواحل پر مسمار قلعہ جات و دیگر آثار سلطنت ایطالوی حکومت کے نظر آتے ہیں۔ لیکن یونانیوں یا ایطالیوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ ایشیائی فتوحات کے اس سیلاب کو روک سکتے جو مشرق کی طرف سے بڑھتا چلا آتا تھا۔ جمہوریہ ایطالیہ کے پاس نہ اتنے آدمی تھے۔ نہ اتنا سرمایہ تھا نہ ایسے وسائل تھے کہ وہ اپنے جگہ جگہ پھیلے ہوئے مقبوضات کی قوت کو مجتمع کرکے سلطنت عثمانیہ کی جرّار بری اور بحری فوجوں کا مقابلہ کرسکتی۔

خاص اٹلی میں ہی اس کی سرحد پر زبردست ہمسایوں کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اور ایشیائی تجارت کا رُخ دوسری طرف پھر جانے سے اس کے تمول و فارغ البالی کے چشمے سوکھتے جا رہے تھے۔ یہ غور کرنے کی بات ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے باوجود سلطنت عثمانیہ کی زبردست مخالفت کے ایسے وقت میں کیا کچھ کر دکھایا جب کہ میدان عمل ان کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ اِس لیئے اس پر زیادہ تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ ایک انگریزی تجارتی کمپنی نے یہ کیا کہ سلطنت ہند کی بنیاد قائم کر دی۔ کیونکہ اس وقت میں ہندوستان میں سلطنت مغلیہ تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی اور انگلستان اپنے بحری اقتدار کے انتہائی عروج کی طرف چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ بحر روم کا مشرقی علاقہ اور یونان دونوں وینس اور جنیوا سے بالکل ملحق تھے اور انگلستان و ہندوستان کے درمیان چھ ماہ کے بحری سفر کا فاصلہ حائل تھا۔ لیکن یہ بُعد مسافت قیام سلطنت ہند کے لیئے مفید و معین ہوا۔ ابتداءً اس طرح کہ ہندوستانی معاملات یورپ کی سیاسیات کے حلقۂ اثر سے بالکل الگ رہے اور بعدہٗ اس طرح کہ جب انگریزی قوم نے اپنی تجارت گاہوں کا بنیادی استحکام اپنے وطن میں حاصل کر لیا تو ہم چشموں کے مقابلے میں بحری فوقیت حاصل کر لینا ان کے لیئے باعث مفاد و امتیاز ہوتا چلا گیا۔

اس کی توضیح کی ضرورت نہیں کہ جب سلطنت مغلیہ کے تنزل نے بالکل زوال کی صورت اختیار کر لی تو سواحل ہند پر جو یورپین نوآبادیات تھیں انھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اب ہر ایک غیر ملکی قوم اپنے حدود کو وسعت دیگی اور اپنی خودمختاری کا اعلان کرے گی۔ جبکہ ۱۶۷۲ء میں لبنیز نے لوئیس چہاردہم شاہ فرانس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہالینڈ پر حملہ کرنے کی بجائے وہ مصر پر قبضہ کرے جو ایک وسیع مشرقی سلطنت کا بنیادی پتھر ثابت ہوگا۔ اس وقت اس نے بہت سچے الفاظ یہ کہے تھے کہ اہلِ مشرق کی انتہائی کمزوری اب کوئی ایسی چھپی ہوئی بات

نہیں ہے جو کسی دوسری یورپین اقوام کو معلوم نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ اس وقت تمام مشرقی اقوام میں سب سے زیادہ کمزور ہندوستان تھا مگر یہی سب سے زیادہ متمول ملک بھی تھا۔ مقامی عُمال کو جو باہمی مناقشات اور اندرونی پیچیدگیاں پیش آتی رہتی تھیں وہ انھیں اتنی فرصت نہیں دیتی تھیں کہ تجارتی کارخانوں کی طرف کوئی توجہ کریں سوائے اس وقت کے جب کہ ان کارخانوں سے نذرانے وصول کرنے یا امداد لینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ علاوہ براں خود ہندوستانی مدعیان وغاصبان حکومت جو جگہ جگہ زور پکڑتے جارہے تھے کمپنیوں کی اِمداد وحفاظت تلاش کرتے تھے بلکہ متمنی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایسے طالع آزماؤں سے ان کمپنیوں کو ہمیشہ یہی امید تھی کہ وہ ہندوستان کا راستہ ان کے لیئے بند نہیں کریں گے بلکہ اور کھولدیں گے۔

اس صورت حالات سے دو استنباط کیئے جاسکتے ہیں۔ اول یہ کہ غیر ملکی کمپنیاں اس وقت تک برابر اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرتی چلی جاسکتی تھیں جب تک کہ ان کو یورپ کے سلسلۂ آمد ورفت کھلے ہونے پر اعتماد رہتا۔ دوم یہ کہ ایشیا میں جو تجارتی رقابتیں بڑھتی جارہی تھیں اور یورپ میں جو قومی منافرت ترقی کرتی جاتی تھی وہ ان تمام وسعت پذیر جماعتوں کے تصادم کا باعث ہونی چاہیئے تھی۔ اور اس تمام ترقی وتصادم کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جو کمپنی اپنے یورپین ہمچشموں کی ٹکر جھیل جائے اور اپنے مدمقابل کو زیر کرلے اس کو ملکی مخالفتوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا اور اسی کو قرب وجوار کے ہندوستانی صوبہ جات میں ناقابل مقابلہ عروج واقتدار حاصل ہوسکتا تھا۔

غرض یہ کہ اٹھارھویں صدی کے ابتدائی حالات کا خلاصہ ان الفاظ میں کیا جاسکتا ہے کہ ڈچ کمپنی تجارتی حیثیت سے اس وقت متمول و مرفہ الحال تھی اس کے قبضے میں سیلون اور بعض ہندوستانی مقامات بھی تھے مگر اس کا مرکزِ عمل آہستہ آہستہ مشرق اقصیٰ کی طرف سرکتا جارہا تھا اور جیسے جیسے اس صدی کا زمانہ گزرتا گیا اسکی بحری قوت

باب سوم
فصل دوم

سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہوتی چلی گئی فرانسیسی کمپنی کو یورپ کی اسی زمانے کی جنگ سے سخت نقصان پہنچا تھا۔ اور اس نے اسی جنگ کے دوران میں پانڈیچری کو اپنے قبضے سے کھو دیا تھا۔ اور بہ مشکل تمام ۱۶۹۷ء میں پھر اس پر قبضہ حاصل کر سکی تھی۔ وہ سرتاسر قرض میں غرق ہو رہی تھی اور کسی طرح اس قابل نہیں تھی کہ اپنی حوصلہ مندی کو ایشیا میں کچھ بھی آگے بڑھا سکے۔ انگریزی کمپنی البتہ عروج کی حالت میں تھی اور اس نے خاص ہندوستان کے اندرونی حصے میں قدم جما لیئے تھے مگر ابھی تک سلطنت مغلیہ کا شیرازہ اورنگ زیب کے زبردست ہاتھوں میں مجتمع تھا جو کسی قسم کی ملکی مداخلت کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ اس زمانے تک انگریزی اور فرانسیسی کمپنیوں کی حکمت عملی خالص تجارتی رہی تھی یعنے سواحل ہندوستان پر قدم جمانے کی تجاویز و اغراض صرف فروغ تجارت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھیں۔ لیکن وہ زمانہ آگیا تھا جبکہ ان کمپنیوں کا روزافزوں ذاتی اقتدار۔ سلطنت ہند کا اندرونی زوال۔ تجارتی فوقیت حاصل کرنیکے لیئے رشک و رقابت کا بھڑکتا ہوا جوش و اشتعال اور سب سے زیادہ یورپ میں فرانس و انگلستان کے پرغضب مجادلات نے مل جل کر دونوں کمپنیوں کی تجارتی رقابت کو ایک ایسی ملکی جنگ میں تبدیل کر دیا جس کی غایت ہندوستان میں سیاسی اقتدار حاصل کرنا تھا کم و بیش بیس سال تک یورپ کی اِن دونوں اجنبی قوموں کی رزمگاہ جنوبی ہند کا علاقہ بنا رہا۔ آسٹریا کی تخت نشینی کے لیئے جو جنگ ہو رہی تھی اس کو ایک حیلہ قرار دیکر نظام حیدرآباد کے دعوی سلطنت کے متعلق جو تنازعہ پیدا ہوا اس میں مداخلت کی گئی اور فرانس و انگلستان میں بحری اور نوآبادکاری فوقیت کے بارے میں جو آویزشیں عرصے تک جاری رہیں ان میں ہندوستانی معاملات کو بھی زبردستی الجھا دیا گیا۔ جب آخر کار اس کشاکش کا انگلستان کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اور اس نے میدان جیت لیا تو اس کے سامنے وہ وسیع دروازے کھلے پڑے تھے جن میں ہو کر وہ وسیع محروسات کا مالک بن سکتا تھا اور ایک ایسی ایشیائی سلطنت کی بنیاد کا استحکام کر سکتا تھا جو کہ آجکل کی انگریزی نسل کے لیئے ان کے مورثان اعلیٰ کا نہایت ہی قیمتی اور قابل قدر ترکہ ہے۔

باب چہارم

انگریزی و فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنیاں

فصل اول

ہندوستانکی صورت حالات ۱۷۰۰ء تا ۱۷۴۰ء

۱۷۰۰ء میں اسپین کے بادشاہ کی وفات ایک ایسی جنگ کی علامت تھی جس کا ہسپانوی اقلیم کی تقسیم اور یورپ کی از سرِ نو عام سیاسی ترتیب کے ساتھ خاتمہ ہوا۔ اسی طرح اورنگ زیب کی وفات یعنے ۱۷۰۷ء کے بعد ہی سلطنت مغلیہ میں طوائف الملوکی پھیلی جس کے ساتھ ہی ایشیا کے نظام سیاسی میں ایک قابل لحاظ اختلال پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اندرونی تزلزل اور ملکی بے انتظامیاں جو ایشیا کے وسطی ممالک میں بڑھتی چلی جارہی تھیں وہ ہندوستان اور ایران پر سولھویں صدی سے حکومت کرنیوالے دونوں بڑے شاہی خاندانوں کو ان کے ہر گھڑی قریب تر آنیوالے زوال اور ناپائیداری پر متنبہ کرنیوالی علامتیں تھیں کم و بیش دو سو سال کے سکون و جمود کا زمانہ ختم ہو رہا تھا اور عظیم حرکات و فتوحات کے دن پھر آرہے تھے۔ چنانچہ وسط ایشیا میں جو جوش و اضطراب طاری تھا اسی کے ساتھ ہم ہمعصرانہ حیثیت سے ان واقعات کو وابستہ کرتے ہیں جو وسط ایشیا کی سرحد پر اور جزیرہ نمائے ہند کے سواحل پر پیش آکر رہے ہے۔

اس زمانے کی ہندوستانی تاریخ میں اہم ترین واقعہ سلطنت مغلیہ کا

باب چہارم
فصل اول

اٹھارھویں صدی کے وسطی زمانے میں بالکل گرد برد ہو جاتا ہے۔ اس کا اختتام بھی مشرق کی تمام شخصی سلطنتوں کی طرح ہوا یعنے ایک طرف بیرونی حملہ آوروں کی یورشیں ہونے لگیں اور دوسری طرف اندرونی بغاوتوں نے ہلچل ڈالی اور سلطنت کی عمارت لڑکھڑا کے سرنگوں ہوئی تھی کہ غاصبوں۔ باغیوں اور جنگ جو حوصلہ مندوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے آپس میں تقسیم کر لیئے۔ غالباً اس تنزل کے اسباب میں سے ایک مہلک سبب غیر معمولی مرکزی اجتماع بھی تھا اور یہ ستم شخصی سلطنتوں کے لیئے مخصوص ہے کہ وہ تمام نظام حکومت کو اپنے مستقر پر بلا ضرورت مجتمع رکھتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب زمام حکومت کمزور ہاتھوں میں آجاتی ہے تو نت نئی سرکشی سنبھالے نہیں سنبھلتی ہے۔

اورنگ زیب کی وفات پر جو خانہ جنگی شروع ہوئی وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے خالی تخت پر متمکن ہونے کی قابلیت کا فیصلہ عموماً تلوار ہی سے ہوا کرتا تھا۔ اور شاہی خاندان کے ہر رکن کو اپنی اپنی باری پر تلوار ہی سے تخت تک کا راستہ صاف کرنا پڑتا تھا۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ اس خاندان کی قوت و استحکام کا تمام تر انحصار بھی اسی پر رہا تھا کہ ہر وارث تخت و تاج تلوار کی دشوار گذار گھاٹی پر سے گذر کر اپنے تئیں حکومت کے قابل ثابت کر چکتا تھا تب بادشاہ بنتا تھا۔ لیکن چونکہ اورنگ زیب کی وفات بہت عرصے میں ہوئی اس لیئے اس خانہ جنگی کا سب کو انتظار تھا اور اس کے لیئے اہتمام کے ساتھ تیاریاں کر لی گئی تھیں۔ اورنگ زیب اپنی سلطنت کو ایک اختلال میں چھوڑ کر دنیا سے سدھارا کیونکہ مرہٹوں کی ہولناک بغاوت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی سلطنت انتہائے وسعت سے آگے بڑھ کر ناقابل انتظام ہو چکی تھی اور اس موقع پر اس کے وارثوں میں کوئی ایسا قابل نہیں نکلا کہ وہ تمام غیر مربوط علاقوں اور غیر مانوس قوموں کو ایک سلسلے میں باندھ سکتا۔ مرہٹہ سرداروں کی لوٹ مار کرنیوالی جماعتیں

باب چہارم
فصل اول

زور پکڑ کے غارتگر فوجیں بن گئیں جنھوں نے وسطی اور مغربی ممالک ہند کو گرد برد کر ڈالا جنوبی صوبہ جات کی مہتم بالشان نیابت ایک خود مختار ریاست میں تبدیل ہو کر نواب نظام الملک کے زیر حکومت آگئی۔ بنگال جو ہندوستان کا سب سے زرخیز صوبہ تھا۔ ایک افغانی نبرد آزما کے ہاتھ میں آکر اصل سلطنت سے قطع ہو گیا۔ سکھوں نے پنجاب میں سر اٹھایا۔ ایک دوسرے زبردست سردار نے اودھ میں خاندان حکومت قائم کر لیا۔ اور اقطاع بعید میں اور بہت سے مدعی اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں علیٰحدہ علیٰحدہ بنانے لگے جس سلطنت کی بنیاد بابر اور اس کے نبرد آزماؤں کی ہمت و مردانگی نے سولھویں صدی میں استحکام کے ساتھ قائم کی تھی اس کی عمارت اب متزلزل ہو کر نامردانہ کمزوری کے ساتھ گرنے لگی۔ مغلوں کے عروج کے زمانے میں اس سلطنت کی چوکیاں کابل و قندہار میں تھیں لیکن اورنگ زیب کی حکومت کے آخری زمانے میں شاہی افواج کو افغانستان سے مار کر نکال دیا گیا تھا۔ چونکہ ہندوستان کی حفاظت کے لیئے شمال مغربی سرحد کا استحکام ناگزیر ہے۔ اس لیئے ہندوستان کے مالکوں کا افغانستان کی حکومت سے بالکل بیدخل کر دیا جانا پھر ان ہی قدیم یورشوں کا راستہ کھول دینے کے لیئے کافی تھا جو وسط ایشیا سے ہندوستان پر برابر ہوتی آتی تھیں۔ چنانچہ اورنگ زیب کی وفات کے تیس سال بعد نادرشاہ ایک اقبال مند ایرانی سپاہی نے ایران کے برسر حکومت خاندان کو سرنگوں کر کے درہ ہائے افغانستان سے ایک جرار فوج کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ اس زمانے کے مغل بادشاہ نے برائے نام کچھ مقابلہ کیا۔ نادرشاہ نے دار الحکومت دہلی پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۳۹ء میں اس بدقسمت شہر کی خون آلود تاریخ میں ایک اور قتل عام کا اضافہ کیا۔ سلطنت مغلیہ کے وہ تمام مقبوضات چھین لئے جو دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھے اور سلطنت مغلیہ کو ایک ضرب ہلاکت رسید کر کے آخری سانسیں گننے کیلئے سسکتا ہوا چھوڑ کر اپنے وطن کو واپس چلا گیا اس طرح راستہ صاف ہو جانے سے دو برس بعد افغانوں کے ابدالی خاندان کا ایک سردار احمد شاہ ہندوستان پر

باب چہارم
فصل اوّل

چڑھ دوڑا۔ جبکہ نادر شاہ کو اپنے کیمپ میں مقام خراسان پر بے خبری میں قتل کر دیا گیا تو احمد شاہ ابدالی جو نادر شاہ کی فوج میں ایک بڑے دستہ سواران کا قائد تھا سمت مشرق کو فتح افغانستان کے خیال سے نکل کھڑا ہوا اور اس مستقر سے اس نے ۱۷۴۸ء و ۱۷۵۱ء کے درمیان تمام پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں جنوب و مغرب سے مرہٹوں نے ایک تباہ کن سیلاب کی طرح تمام وسط ہند میں پھیلنا شروع کیا۔ اور جہاں جہاں میدان عمل کو استبدادی حکومت کے بیلن نے اچھی طرح صاف کر دیا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو کنکر پتھر کی طرح دبا کر ہموار کر دیا تھا۔ وہیں وہیں صفائی اور آسانی کے ساتھ ملک بھر میں طوائف الملوکی کی گھوڑ دوڑ کے لیئے قطعات تقسیم کر دیئے گئے۔ ہر ایک صوبہ اور نظامت اپنے اپنے راستہ پر ہولی۔ اور باغی عاملوں۔ مطلق العنان سرداروں۔ قومی یا مذہبی فرقوں۔ کے سرکش پیشواؤں اصلاح مذہب کے مدعیوں اور سر فروش جتوں کے کپتانوں نے تمام ملک کو ایک خوان یغما بنا لیا۔ ہندوستانی رعایا بالکل ایک بے سر گروہ بن گئی جو اس طوفان بے تمیزی میں کبھی ادھر کبھی ادھر جھکتی تھی اور جس کسی انسانی یا فوق الانسانی طاقت سے اسے پناہ ملنے کی ذرا بھی امید ہوتی تھی اسی کے دامن سے لپٹ پڑتی تھی۔ جو کوئی اس وقت ایسا نظر آجاتا کہ صرف جان و مال کی حفاظت کے ابتدائی فرائض حکومت ادا کرنے کی ذمہ واری اپنے سر لینے کی قابلیت کا ذرا بھی اظہار کرتا تو تمام رعایا اسی کی حکومت کا جوا اپنے کاندھے پر رکھنے کو تیار تھی۔ خلاصہ یہ کہ رعایا بغیر کسی سردار یا محافظ کے بالکل منتشر ہو رہی تھی اور نظام سیاست کے جس ضابطے کے سائے میں اس نے عرصے تک زندگی بسر کی تھی اس کی جگہ بدنظمی و بے ضابطگی اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلتی دیکھ رہی تھی کو

باب چہارم
فصل دوم

فصل دوم

انگریزی اور فرانسیسی جنوبی ہند میں ۴۹ - ۱۷۱۵ء

اس طوفان خیز ابتری کے زمانے میں انگریز اور فرانسیسی ہندوستان کے سیاسی اکھاڑے میں پہلے پہل خم ٹھونک کشتی گیری کے لیئے اترے۔ اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرانس کی تجارت و نوآبادیات کے اصول عمل کے ابتدائی مدارج کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچ دیا جائے تاکہ انگلستان و فرانس کے ماوراء البحری تنازعات کے آغاز۔ سلسلۂ رفتار۔ اور انجام پر مزید روشنی پڑ سکے کیونکہ یہی تنازعات ان دونوں قوموں کے اٹھارھویں صدی کے کارناموں میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ناظرین کو ایک حد تک معقول اور صریح نتائج نکالنے میں امداد ملے گی بجائے اس کے کہ وہ ان اسباب کے متعلق بے تکلف یہ عامیانہ نتیجہ نکالیں کہ ان اولوالعزمیوں کے لیئے جس قومی مستعدی کی ضرورت تھی وہ موجود نہ تھی۔ ساتھ ہی اس کے اس اصول وطرز عمل کی بھی پوری توضیح ہو جائے گی جو انگلستان و فرانس نے اپنے ماوراء البحری کارناموں میں برتا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ دونوں قوموں کے اس اصول وطرز عمل میں کس درجہ اختلاف تھا۔

کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی نوآبادکاری کی تاریخ کو تین دور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور غیر معلوم اقطاع کے دریافت کرنے کا تھا جو ہنری چہارم کی وفات یعنی سنہ ۱۶۰۹ء تک جاری رہا۔ دوسرا دور توسیع نوآبادیات کا تھا جو سترھویں صدی بھر جاری رہا۔ اور تیسرا دور اس تنزل کا تھا جو صلح اٹرشیٹ یعنی سنہ ۱۷۱۳ء سے شروع ہوکر سنہ ۱۸۱۵ء یعنی اختتام جنگہائے فرانس تک

باب چہارم
فصل دوم

کل سو برس جاری رہا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جہاز راں قوموں میں حقیقی رقابت سولھویں صدی کے آخر زمانے میں شروع ہوئی جبکہ اسپین و پرتگال کی کامیاب و فاتحانہ کارروائیوں نے تمام مغربی قوموں میں حوصلہ مندی کی ایک روح پھونک دی تھی۔ فرانس ہی غیر ملکی قوموں۔ دور و دراز بحری سفری اور ایشیا کی دولت کے محفل ساز فسانوں نے جس درجہ شوق تجسس پیدا کیا تھا اس کا اندازہ اس زمانے کے فرانسیسی علم ادب کے علاوہ ریبلائی و مونٹین جیسے مستند مصنفین کی تحریروں سے بھی ہو سکتا ہے جن میں برابر اس موضوع کے متعلق کثرت سے اشارے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ سترھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں فرانس کے دور اندیش و حوصلہ مند بادشاہ ہنری چہارم نے اپنے زمانے میں ایک فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرکے تجارت و نوآبادیات کے میدان میں تگاپو کرنے کے منصوبے باندھنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن اس کا سہرا فرانس نہیں بلکہ ہالینڈ و انگلینڈ کے سر ہے کہ یہاں دونوں ایسٹ انڈیا کمپنیاں قائم ہو کر پہلا قدم اس مایۂ ناز عملیت کی طرف اٹھایا گیا جو بالآخر ایک قابل یادگار تاریخی کارنامہ ہو کر رہا۔ ۱۶۲۴ء میں جبکہ فرانس میں ریشلو کی طویل وزارت کا زمانہ شروع ہوا تو اس مدبّر کے زبردست دماغ میں فرانس کے ساتھ ایک عظیم الشان ماوراء البحری سلطنت کو وابستہ کرنے کا خیال یہاں تک پختہ ہوا کہ پے در پے نوآباد کار کمپنیوں کو قائم کرنے اور ان کی تعدادیں بڑھانے کے احکام شائع ہوتے رہے اور کینیڈا سے لیکر میڈاگاسکر و ایسٹ انڈیز تک ان کے میدان عمل کو وسعت دی گئی۔

یہ امر قابل غور ہے کہ ان فرانسیسی کمپنیوں کے فرامین میں اسی ابتدائی اصول کی اشاعت کا لحاظ رکھا گیا تھا جو فرانس کی شخصی حکومت کی نوآبادکاری کا قدیم زمانے سے بنائے عمل رہا تھا۔ اور جس اصول کا پتہ انگلینڈ یا ہالینڈ کے تجارتی کارناموں میں کہیں نہیں چلتا۔ فرانسیسی کمپنیوں کو سوائے رومن کیتھولک عقائد کے اور کسی فرقہ مذہب کی اشاعت کی اجازت نہیں دی گئی تھی مگر ساتھ ہی اس کے دین مسیحی اختیار کرنے والے ملحدوں کو فرانسیسیوں کے برابر حقوق معاشرت

باب چہارم
فصل دوم

بھی عطا کیئے گئے تھے۔ اِن تمام مہمات کی اغراض میں قیام نوآبادیات کیساتھ اِشاعت مسیحیت بھی دوش بہ دوش رکھی گئی تھی مگر فرانسیسی کمپنیوں کی غایت اتنی زیادہ اقتصادی یا تردیجی نہیں تھی جتنی سیاسی تھی۔ چونکہ اسپین اس زمانے میں فرانس کا سب سے زبردست ہمچشم تھا اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں تمام غیر مسیحی ممالک کا مدعی صرف اسپین ہی نہ بن جائے اس لیئے اسپین کے ماوراء البحری مقبوضات کا ردعمل کرنے کے لیئے فرانسیسی کمپنیوں کے افتتاح و ترتیب نظام کو مذہبی مقتدا کے ہاتھوں انجام دلایا جاتا تھا۔ اسپین پر ضرب لگانیکی حکمت عملی میں ریشلو دراصل ہالینڈ و انگلینڈ کے اصول حرب کی نقالی کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں اسپین کے ناقابل انتظام مقبوضات کے اطراف پر ضربیں لگانی شروع کر چکی تھیں۔ اسکے سونے سے لدے ہوئے جہازوں کے بدرقوں پر چھاپے مار کر انکا تعلق اصلی جہازوں سے قطع کر دیا جاتا تھا۔ اس کے سواحل و جزائر پر غارت گری کی جاتی تھی اور اس کے تنگ سمندروں میں شخصی جنگی جہازوں کے ذریعے سے ہلچل ڈال رکھی تھی غرض یہ کہ بحری قزاقوں کے سے چھوٹے چھوٹے معرکوں کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا جس کی یادگار عرصے تک جہازراں قوموں کی حوصلہ مند نسلوں میں بحر اسپین کے رزم و بزم کے افسانوں کے طور پر قائم رہی۔ اُن وحشیانہ کارناموں میں فرانسیسیوں نے بہت کم حصہ لیا مگر انھوں نے اپنے ہمسایوں سے مجاز کمپنیوں کا طریقہ ضرور مستعار لیا اور سترھویں صدی کے نصف اولی کے دوران میں جبکہ بجائے ریشلو کے مزائن کے ہاتھوں میں انتظام مملکت تھا۔ فرانس کا ناگزیر اصول نوآبادکاری یہی رہا کہ فرنچ کیتھولک عیسائی سمندر پار جاکر نئے ملک آباد کرتے تھے اور اسپین کیساتھ توازن قوت قائم کرنے کے لیئے خالصاً للہ یہ مذہبی کام انجام دیا جاتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ فرانس میں مذہبی نصب العین سب پر مقدم تھا۔ تمام اراکین دربار و دیگر خوش معاشرت طبقات بڑے جوش و خروش کے ساتھ بے دینوں میں دین حق پھیلانے کے لیئے چندہ جمع کرنے میں کوشش کرتے تھے مذہبی وفود برابر بھیجے جاتے تھے مذہبی مقتداؤں کا تقرر کیا جاتا تھا اور شمالی امریکہ کی نوآبادیات میں فرقہ جیسوئیٹ

باب چہارم
فصل دوم

نے رفتہ رفتہ بڑا زور پکڑنا شروع کر دیا تھا مگر چونکہ غایت عملی میں اشاعت مذہب و توسیع مملکت مخلوط تھی اس لیئے روحانیت اور سیاست اپنی سرگرمی سرانجام میں دوش بہ دوش تھیں۔ لیکن اہل تجارت صرف یہ چاہتے تھے کہ سلطنت ان کو آزادیِ تجارت کا مجاز کر دے اور غیر ملکی دشمنوں سے انکی حفاظت کرے اس لیئے ان لوگوں کو ایک طرف مذہب دوسری طرف سلطنت کے ادعائے سرپرستی کی دوعملی کا انداز کچھ پسند نہیں تھا۔ لیکن فرانس و انگلستان کے سیاسی میلان طبع میں اس وقت بھی یہی فرق تھا اور اب بھی یہی ہے کہ فرانس کو انگلستان کا یہ طریقہ پسند نہیں تھا کہ طالع آزماؤں کی کسی تجارتی یا رزمی جماعت کو کوئی اجازت نامہ سلطنت کی طرف سے عطا کر دیا جائے اور ان کو اپنے ذاتی وسائل کے بل بوتے پر نوآبادیات یا تجارت گاہیں قائم کرنے کے لیئے چھوڑ دیا جائے۔ چونکہ فرانسیسی مہمات کو سلطنت کی طرف سے صرف مجاز کر کے چھوڑ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ پورے اہتمام کے ساتھ انکو امداد دی جاتی تھی اس لیئے نتیجہ یہ ہوا کہ حکمراں طبقے کو بھی اس کاروبار میں شریک ہونے اور اس بڑے منافع کی تجویز میں حصہ لینے پر اصرار ہوا۔ کیونکہ اس میں دنیا و دین کے برابر مفاد کی امید تھی۔ تمام انتظامی و فوجی سرگرمیاں امرائے سلطنت میں تقسیم کی گئیں اور کمپنی آف نیو فرانس کی مجلس انتظامیہ میں ہم کو تیس نام خاص اراکین دربار کے اور کئی نام مذہبی پیشواؤں اور شاہی خاندان والوں کے ملتے ہیں جن کی قائم مقامی مجلس انتظامیہ میں ان کے ذاتی کارکن کیا کرتے تھے۔

ریشلو نے انگریزی اور ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنیوں کی طرح کوئی مجاز کمپنی محض تجارتی اغراض کے اصول پر نہیں قائم کی اور مندرجۂ بالا ترتیب انتظام کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی کوئی کمپنی چلائی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ فرانس کے تجارت پیشہ طبقے نے ان شرائط کے منظور کرنے میں برابر پس و پیش کیا جن کی رو سے تمام نظام پادریوں درباریوں اور امراء کی تحکمانہ نگرانی میں آجاتا تھا۔ بلکہ ان لوگوں میں مذہبی اور

تدریجی عنصر کے شریک تجارت ہونے پر بیزاری و بے اعتمادی کے آثار نظر آنے لگے۔ انھوں نے دبے الفاظ میں یہ بھی کہدیا کہ تجارتی کاروبار میں مذہبی نگرانی یا ملکی انتظام کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ روئن اور مارسلیز کے ایوان تجارت نے یہ تجویز منظور کرکے صدر مقام کو بھیجی کہ خواہ کوئی حیلہ پیدا کیا جائے۔ خواہ کتنا ہی خرچ پڑے مگر ہمارے جہازوں کے کپتانوں کی نامزدگی شاہی حکم سے نہ ہو انھوں نے یہ بھی شکایت کی کہ فرانسیسی سفرا جو غیر ملکوں میں ہیں وہ اور محکمۂ مال کے جو حکام خاص فرانس میں ہیں وہ سب کے سب برابر حکمانہ انداز رکھتے ہیں۔ انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ مذہبی اغراض کو تجارتی معاملات پر حکومت نہیں کرنے دینی چاہیئے۔ بلکہ صرف ہمارے سلسلۂ رآمد و برآمد کی حفاظت سمندر میں شاہی بیڑے سے کی جائے۔ باقی ہمارے تجارتی کارخانوں کو اپنے معاملات کا انصرام خود کرنیکے لیئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ غرض یہ کہ ریشلو کے اصول نوآبادکاری نے کوئی قابل لحاظ نتائج نہیں پیدا کیئے سوائے اس کے کہ چند مشہور بحری سفر ضرور انجام کو پہنچے جن کے سلسلے میں بہت سے نئے اقطاع زمین دریافت ہوگئے اور اس سے آئندہ کے اصول نوآبادکاری میں ایک تحرک بھی پیدا ہوگیا اور مذہبی علم ادب بھی کثرت سے اُن ملکوں میں شائع ہوگیا جو نئی کمپنیوں کے قبضے میں آگئے تھے اور جن میں عیسوی مذہب کی بھی اچھی طرح تبلیغ شروع ہوگئی تھی۔

اب ہم اگر بالکل انھی ابتدائی مدارج پر نظر رکھیں توبھی ہمیں فرانس اور انگلستان کی نوآبادی کے اصول کی غایت۔ اُن کی شان۔ اور اُن کے طرز عمل میں واضح دمیں اختلافات نظر آجائیں گے ابتدائی فرانسیسی نوآبادیوں کی شروعات تحت سلطنت کی طرف سے ہوئی تھیں۔ اُن کی تنظیم خالص دفتری ضوابط کے تحت میں عمل میں آئی اور اُن کی تمام ترتیب نظام میں مقدس مذہب کا رنگ سب سے گہرا نظر آتا تھا۔ برخلاف اس کے ابتدائی انگریزی نوآبادیوں کی بنیاد یا تو اُن لوگوں نے رکھی جو بادشاہوں یا

پادریوں کے ظلم کی وجہ سے ترک وطن کر کے باہر نکل گئے تھے یا ان خوش باش حوصلہ مندوں نے رکھی جن کی طبیعت میں پر واقعات طرز زندگی اور غیر ملکوں کی سیاحت کا مذاق تھا اور جب تک کہ انکو اپنے راستے چلنے دیا جاتا اور اُن کے وسائل حصول سے بحث نہ کی جاتی وہ اپنے تمام مقبوضہ ممالک کو قومی جائداد سمجھنے پر تیار رہتے تھے۔ چنانچہ جس وقت کہ انگلینڈ و ہالینڈ کی عظیم الشان تجارتی کمپنیاں اسپین و پرتگال کے ہاتھ مڑوڑکر ایشیا کی بحری تجارت کا بیش بہا ارمغان چھین رہی تھیں اُس وقت فرانس کے اہل تجارت اُس میدان مقابلے میں صرف اس لیئے شریک نہیں ہو سکتے تھے کہ اُن کی سلطنت اُن کے کام میں بے وقت اور بے محل دخل دیتی تھی باوجود اس کے کہ وہ اس دخل کو ان کے سود مند تصور کرتی تھی۔

لیکن فرانس کی تجارت کے لیئے بہترین زمانہ آنے والا تھا چنانچہ فرانسیسی مورخوں نے توسیع نوآبادیات کا بہتر زمانہ وہ مخصوص کیا ہے جبکہ لوئیس چہاردہم کے مشہور وزیر مسمی کالبرٹ نے سنہ ۱۶۶۴ع میں ایسٹ انڈیز کمپنی و ویسٹ انڈیز کمپنی کا اجرا کیا۔ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانے میں لفظ انڈیز کے معنے ہر دو کرہ جات ارض کے اعتبار سے بہت وسیع تھے۔ ایسٹ انڈیز (ممالک مشرق) کی عام اصطلاح سے وہ تمام ممالک مراد لیئے جاتے تھے جو ایشیا کے جنوبی سواحل پر واقع تھے اور خلیج فارس سے چین تک کے تمام ممالک اور ملکا۔ بورنیو۔ جاوا۔ مع مجمع الجزائر چین کے تمام گرم مصالحہ پیدا کرنے والے جزائر اسی اصطلاح کے ذیل میں آجاتے تھے۔ اصطلاح ویسٹ انڈیز (ممالک مغرب) سے صرف وہی جزائر نہیں مراد لیئے جاتے تھے جو آجکل اس نام سے مشہور ہیں بلکہ شمالی اور وسطی امریکہ کا تمام مشرقی ساحلی حصہ اور وہ اندرونی حصہ جہاں تک یورپ والوں کی رسائی ہو چکی تھی سب ویسٹ انڈیز کے ذیل میں آجاتے تھے۔ کوئی جہاز راس امید کے گرد بغیر ان ایسٹ انڈیا کمپنیوں کے حلقۂ تجارت میں داخل ہوئے

باب چہارم
فصل دوم

چکر نہیں لگا سکتا تھا اور بحر اطلانطک کو عبور کرنے میں بہت سے ایسے مقامات پر سے گزرنا پڑتا تھا جس کو ایسٹ انڈیز والے اپنے محروسات میں مداخلت بیجا سمجھتے تھے۔ ڈچ کمپنی کو جو فرمان سنہ ۱۶۰۲ء میں اپنی سلطنت سے عطا ہوا تھا اُس نے اُن کو تمام مشرقی سمندروں میں حقوق جہازرانی بلامداخلت غیرے عطا کر دیئے تھے اور اُن کو مجاز کر دیا تھا کہ جو جہاز اُن کے محروسات میں مداخلت کرے اُس کو گرفتار اور ضبط کر لیں کالبرٹ نے فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی یہی تجارتی اجارہ اُن تمام سمندروں میں دیدیا تھا جو راس امید سے آگے واقع تھے۔ یہ کہنا بالکل مبالغے سے سے خالی ہے کہ سترھویں صدی کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں تمام غیر مسیحی دنیا کے میدان میں توسیع تجارت نوآبادیات کی خاطر مقابلہ کرنے کے لئے اپنی اپنی قوموں کی طرف سے بھیجے ہوئے حریفوں یا کارکنوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور جب اس پہلو سے دیکھا جائے تو نوآبادکاری کی اعلیٰ درجے کی حکمت عملی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ فرنچ ویسٹ انڈیا کمپنی تو بالکل اسی ڈھنگ کی ایک جماعت تھی جیسی کہ ریشلو کے زمانے میں جماعتیں قائم ہوئی تھیں کیونکہ اس کو بے دینوں کے مغلوب کرنے اور عیسائی بنانے کے احکام دیئے گئے تھے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کو کالبرٹ نے بالکل دوسرے ہی اصول عمل کے مطابق ترتیب دیکر ترقی کی طرف ایک ممتاز قدم بڑھا دیا تھا۔ اس کمپنی کو انگلینڈ و ہالینڈ کی کمپنیوں کے نمونے پر آراستہ کر کے ایک فرمان عطا کیا گیا اور تجارت کے مخصوص حقوق اور بڑا سرمایہ بہم پہنچایا گیا۔ اور اس طرح اس کمپنی نے فرانس کے لئے ایشیائی مال کی تجارت کے ایک حصے پر جس کی بدولت اتنی جہازراں قوموں کو زور و زر حاصل ہوا تھا۔ اپنا تصرف کر لیا۔

افساد و تعصب کے زمانے میں دفتری تحکم ہر جگہ ایک بار گراں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن فرانسیسی کمپنیوں کو اس سے بھی زیادہ سخت بار اٹھانا پڑتا تھا۔ خود بادشاہ سلامت نے اور شہزادگان و امرائے دربار نے اس کاروبار کے

باب چہارم
فصل دوم

چاہا۔ نفع میں بڑی مستعدی سے شرکت کی بلکہ براہ رعایا نوازی بڑے بڑے حصے ان کمپنیوں میں خرید کیے۔ اعلیٰ پایہ کے مذہبی مقتداؤں نے دنیا دلاروں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی فرمانے کی تکلیف گوارا کی۔ اس کے دستور اعمل کا گرجاؤں میں اشتہار دیا گیا اور ممبروں پر سے اعلان کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اعلان شاہی نے ہر سچے فرانسیسی کو اس امر کی ترغیب دلائی کہ ذاتی مرفہ الحالی و ملکی خوشحالی کا یہ نادر موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ مگر تعجب ہے کہ حب وطن و ایثار مذہب کی ان استدعاؤں نے تجارتی طبقے کے جوش میں کوئی ہیجان نہیں پیدا کیا باوجودیکہ ہر بڑے شہر و قصبے پر سرکاری دباؤ کو کام میں لایا گیا۔ مگر جمہور سے جس سرمایہ کے فراہم کر دینے کی امید تھی وہ بہت آہستگی کے ساتھ وصول ہونے لگا۔ اہل تجارت چونکہ شخصی حکومت کے وعدوں کی پائداری و استقلال پر اعتماد نہیں رکھتے تھے اس لیئے انھوں نے سب سے پہلے دفتری حکومت سے یہ استدعا کی کہ بیرونی مال کی درآمد پر جو ناقابل برداشت محصول عائد ہے اُسے کم کیا جائے اور کمپنی کے کاروبار کا انصرام غیر سرکاری لوگوں کے سپرد کیا جائے مگر ان استدعاؤں پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ویسٹ انڈیا کمپنی کا تو یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ ۱۶۷۴ء سے پہلے پہلے ٹوٹ چکی تھی کیونکہ اُس سال میں اُس کے منشور کو منسوخ کر دیا گیا۔ بہرحال اُس کے بعد سے کالبرٹ نے ویسٹ انڈیز کی نوآبادکاری کے لیئے یہ عزم کر لیا کہ بجائے تجارتی کمپنیوں سے کام لینے کے اسکا اہتمام بخط مستقیم ایک وزارت نوآبادیات کے ماتحت کر دیا جائے۔

البتہ ممالک مشرق کے متعلق کالبرٹ نے اس مجاز کمپنی کے سلسلے کو جاری رکھا مگر اُس پر سلطنت کی پوری پوری نگرانی قائم کی گئی۔ پھر بھی اُس کمپنی کے اصلی تجارتی کاروبار کو شروع ہی شروع میں سخت صدمہ اس وجہ سے پہنچا کہ میڈاگاسکر کے آباد کرنیوالی مہم کے ساتھ اس کمپنی کے وسائل کو وابستہ کر دیا گیا تھا اور وہ مہم تباہی انگیز طریقے پر ناکام رہی۔ اِدھر فرانسیسیوں نے پہلی مرتبہ جو سواحل ہند پر قدم جمانے کی کوشش کی

باب چہارم
فصل دوم

اس کو اہل ہالینڈ نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اپنے قیام کے چھ سال کے اندر یہ کمپنی سخت مشکلات میں مبتلا ہو گئی پھر بھی اگر لوئیس چہاردہم کی فیاضانہ امداد و ہمت افزائی اور اُس کے بڑے وزیر کالبرٹ کی پشت پناہی جاری رہتی تو ممکن تھا کہ سترھویں صدی کے اختتام سے پہلے فرنچ کمپنی ہندوستان میں اپنی حیثیت کو دوبارہ سنبھال لیتی لیکن بدقسمتی سے منصب وزارت ایسے شخص کے پاس آگیا تھا جس کا اصول عمل درآمد عموماً اور تجارتی مطمح نظر سے خصوصاً کالبرٹ کی بالکل ضد تھا۔ پہلے ہی سے فرانسیسی کمپنی اس مشکل میں گرفتار تھی کہ تمام میدان عمل پر اہل ہالینڈ کا قبضہ تھا جن کے خلاف لوئیس چہاردہم نے اعلان جنگ ۱۶۷۲ء میں کر دیا تھا اور اُس اعلان کی وجوہ یہ بیان کی جاتی ہیں کہ اہل ہالینڈ نے فرانس کی ہندوستانی تجارت کا بڑے زور شور سے سدراہ ہونا شروع کر دیا تھا۔ اس کے چند سال بعد جب نئے وزیر **لووائیس** نے اپنے بادشاہ کو یورپ کی غیر اختتام پذیر نزاعوں میں پھنسا دیا اور کالبرٹ کے صلح جو اور امن پسند اثر کا رہنمائی کرنے والا چاند بالکل گہنا گیا تو نوآبادیات و تجارت کی وسعت و فروغ کی تجاویز کو بالکل پس پشت ڈال کر محض جنگ آزمائی سے سروکار رکھا گیا۔

غرض یہ کہ اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں وہ پرتگالی جو ابتدائی استحقاق دریافت سے فائدہ اٹھا کر میدان میں سب سے چند قدم آگے بڑھ چکے تھے بالکل پیچھے رہ گئے تھے اور ایک جمود کی حالت اُن پر طاری ہو گئی تھی۔ وہ اہل ہالینڈ جنھوں نے پرتگالیوں کی تجارت و مقبوضات کو زبردستی چھین لیا تھا اب فرانس کے پے در پے حملوں سے شکستہ و خستہ حال ہو چلے تھے اور فرانس کا یہ احسان انگلستان کے سر ہے کہ اُس نے انگلستان کو ایک بڑے قابل اور جان ہار بحری رقیب کے خطرے سے سبکدوش کر دیا۔ اٹھارھویں صدی کے ابتدا سے ہالینڈ کی گرفت سواحل ہند کے معرکے کے مقامات پر ڈھیلی پڑتی چلی گئی اور انھوں نے اُن اقطاع میں فوقیت حاصل کرنے کا خیال چھوڑ کر اپنی تجارت کا رخ جنوب و مشرق کی طرف پھیرا اور

اپنی اپنی خاص تجارت گاہوں کو سیلون۔ جاوا۔ بورنیو اور گرم مصالحے پیدا کرنے والے جزیروں کی طرف منتقل کر لیا۔ ڈنمارک کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا سنہ ۱۸۴۵ء میں خاتمہ ہو گیا۔ سنہ ۱۷۲۲ء میں شہنشاہ آسٹریا نے آسٹرین۔ نیدرلینڈ کے سوداگروں کو ایک فرمان عطا کر کے اوسٹینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی اور اُن کو مسلح جہاز رکھنے قلعہ جات تعمیر کرنے اور ہندوستانی فرمارواؤں کے ساتھ صلح و جنگ کرنے کے اختیار دیئے۔

لیکن جو جہازراں قومیں اس وقت میدانِ مقابلہ میں سرگرم کار تھیں اُن کو یہ مداخلت مخدوش معلوم ہوئی۔ چنانچہ انگلستان۔ فرانس اور ہالینڈ نے متحد ہو کر سیاسی دھمکیاں دینی شروع کیں اور ضرورت پر فوجی کارروائی کرنے کا بھی ڈراوا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہنشاہ آسٹریا نے مجبور ہو کر ایک معاہدے پر دستخط کیے اور اوسٹینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وہیں گلا گھونٹ دیا گیا۔ اب صرف فرانسیسی باقی رہ گئے تھے۔ اگرچہ فرانس کی قوت یورپ کی مسلسل جنگوں میں پھنس جانے کی وجہ سے بُری طرح گھٹ گئی تھی تاہم سنہ ۱۷۱۳ء یعنے اختتام جنگ کے بعد جو تیس سال کا وقفہ اور آرام اُنھیں مِلا اس میں اُن کے اولوالعزمانہ جوش میں پھر ہیجان پیدا ہوا اور اُنھوں نے اپنے وسائل کو ترقی دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی چنانچہ وہ رفتہ رفتہ ہندوستان میں اپنی حیثیت کو زیادہ مستقل کر کے آگے قدم بڑھانے لگے۔

بعد ازاں انگلستان میں والپول اور فرانس میں فلوری کی وزارتوں کا امن پسند زمانہ شروع ہوا اور دونوں ملکوں کی تجارت و جہازرانی نے اچھی طرح قوت پکڑی۔ پھر بھی اس طویل صلح کے زمانے کے شروع سے جو تجارت میں بڑھنے کا شوق اہل فرانس کے دماغ میں سمایا ہوا تھا اُس نے اُن کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو کئی مرتبہ ضرور رجوکھم میں ڈالا پہلی مصیبت تو یہ آئی کہ سنہ ۱۷۰۹ء میں ایک عظیم الشان کمپنی آف انڈیز قائم کر کے پہلے والی کمپنی کو اُس میں مدغم کر دیا گیا اور اُس بڑی کمپنی کو

سواحل افریقہ وہندوستان وبحرالکاہل کی تمام تجارت کا اجارہ دیا گیا۔ دوسری آفت پھر یہ نازل ہوئی کہ ایک تو پہلے ہی سے اس کمپنی پر حقوق و اجارات کا بڑا بار گراں تھا پھر اس کی سپردگی میں لینڈ بینک دیدیا گیا اور اُن کی ذاتی اور تجارتی اور مالی غرض کے تمام معاملات کا انسپکٹر جنرل لاکو بنا دیا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حصوں کی قیمت ایک بارگی بڑھ گئی۔ کاروبار میں ظاہرا اضافہ ہوگیا مگر جلد ہی یہ تمام نظام درہم برہم ہوگیا۔ اور کمپنی کو سخت صدمہ اُٹھانا پڑا۔ اور اس کمپنی کی حالت اُس وقت تک نہ سنبھل سکی جب تک کہ ایک شاہی حکم کے ذریعے سے بادشاہ نے اپنے شاہی اختیارات کو کام میں لاکر تمام مطالبات جو کمپنی کے ذمے تھے منسوخ نہ کردیئے جس کے بعد پھر کمپنی نے اپنا پرانا دھچر مشرقی تجارت کا سنبھالنا شروع کیا۔ چنانچہ اب اُن کی حالت ہندوستانی سمندروں میں اچھی طرح سنبھلنے لگی۔ اُنھوں نے ۱۷۱۵ء میں ماریشیس کے اہم جزیرے پر قبضہ کرلیا جس کو اہل ہالینڈ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اور ہندوستان کے جنوب مشرقی ساحل یعنے سواحل کارومنڈل پر اُنھوں نے مستعدی سے ساتھ انگریزوں کے دوش بدوش قدم بڑھانے شروع کیئے اور اس ساحل پر فرانس کے گورنر جنرل نوآبادیات کا صدر مقام پانڈیچری سرعت سے ترقی کرکے ستر ہزار کی آبادی کا ایک شاندار شہر بن گیا۔ یہ چھوٹی سی بستی ۱۶۷۴ء میں فرانسس مارٹن نے بسائی تھی اس نے شہر کو تعمیر کیا۔ ملحقہ قطعات اراضی کو خریدا اور ڈیپلے کے عاقلانہ و مردانہ انتظام کے دوران میں پانڈیچری کو ایسی معراج ترقی پر پہنچا دیا کہ بعض فرانسیسی مصنفین اسکو فرانسیسی ہند کا بانی کہتے ہیں۔ ۱۷۲۳ء سے ۱۷۴۳ء تک کمپنی کے سرمایے اور تقسیم منافع میں معقول اضافہ ہوتا رہا۔ ہندوستان میں پانچ مقامات پر اُس کا قبضہ تھا اور چین تک سے اُس کی تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ البتہ یہ نہیں

باب چہارم
فصل دوم

ثابت ہوتا کہ انھوں نے گرم مصالحہ کے جزائر یا مجمع الجزائر ملایا میں کبھی قدم جمائے ہوں ابتدائی گورنران لینا ئر اور ڈوما نے انصرام معاملات میں بڑی دوراندیشی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا۔ ان کے بعد کا گورنر ڈوپلے ذرا زیادہ جوشیلا۔ من چلا اور ہاتھ چھٹ آدمی تھا اور اُس نے دریائے ہگلی کے فرانسیسی کارخانے پر مقام چندر نگر میں بحیثیت افسر کارخانہ نام بھی پیدا کر لیا تھا۔ سنہ ۱۷۴۱ء میں جب ڈوما کے بعد ڈوپلے پانڈیچری کا گورنر مقرر ہوا اور ہندوستانی نوآبادیات کے اعلیٰ ملکی و فوجی اختیارات اُس کو تفویض کئے گئے تو اس نے اپنی اولوالعزمی و بلند نظری کی تجاویز کو کمپنی کی اغراض کی ترقی دینے کے لیئے کام میں لانے میں ذرا توقف نہیں کیا۔

اس طرح یہہ صورت معاملات پیش آئی کہ صلحنامۂ اوترخت سے یورپ کو جو امن عامہ حاصل ہو گیا تھا اُس کے بعد صرف انگلستان و فرانس دو ذی شان حریف رمغان تجارت ہند کے لیئے مقابلہ کرنے والے باقی رہ گئے اور باقی جتنے تھے وہ یا تو ہمت ہار کر بیٹھ گئے یا بہت پیچھے رہ گئے۔ اٹھارھویں صدی کے وسطی زمانے تک صرف ممالک مغرب ہی میں نہیں بلکہ ممالک مشرق میں تجارتی و نوآبادکاری رقابتیں یورپ کی سب سے آگے بڑھ جانیوالی قوموں میں انتہا کو پہنچ گئیں۔ یورپ سے ایک زبردست بحری حوصلہ مندی کی موج اُٹھی اور ہندوستان کے غیر محفوظ سواحل کی طرف رخ باندھکر چلی اور اسی موج کی لہروں پر ان دونوں زبردست رقیبوں کے جہاز سوار تھے۔ ابھی سے جبکہ انگلستان و فرانس میں جنگ ہو جانیکا احتمال تھا اور جنگ شروع نہیں ہوئی تھی یعنے سنہ ۱۷۴۰ء میں فرانسیسی گورنمنٹ نے لیبرڈونا سے کی پیش کی ہوئی ممالک مشرق میں انگریزی تجارتگاہوں کو تباہ کرنے کی تجاویز پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُس کے چند ہی سال بعد ڈوپلے نے سلطنت کی ہمت افزائی سے انگریزوں کو سواحل کارومنڈل سے نکال باہر کرنیکی مہتم بالشان تجویز پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں شمالی امریکہ میں اہل فرانس نے معقول پیش قدمی کر لی یہاں تک کہ انھوں نے دریائے اوہیو کو عبور کر لینے کا انتظام مرتب

کرلیا تاکہ سواحل کی انگریزی نوآبادیات کی پشت پر جو سرحدی علاقہ واقع ہے اسے اپنے کام میں لانے کے لیئے قبضہ کریں۔ غرض یہ کہ اٹھارہویں صدی کے وسطی زمانہ تک فرانس کی موجودہ حالت مقبوضات و آئندہ امید کامگاری نے امریکہ و ایشیا میں یقیناً ترقی کرلی تھی اور یورپ میں جو روز بروز بڑھنے والے تنازعات مختلف سیاسی اغراض کی وجہ سے پیدا ہوتے رہتے تھے ان میں ان ما ورا والبحری آویزشوں کی وجہ سے جو توسیع تجارت و نوآبادیات کے متعلق پیش آتی رہتی تھیں اور زیادہ اشتعال پیدا ہوجاتا تھا۔ نوآبادیات کا تنازعہ شمالی امریکہ میں اپنے طور پر طے ہوا مگر وہ میدان جہاں یہ دونوں قومیں سب سے زیادہ منافع والی بحری تجارت پر قبضہ کرنے کے لیئے دست وگریبان ہوئیں۔ ہندوستان تھا۔ اور اس وقت سے اب تک ایشیا کی سیاسیات میں سب سے زبردست اور اصلی عنصر دول یورپ کی سیاسی قابلیت اور روز افزوں حرص اقتدار رہا ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے تمام صورت معاملات ایک نیئے قالب میں ڈھالی گئی۔ اور ممکن ہے کہ پھر ڈھالی جائے ؁

انگلستان و فرانس کی مخالفت پہلے نہایت پرجوش مگر پرامن طریقے پر تجارتی مقابلے کی صورت میں شروع ہوئی۔ ان میں سے ہر قوم کی قائم مقام ہندوستان میں ایک معقول و مسلح کمپنی تھی جس کو اپنے کام سے کام تھا۔ نئی نئی تجارت گاہیں اور بہت کی منڈیاں قائم کی جاتی تھیں اور جس ریاست یا صوبے کی حدود اختیار میں بستی بسائی جاتی تھی اس کے اندرونی معاملات سے بہت کم سروکار رکھا جاتا تھا۔ لیکن خاص انگلستان و فرانس میں اگر ان کمپنیوں کی کارکن جماعتوں کی ترتیب اور ان کے گرد و پیش کے حالات پر نظر کی جاتی تو ان قومی و سیاسی اختلافات کی بین علامتیں دکھائی دیتی تھیں جو ان دونوں فرانس اور انگلستان میں ظاہر تھیں اس جگہ انگریزی فرانسیسی کمپنیوں کی مالی داد و ستد کی جانچ کرنی بھی ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ ہم مقابلتہً یہ دکھا سکیں کہ ہر کمپنی اپنی حیثیت۔ ترتیب نظام اور اصول عمل کے اعتبار سے کس درجہ دوسری کی ضد تھی۔ فرانس کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا اپنی سلطنت سے بہت ہی قریبی تعلق تھا وہ تجارتی اجارہ حاصل کرتی تھی۔ سرکاری خزانے کی چٹھیاں اور ہنڈیاں پٹاتی تھی کثرت سے داد و ستد اور لاٹریوں (قرعہ اندازی) کا کام کرتی تھی اور چونکہ سرکاری قرضے میں سرتاسر

باب چہارم
فصل دوم

غرق تھی اس لیئے باوشاہ کے ہاتھوں میں بے بس تھی یہ ۱۷۲۳ء سے کمپنی کے ناظم باشاہ کی طرف سے مقرر کیئے جاتے تھے اور شاہی افسر اس کے اندرونی انتظام میں اس درجہ دخیل ہوگئے تھے کہ بقول خود کمپنی کی شاہی مداخلت ہی اس کی بربادی کی اصلی وجہ ہوئی ۱۷۴۰ء سے برابر یہ کمپنی حکومت سے بڑے بڑے قرضے اپنے حقوق یا محاصل مستاجری مکفول کرکے لیتی رہی اور انھی محاصل سے شرکا کو منافع کے حصے تقسیم کیئے جاتے تھے اور اپنا سرمایہ مصنوعی طریقے پر قائم رکھا جاتا تھا۔ اگر کوئی قابل وزیر ہوتا جو ہندوستانی معاملات کی طرف معقول طریقے پر توجہ مبذول کرتا تو بہت ممکن تھا کہ کمپنی کے انتظام کو سیاست کے وسیع تر اصول کے مطابق ترتیب دیا جاتا اور ایک زبردست و مستقل غایت کے ساتھ اس ترتیب پر عمل کیا جاتا جو ایک غیر سرکاری تجارتی جماعت سے ممکن نہیں تھا۔ مگر لوئیس پانزدہم کی حکومت نا قابلانہ فرماں روائی کی مصیبتوں۔ برائیوں اور بد اقبالیوں کے تلے دبتی چلی جا رہی تھی اور اس لیئے سرکاری سرپرستی کمپنی کے لیئے برابر مہلک ثابت ہوتی چلی گئی۔ برخلاف اس کے انگریزی کمپنی بجائے اپنی سلطنت کی قرضدار ہونے کے اس درجہ ملکی خزانے کی قرضوں اور نذرانوں سے امداد کر چکی تھی کہ ۱۷۵۰ء میں اس رقم کی کل تعداد بیالیس لاکھ پونڈ تھی — یہ ایک خود مختار اور زبردست کارکن جماعت تھی جو درباری مراعات پر نظر نہیں لگائے رکھتی تھی بلکہ دربار کے ساتھ اپنے معاملات طے کرنے میں قومی پارلیمنٹ پر اعتماد رکھتی تھی اور چونکہ کمپنی کو اپنا انتظام خود کرنے کے لیئے آزاد چھوڑ دیا گیا تھا اس لیئے اس کے کارکنوں پر پوری پوری ذمہ واری کا بار پڑ جانے سے دوربین و تجربہ کار منتظموں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو قدیم روایات سے ہدایت حاصل کرتے۔ غیر ملکی تجارت میں کافی معلومات رکھتے اور ایک بڑے تجارتی طبقے کے لبریز کیسہائے زر سے امداد پاتے تھے۔

ہندوستان میں مقابلہ شروع ہوتے وقت دونوں کمپنیوں کے ذرائع اور وسائل قریب قریب برابر سے تھے۔ سواحل کارومنڈل پر جو نوآبادیاں واقع تھیں وہ صرف اندرون ملک کی تجارت کے اعتبار سے ہی کوئی خاص کشش و اہمیت نہیں رکھتی تھیں بلکہ اس اعتبار سے بھی بہت قابل قدر تھیں کہ خلیج بنگال کے دونوں جانب کی درآمد برآمد کے لیئے منڈی کا کام دیتی تھیں اور آبنائے ملکا اور مشرقی ایشیا کے ساتھ جو سود مند تجارت کی جا رہی تھی اس کی حفاظت و نگرانی کی بحری چوکیوں کا کام بھی دیتی تھیں کیونکہ

سیلون پر اس زمانے میں ہالینڈ کا قبضہ تھا علاوہ ازیں سلطنت مغلیہ کے اندرونی زوال کا اثر سب سے پہلے دور افتادہ صوبوں پر ہی محسوس ہونا شروع ہوا تھا اور ان اقطاع بعید کے صوبہ جات بہ دھیرے دھیرے ابتری پھیل کر اصل سلطنت سے علحدہ علحدہ ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ جو نو آبادیات جنوب بعید میں تھیں وہ بمقابلہ بنگال کی تجارت گاہوں کے شاہی حیطۂ اختیارات سے زیادہ باہر ہوگئی تھیں کیونکہ بنگال کی تجارتگاہیں دریا کے بحری اتصال پر واقع تھیں اور ان کے نیچے ہی سمندر کا رخ کئے ہوئے قلعے تھے اور وہ صوبہ ات تک حکومتِ شاہی کے زیر اثر تھا۔ جانبِ مغرب میں مرہٹوں نے ساحل سمندر کے زیادہ تر اضلاع پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہ اس وقت تک اتنی قوت حاصل کر چکے تھے کہ غیر ملکی تاجروں کو حد سے باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ لیکن جنوب مغرب میں سے سواحل کارومنڈل پر فرانسیسی و انگریزی کمپنیوں کے صدر مقام پانڈیچری و مدراس عین شاہراہ عام پر قائم تھے اور ابھی خاصی فوجی قوت و استحکام کے ساتھ صوبہ کرناٹک میں واقع تھے یہ بڑا صوبہ ایک گورنر کی سپردگی میں اس زمانے میں دکن یعنے جنوبی ہند کی نیابت سے متعلق تھا یہ نیابت شہنشاہِ دہلی کی طرف سے نواب آصفجاہ کو نظام الملک کے خطاب کے ساتھ عطا فرمائی گئی تھی اور نواب نظام الملک نے بہت جلد اس قدر قوت و اقتدار حاصل کر لیا کہ شاہی دربار میں حسد و خدشے کے خیالات ان کی طرف سے پیدا ہونے لگے۔ مگر جب نواب نظام الملک کو اس جگہ سے ہٹانے کی کوشش کر کے دہلی طلب کیا گیا اور ان کو اس کا علم ہوگیا تو وہ ایک فوج کے ساتھ دکن کو واپس آئے اور جو افسر اُن کی جگہ مقرر کیا گیا تھا اس کو شکست دیکر اپنی حکومت جنوبی ہند میں قائم کی اور سلطنت کے سب سے زبردست باجگذار بن گئے۔ چند سال بعد انہوں نے نادر شاہ کی شمال ہند کی یورش سے پھیلی ہوئی ابتری سے فائدہ اُٹھا کر اپنے وسیع مقبوضات کو دریائے نربدا کے جنوب میں خوب مستحکم کر لیا جس میں صوبہ کرناٹک بھی شامل تھا اور ایک نسلاً بعد نسلٍ قائم رہنے والی حکومت کی بنا ڈالی جو برائے نام تخت دہلی کی منقاد مگر حقیقتہً بالکل خود مختار تھی[1]۔

[1] اس عبارت سے مصنف کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ نواب نظام الملک سلطنت دہلی سے گویا کنارہ کش ہوگئے تھے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جب سلطنت اسلامیہ میں ضعف آجائے اور خلیفۃ المسلمین یا سلطانِ اعظم اسکی اصلاح

باب چہارم
فصل دوم

اس کرناٹک میں جو نیابت دکن کا ایک متعلقہ صوبہ تھا ایک قسم کی ماتحت سی ریاست ایک شخص سعادت اللہ نامی نے قائم کر لی تھی۔ مگر سعادت اللہ کی وفات پر جا نشینی پر جھگڑا ہوا۔ اور جو ابتری اس سے پھیلی اگرچہ اس کو عارضی طور پر نواب نظام الملک کی طرف سے دبا دیا گیا پھر بھی اس تمام علاقے میں جو انگریزی و فرانسیسی نوآبادیات کے گرد واقع تھا مقامی حکومت ایک حد تک ضرور کمزور ہو گئی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں پہلے پہل ۱۷۴۵ء میں مُشت مُشت فرانس وانگلستان کے درمیان یورپ میں جنگ چھڑ جانیکی خبر آتے ہی ہوئی۔ اور اسی واقعہ کو اس قومی جنگ کی پہلی تیغ آزمائی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ ہندوستان میں اٹھارہ سال تک جاری رہی یہاں تک کہ ایک متخاصم سے بالکل ہتھیار رکھوا کر اس کو مغاً میدان جنگ سے بھگا دیا گیا۔

۱۷۴۱ء میں جب ڈوپلے فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کا ڈائرکٹر جنرل مقرر کیا گیا تو وہ ایک ایسے عہدے پر آیا جس کو اس سے پہلے دو قابلیت و شان رکھنے والے پیشرو پر کر چکے تھے جنھوں نے دیسی حکومتوں کے ساتھ اپنے طرز عمل میں بڑی سیاسی قابلیت و معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔ ماہی اور کاریکال پر خاموشی کے ساتھ فرانس کا قبضہ ہو گیا تھا اور ۱۷۴۰ء کی مرہٹوں کی یورش سے کرناٹک جس ابتری کا شکار ہوا تھا اس میں مسلمان حکمرانوں کے خاندانوں اور خزانوں کو پانڈیچری کی شہر پناہ کے اندر پناہ مل گئی تھی۔ لیکن فرانس کی تجاویز و اغراض محض حفاظت و توسیع تجارت سے اسوقت تک آگے نہیں بڑھی تھیں جبتک ڈوپلے کے جوش و حوصلے نے علانیہ اس کا اظہار نہیں کر دیا کہ اہل فرانس کی سرشت بجائے تجارت کی فتوحات کے زیادہ موزوں ہے جس کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ۔ عاجز ہو تو ایسی صورت میں اوسکے امراء ماتحت کا سلطنت کے حصوں پر قابض ہو کر ممالک اسلامی کی حفاظت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ ایسے امراء اسلام کو سرکش خیال کرنا مذہب اسلام میں جائز نہیں۔ نواب نظام الملک آصف جاہ نے دکن میں مستقل سلطنت اس لئے قائم کی کہ فرخ سیر بادشاہ ہند اپنے درباریوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن چکا تھا۔ اور وہ خود اسبات کا متمنی تھا کہ نواب نظام الملک انکو درباریوں کے پنجے سے آزاد کریں۔ اگر نظام الملک مستقل سلطنت قائم نہ کرتے تو ممکن تھا کہ سارے دکن پر مرہٹے قابض ہو جاتے (از مولوی صفی الدین صاحب ناظم مذہبی کتب خانہ عثمانیہ)

باب چہارم
فصل دوم

نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی کو بڑے جان جوکھم کے میدان عمل میں قدم رکھنا پڑا۔ ڈوپلے نے خوب سمجھ لیا تھا کہ اگر فرانس و انگلستان میں جنگ چھڑ گئی تو دونوں کمپنیوں کی رشک و رقابت کی آگ ہندوستان میں بھی مخاصمت کے شعلے بھڑکا دیگی چنانچہ اس نے قرب و جوار کے دیسی حکمرانوں سے سلسلۂ پیام و سلام جاری کیا۔ وہ خطابات اختیار کرنے شروع کیئے جو مخصوص شہنشاہ کی طرف سے عطا فرمائے گئے تھے۔ اور ہندوستانی امرا کی تمام شان و شوکت والی ظاہرداریاں برتنی شروع کیں تاکہ ہندوستان کے نظام سیاسی میں داخل ہونے کے لیئے اپنی کمپنی کا راستہ صاف کرلے۔ اس نے اپنے فوجی عملے کی اصلاح میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور کسی اتفاقیہ بحری حملے کا مقابلہ کرنے کے لیئے پانڈیچری کا پورے طور پر استحمان و استحکام کرلیا۔ اور اپنی کارروائیوں کو اُس وقت بھی نہیں روکا جبکہ پیرس کے ناظموں نے اسے اس مدافعانہ کارروائی کی تمام مہمات کو ملتوی کرکے صرف تجارت کی طرف متوجہ ہونے اور کمپنی کے قرض کی ادائیگی کی فکر کرنے کے احکام بھیجے ٭

سنہ ۱۷۴۴ء میں یورپ میں اعلان جنگ ہوتے ہی ہندوستان میں بھی اس جنگی ڈرامے کے پہلے ایکٹ کا پردہ اٹھنے کی گھنٹی بجگئی جس میں یہ فیصلہ ہونیوالا تھا کہ جنوبی ایشیا میں فرانس ایک عظیم الشان سلطنت حاصل کریگا یا انگلستان۔ ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نتیجے کا انحصار ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں پر نہیں تھا جو ساحل کارومنڈل پر ہوتی رہیں۔ نہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی ان سازشوں اور امدادوں کی کامیابی یا ناکامی پر تھا جو ان دونوں قوموں نے دیسی رئیسوں کے ساتھ کی تھیں بلکہ دراصل اس نتیجے کو اس کشاکش پر منحصر سمجھنا چاہیئے جو ان دونوں قوموں کے درمیان مجموعی بحری فوقیت حاصل کرنے کے لیئے جاری رکھی گئی تھی ایشیائی تجارت کی تمام عمارت کے جوڑ کا پتھر اس وقت اقلیم ہند میں رکھا گیا تھا۔ اور صرف یہیں وہ مضبوطی سے جم سکتا تھا۔ اور جس طرح بحری تجارت کا استحفاظ بحری قوت کے استقلال پر تھا اسی طرح بحری قوت کا عروج بحری تجارت کے فروغ پر منحصر تھا اس لیئے باوجودیکہ ہندوستانی آویزش کی تفصیل ایک تفریحی سین سے زیادہ اس شاندار بین الاقوامی ڈرامے میں نہیں جس کے تماشے برابر پچاس سال تک دکھائے جاتے رہے جن میں طرح طرح کے سین اور پارٹ بدلے گئے تاہم ان واقعات اور اسباب کے اچھی طرح سمجھنے کے لیئے جنھوں نے انگریزوں کے سامنے عروج ہند کے

باب چہارم
فصل دوم

دروازے کھول دیئے اور جو انگریزوں کی کامیابی کے پشت پناہ بنے انکی ہندوستانی آویزشات کی تفصیل وبستگی ۔ سبق آموزی ۔ اور انتہائی اہمیت سے لبریز ہے ۔

ڈوپلے کا ہندوستانی دور

فصل اول

جنگ فرانس و انگلستان

انگلستان اور اسپین میں جو تجارتی و جہازرانی تنازعات پر ۱۷۳۹ء میں جنگ شروع ہوئی وہ رفتہ رفتہ فرانس کو انگلستان کے خلاف علانیہ مخاصمت کی طرف کھینچکر لانے لگی مگر چونکہ انگلستان کے پاس بہت زیادہ زبردست بیڑا تھا اس لیئے ان دونوں ملکوں کے قطع تعلقات سے فرانس کو یہ خدشہ پیدا ہوگیا کہ اس کی ماوراء البحری مقبوضات و اغراض غیر محفوظ سلسلۂ تعلقات و امداد کی وجہ سے سخت خطرے میں نہ پڑ جائیں ۔ امریکہ اور ممالک مغرب میں فرانس کی نوآبادیات انگلستان کے مقابلے میں زیادہ وسیع تھیں ۔ ہندوستان میں توازن قوت و نوآبادیات تقریباً برابر تھا بلکہ فرانسیسیوں کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ ان کے قبضے میں اعلیٰ درجے کے بحری مرکز مسولی پٹم اگاسکر یہ بوربن اور ماریشیس تھے اگرچہ یہ مقامات میدان عمل سے درا صل کچھ دور تھے ۔ لیبرڈونائے جو گورنر ماریشیس تھا وہ اس مقام پر اپنی گورنمنٹ کی ایماء و امداد سے ۱۷۴۱ء سے برابر بحری ذخائر اس غرض سے جمع کر رہا تھا کہ انگریزی تجارتی جہازوں پر اچانک حملہ کرے یا انگریزوں کی ہندوستانی

باب پنجم
فصل اول

نوآبادیات پر یکایک یورش کردے ۔لیکن چونکہ کمپنی کے ڈائرکٹروں کو ممالک مشرق میں غیر جانبداری کے اصول پر عمل کرنے میں زیادہ مفاد نظر آتا تھا اس لیئے انھوں نے کوشش کرکے ۱۷۴۳ء میں سلطنت کی طرف سے لیبرڈوناۓ کے نام ایسے احکام جاری کرا دیئے تھے جس سے اس کی یہ کارروائیاں رُک گئی تھیں اور باوجودیکہ ۱۷۴۴ء میں جنگ کا اعلان ہوتے ہی اس کو جارحانہ کارروائی کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا مگر وہ ۱۷۴۶ء سے پہلے تیاری نہیں کرسکا ۱۷۴۶ء میں اس نے مڈیگا سکر پر اپنا بیڑا جمع کیا اور ماہِ جون میں سواحل کارومنڈل پر چڑھائی کی ۔ابھی اثنا میں انگلستان سے چلا ہوا ایک بحری دستہ ۱۷۴۵ء میں پانڈیچری سے کچھ فاصلے پر نمودار ہوا اور اس وقت میں پانڈیچری کی قلعہ بندی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اور اس میں فوج بھی بالکل ناکافی تھی ۔ڈوپلے نے مہلت حاصل کرنیکی غرض سے یہ چال چلی کہ نواب کرناٹک کو ترغیب دیکر ایک فرمان جاری کرایا جس کا منشا یہ تھا کہ حدودِ کرناٹک میں مخاصمت کی کارروائیاں بالکل ممنوع ہیں۔ اور اس ممانعت کی تعمیل میں مدراس کے انگریزی حکام مجاز نے انگریزی امیرالبحر کو پانڈیچری پر حملہ ملتوی کرنے کی ہدایت کی۔ اُدھر طوفان خیز موسم نے امیرالبحر مذکور کو ساحل چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور کیا اور سال بھر بعد جب انگریزی بیڑا واپس آیا تو ماریشیس کا فرانسیسی دستہ اس کے مقابلے کیلئے موجود تھا۔ اب انگریزی کمپنی کی باری نواب کرناٹک سے اپیل کرنے کی تھی۔ مگر اس میں وہ گرماگرمی موجود نہیں تھی۔ اس کی خدمت میں اچھی طرح نذرانہ نہیں پیش کیا گیا تھا۔ اور اس کی اپنی حالت بھی غیر محفوظ تھی اس لیئے وہ کسی طرح ان متخاصم بیڑوں کو لڑائی کرنے اور ایک دوسرے کی تجارتگاہوں پر گولہ باری کرنے سے نہیں روک سکا چنانچہ ایک غیر فیصلہ کن بحری آویزش کے بعد انگریزی جہازات سیلون کی طرف ہٹ آئے اس کے بعد لیبرڈوناۓ نے دو ہزار کی جمیعت خشکی پر اُتاری اور مدراس کا خشکی و تری کی طرف سے محاصرہ کرلیا گیا ۔یہانتک کہ وہ اس شرط پر فرانسیسیوں کے حوالے کردیا گیا کہ پھر زرِ فدیہ ادا کرنے پر انگریزوں کو واپس کردیا جائے ۔لیکن اس سمجھوتے کی ڈوپلے نے بڑے زور شور کے ساتھ مخالفت کی جس نے اس کو صاف طور سے محسوس کرلیا تھا کہ ایک مستحکم فرانسیسی سلطنت ہندوستان میں قائم کرنے کے لیئے انگریزوں سے بالکل میدان صاف کردینا چاہیئے چنانچہ اس نے اس پر اصرار کیا کہ مدراس کی قلعہ بندی کو بالکل مسمار کردیا جائے ۔نواب کرناٹک نے

باب پنجم
فصل اول

بھی ڈوپلے کا جانشین بنکر اس معاملے میں دخل دیا اس نے اپنی حدود و اختیار میں ان شخصی لڑائیوں کے وقوع پذیر ہونے پر سمت بیزاری کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ مدراس اس کے سپرد کر دیا جائے اور ڈوپلے اس پر رضامند بھی ہوگیا۔ اس مسئلہ پر بڑے زور شور سے جھگڑنے کے بعد لیبرڈونائے ماریشیس کو واپس چلا گیا۔ کیونکہ اس کے کئی جہاز طوفان سے بالکل شکستہ ہو گئے تھے۔ مدراس عارضی طور سے فرانسیسیوں کے قبضے میں رہ گیا اور لیبرڈونائے کا وہ معاہدہ قائم رہا کہ اگر انگریز مقررہ زرفدیہ ادا کر دیں تو تین ماہ کے اندر مدراس ان کو واپس کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ ڈوپلے کے پاس تین ہزار فرنچ سپاہی موجود تھے اور اس کو ایک یہ خفیہ فرمان اپنی سلطنت کی طرف سے پہنچ گیا تھا کہ کسی طرح مدراس کو نہ چھوڑے۔ چنانچہ اس نے عزم بالجزم کر لیا کہ مدراس کو نہ انگریزوں کے سپرد کرے گا نہ نواب کرناٹک کے۔ چنانچہ جب نواب نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا تو ڈوپلے نے ایسے زور شور سے دیسی افواج کو شکست دی کہ فرانسیسیوں کی جنگی قابلیت کی اسی ایک ضرب سے تمام کرناٹک میں دھوم مچ گئی کیونکہ جس سرعت و آسانی کے ساتھ نواب کے غیر قواعد داں بے ضابطہ سپاہیوں کی جماعت یورپ کے قواعد داں باضابطہ دستۂ فوج کے ساتھ پہلے ہی تصادم میں منتشر کر دی گئی اس سے فوراً یورپ کی اعلیٰ درجہ کی قواعد دانی و استعمال اسلحہ کی فوقیت کا ثبوت مل گیا۔ ڈوپلے نے اس موقع سے بے صرفہ و بے اندازہ فائدہ اٹھانا چاہا۔ جو معاہدہ انگریزوں کے ساتھ واپسی مدراس کا کیا گیا اس نے اس کے کالعدم ہونے کا اعلان کر دیا۔ کمپنی کی تمام جائداد پر قبضہ کر لیا۔ گورنر مدراس اور اس کے تمام عملے کو گرفتار کر کے پانڈیچری پہنچایا گیا جہاں ان کو جنگی قیدیوں کے جلوس کے ساتھ شہر میں پھرایا گیا۔ اور فوراً انگریزی قلعہ سینٹ ڈیوڈ پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج بھیجدی گئی کیونکہ وہی ایک قلعہ بند مقام پانڈیچری سے کوئی بارہ میل کے فاصلے پر جانب جنوب انگریزوں کے قبضے میں رہ گیا تھا۔ لیکن راستے میں فرانسیسیوں پر اچانک حملہ ہوا اور اس مہم کو اس زور شور سے روکا گیا کہ تمام فوج بالکل بے کار پڑا ؤ ڈالے اسی قلعے کے قرب وجوار میں پڑی رہی اور کسی طرح اس کا محاصرہ نہ کر سکی۔ اسی اثنا میں انگریزی بیڑا تازہ کمک حاصل کر کے سیلون سے واپس لوٹا۔ ڈوپلے کے پاس جو چار جہاز تھے وہ اس نے اس بیڑے کے

پانچویں فصل بول

راستہ سے ہٹا کر مغربی ساحل کی طرف بھیجدئے اور انگریزی بحری مہم کا راستہ بالکل صاف ہوگیا۔ چنانچہ ۱۷۴۷ء میں جب فرانسیسی کمانڈر پیرا ولیس پھر قلعہ سینٹ ڈیوڈ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اُسے فوراً انگریزی بحری دستہ کے نمودار ہوجانیکی وجہ سے رُک جانا اور پانڈیچیری کی حفاظت کے لئے واپس ہونا پڑا اور انگریزی بیڑے نے فوراً اپنی فوجیں اور سامانِ حرب قلعہ میں اُتار دئے۔ یہیں سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ اُدھر کڈالور پر سر توڑ حملہ کر کے فتح کر لینے کی کوشش میں لارنس کی قابلیت و تدبر نے فرانسیسیوں کی چلنے نہیں دی اور اُن کو سخت نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اِدھر امیر البحر بوسکاوین ایک زبردست بیڑا اور ڈیڑھ ہزار انگریزی سپاہیوں کے ساتھ آپہنچا اور پانڈیچیری کا خشکی و تری دونوں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن جس طرح فرانسیسیوں کو قلعۂ سینٹ ڈیوڈ کے مقابلے میں ناکامی ہوئی تھی اسی طرح انگریزوں کو پانڈیچیری کے مقابلے میں ناکامی ہوئی۔ اِس شہر کا انگریزوں نے ایسا بے طریقہ محاصرہ کیا تھا اور فرانسیسیوں نے اُنکی ایسی بہادری سے مدافعت کی کہ حملہ آوروں کو سخت نقصان کے ساتھ محاصرہ اٹھالینا پڑا۔

۱۷۴۹ء میں صلح آ۔ لا۔ شپل کی خبر سے ہندوستان کی لڑائیاں بند ہوگئیں شمالی امریکہ میں لوئس برگ فرانس کو واپس مل گیا۔ اور اُس کے معاوضے میں ہندوستان میں انگریزوں نے مدراس پر پھر قبضہ پالیا۔ دونوں کمپنیوں کی اس تنگنائے ساحل پر دست بدست جنگ کا خاص نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس کی عظمت ہندوستان میں خاص طور پر ترقی کر گئی اور ڈوپلے کو اپنی اس تجویز پر قائم رہنے اور عمل در آمد کرنے کی ہمت بندھ گئی کہ جس دیسی رئیس کی جانبداری کی ضرورت سمجھی جائیگی اُسی کی حمایت میں فرانسیسی فوجیں یقینی کامیابی کے ساتھ کام میں لائی جاسکینگی۔ کرناٹک میں ایک خانہ جنگی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے اور ڈوپلے نے ایک فریق کی حمایت کرنیکے لئے نامہ و پیام بھی شروع کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی فوجوں کو برابر کام میں مصروف رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا کیونکہ اُن کی فیصلہ کن قوت کا کافی طور سے سرمیدان اظہار ہو چکا تھا۔ اُس نے ہندوستانی حکمرانوں پر رعب جما لیا تھا۔ انگریزی اعتماد کو بالکل بٹہ لگا دیا تھا اور سیاسی معاملہ فہمی و جنگی اولوالعزمی کے ساتھ جزیرہ نمائے ہند میں ایک فرانسیسی سلطنت قائم کرنیکی سیدھی شاہراہ پر چلنا شروع کر دیا تھا۔

سواحل کارومنڈل کے واقعات و گرد و پیش کے حالات کے اعتبار سے

باب پنجم
فصل اول

ڈوپلے نے صورت حالات کا اندازہ بالکل صحیح لگایا تھا۔ موقع آچکا تھا اور ڈوپلے نے اس موقع سے فائدہ اُٹھانیکے اصل طریقوں کو بھی پہچان لیا تھا۔ سلطنت مغلیہ کا وجود جنوبی صوبہ جات میں بالکل ختم ہو چکا تھا۔ تمام مملکت اندرونی تفرقہ پردازیوں کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی اور مرہٹے ملک کو تباہ کئے جا رہے تھے اور اُس کا خون چوسے لیتے تھے اُن کی غایت یہ معلوم ہوتی تھی کہ اسلامی ریاستوں کو تباہ و برباد کر کے غیر ملکیوں کے آنے کے لئے راستہ صاف کریں اُن کی حکومت کے قیام میں اُن کی مدد کریں۔ ممالک جنوب کی دیسی فوجیں بے قاعدہ غیر مسلح سرفروشوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھیں اور تمام ساحلی علاقہ بے حفاظت و بے پناہ پڑا تھا۔ ہم بعد میں بتائینگے کہ صرف ڈوپلے ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ ممکن نظر آنے لگا تھا کہ موجودہ صورت معاملات ایک یورپین سلطنت قائم کرنے کے لئے بہت مفید و معین تھی۔ لیکن ڈوپلے کی یا تو سمجھ ہی میں نہ آیا یا اُس نے اس پر توجہ نہیں کی کہ بعض ایسے مخصوص اسباب بھی تھے جو اُس کی حوصلہ مندانہ تجویزوں کی کامیابی کے لئے لازمی تھے اور جن کا فقدان اُس کی مقامی فتحمندیوں کو کالعدم کئے دیتا تھا۔ ہندوستان میں کسی جہاز راں قوم کی ملکی فوقیت کی تمام تجاویز کی بنیاد اگر محفوظ بحری سلسلۂ ارتباط پر نہ رکھی جائے تو تعمیر کی جڑ کمزور رہتی ہے اور اُس کا کمزور نظام مخدوش ہو کر یقیناً خود اُس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جب تک کہ استحکام کی یہ پہلی شرط نہ پوری کی جائے اُس وقت تک دور دراز ملکوں میں توسیع سلطنت کی وجہ سے اس تعمیر کے ستونوں پر ناقابل برداشت و خطرناک بار پڑ جاتا ہے جس سے تمام عمارت کے ایک ہی ضرب کھا کر سرنگوں ہو جانیکا ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے ؎

فرانس کے مصنفین نے لیبر ڈونائے پر بیرحمانہ سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے انھوں نے اُس پر یہ الزام لگایا ہے کہ اُس نے ڈوپلے کی تجاویز کے صاف راستہ میں رکاوٹیں پیدا کیں کیونکہ اُس نے مدراس پر بجائے دہلی سے فدیہ کی شرط کے ساتھ قبضہ کیا۔ انگریزی نوآبادیات کے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکنے میں جوش کے ساتھ اتحاد عمل نہیں کیا اور عین وقت پر دشمن کے لئے ساحل کو بے پناہ چھوڑ کر اپنے جہازوں کو لیکر ماریشیس چلا گیا۔ فرانس کو واپس آنے کے بعد اس کو بیسٹائل میں قید کر لیا گیا جو ملکی و

وشاہی مجرموں کا قیدخانہ تھا اور یہاں وہ تیں سال تک پڑا رہا یہاں تک کہ اُس کو تمام الزامات سے عزت کے ساتھ بری قرار دیا گیا۔ ڈوپلے جیسے خود رائے و مستحکم شخص کے ساتھ اس کا تنازعہ غالباً اسی بنا پر ہوگیا تھا کہ وہ اپنے جہازوں کو قبضۂ مدراس کے بعد بہت جلد ماریشیس لیکر چلا گیا۔ لیکن یہ کونسی یقینی بات ہے کہ اگر لیبرڈوناۓ اپنے شکستہ حال جہازوں کو لئے ہوئے وہاں پڑا بھی رہتا تو وہ اس تمام سمندر پر ایسا اہم وناگزیر قبضہ بھی جمائے رکھ سکتا تھا جس کے بغیر ڈوپلے کا چھوٹے چھوٹے ساحلی قلعہ جات پر قبضہ حاصل کر لینا یا دیسی رئیسوں کی بے قاعدہ فوجوں پر فتح پالینا دراصل بالکل ہیچ کارہ تھا۔

جو کچھ بھی ہوا یہ امر بہت جلد واضح ہوگیا کہ خشکی پر کی کامیابی کا انحصار تری کی فتحمندی پر تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ لیبرڈوناۓ کے چلے جانیکے بعد جب ایک زبردست انگریزی بیڑا نمودار ہوا اور فرانسیسی جہازوں کو مجبوراً ساحل چھوڑنا پڑا تو فرانسیسیوں کی خشکی کی تمام جنگی کارروائیاں بالکل مفلوج ہوکر رہ گئیں اور اُن کو آسانی کے ساتھ پانڈیچری کے اندر ہنکا دیا گیا۔ ساتھ ہی اس کے شمالی امریکہ کے لوئسبرگ کے عوض ہندوستان میں مدراس کا واپس دیا جانا بھی اس کا ثبوت تھا کہ محض مقامی فوقیت کو وسیع لبساط سیاست پر ایک چال سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی تھی اور وہ بھی ایسی چال جس کو پورے نقشے کی خاطر بالکل قربان کر دیا جاسکتا تھا یہ تمام نشانیاں اور علامتیں ڈوپلے کے واسطے اُس کی تجاویز سلطنت ہند کی خوشنما سطح کی تہ میں حقیقی سقم کو ثابت اور اس کی شخصی ناپائیداری پر متنبہ کرنے والی تھیں مگر یا تو بحری قوت کی اہمیت پر اُس کی نظر نہ پڑسکی یا وہ اس خود فریبی میں مبتلا ہوگیا کہ اپنی فتوحات کو اندرون ملک میں وسعت دینے سے اس کو بحری حملوں سے پناہ مل جائیگی۔ غرض یہ کہ اُس کو یہ اُصول فراموش ہوگیا کہ اگر کسی یورپین قوم کو ایشیا میں سلطنت قائم کرنی ہے تو اُس کی جڑ کو پہلے مضبوطی کے ساتھ اپنے وطن میں قائم کرلے۔ اس پہلی جنگ کے تجربے سے اُس کو کوئی سبق حاصل نہیں ہوا بلکہ اُس کی ہمت اور بڑھ گئی اور جیسے ہی یورپ میں اعلان صلح ہوا ویسے ہی اس نے اپنی تجاویز کو اور بڑے پیمانے پر عمل میں لانا شروع کر دیا۔

مگر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہم ڈوپلے کے متعلق یہ رائے نہیں قائم

باب پنجم
فصل اول

کر سکتے کہ اُس کو دونوں قوموں کی بحری قوت کے فرق اعتباری کا بھی علم تھا۔ یا اس کو یہ بھی خبر تھی کہ جنگ تخت نشینی آسٹریا کی وجہ سے فرانس کی بحری قوت بہت کچھ ٹوٹ گئی تھی۔ انگریزوں پر بھی اگرچہ روپیہ کا بہت خرچ پڑا تھا مگر اُن کے بیڑے کی عظمت وشان بے اندازہ زیادہ ہوگئی تھی اس نے فرانسیسی بیڑے پر ہر جگہ علانیہ فوقیت حاصل کی تھی اور باوجود کچھ ناکامیوں کے بھی ہندوستان کے سمندروں میں فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزی بیڑا بہت زیادہ زبردست تھا۔ ہالینڈ کے وسائل ختم ہوچکے تھے اور صلح آ۔لا۔شیل کے بعد اسے کسی قریبی حملے کا خوف لگا ہوا تھا۔ خود فرانس کو اپنی اسفل ملک (ندرلینڈ) کی لڑائیوں میں کوئی حقیقتاً فائدہ نہیں بلکہ مجازاً نقصان ہوا تھا۔ کیونکہ ان لڑائیوں میں جو نقصان ہالینڈ کو پہنچا تھا وہ سب کا سب انگریزی تجارت کے حق میں فائدے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور تری میں فرانس کی تجارت وجہازرانی کو تو ایسا سخت نقصان پہنچا تھا اور اس کے بحری وسائل جنگ اس درجہ صرف ہوچکے تھے کہ بقول والٹائر اُس کے پاس ایک بھی جنگی جہاز اس نام کے قابل نہیں بچا تھا۔ ایسی قومی بے سروسامانی عموماً سرتا ر ی اور اولوالعزمی کے لئے سخت مضرت رساں ہوسکتی تھی اور خصوصاً فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اغراض کے لئے تو وہ بالکل ہی مہلک ہوئی کیونکہ اس کمپنی کا براہ راست تعلق سلطنت کے ساتھ تھا۔ جنگ کے اختتام پر کمپنی نے اپنے تئیں قرضے میں غرق پایا۔ کمپنی کے ناظم جو سب بادشاہ کے نامزد کئے ہوئے تھے اخراجات کے متعلق نہایت اسراف سے کام لیتے رہے۔ اصل صورت حالات کو چھپاتے رہے اور اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے بڑے بڑے مگر جعلی منافع تقسیم کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۷۶۳ء میں اُن کی مشکلات نے اُنھیں فوری اور چونکا دینے والی تخفیفوں پر مجبور کردیا۔

جب کبھی کمپنی کے معاملات میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی تھی فرانس کے وزرا اس کا یہ علاج کرتے تھے کہ ناظموں کی نگرانی کے لئے ایک خاص کمشنر مقرر کردیتے تھے دراں حالیکہ کمپنی ہمیشہ اُسی پر یہ احتجاج کرتی تھی کہ اس کی بدبختی کی اصل وجہ غیر ضروری سرکاری مداخلت ہے۔ اس کے برعکس انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کا خود مختارانہ انصرام بڑے بڑے تجار کے ہاتھ میں تھا جن کو ایشیائی معاملات کے

قدیم وموروثی تجربات حاصل تھے۔ اُس کے بدوست وسائل قومی مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ساتھ وابستہ تھے۔ اُس کا وسیع کاروبار تمام ممالک مشرق پر پھیلا ہوا تھا اور اُس کے قبضہ میں ایک خطیر محفوظ سرمایہ تھا۔ انگلش چینل کے دونوں جانب اگر نگاہ ڈالی جاتی تو فرانس والے کنارے پر ایک ایسی کمپنی نظر آتی جو حقوق قرعہ اندازی واجارات تمباکو کے ستونوں پر کھڑی تھی اور شاہی خزانے کے امدادی عطیات پر اُس کا قیام تھا اور انگلستان والے کنارے پر ایک متمول کارکن جماعت نظر آتی تھی جو خود سلطنت کو اخراجات جنگ کی امداد میں قرضے دیتی تھی۔ اپنی ضرورت کے وقت نہایت خفیف شرح سود پر لاکھوں کی رقم قرض لے سکتی تھی اور اپنی مالی بار اُٹھانے کی قابلیت کو وزرائے سلطنت سے مخصوص حقوق و توسیع اختیارات کے فرمان حاصل کرنیکے لئے کام میں لاتی تھی۔ انگلستان میں تمام قوم کا روز افزوں تمول اور بحری میلان طبع اس کام آتا تھا کہ آزاد نظامات کو پوری قوت اور بے تکان حرکت کے ساتھ چلایا جائے برخلاف اس کے فرانس کی جری وعقیل قوم کی تمام فطری قابلیتیں اور حوصلہ مندیاں استبدادی اقتدار۔ روز افزوں مالی مشکلات اور ناقابل حکومت کے تساہل اور تغافل کی وجہ بالکل خاک میں ملی جاتی تھیں کہ

فصل دوم

دونوں کمپنیوں کی جنگ

ڈوپلے کی نظر ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے اُن باتوں پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ اُس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس وقت کی بڑھی ہوئی حیثیت اور فوج کی کثرت کی وجہ سے اس کے حُب وطن کے جذبات کو عمل میں لانے کے لئے کافی گنجائش ہے۔ اور اُس نے ہمت و مردانگی کے ساتھ ہندوستانی سیاسیات کے طوفان خیز اور ناآشنا سمندر میں اپنی کشتی ڈال ہی دی۔ گذشتہ جنگ نے اگرچہ دونوں کمپنیوں کی حیثیت اعتباری میں کوئی فرق نہیں پیدا کیا تھا مگر اس کا اثر یہ ضرور ہوا تھا کہ دونوں کمپنیوں کی وضع و شان مختلف ہو کر اُن کی باہمی رقابت کا رنگ زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ دونوں میں مشرقی لڑائیوں اور سازشوں کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ دونوں نے جنگی فوجیں بھرتی کر لی تھیں جو اگرچہ اُنکے مالی وسائل پر سخت بار تھیں پھر بھی باہمی رشک و رقابت کی وجہ سے منتشر نہیں کی جا سکتی تھیں دیوالیہ ریاستیں ایک مستقل فوج کو بے تنخواہ قائم رکھنے کا مسئلہ اس طرح حل کرتی ہیں کہ اُن کے ہاتھ سے ہمسایہ ریاستوں کی لوٹ کھسوٹ کراتی ہیں لیکن ہندوستان کی تاریخ اس کے سواے ایک اور حل بھی اس معمے کا پیش کرتی ہے جو یہ ہے کہ قدم نظر فرمانے کا مناسب لحاظ کرنے کی شرط پر فوجیں مستعار دے دی جاتی ہیں۔ جب تک یورپ میں حالات صلح قائم تھے اُس وقت تک فرانسیسی اور انگریزی کمپنیاں ہندوستان میں ایک دوسرے کے خلاف علانیہ اعلان جنگ نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن آئندہ جنگ کے لیئے تیاری یہ دونوں اس طرح کر سکتی تھیں کہ آپس میں سیاسی چالیں چلی جائیں اپنے وسائل و ذرائع کی نگاہ و پرداخت کی جائے۔ اپنے اپنے حلقہاے اثر کو بڑھایا جائے اور تمام ملک میں جو طوفان بے تمیزی برپا تھا اس کے پردے میں ایک دوسرے پر

بالواسطہ چوٹیں کی جائیں۔ چنانچہ اُس زمانے میں جب کہ ہندوستانی رئیسوں کو یورپ کے اسلحہ کی میدانی قوت کا اندازہ ہوگیا تھا اور ہر ایک عارضی طور پر معقول معاوضہ دے کر یورپین فوج مستعار لینے پر تیار تھا کوئی وجہ مانع نہیں تھی بلکہ تمام اسباب اس پر ترغیب دینے والے موجود تھے کہ دونوں کمپنیاں بھی اُن مسلسل لڑائیوں میں بالواسطہ شریک ہوتی رہیں جو حصول ملک و آزادی کے لئے ملک بھر میں جاری تھیں۔ اِن کمپنیوں کو ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کوئی جھنجھٹ نہیں کرنی پڑتی تھی جن کا استحقاق حکومت اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہوتا تھا کہ ان میں قبضہ کر لینے کی اور اُس قبضے کو قائم رکھنے کی قوت تھی اور جن کی زندگی کا انحصار یا حکومت کا دارومدار صرف ایک فیصلہ کن لڑائی پر اٹکا رہتا تھا۔ اُن لوگوں میں بہت سے محض غیر حقدار مگر قابل غاصبین ہوتے تھے۔ بہت سے ناقابل حقدار ان اصلی ہوتے تھے۔ بہت سے نبرد آزما سردار ہوتے تھے جو دو ایک علاقوں پر قبضہ کر لیتے تھے۔ بہت سے مرہٹے یا افغان طالع آزما سردار ہوتے تھے جن کے ساتھ چند ہزار سوار تھے۔ اور بہت سے صوبہ جات کے عمال ہوتے تھے جو اپنا خاندان حکومت قائم کرنے کی جدوجہد میں تھے۔ اِن تمام متخاصمین کو اُس وقت یہ موقع کب تھا کہ ضروریات کے یا جو ناگزیر نتائج ایک مسلح یوروپین فوج کو گھر میں بلا لینے سے پیدا ہوسکتے تھے۔ ان پر ضروریات ملحقہ کے مقابلے میں غور کر کے اپنا وقت ضائع یا اپنا دماغ پریشان کریں۔

خود دونوں کمپنیوں کی یہ حالت تھی کہ ایک ناقابل برداشت کشش اُنھیں اپنی طرف کھینچ لیتی تھی کہ اُن کی اِن فوجوں کے لئے کام نکلتا آتا تھا اور تنخواہ کے لیے دام ملتے جاتے تھے جن کو کہ وہ اُس وقت ایک دوسرے کے خلاف نہیں استعمال کر سکتی تھیں ساتھ ہی اُس کے ہر مہم کے ساتھ بڑے بڑے فوائد کی امید تھی یعنے تجارتی یا ملکی حقوق کی توسیع کا اور اپنے رقیب کو کوئی معتدبہ نقصان پہنچا سکنے کا امکان تھا۔ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پہلے جس پر اُس اغوا کا اثر ہوا وہ انگریز تھے جنھوں نے ایک راجہ کی جانبداری کی جس کو اُس کے بھائی نے مرہٹوں کی ریاست تنجور سے بے حق کر کے نکال دیا تھا۔ لیکن جو مہم اُس راجہ کی دوبارہ بحالی کے لئے بھیجی گئی تھی اُسنے معاملات کا اس نے بُری طرح سرانجام کیا کہ کمپنی کو یہی غنیمت نظر آیا کہ اپنی فوج کو واپس بلانے اور صرف اخراجات جنگ

باب پنجم
فصل دوم

اور تھوڑا سا علاقہ حاصل کرلے۔ یہ محض جنگی ناکامی ہی نہیں تھی بلکہ ایک سیاسی غلطی بھی تھی۔ کیونکہ تنجور کی مداخلت سے دیسی رئیسوں کے تنازعات میں شریک ہونے کی ایک نظیر ڈوپلے کے ہاتھ میں عین اُس وقت پر آگئی جبکہ وہ ایسی تجاویز پختہ کر رہا تھا جو زیادہ اہمیت و بلند پروازی کی شان رکھتی تھیں چنانچہ اب وہ اس پر بالکل تیار ہوگیا کہ فرانس کے اقتدار کو اس اُصول پر مستحکم کرے کہ جنوبی ہند میں وراثت تخت و تاج کے سوال کو کھلے بندوں تلوار کے ذریعے سے حل کرنے کی جو جو امیدوار تیاریاں کر رہے تھے ان میں سے کسی نہ کسی کا ساتھ دے ۔

چنانچہ ڈوپلے کو نواب آصف جاہ نظام الملک اول کی وفات کے وقت ان تجاویز پر عمل کرنے کا موقع بھی جلدی ہاتھ لگ گیا۔ اسکو یاد رکھنا چاہئے کہ یہی نواب نظام الملک خاندان کے بانی تھے جو اب تک ایک بڑے وسیع علاقے پر حیدرآباد میں حکمراں ہے ۔ نواب آصف جاہ کے تخت سلطنت پر قبضہ حاصل کرنے کا تنازعہ نواب آصف جاہ کے بیٹے نواب ناصر جنگ اور اس کے نواسے نواب مظفر جنگ میں شروع ہوا اور دونوں نے ہتھیار سنبھالے جس کے ساتھ ہی کرناٹک بھی باجگزار حکومت کے مدعیوں کے پُرجوش آویزشوں کا جولانگاہ بن گیا کیونکہ اب تک نواب آصف جاہ کی استبدادی حکومت نے کرناٹک میں امن قائم کر رکھا تھا۔ اُن دونوں تخت نشینی کی لڑائیوں کے اُلجھاؤ نے تمام جنوبی ہند میں ایک ہلچل مچادی اور وہ پیچیدہ سلسلہ جعلسازیوں۔ سازشوں ۔ خفیہ خونریزیوں ۔ لڑائیوں ۔ محاصروں اور بے قاعدہ مڈبھیڑوں کا شروع ہوگیا جس کو انگلو انڈین تاریخ میں جنگ کرناٹک سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اس کا تمام قصہ معتبر تفصیل و تشریح کے ساتھ آرم کی تاریخ موسومہ "دی وار آف کارومنڈل" میں ملسکتا ہے جس میں مورخ مذکور نے کلائیو۔ لارنس اور دوسرے اُن اہل ہمت انگریزوں کے فراموش شدہ مایۂ ناز کارناموں کا اندراج کیا ہے جنھوں نے کثیر خطرات کے مقابلے میں قلیل وسائل کے ساتھ اپنے ملک کی اقبالمندی کو اپنی معاملہ فہمی۔ مردانگی و غیر متزلزل استقلال کے ذریعے سے پُرخطر و مایوس کن حالتوں میں بچا لیا اور قائم رکھا ہو

اس طوفان بے تمیزی میں ڈوپلے فوراً آنکھ بند کرکے کود پڑا۔ اُس کی اصلی غرض و غایت یہ تھی کہ جب کرناٹک کے حدود اختیار میں مدراس و پانڈیچری دونوں واقع

تھے اس میں ایک ایسا حاکم گدی نشین ہو جو فرانسیسی تعلقات سے وابستہ ہو اس کی ضمنی غایت یہ تھی کہ خود نواب نظام الملک کہ دربار جس کے ساتھ کرناٹک کو برائے نام باجگذارانہ تعلق تھا ایک ایسی بااثر جماعت پیدا ہو جائے جو فرانسیسیوں کی کٹھ پتلی ہو اور ان دونوں باتوں کے حاصل کر لینے سے اس کو اپنی قومی سلطنت ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے اچھی طرح قدم جمانے کی امید تھی۔ چنانچہ جب بعد میں ڈوپلے پر خانہ جنگیوں میں شرکت کرنے کا الزام اس کے ملک کی طرف سے لگایا گیا تو اس نے اپنی صفائی کے لئے یہی عذرات بجا طور پر پیش کئے کہ حالات گرد و پیش کے لحاظ سے غیر جانب داری کے اصول پر عمل کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ اگر متخاصمین کی دعوت امداد کو اہل فرانس رد کر دیتے تو یقیناً وہ امداد ان کو انگریزوں سے مل جاتی اور اس طرح انگریزوں کو ناقابل مقابلہ عظمت و شان حاصل ہو جاتی۔ المختصر ڈوپلے کی اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک انگریزوں کو جو یہ امید تھی کہ صلحنامہ ۱۷۴۸ء نے ان کو فرانسیسیوں کی دشمنی سے نجات دے دی ہے۔ اس کا قلع قمع ہو گیا اور وہ اپنے تئیں پہلے سے زیادہ خطرات میں پانے لگے۔ کیونکہ اس امن کے زمانے سے ڈوپلے کی فوجیں اس قابل ہو گئی تھیں کہ انہوں نے کرناٹک کی گدی کے ایک دعویدار چندا صاحب کو ایسی برکار امداد دی کہ نواب انورالدین خاں پر جو اس وقت حکمران تھا سرعت سے حملہ کیا گیا اور اس کو شکست دے کر قتل بھی کر دیا گیا۔ محمد چندا صاحب نے اپنی فوجوں کو مظفر جنگ کے شریک کر دیا جو نواب نظام الملک کے تخت کا دعویدار تھا اور دونوں ملکر پانڈیچری گئے جہاں انکا فرانسیسیوں نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ استقبال کیا اور جہاں انھوں نے فرانسیسیوں کو ایک معقول قطعہ ملک بطور نذرانہ کے دے دیا اور ڈوپلے اور اس کی بیوی کو خاص جاگیریں بطور تحفہ عنایت کیں۔ چنانچہ اس کے بعد سے فرانسیسیوں نے کرناٹک کی گدی کے لئے چندا صاحب کو اور نواب نظام الملک کے تخت کے لئے مظفر جنگ کو علانیہ امداد دینی شروع کر دی۔

انگریزوں کی نظر اضطراب و پریشانی کے ساتھ ان تمام فرانسیسی کارروائیوں پر پڑ رہی تھی مگر جو حرکت وہ خود تنجور والے معاملے میں کر چکے تھے اس کی وجہ سے انھیں صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے جھجک سی آتی تھی پھر بھی انہوں نے فرانسیسیوں

باب پنجم
حصہ دوم

کے ساتھ ایک سلسلہ نامہ وپیام اس معاملے میں شروع کیا جو اپنے تلخ و ترش لہجے کی وجہ سے قطع تعلقات تک پہنچ جانے والا تھا۔ انگریزوں کی حیثیت سخت مخدوش ہو گئی تھی اور ان کو سوا اس کے چارۂ کار نظر نہیں آیا کہ اس دوگونہ جنگ تخت نشینی میں اس فریق کے طرفدار بن جائیں جس کے خلاف ڈوپلے کی فوجیں کام کر رہی تھیں چنانچہ جب مظفر جنگ کی امداد کے لئے ڈوپلے نے ایک زبردست امدادی فوج بھیجی اور ناصر جنگ نے انگریزوں سے امداد کی استدعا کی تو کچھ پس وپیش کے بعد انگریزوں نے چھ سو سپاہیوں کا ایک دستہ ناصر جنگ کے پاس بھیجا اور کچھ امداد محمد علی کو بھیجی جس کو چندا صاحب کے خلاف گدی نشینی کی دعویداری کے لئے ناصر جنگ نے نامزد کیا تھا۔ اب کھلم کھلا ناصر جنگ و محمد علی کو انگریز امداد دینے لگے اور مظفر جنگ و چندا صاحب کی فرانسیسی پشت پناہی کرنے لگے۔

انگریزی کمپنی نے اپنے وطن سے بھی بصیغہ اشد ضروری استمداد کی اور اپنے ناظموں کو اپنی ضرورت ان الفاظ میں جتائی کہ "فرانسیسیوں نے آپ کی نوآبادیات کی تباہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کئی بڑے بڑے اضلاع پر قبضہ کر لیا ہے آپ کی سرحد کے کناروں پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں اور آپ کی نوآبادیات کو اس طریقے پر گھیر لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ جس سے ہم تک نہ پھر رسد پہنچ سکے گی نہ تجارت کا سلسلہ رہ سکے گا۔"

یکایک نواب ناصر جنگ کو اسی کی فوج نے قتل کر ڈالا اور اب فرانس کا حق مسلّم ہو جانے میں کوئی شبہ باقی نہیں نظر آتا تھا کیونکہ مظفر جنگ جس کا ڈوپلے حامی تھا اسی وقت خالی تخت سلطنت کا بے غل وغش مالک بن بیٹھا اور چندا صاحب اور اس کے فرانسیسی حمایتیوں کا تمام کرناٹک میں مقابلہ محال ہو گیا اور صرف ایک قلعہ ترچناپلی ایسا باقی رہ گیا جو اب تک چندا صاحب کا مقابلہ کئے جاتا تھا۔

اس اختصار کے موقع پر ان پیچ در پیچ چھینا جھپٹی کی مہمات کی تفصیل کرنی مشکل ہے جو اس کے بعد وقوع میں آئیں اور جن میں ایک طرف سے فرانسیسی اور دوسری طرف سے انگریز آگے آگے تھے کیونکہ ہر آویزش کے نتیجے کا انحصار انھیں یورپین دستوں پر تھا جو دونوں طرف سے مصروف کار تھے۔ دونوں کمپنیوں کی فوجیں

باب پنجم
فصل دوم

میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل سرگرم پیکار تھیں اور دونوں کمپنیاں ترچناپلی اور مدراس سے ایک دوسرے کے خلاف ملامت بازی میں مصروف کار تھیں وہ ایک دوسرے کو قانون بین الاقوامی توڑنے کا ملزم گردانتی تھیں۔ ایک دوسرے کی جنگی چالوں پر تبرا بازی کرتی تھیں اور اپنی اپنی سلطنتوں سے یہ استدعائیں کرتی تھیں کہ مدمقابل سیاسی بداخلاقی اور بے لحاظی کے خلاف مداخلت کرے۔ فرانسیسی فوجوں نے اپنے دعویدار کے لئے کرناٹک کا میدان مار لیا تھا۔ مظفر جنگ کے ساتھ جنرل بسی کو روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ اُسے حیدرآباد کے تخت پر متمکن کر دے اور ان کے حق میں ایک عام کامیابی و فتحمندی کا فیصلہ ہو جانے کے ہر طرح آثار تھے۔ انگریزوں نے امدادی فوجیں ترچناپلی کی حفاظت کے لئے بھیجدی تھیں اور محمدؐ علی بڑے استقلال کے ساتھ چندا صاحب کے مقابلے میں اس قلعے کو بچا رہا تھا۔ لیکن اس قلعے پر ایک بڑی اعلی پیمانے کی فوج کا محاصرہ تھا اور ایک زبردست فرانسیسی دستہ محاصرین کی حمایت پر تھا اور صرف اس وقت یہ قلعہ چندا صاحب کے قبضے میں آنے سے بچ سکا جبکہ کلائیو نے بےجگر ہو کر یکایک کرناٹک کے دارالحکومت ارکاٹ پر قبضہ کر کے دشمن کی توجہ کو پراثر طریقے پر اپنی طرف منعطف کر لیا۔ بس یہیں سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ترچناپلی کا محاصرہ کرنے والی فوج میں سے ایک بڑا دستہ ارکاٹ کو کلائیو سے چھین لینے کے لئے بھیجا گیا۔ اور اس نے چند خونخوار حملے کئے مگر کلائیو کے مٹھی بھر آدمیوں نے کمزور دھس بندیوں کی پناہ میں سے ایسی جان توڑ مدافعت کی کہ آخرکار ارکاٹ کو واپس لینے کا خیال چندا صاحب کو چھوڑ دینا پڑا۔ اس کے بعد انگریزوں اور ان کے اتحادیوں نے کلائیو اور لارنس کی سرکردگی میں اپنے دشمنوں کو کھلے میدان آ سنبھالا فرانسیسی سلسلۂ رسد رسانی کو منقطع کر دیا۔ چندا صاحب کی فوج کو منتشر کر دیا۔ فرانسیسی افسروں کو گرفتار کر لیا اور ترچناپلی کا محاصرہ پورے طور سے اٹھوا کر چھوڑا۔ چندا صاحب کو مرہٹوں نے قتل کر دیا جو محمدؐ علی کے شریک ہو گئے تھے اور مظفر جنگ حیدرآباد کی طرف کوچ کرتے ہوئے ایک مختصر سی مڈبھیڑ میں مارا گیا تھا۔

مگر اثنا میں بسی نے حیدرآباد میں قدم جما لئے تھے یہاں اس نے اپنا ایک نیا نظام بھی کھڑا کر لیا تھا۔ ایک معقول فوج اپنی خاص سرکردگی میں مرتب

کرلی تھی اور اپنے تئیں اس قدر طاقتور بنا لیا تھا کہ مقامی حکومت کے بس سے باہر ہوگیا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے خلاف حاسدانہ، مخاصمانہ و سازشانہ کارروائیاں کثرت سے ہونے لگیں مگر بڑے استقلال و قابلیت کے ساتھ اپنی حیثیت کو کامیابی کے ساتھ قائم رکھکر اس نے نواب نظام الملک سے چار زرخیز اضلاع کا شاہی پروانہ حاصل کیا جو کرناٹک کے بالائی حصے میں مشرقی ساحل پر شمالی سرکار کے نام سے ابتک موسوم ہیں۔ اور جن کے کثیر محاصل ملکی سے اس کی فوجوں کی اچھی طرح کفالت ہوسکتی تھی لیکن بسی یہ خوب سمجھتا تھا کہ حیدرآباد میں سمندر سے اتنی دور اور صرف ایسی فوج کے سہارے پر جس میں ہر گھڑی غدر کا پھوٹ پڑنا ممکن تھا محض چند فرانسیسی افسروں کے ساتھ اس کی حیثیت نہایت مخدوش و بے یار و مددگار تھی۔ اس لئے وہ برابر یہی مشورہ دیتا رہا کہ انگریزوں کے ساتھ صلح کرلی جائے۔ ادھر کرناٹک کی رزم آرائی بھی ظاہراً ڈوپلے کے خلاف رخ اختیار کرتی جاتی تھی کیونکہ کلائیو اور لارنس کے مقابلے کا کوئی فوجی افسر ڈوپلے کے پاس موجود نہیں تھا۔

ڈوپلے کو یہ بھی معلوم ہوچلا تھا کہ اس کے اپنے اختراع کردہ کھیل میں مشق کرنیکی وجہ سے انگریز بھی برابر کے کھلاڑی ہوتے جاتے تھے۔ فرانسیسیوں نے تمام زور ترچناپلی کے محاصرے پر لگا دیا تھا مگر وہ سب اکارت گیا۔ اور اس طول و طویل محاصرے کا نتیجہ فرانسیسیوں کو سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں ملا تھا۔ ڈوپلے کے دیسی اتحادیوں کا ہی نہیں بلکہ خود فرانسیسی حکومت کا بھی اس پر سے اعتماد کم ہوتا جاتا تھا۔ کیونکہ جب وقت سے اس کے مدعیان تخت و تاج شکست پا گئے اور کئی سال کی غیر ضابطہ آویزشوں کا جنمیں فرانسیسیوں کو بے انتہا زیربار ہونا پڑا تھا۔ نتیجہ ان امیدوں کے بالکل خلاف نکلا جو ڈوپلے نے باندھی تھیں۔ تو اس وقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تمام حکمت بے کار محض ثابت ہوئی تھی۔ سنہ ۱۷۵۳ء کے آخر میں ڈوپلے نے صلح کی تحریک کی لیکن جوں ہی انگریزوں کو یہ معلوم ہوا کہ وہ کرناٹک کی نوابی اپنی ذات کے لئے مخصوص کرلینا چاہتا ہے انھوں نے فوراً نامہ و پیام بند کردیا۔ چونکہ اس کا اصول عمل بدنام ہوتا جارہا تھا اس لئے وہ کمپنی کی اصل مالی حالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن جیسے ہی فرانسیسی کمپنی کے ناظموں کو پانڈیچری سے یہ اطلاع پہنچی کہ کمپنی پر بیس لاکھ فرانک کا قرضہ

ہوگیا ہے ویسے ہی انھوں نے ڈوپلے کو واپس بلانے کا عزم بالجزم کرلیا۔ انگریزی کمپنی کے کارکن انگلستان میں برابر اپنی حکومت پر یہ زور ڈال رہے تھے کہ شخصی جنگوں کے اس ناجائز طریقے کے خلاف سیاسی احتجاج کرے اور ڈوپلے کی تمام ہندوستانی کارروائیوں سے اظہار بیزاری کرے کیونکہ ان کے خیال میں اس کی اصلی غرض و غایت علانیہ یہ تھی کہ انگریزی نوآبادیات کو نیست و نابود کردے کمپنی والے یہ استدلال کرتے تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت حقیقتہً تمام انگریزی قوم کی مشرقی تجارت ہے۔ اور اسلئے ان کا معاملہ قومی معاملہ ہے۔ اور یہ کہ فرانسیسی طاقت برابر بڑھتی جارہی ہے اور ڈوپلے نے تمام جنوب مشرقی ساحل پر راس کماری سے دریائے کشنا تک دانت جما لئے ہیں کو

فرانس کی وزارت انگلستان سے لڑائی مول لینی نہیں چاہتی تھی کیونکہ انگلستان کی بحری قوت ان کبھی نہ ختم ہوتے نظر آنے والے ہندوستانی تنازعات کے سبب سے فرانس کی تمام نوآبادیات کے واسطے سخت پرخطر ہو سکتی تھی۔ فرانس کی مالی حالت کمزور تھی اس لئے اس کے پاس کافی وجوہ اس امر کے موجود تھے کہ بلفسادت کے ساتھ بجائے جنگی تعلقات کے پرامن تعلقات انگلستان کے ساتھ قائم رکھے۔ حمایتی فوجیں اجرت پر دینے کا سلسلہ بند کردے اور پھر اس سے تجارتی کاروبار میں مصروف رہنے کا باہمی سمجھوتہ کرلے۔ اس اصول پر انگریزی حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کر کے فرانسیسی حکومت نے پانڈیچری میں ایم گوڈیہو کو بھیجا جس نے ڈوپلے کو سبکدوش کیا۔ اس نئے گورنر نے انگریزی گورنر کے ساتھ پہلے التوائے جنگ کیا پھر ایک میعادی معاہدہ کیا جس کی بعد میں تصدیق و تکمیل کردی گئی۔ اس معاہدے کی رو سے دونوں کمپنیاں اس بات کی پابند ہوگئیں کہ سرحدی توسیع کی کوشش پھر نہیں شروع کریں گی۔ مقامی لڑائیوں میں مداخلت نہیں کریں گی اور صرف وہ چند مقامات و اضلاع اپنے قبضے میں رکھیں گی جن کی اس معاہدے کی رو سے اجازت دی گئی تھی۔ محمد علی جس کی حمایت پر اول سے آخر تک انگریز رہے تھے بے غل و غش کرناٹک کا نواب تسلیم کرلیا گیا۔ اس باہمی رواداری نے اس محراب کے جوڑ کا پتھر گرادیا جس پر کہ ڈوپلے کی سربفلک حکمت عملی کی تعمیر کی جارہی تھی اور ڈوپلے نے فرانس واپس پہنچکر

کئی مرتبہ انصاف پانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور آخرکار تغافل و افلاس کا شکار ہو کر اپنے ساتھ اس بدنامی کو لئے ہوئے دنیا سے چل بسا جس کا وہ دراصل مستوجب نہیں تھا۔

فصل سوم

ڈوپلے کے اصول عمل پر ایک نظر

عام رائے یہی رہی ہے کہ یہ انتظام معاہدات جس کی رو سے غیر ضابطہ لڑائیاں دونوں ہندوستانی کمپنیوں میں ختم ہوگئیں فرانس اور انگلستان کی قسمتوں کا ہندوستان میں پانسہ پلٹ دینے والا تھا۔ بالخصوص موجودہ زمانے کے فرنچ مصنفین ڈوپلے کا اصول عمل ترک کر دینے کو کوتہ اندیشی و بزدلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرانسیسی گورنمنٹ پر یہ مصنفین یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے ایک جیتے جتائے کھیل کو ہاتھ سے کھو دیا اور عین ضرورت کے وقت اس شخص کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی قابلیت نے ہندوستان میں پہلی یورپین سلطنت قائم کرنے کا منصوبہ گانٹھا تھا اور جس نے اپنے طرز عمل سے اس منصوبے کے پورا ہونے کا صرف امکان ہی نہیں ثابت کیا تھا بلکہ کامیابی کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ تسخیر ہندوستان کے لئے انگلستان کو صرف اس راستے پر چلنے کی ضرورت پڑی جو فرانس کی قابلیت نے اس کے لئے کھول دیا تھا جیمز مل انگریزوں کی کامیابی کے اسباب کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ (۱) تسخیر ہند کا انحصار دو حقیقتوں کے دریافت پر منحصر تھا۔ اول یہ کہ دیسی فوجیں یورپین قواعد داں فوجوں کے مقابلے میں ہیچکارہ تھیں دوسری یہ کہ دیسیوں کو آسانی کے ساتھ یورپین قواعد سکھا کر یورپ والوں کے کام کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔ اور یہ دونوں حقیقتیں فرانس والوں نے دریافت کیں۔ اسی مورخ کی پیروی کرکے تقریباً تمام دوسرے مورخین

نے اسی رائے کا اعادہ کیا ہے۔ اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ڈوپلے کی ناکامی کو مندرجۂ ذیل موانع سے منسوب کرنا چاہیے کہ فرانس کے بحری افسروں نے اسکے ساتھ اتحادِ عمل کرنے میں بددلی سے کام لیا۔ اس کے پاس اعلیٰ پائے کے فوجی افسر نہیں تھے۔ اکثر حادثات اس کو پیش آ گئے۔ مہمات کی کامیابی کے عین موقعوں پر کوئی نامعلوم آفت نازل ہو گئی اور سب پر طرّہ یہ کہ فرانسیسی وزارت نے وقت پر پست ہمتی کا اظہار کیا۔

اس میں شک نہیں کہ ڈوپلے بڑی قابلیت اور سیاسی معاملہ فہمی کا آدمی تھا اور وہ ان تمام موانع کو بڑی بلند ہمتی کے ساتھ رفع کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی سچ ہے کہ انگریزوں کے پاس اس زمانے میں خوش قسمتی سے کلائیو اور لارنس دو ایسے فوجی افسر تھے کہ اُن کے مقابلے کا کوئی نبرد آزما ڈوپلے کے پاس سوائے بسی کے نہیں تھا۔ بسی بیشک بڑا قابل تھا اور فرانسیسی مورخوں نے بجا طور پر اُس کی تعریف پر فخر کیا ہے۔ لیکن ڈوپلے کی ماتحتی میں اور اُس کے بعد لالی کی ماتحتی میں بھی بسی کا زیادہ رجحان اپنا کام بنانے کی طرف رہا۔ چنانچہ وہ حیدرآباد میں فوجی اقتدار حاصل کرنے میں زیادہ مصروف رہا بمقابلہ اس کے کہ دونوں کمپنیوں کی کرناٹک والی خطرناک اور بے سود آویزش میں حصہ لیتا۔ اور جب ڈوپلے اور لالی پر مصیبتیں پڑیں تو بسی نے دونوں کے ساتھ غیر فیاضانہ برتاؤ کیا۔ ہم الفنسٹن کی اس رائے سے دلی اتفاق کرتے ہیں کہ ڈوپلے ہی پہلا شخص تھا جس نے قواعد دان ہندوستانی فوج کا دل کھول کر استعمال کیا۔ جس نے سب سے پہلے بندرگاہوں کو چھوڑ کر وسط ملک میں فوجوں کو حرکت دی اور جس نے سلطنتِ مغلیہ کی بلند بانگ درباطن ہیچ عظمت کا طلسم توڑا۔ لیکن باوجودیکہ ڈوپلے جیسے نہایت قابل مگر نہایت بد قسمت آدمی کے شاندار نام کو اُس کے مرنے کے بعد بٹہ لگانا کچھ کریہہ سا معلوم ہوتا ہے پھر بھی ہم مجبور ہیں کہ ڈوپلے کے سر ایشیائی نبرد آزمائی و سیاست دانی کی اصلی ایجاد کا سہرا اُس وقت تک نہ باندھیں جب تک اُن گرد و پیش کے حالات و واقعات پر ایک نظر نہ ڈال لیں جنھوں نے فطرتاً ڈوپلے کو اُن خاص طریقوں پر چلنے کی ہدایت کی جو خود اُس نے ایجاد نہیں کئے تھے بلکہ اپنے ڈھب پر ڈال لئے تھے کہ

تمام مشرقی سلطنتوں کی کمزوری ڈوپلے کے وقت سے پہلے طشت از بام ہو چکی تھی اور قدرتی اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ ہندوستان ہمیشہ سے دوسری ایشیائی سلطنتوں کی نسبت بیرونی حملوں کی مدافعت کرنے میں بہت زیادہ کمزور رہا تھا۔ ہندوستان کے مختلف العناصر صوبہ جات نے بہت کم ایسی دیسی فوج کا انتظام کیا ہے جو وسط ایشیا کی کثیر افواج کے حملوں کی مدافعت کر سکے اور جنوبی ہند کے رئیس جن فوجوں پر بھروسہ کر سکتے تھے وہ صرف وہی تھیں جو شمالی ہند کے اُن سرفروشوں سے مرتب ہوئی تھیں جنھوں نے اپنی خدمات فروخت کر دی تھیں۔ سترھویں صدی کے آخر زمانے میں بھی مغلیہ فوج ہی ایسی تھی جس کو ہندوستان کی تمام فوجوں میں سب سے بہتر کہا جا سکتا تھا مگر اس کے متعلق بھی برنیر کی یہ رائے تھی کہ یورپین کی قواعدداں فوج کا ایک دستہ تمام مغل فوج کو پراگندہ اور منتشر کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح یورپ کا ہر جنگ آزما اپنے تجربے کی بنا پر اس میں بھی فرا شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ کرناٹک کے غیر قواعدداں سپاہی یورپ کے قواعدداں و باضابطہ فوج کے چند دستوں کے مقابلے کی بھی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ علاوہ بریں فرانسیسوں نے دیسی سپاہیوں کو قواعد سکھا کر جو اپنے کام کے قابل بنایا اس میں بھی باعتبار واقعات کے کوئی ندرت نہیں تھی۔ اس سے پہلے مغلوں کی فوج میں ہمیشہ چند یورپین افسر ہوا کرتے تھے۔ ڈوپلے کے زمانے سے کچھ ہی عرصے بعد مرہٹہ سردار بھی قواعدداں فوجیں تیار کرنے لگے تھے۔ اور ہندوستان کی لڑائیوں میں یورپ کی فوجوں کے کام کرتے ہی یہ ضرورت عام طور سے محسوس ہونے لگی تھی کہ جو سرفروش اطراف ملک سے آکر جمع ہوں اُن کو باضابطہ قواعد سکھائی جائے اس لیے اس کو کوئی ایجاد نہیں کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر قواعدداں فوج کے استعمال کی ایجاد کا سہرا کسی کے سر باندھا جا سکتا ہے تو وہ کوئی یورپ کی قوم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو اس سے پہلے ہی سے واقف تھے بلکہ وہ ہندوستان کے رئیس ہو سکتے ہیں جن کو علوم حرب کا اس سے پہلے اس قسم کا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور جن کے مقابلے میں کبھی ایسی قواعدداں فوجیں میدان میں نہیں آئی تھیں کو ڈوپلے نے فتوحات ہند کا جو اصلی راستہ دریافت کیا ہو وہ اُس کو

جس تعریف و توصیف کا مستحق قرار دیتا ہے اُس میں زیادہ جیص بیص کی ضرورت نہیں۔ اس سے زیادہ دل آویز مسئلہ یہ ہے کہ باوجود اس قدر قوت عمل۔ قابلیت اور حُبِ وطن کے ڈوپلے نے اس راستے میں اتنی تھوڑی مسافت کیوں طے کی۔ کچھ لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر ڈوپلے کی تجاویز کو فرانسیسی حکومت آنکھیں کھول کر دیکھتی۔ ڈوپلے کے ماتحت اور ہم عاصرین غلطیاں نکرتے اور آخرکار ڈوپلے کو بالکل دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر نہ پھینکدیا جاتا تو اس وقت بجائے انگلستان کے فرانس کی حکومت ہندوستان میں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو ہم یہ جواب دینا چاہتے ہیں کہ ایسے خیالات سے تاریخی واقعات کے تناسب کا لحاظ نہ رکھنے اور تمام صورت معاملات پر باعتبار علت و معلول غور نکرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا ایسے لوگ اس تنگ نظری کے مرتکب ہونا چاہتے ہیں کہ مہتم بالشان سیاسی انقلابات کا انحصار کسی ایک لڑائی کے نتیجے پر یا کسی ایک حاکم یا قائد کی کسی نازک موقع پر کسی ایک بجا یا بیجا حرکت پر ہوتا ہے مگر فرانس و انگلستان کے وسائل و قویٰ کو جو سلطنت ہند کے مقبوضات کے حصول میں صرف کئے گئے تھے اس طریقے پر نہیں جانچنا چاہیئے نہ ایسے وزنی معاملات کو ایسے نازک پلڑوں میں تولنا چاہیئے۔ کیونکہ سب سے پہلا سوال یہی پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا دونوں کمپنیوں کی ان بے قاعدہ و بے ترتیب آویزشوں کا اثر آخری نتیجے اور واقعے پر کچھ پڑا بھی تھا یا نہیں جنگ کرناٹک ایک بے ضابط لڑائی تھی اس لیئے اس کا تعلق بلاواسطہ انگریزی یا فرانسیسی سلطنتوں سے ایسا نہیں تھا کہ ایک دوسرے کی نوآبادیات پر کوئی علانیہ اور باضابطہ ضرب لگائی جاسکتی اور اگر دیسی سپاہیوں کے ذریعے سے کمپنیوں کی طرف سے ایسا کیا بھی جاتا تو بھی خاص انگلستان و فرانس کی سلطنتوں کو جو برسر صلح تھیں فوراً دخل دینا پڑتا۔ ان غیر ضابطہ اور حمایتی نبرد آزمائیوں کے رواج سے ڈوپلے نے عارضی طور پر فائدہ اُٹھایا اور اُس کی قوت میں اضافہ ہوگیا کیونکہ یہ آویزشیں صرف خشکی پر ہوتی تھیں اور فرانس کا پلّہ خشکی میں بھاری تھا اور دونوں سلطنتوں میں یورپ میں حالت صلح قائم ہونے کی وجہ سے ملکی بیڑے ان میں حصّہ نہیں لے سکتے تھے چنانچہ تین سال بعد دونوں قوموں میں باقاعدہ اعلانِ جنگ ہوتے ہی انگریزی بیڑے کو جب حرکت دی گئی تو فوراً ہی جنگ کا رخ اودھر سے اُودھر پھر گیا ؎

ڈوپلے کھنادمیں ایک سیاسی قوت عمل اُستادِ ازل کی ودیعت کی ہوئی موجود تھی کہ
اُس کے مزاج میں ایک قدرتی تحکم تھا اور طبیعت میں اخلاقی جرأت تھی ۔ اس نے
مشرق میں سلطنت کے قائم کرنے کے منصوبے کو مردانگی و دیدہ دلیری سے
ہاتھ میں لیا اور اُس کی ناکامی کی وجہ اُس کی ذاتی ناقابلیت نہیں ہوئی بلکہ اُس کو
وقت پر وہ قوت و مدد نہیں پہنچائی گئی یا پہنچائی جاسکتی جس کی اتنے بڑے کام کے اتمام کے لیے
ضرورت تھی ۔ اُس نے اس امر واقعہ کو محسوس کرلیا تھا کہ جب تک کمپنیاں اپنی تجارت
کے فروغ اور مقبوضات کے استحکام کا انحصار ہندوستان کی متلون اور چند روزہ
حکومتوں کی خوشی ناخوشی پر رکھیں گی اُس وقت تک ان کمپنیوں کی حیثیت برابر متزلزل
رہے گی اس لئے اُس نے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ اپنے استحکام کا اصلی طریقہ یہ ہے
کہ خودمختاری کا اعلان کردیا جائے ۔ مالک بننے کا ڈھب ڈالاجائے اور جو کوئی
دوسری یورپین قوت اپنی سدراہ ہو اُسے مارکر گرادیا جائے ۔ فی الحقیقت اگر انگریزوں
کی قوت اُس سے بہت زیادہ زبردست نہ ہوتی تو وہ اپنے منصوبے میں ضرور
کامیاب بھی ہوگیا ہوتا ۔ البتہ اُس نے ایک عامیانہ غلطی یہ کی تھی کہ ہندوستانیوں
کے ساتھ معاملہ کرنے میں ظاہری نام و نمود اور اندرونی گہری سازشوں کو اپنا شعار بنالیا
تھا دراں حالیکہ ایک یورپین کو ایشیائی اقوام کے ساتھ مقابلہ یا معاملہ کرنے میں اُنکے
نہیں بلکہ اپنے ہتھیار استعمال کرنے چاہئیں ۔ اپنے تئیں نواب کرناٹک تسلیم کرانیکا
ادعا جو اُس نے سلطنت مغلیہ کے مشتبہ فرمان کی بنا پر کیا تھا وہ ایک اہم سیاسی
غلطی تھی کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ انگریز لوگ کسی ایسی حیثیت کو تسلیم کرنے پر رضامند ہوتے
جس سے اُن کی تمام نوآبادیات ہر وقت موت زیست کے عالم میں رہتیں میجر لارنس
نے اپنے کیمپ متصل ترچناپلی سے اپنی ایک تحریر میں جنوری ۱۷۵۴ء کی صلح کے
متعلق نامہ و پیام کی نسبت اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں اظہار خیالات
کیا ہے :-

"میری رائے میں اس قطعۂ ملک میں اُس وقت تک ہرگز امن قائم نہیں ہوسکتا
جب تک ڈوپلے ہندوستان میں رہے گا ۔ اُس کی نظر میں انسان کی ۔ روپیہ کی
یا اور کسی چیز کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کی حرص اُس شے سے

پوری نہ ہوتی ہو۔ اُس کی فوجوں کو جو متواتر ناکامیاں ہوئیں وہ ایسی تھیں کہ سوائے اُس کے ہر دوسرے شخص کو صورت معاملات پر غور کرنے اور شرائط صلح پر راضی ہو جانے پر مجبور کر سکتی تھیں۔ مگر اُس کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ گورنر پانڈیچری کی حیثیت سے نہیں بلکہ اُس صوبے کے پشتینی فرماں روا کی حیثیت سے شرائط طے کر رہا ہے"۔

یہ تحریر ایک مخالف کی رائے کا اظہار کرتی ہے اس لئے اس میں افراط تفریط کا احتمال ہو سکتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے اسی رائے کو ڈوپلے کی رفتار و گفتار کا صحیح خاکہ سمجھنا چاہئے۔ جو کچھ بھی ہو ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس ماوراء البحری سلطنت کی خاطر فرانس و انگلستان کے درمیان اٹھارھویں صدی کے دوران میں طویل و پرجوش معرکہ آرائیوں کا جو تماشہ ہوتا رہا ہے اُس کے اس چھوٹے سے کرناٹک والے کھیل میں بیساختہ تمام آنکھیں ڈوپلے ہی کی طرف کھنچتی ہیں اور وہی سب سے اچھا تماشہ گر نظر آتا ہے۔ مگر یہ اُس کی طاقت سے بالکل باہر تھا کہ دونوں میں سے کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ ہندوستان میں کر سکے اور اُس کے تمام منصوبوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کو وہ تمام کامیابیاں ہندوستان میں فرانسیسیوں سے برخلاف حاصل ہو گئیں جن کے حصول کے ارادے فرانسیسیوں نے انگریزوں کے برخلاف کئے تھے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی بالکل سچی بات ہے کہ ہندوستانی سلطنت قائم کرنے کا خیال ڈوپلے سے پہلے دوسرے دماغوں میں بھی پیدا ہو چکا تھا اور اُس سے پہلے متعدد اہل الرائے اپنی عمیق نظری سے اس تہ کو پہنچ چکے تھے کہ ہر ایک یورپین طاقت بڑی آسانی کے ساتھ تمام ہندوستان پر قبضہ کر سکتی ہے"۔

ہر شخص آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ۱۷۵۴ء میں انگلستان و فرانس نے اپنی کمپنیوں کو ہندوستانی آویزشیں ختم کرنے کا جو حکم دیا اُس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں سلطنتیں یورپ میں بحالت صلح تھیں اور اس کو پسند نہیں کرتی تھیں کہ ان کے قائم مقام ہندوستان میں برسرپیکار رہیں اور یہ تنازعات طول پکڑیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے گورنروں کو تاکیدی احکام بھیجے کہ سیاسیات سے

بالکل قطع تعلق کر کے پھر دوبارہ تجارت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اُس وقت تک میدان جنگ میں کسی ایک فریق کو بھی کوئی فیصلہ کن مفاد حاصل نہیں ہوا تھا۔ ۱۷۵۴ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے پاس برابر سے امدادی فوجیں پہنچ گئیں جن کے اضافے سے ہر ایک کمپنی کے پاس خاص یورپین سپاہ کی تعداد دو دو ہزار ہو گئی تھی مگر آرم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بہ اعتبار قابلیت عمل کے انگریزی فوج فرانسیسی فوج سے اس قدر بہتر تھی کہ اگر جنگ جاری رہتی تو یقیناً انگریزوں کا پلہ بھاری رہتا۔ اس کے ساتھ ہی ساحل پر ایک انگریزی بیڑے کی موجودگی بھی آرم کی رائے میں ایک قابل لحاظ وجہ اس امر کی ہوئی کہ نئے فرنچ گورنر گوڈیہیو نے صلح جوئی کا میلان ظاہر کیا۔ دوسری طرف اس صلح سے فرانس کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ اُن کے قبضے میں قطعۂ ملک انگریزوں سے نا اندرہ گیا تھا اور دیسی ریاستوں کے ساتھ اُن کے سیاسی تعلقات بھی انگریزوں سے بہتر اور وسیع تر تھے چنانچہ گورنر مدراس نے اپنے مجلس نظار کے پاس بغرض منظوری جو مسودہ ان شرائط صلح کا بھیجا تھا جو عارضی طور سے گوڈیہیو گورنر پانڈیچری سے طے پائی تھیں اُس میں اُس نے صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا کہ فرانسیسی اس وقت انگریزوں سے بہتر حیثیت جنگ جاری رکھنے کی رکھتے ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ فرانسیسیوں کے پاس زیادہ زبردست فوجی قوت ہے خصوصاً دیسی رسالے جو انگریزی مقبوضات پر ہر وقت چھاپے مار سکتے ہیں! ور فرانسیسیوں کا حلقۂ اثر دیسی ریاستوں میں انگریزوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔؛

مگر پھر بھی جن دور اندیشیوں اور معاملہ فہمیوں نے فرانسیسی وزرا کو صلح جوئی پر آمادہ کیا وہ بالکل صاف اور واضح ہیں۔ ڈوپلے کا اصول عمل بالکل پھیکا رہ ثابت ہو چکا تھا کیونکہ چار سال کی بے ضابطہ بنرد آزمائی کے بعد بھی وہ اپنی کمپنی کو کسی ایسے نتیجے تک نہیں لا سکا تھا جس کو کثیر فوجی مصارف کی کفالت سے قریب سمجھا جا سکے۔ ساتھ ہی اس کے انگریزی کمپنی باوجود مصائب برداشت کرنے کے بھی بالکل مغلوب نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ اُس کی فوجیں مستحکم تھیں اور فوجی افسر بڑے آزمودہ کار تھے اور کمپنی کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ گو ڈوپلے نے دیسی رئیسوں میں اقتدار پیدا کر لیا تھا مگر ایسا اقتدار نہ مستقل ہو سکتا تھا نہ پائدار سمجھا جا سکتا تھا۔ ادھر یورپ میں انگریزی حکومت برابر

فرانسیسی حکومت سے بڑے زور شور کے ساتھ احتجاج کر رہی تھی اور جس وقت انگریزوں کو یہ یقین ہو جاتا کہ اُن کے ہندوستانی مقبوضات و تجارتی کاروبار معرضِ خطر میں ہیں تو وہ بلا تامل فہمائشوں سے آگے عملی قدم بڑھانے کو بھی تیار ہو جاتے۔ دونوں کمپنیوں کے صدر مقام مدراس اور پانڈیچری بالکل سرِراہ اور بحری حملوں کے مقابلے میں بے پناہ واقع تھے۔ انگریزی بیڑہ امیر البحر واٹسن کی سرکردگی میں ساحل ہند پر پہنچ چکا تھا اور فرانسیسی حکومت کو یقیناً اپنے بیڑے کی کمزوری کا پورا طور پر علم و احساس ہوگا۔ غرض یہ کہ سنہ ۱۷۵۴ء کی صلح سے فرانسیسیوں کو سوائے اس کے اور کوئی ظاہری نقصان نہیں پہنچا کہ ڈوپلے کو ہندوستان سے بھیج دیا گیا اور محمد علی کو نواب کرناٹک تسلیم کر لیا گیا ورنہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں گوڈیہو کے اس انتظامِ صلح کے وقت فرانس کے قبضے میں ادھر بہت زیادہ قطعۂ ملک ساحل کورومنڈل پر باقی رہ گیا تھا۔ ادھر حیدرآباد میں بسی اپنے پانچ ہزار قواعد داں سپاہیوں کا دستہ لئے موجود تھا۔ اور بحری خطرہ بھی سر سے ٹل گیا تھا۔

فرانسیسی حکومت کو صلح جوئی پر اس بنیادی اور حکمی ضرورت نے اور بھی مجبور کیا کہ اُن کی مالی حالت نہایت سقیم ہو گئی تھی جس کی اصلاح لازم و واجب تھی۔ رعایا پر اس سے قبل ہی محاصل شاہی کا ناقابل برداشت بوجھ پڑا ہوا تھا اور یہ بالکل انصاف و حمیت قومی کے خلاف تھا کہ ایک ایسی تجارتی کمپنی کو سرکاری خزانے سے مدد دیکر برقرار رکھا جائے جس نے ہندوستانی جنگ کے سراب میں پھنسکر حد سے زیادہ کوتہ اندیشی و فضول خرچی کا ارتکاب کیا تھا۔ سنہ ۱۷۵۰ء میں فرانسیسی کمپنی بالکل دیوالہ نکالنے کے قریب آگئی تھی۔ اُس کے کاروبار کی سرکاری طور پر جانچ پڑتال شروع ہو گئی تھی۔ وہ سرکاری خزانے سے بڑے بڑے قرضوں کی درخواستیں کر چکی تھی اور اس امر کی توضیح کی ضرورت نہیں کہ اگر ایسے وقت میں کمپنی کو دیوالیہ قرار دیدیا جاتا تو فرانس کی قومی ساکھ دو کوڑی کی ہو کر رہ جاتی۔ ڈوپلے نے ایک اصول یہ قائم کیا تھا کہ کوئی تجارتی کمپنی ہندوستان میں برقرار نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اُس کے قبضے میں اس قدر علاقہ نہ ہو کہ اُس کے محاصل سے وہ اپنے عملے کا خرچ نکال سکے اور اسی اصول کو وہ برابر اپنی گورنمنٹ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش میں رہا۔ لیکن اُس زمانے میں فرانس میں بھی

اور انگلستان میں بھی یہ امر مسلّم ہو رہا تھا کہ فتوحات و تجارت دوش بدوش نہیں چل سکتیں چنانچہ جملہ فرانسیسی ماہران تجارت و سیاست کی متفقہ رائے یہ تھی کہ ایک تجارتی کمپنی کو بڑے بڑے مقبوضات کے حصول کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ اور یہی خیالات برابر ڈوپلے کے ذہن نشین کئے جا رہے تھے مگر باوجود تاکید کے اُس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں کہ ڈوپلے کا اصول صحیح تھا یا غلط مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس زمانے میں یہ اصول قابل عمل نہیں تھا۔ کمپنی کے وسائل برابر گھٹتے چلے جا رہے تھے۔ خود حکومت فرانس مالی مشکلات میں مبتلا تھی اور فرانس کی بحری حالت نہایت کمزور تھی اور یہ تمام موانع ایسے تھے جو حکومت فرانس کو ڈوپلے کے اصول عمل کی بالاصرار مخالفت پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھے۔

ایم۔ میرین نے فرانس کے مالیہ کی سنہ ۱۷۴۹ء سے سنہ ۱۷۵۵ء تک کی حالت پر ایک غائر نظر ڈال کر دونوں قوموں کی ہندوستانی آویزش کی اصلی حالت اور لازمی نتیجہ کا خاکہ کھینچا ہے۔ اُس زمانے کے معتمد مالیات مسمی میشال ڈار نوئل پر جو بعض مورخوں کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اُس نے عین وقت پر ڈوپلے کو ہندوستان سے واپس بلا کر فرانس کی ہندوستانی سلطنت کا خون کر دیا اُس کا جواب دیتے ہوئے ایم میرین نے ثابت کیا ہے کہ اگر فرانسیسی گورنمنٹ ڈوپلے کو اپنی جگہ پر قائم رکھتی اور اُسی کے اصول پر کام چلنے دیتی تب بھی انجام کار میں کوئی معتدبہ فرق نہیں پڑتا بلکہ وہی ہوتا جو ڈوپلے کے واپس بلا لینے سے ہوا۔ کیونکہ جس ملکی اقتدار کی تعمیر میں ڈوپلے ایسی مستعدی و تندہی سے مصروف رہا تھا اُس کا تمام مصالحہ نہایت تعجیل کی حالت میں بالکل غیر مستحکم طور پر جمایا گیا تھا اور وہ تمام ڈھیر چند کرائے کے سرفروشوں کے عارضی غلبے۔ ایشیائی حکمرانوں کی جان جوکھم باری اور خاص خاص موقعوں پر کام کر جانے والے چند بنردآزماؤں کی قابلیت پر اُدھر کھڑا تھا۔ اس لئے اس کی بنیاد بھی مستحکم نہیں تھی اور وہ زمانے کی اُدھر سے اُدھر بکھر جانے والی ہواؤں کے سامنے بے پناہ بھی تھا۔

قبل اس کے کہ فرانسیسی سلطنت کی کوئی مستحکم بنیاد ہندوستان میں قائم کی جاسکے سب سے ضروری بات یہ تھی کہ انگریزوں کی قوت کو سمندر میں توڑ کر فرانس اور ہندوستان میں بحری سلسلۂ ارتباط قائم کیا جاتا مگر سنہ ۱۷۵۰ء میں فرانس کی بحری قوت اس قابل نہیں

تھی کہ کوئی ایسا متحکم مقام حاصل ہو سکے۔ والٹائر کی رائے ابھی ظاہر کی جاچکی ہے کہ گزشتہ جنگ میں فرانس کا بیڑہ بالکل تباہ ہوچکا تھا اور اگرچہ ۱۷۴۸ء کی صلح کے بعد اُس کی حالت کچھ سدھار لی گئی تھی پھر بھی ۱۷۵۵ء میں فرانس کے پاس سڑسٹھ جنگی جہاز اور اکتیس تین مستول والے ہلکے جہاز تھے برخلاف اس کے انگلستان کے پاس ایکسو اکتیس (۱۳۱) جنگی جہاز اور اکاسی (۸۱) تین مستول والے ہلکے جہاز تھے ۱۷۵۶ء میں جب جنگ ہفت سالہ شروع ہوئی تو فرانسیسیوں نے بحری راستوں کو اپنے اثر و اقتدار میں لانیکی سر توڑ کوششیں کیں مگر اُن کو کامیابی نہیں ہوئی۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ہندوستان میں مستقل اقتدار حاصل کرنے میں جو فرانس کو ابتداءً ناکامی ہوئی اور آخرکار تمام امیدیں آئندہ اقتدار کی منقطع ہوگئیں اُس کا اصلی سبب ڈوپلے کے اصول عمل کا انقطاع نہیں تھا بلکہ یہ ناکامی تھی جو فرانس کو انگلستان کے مقابلے میں بحری قوت آزمائی میں ۱۷۵۶ء میں برداشت کرنی پڑی۔

باب ششم

دوسری فرانسیسی جنگ

فصل اول لالی

۱۷۵۶ء میں جب کہ شمالی امریکہ کی نوآبادیات کے متعلق انگلستان و فرانس میں قطع تعلقات کا اندیشہ لاحق ہو گیا تو جارج ثانی شاہ انگلستان نے ہنوور کی حفاظت کے خیال سے فریڈرک شاہ پرشیا کے ساتھ ایک معاہدۂ اتحاد قائم کیا کیونکہ اسی زمانے میں پرشیا کے خلاف آسٹریا کی ملکہ میریا تھریشیا نے ایک زبردست اتحاد کی بنا ڈالی تھی۔ انگلستان کی خوش قسمتی سے اس زمانے میں فرانس کی گورنمنٹ پر میڈم ڈی پومپیڈور کا تباہ کن اثر اتنا زیادہ تھا کہ فرانس نے آسٹریا کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کرنے کی ناعاقبت اندیشانہ زود کاری پر عمل کیا۔ چنانچہ دوران جنگ میں فرانس کے بالمقابل خشکی میں پرشیا کی فوجیں صف آرا ہوئیں اور تری میں انگریزی بیڑا سامنے آیا۔ اور اس خشک و تر کا اجتماع اس کے لئے نہایت مخدوش ثابت ہوا۔ ابتدائے ۱۷۵۶ء سے ہندوستان کے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو جنگ کا یقین تھا اور ہر فریق دوسرے کی ان کارروائیوں پر احتجاج کر رہا تھا جو گوڈیہو کے معاہدۂ صلح کے خلاف کی جا رہی تھیں۔ سال کے آخر میں جو یورپ میں علانیہ جنگ شروع ہو جانے کی خبر ہندوستان پہنچی تو اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ دونوں کمپنیوں کی طرف سے جو بالواسطہ آویزشیں یا رعب جمانے والی جنگی نمائشیں ابتک کرناٹک میں ہو رہی تھیں وہ سب

باضابطہ اور بلاواسطہ اظہار مخاصمت میں تبدیل ہوگئیں۔ مگر چونکہ انگریزی فوج کا بڑا حصہ کلائیو کی ماتحتی میں بنگال بھیجدیا گیا تھا اور فرانسیسیوں کو اپنی زبردست امدادی فوج کے آنے کا انتظار تھا اس لیئے ساحل کورومنڈل پر کوئی فوری تصادم وقوع پذیر نہیں ہوا۔

فرانسیسی گورنمنٹ نے اس دفعہ انگریزوں کے مشرقی مقبوضات پر حملہ کرنے کا عزم بالجزم کرکے اپنے طرز عمل کا خاکہ نہایت دوراندیشی کے ساتھ ایک باقاعدہ جنگی مہم کے اصول پر تیار کیا اس نے ایک زبردست فوجی مہم ترتیب دیکر اس کی سرکردگی کاونٹ لالی کے سپرد کی اور کاونٹ مذکور کو ہدایت کردی کہ اندرون ملک میں گھسنے یا دیسی رئیسوں کے تنازعات میں شرکت کرنے سے باز رہے بلکہ اپنی تمام مساعی کو مجتمع کرکے انگریزوں کے ساحلی مقبوضات پر قبضہ کرنے اور انکی تجارت کی پوری طور پر بیخ کنی کرنے میں مصروف ہوجائے۔ خلاصہ یہ کہ کاونٹ لالی کو ڈوپلے پالسی کے طرز عمل کی تقلید کرنے سے بتاکید منع کردیا گیا تھا۔ فرانسیسی کمپنی کے ناظموں کو حدود مملکت بڑھانے کی تجویز سے مطلق اتفاق نہ تھا بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ انگریزوں کو ساحل کورومنڈل سے بالکل بے دخل کرکے اپنی تجارت کے احیاء کو مستحکم اور اپنی سقیم مالی حالت کی اصلاح کریں۔

ایم میبل ہیمانٹ سوانح نگار کاونٹ لالی نے فرانس کے ڈائرکٹروں کے ان خیالات پر نہایت بے صبری کے ساتھ تبصرہ کیا ہے کہ کمپنی کے ڈائرکٹر بجائے ایک زبردست قوم کے توسیع اثر کے متعلق تجاویز و منصوبے تیار کرنے اور اس کی اُلجھنوں کو حل کرنے کی کوشش کرنے کے گرم مصالحہ بیچنے کے زیادہ موزوں تھے۔ اس سوانح نگار نے بسی کے زبردست حیدرآبادی اثر اور اسکی فصیح و بلیغ فتح کی رپورٹوں پر بھی اسی سلسلے میں ٹرا زدر دیا ہے ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس زمانے کے حکمران نواب نظام الملک صلابت جنگ بسی کے ماتحت فرانس کی حمایتی فوجوں کی مدد سے تخت نشین ہوئے تھے اور انہی کی سرکردگی میں ایک چھوٹی سی قواعد داں فوج بھی تھی جس کے مختلف دستے فرانسیسی افسروں کی سپردگی میں تھے اور اس فوج کے اخراجات کے لیئے کئی زرخیز اضلاع بھی بسی کو مل چکے تھے اور ڈوپلے کی معزولی ۱۷۵۳ء کے بعد سے بسی کی حیثیت میں فرق بھی نہیں آیا تھا بلکہ وہ اپنی قوت کو

باب ششم
فصل دوم

دکن میں برابر بڑھاتا چلا گیا تھا۔ مگر اس غیر ملکی حوصلہ مند کے تحکمانہ طرز عمل نے نہایت ہی سخت بدگمانی و حسد کے خیالات اہل ملک کے دل میں پیدا کر دیئے تھے یہاں تک کہ نہ صرف وزرا و امرائے دکن خود نواب نظام الملک بھی بسی کے خلاف مرہٹوں اور انگریزوں کے ساتھ ساز باز کرنے میں مصروف تھے بسی کے استقلال و قابلیت نے اسے میدان مقابلہ میں جمائے رکھا اگرچہ استحکام بغیر خونریزی کے اسکو حاصل نہ ہوا اور ۱۷۵۶ء میں اس نے اپنی بخلیجی کی ایک خطرناک کوشش کو فرو کیا ہی تھا کہ اسکے پاس لالی کا خط آیا جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے تئیں فوراً پانڈیچری پہنچائے اس وقت بسی سخت تذبذب میں پڑ گیا۔ اگر وہ اس حکم کی تعمیل کرتا اور حیدرآباد سے چلا جاتا تو گویا اسنے مقامی دشمنوں کے لیئے میدان خالی چھوڑے جاتا تھا اور اگر تعمیل نہیں کرتا تو اس کو عدول حکمی کی سزا کا ڈر تھا اور یہ بھی خدشہ تھا کہ فرانسیسیوں کو اگر کورومنڈل پر شکست ہوگئی تو کسی نہ کسی وقت حیدرآباد والی فرانسیسی جماعت پر بھی ضرور تباہی آکر رہے گی بہرحال اس نے متواتر فہمائشوں کے بعد باول ناخواستہ اس حکم کی تعمیل کی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر بسی حیدرآباد میں رہ جاتا تو وہ اپنے دکنی وسائل کے ذریعے سے لالی کی فوج کو رسد وغیرہ کی امداد میں پہنچا کر اس فوج کی بہتر خدمت کر سکتا تھا بمقابلہ اس کے کہ وہ اپنی چھوٹی سی فوج کو لیجا کر لالی کی فوج کی شرکت کر لیتا۔ لیکن یہ صورت بھی محض احتمالی تھی۔ کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ فرانسیسیوں کی اصل غرض انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینے کی تھی اور لالی کا یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ فرانسیسیوں کو کوئی امن یا پناہ اس وقت تک نہیں مل سکتی تھی جبتک کہ انگریز ہندوستان میں باقی رہتے اس لیئے یہ زیادہ ممکن تھا کہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد بسی اپنے دور افتادہ حیدرآبادی مستقر سے کوئی فیصلہ کن مدد لالی کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس وقت معاملہ بالکل صاف تھا یعنی اصل غایت یہ تھی کہ انگریزوں سے مردانہ جنگ کر کے ان کو شکست فاش دیدی جائے اس کے بعد توسیع مقبوضات کا معاملہ نہایت سادہ اور مختصر ہو جاتا اور اس پر فرصت کے وقت اطمینان سے غور کر لیا جاتا۔ مگر فرانسیسیوں کی بدقسمتی سے لالی باوجودیکہ نہایت بہادر اور نڈر سپاہی تھا مگر اس میں اس بڑی مہم کے سر کرنے کی قابلیت بالکل نہیں تھی

باب ششم فصل دوم

جس وقت کمپنی کے ڈائرکٹروں نے سلطنت سے لالی کی خدمات کو مستعار لینا چاہا اسی وقت فرانس کے وزیر نے اپنی رائے ظاہر کر کے ان کو باز رہنے کی ہدایت کر دی اور آخر میں یہی رائے صحیح نکلی۔ وزیر فرانس نے صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ لالی ایک مغلوب الغضب وغیر مصلحت اندیش ضابطہ داں ہے جو ذرا سی مخالفت یا غلطی پر آپے سے باہر ہو جائے گا۔ اور خود اس کے ماتحت افسر اس درجہ اس سے نفرت کرنے لگیں گے کہ وہ اس کی مخالفت کرینگے۔ اس کی چالوں کو کاٹیں گے اور اس کی تمام تدابیر کی کامیابی میں صرف اس لیئے سدراہ ہوں گے کہ اسے صدمہ پہنچے اور وہ سب خوش ہوں۔

بہرحال چونکہ ڈائرکٹروں نے اصرار کیا اس لیئے لالی کی خدمات منتقل کر دی گئیں اور اس کی سرکردگی میں ایسی زبردست مہم بھیجی گئی کہ اگر اسکی عنان قیادت تجربہ کار اور قابل ہاتھوں میں ہوتی تو وہ آتے ہی تمام ساحل کورومنڈل کے انگریزی مقبوضات پر کم سے کم عارضی قبضہ تو ضرور ہی کر لیتی خصوصاً اگر وہ ایک سال پہلے ہندوستان پہنچ جاتی۔ یہ مہم جس کو ترتیب دینے کا عزم ۱۷۵۵ء میں کر لیا گیا تھا اگر اعلان جنگ کے بعد ہی ۱۷۵۶ء میں فرانس سے روانہ ہو جاتی تو یہ ساحل کورومنڈل پر بڑے نازک وقت پر پہنچتی کیونکہ جون ۱۷۵۶ء میں نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کو کلکتے سے بالکل نکال باہر کیا تھا اور ان کے تمام قلعہ جات وکارخانہ جات بنگال پر قبضہ کر لیا تھا اس لیئے اکتوبر ۱۷۵۶ء میں کلائیو اپنے ساتھ کمپنی کی تمام بہترین سپاہ کو مع مدراس کے بیڑہ جہازات کے لیکر اپنے اہل وطن کی جانیں بچانے اور فورٹ ولیم کو واپس لینے کی غرض سے جانب شمال کوچ کر گیا تھا جس وقت یہ فوجیں اور یہ سب جہاز گئے ہیں اسی وقت مدراس کے پریزیڈنٹ اور اس کی کونسل نے اس نازک حالت کا فوری احساس کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یورپ میں اعلان جنگ ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے لیئے ایک زبردست مہم فرانس میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور جس وقت یہ مہم پانڈیچری پہنچ جائے گی اسی وقت بسی حیدرآباد سے آ کر ساحلی علاقے پر لالی کی امداد میں شریک ہو جائیگا اور انگریزی فوجوں کے بنگال چلے جانے کے وقت اگر لالی اور بسی نے

متحدہ حملہ کیا تو انگریزوں کا یہ جنوبی صوبہ سخت خطرے میں مبتلا ہو جائے گا۔ مگر نہایت مستعدی اور مردانگی سے انھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو کلائیو کی ماتحتی میں بنگال کی طرف امدادی فوج ضرور بھیجی جائے اور انہوں نے یہ امید رکھی کہ فرانسیسیوں کے ساحل کورومنڈل پر آجانے سے پہلے پہلے کلائیو کی مہم بنگال کے معاملات کا خاطر خواہ تصفیہ کر کے لوٹ آئے گی۔ خوش قسمتی سے انگریزوں کو اس جوکھوں میں کامیابی نصیب ہوئی جس کے وہ پورے مستحق تھے کیونکہ فرانس میں مہم مذکور کی ترتیب نے اتنی طوالت پکڑی اور راستے میں بحری سفر ایسا سست ہوا کہ لالی اپریل ۱۷۵۸ء سے پہلے پانڈیچری نہ پہنچ سکا۔

مگر اب فرانسیسیوں کے ہاتھ سے موقع نکل چکا تھا اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تھا۔ انگریزوں نے سراج الدولہ کو صرف کلکتے سے ہی نہیں نکال باہر کیا بلکہ اسکی فوجوں کو میدان پلاسی میں بالکل منتشر کر دیا۔ خود سراج الدولہ کو معزول کر کے دوسرا نواب اس کی جگہ گدی نشین کر دیا۔ تمام بنگال پر قبضہ کر لیا جو ہندوستان کا زرخیز ترین صوبہ تھا۔ اور فرانسیسیوں کو اس تمام قطع ملک سے بالکل نکال دیا اور چند ماہ کے عرصے میں کلائیو اس قابل ہو گیا کہ مدراس کو یہ اطلاع دے کہ بنگال میں کامل امن و سکون ہے۔ غرض یہ کہ اس طرح مدراس کی بہادرانہ مدافعت میں کلائیو فوج اور روپے سے پوری قوت کے ساتھ شرکت کرنے کے قابل ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کے کلائیو نے دوسرے رخ پر جنگ کے مرکز کو منتشر کرنے کے لیے کرنیل فورڈ کی سرکردگی میں ایک مہم اس غرض سے بھیجی کہ فرانسیسیوں کو اس قطعۂ ملک سے نکال باہر کرے جو شمالی سرکار کے نام سے موسوم ہے اور یہ ضرب نہایت مستعدی اور کامیابی کے ساتھ لگائی جا سکے۔ فرانسیسی مستقر مسولی پٹم پر بذریعہ یورش کے قبضہ کر لیا گیا۔ اور اس کے بعد سے فرانس کی فوج ان کثیر وسائل سے محروم کر دی گئی جو اس کو دوران جنگ میں بسی کے حیدرآبادی اثر و مقبوضات سے حاصل ہوتے تھے یہ وہ اضلاع تھے جو نواب نظام الملک کی طرف سے بسی کو فوجی اخراجات پورے کرنے کے لیے عطا کیے گئے تھے اور ان کے فرانس کے قبضے سے نکل جانے سے بسی کے اعتماد کو حیدرآباد کے دربار میں سخت صدمہ پہنچا تھا

باب ششم
فصل دوم

اور اس کے تمام رعب وداب کی قلعی کھل گئی۔ اور اس کی حیثیت کی ناپائیداری ظاہر ہونے ہی خود بخود اس انقلاب میں ایک تحرک پیدا ہوا جس نے بہت ہی جلد حیدرآباد میں فرانس کے تمام عظمت و اقتدار کو خاک میں ملا دیا ؛

اس اثنا میں لالی نے اپنی فوجوں کو خشکی پر اُتار لیا تھا اور فورٹ سنٹ ڈیوڈ پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ اس قلعے پر کافی استقلال کے ساتھ مدافعت و استحکام کا انتظام نہیں تھا۔ اس فتح کے بعد یقیناً لالی فوراً مدراس پر چڑھ دوڑتا اگر روپے اور رسد کی کمی اس کو ایسا کرنے میں سد راہ نہ ہوتی اور فرانسیسی امیر البحر ڈی آسشے اتحاد عمل کرنے سے انکار نہ کر دیتا۔ لالی میں قوت فیصلہ اور معاملہ فہمی بالکل مفقود تھی۔ اس کو تمام ملکی حکام پر دغل فصل کا شبہ تھا اور مشرقی جذبات و رواجات سے وہ بالکل بے خبر تھا۔ اسکے دل میں مقامی تجربات اور مخصوص ملکی سپہگری کی طرف سے نفرت و حقارت کے خیالات موجود تھے اور تمام کام بے صبری و اضطراب کے ساتھ انجام دینا چاہتا تھا اور یہی وہ سقوم تھے جن کی وجہ سے ملیشیائی نبرد آزمائیوں میں اکثر اوقات درجے کے قائدوں کو بد اقبالی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ روپیہ حاصل کرنے کے لئے اس نے تنجور پر دھاوا کر دیا جس سے رسوائی اور مالی مشکلات میں اضافے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس عرصے میں انگریزی جنگی جہاز بھی پہنچ چکے تھے اور چند تند مڈبھیڑیں دونوں بیڑوں میں ایسی ہوئیں کہ گو کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا مگر فرانسیسی بیڑے کو اتنا نقصان پہنچ گیا اور ان کے امیر البحر کی ہمت اس قدر ٹوٹ گئی کہ ستمبر ۱۷۵۸ء میں اپنے پیشرو لیبرڈونا کی طرح ڈی آسشے میدان چھوڑ کر جزائر فرانس (ماریشیس) کی طرف ہٹ گیا اور لالی کی التجائیں دھمکیاں یا غضبناکیاں بھی اسے مقابلے میں قائم نہ رکھ سکیں۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ لالی نے اس ضرورت کو سمجھ کر اس کا اظہار بھی نہایت صاف الفاظ میں کر دیا تھا کہ جب تک انگریز ہندوستان سے مار کر نکال نہیں دیئے جائیں گے۔ فرانسیسیوں کا اس ملک میں ہرگز قدم نہیں جم سکے گا اور اسی غرض سے اس نے بسی کو حیدرآباد سے اپنی شرکت عمل کے لئے طلب کیا تھا۔ لیکن بسی کی روانگی کے ساتھ ہی حیدرآباد کے دربار سے تمام فرانسیسی عظمت و اقتدار کو بھی رخصت پڑا اور اس کی جگہ انگریزی اقتدار نے ایسی لے لی کہ پھر اس کو بحالی نصیب

باب ششم
فصل دوم

نہیں ہوئی۔ بسی نے لالی کی خدمت میں حاضر ہوجانے کے بعد ہر طرح سے عذر معذرت کی اور ہر قسم کے دلائل سے بلکہ ایک حد تک رشوت کے لالچ سے بھی لالی کو ترغیب دینی چاہی کہ اُسے واپسی کی اجازت دیدے مگر اس پر کوئی اثر نہوا بلکہ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں میں خصومت انگیز اختلاف پیدا ہوگیا۔ جس نے بسی کو اس درجہ برافروختہ کردیا کہ اس نے اپنے تئیں تمام کام سے غیر مانوس کرلیا اور اپنے بدقسمت سپہ سالار کی مصیبتوں کو رفع کرنے میں کوئی امداد دینی گوارا نہیں کی۔

اس طرح رکاوٹوں سے گھر کر۔ وسائل سے قریب قریب محروم ہوکر۔ ملکی حکام میں اپنی طرف سے نفرت پیدا کرکے اور فوج میں اپنا اعتماد کھوکر لالی اپنی گھبراہٹ میں مدراس پر اس امید میں چڑھ دوڑا کہ اس شہر کو اُس انگریزی بیڑے کی واپسی سے پہلے فتح کرلے جو طوفان کی وجہ سے ساحل چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ مگر اس شہر کے استحکام و رسد کا پورا انتظام کیا جاچکا تھا اور لالی کے پاس آدمیوں اور روپے کی بڑی کمی تھی اور کسی قسم کی امدادی فوج کی امید نہیں تھی۔ اس کی سپاہ بددل ہورہی تھی اور فرانسیسی مستقر پانڈیچری میں اس کی مدد پر کھڑا ہونے والا کوئی نہیں تھا بلکہ سب اس کی حرکتوں سے نفور تھے۔ ۴ ستمبر ۱۷۵۸ء کو ایک اعلیٰ ملکی افسر نے پانڈیچری سے ایک خط ایم کونفلاس کو لکھا تھا جو انگریزوں کے ہاتھ آگیا اس کے مضمون سے اس عام بددلی کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے جو اس زمانے میں فرانسیسی مستقر میں پھیلی ہوئی تھی۔ لالی نے اپنے غیض و غضب میں بسی پر تقاضائے زر اور طلب امداد پر لبیک نہ کہنے سے نمک حرامی و غداری کا الزام لگایا اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ باوجودیکہ بسی بمقابلہ لالی کے فنون حرب اور قابلیت انتظام مشرق میں زیادہ قابلیت رکھتا تھا مگر اس کی مرضی یہی تھی کہ وہ حیدرآباد ہی میں رہے جہاں وہ بڑی خوش اقبالی اور آزادی سے بسر کررہا تھا بجائے اس کے کہ انگریزوں کے مقابلے میں لالی کی ماتحتی میں کام کرے جو ضدی اور مشکوک المزاج تھا اور جس کی تباہی و بربادی کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔

آئندہ بارہ ماہ کے عرصے میں لالی کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اس نے محاذات مدراس کے قریب اپنے کیمپ سے گورنر پانڈیچری کے نام ایک خط لکھا تھا

باب ششم
فصل دوم

جس سے اس بد اقبال سپہ سالار کی مصیبت اور بے بسی کے غصّے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ شکایت کرتا ہے کہ اس کا سامان حرب اور روپیہ خرچ ہوتا جا رہا ہے اور قرب وجوار کے انقطاع سے سامان آذوقہ کی بہم رسانی کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس نے مدراس کو دھاوے کے ذریعے سے تسخیر کر لینے کا ارادہ کیا مگر اس کے افسروں نے اس جوکھوں کو گوارا کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی یورپین سپاہ میں غدر کے خطرناک آثار نظر آنے لگے۔ پھر بھی وہ استقلال سے اپنا قدم جمائے رہا یہاں تک کہ فروری ۱۷۵۹ء میں انگریزی بیڑے کے نمودار ہو جانے سے اس کی فوج پر ایسی عام بددلی اور پست ہمتی طاری ہو گئی کہ نہایت تعجیل کے ساتھ محاصرہ اٹھا لیا گیا اور جو دیسی رؤسا اس آویزش کے نتیجے پر نظر لگائے بیٹھے تھے ان سب کے دلوں میں فرانس کی عظمت و اقتدار کی وقعت کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد امیر البحر ڈی آشے اپنے جہاز لیکر ماریشس سے واپس آیا اور کچھ معمولی رسد پانڈیچری میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے بالکل روپوش ہو گیا اور فرانسیسی ہند کو اس کی قسمت پر چھوڑ گیا۔ اب انگریزی فوجیں اس قابل ہو گئی تھیں کہ فرانسیسیوں کی بیرونی چوکیوں پر کھلے میدان حملہ کر سکیں اور انھوں نے بڑے معرکے کے قلعہ وندیواش کو دھاوا کر کے فتح کر لیا۔ کلائیو نے جنوری ۱۷۵۹ء میں جو خط[1] پٹ کو محاصرہ مدراس کے اٹھنے سے پہلے لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اطمینان کے ساتھ یہ پیش بینی کر لی تھی کہ انگریزوں کی بحری قوت اور

---

[1] یہ ہے "یہ فرانسیسیوں نے گزشتہ سال ایم لالی کو ایک زبردست فوج کے ساتھ ہندوستان کو روانہ کرنے میں بڑی مستعدی اور مردانگی دکھائی ہے لیکن مجھکو پورا اطمینان ہے کہ اس سال کے اختتام سے پہلے اگر کوئی غیر متوقع فیہ واقعہ ان کو بچانے کے لئے نہ ہو گیا تو وہ کرناٹک کے علاقے میں اپنی آخری سانس لیتے ہوں گے ہمارا بیڑہ ان کے بیڑے سے طاقتور ہے۔ ہمارے پاس روپے اور سامان رسد کی جو ہمکو اپنے دوستوں کے ذریعے ساحل سمندر سے برابر پہنچتا رہتا ہے بہتات ہے اس کے برخلاف ہمارے دشمن ہر چیز کے محتاج اور دست نگر ہیں یہ ایسے فوائد ہمکو حاصل ہیں کہ اگر ان کو پوری طور پر کام میں لایا جائے تو وہ نہ صرف اس قطعہ ملک میں بلکہ ہندوستان کے ہر حصے میں ان کی تباہی اور بربادی کی تکمیل کے لئے کافی ہوں گے"

ان کے وافر وسائل جو بنگال سے بہم پہنچ سکتے تھے یقیناً لالی کی ناکامی و مصیبت کا باعث ہو کر رہیں گے اور رسال پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ یہ پیش گوئی پوری ہو کر رہی۔ دونوں فوجیں کچھ عرصے تک کرناٹک کے میدانوں میں جنگی کرتبوں میں مصروف رہیں مگر بسی کی نصیحت پر عمل نہ کر کے لالی نے وندیواش کو انگریزوں کے قبضے سے چھڑانے پر اصرار کیا اور کوچ کر کے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اس پر کوٹ نے باہر سے حملہ کر دیا۔ کوٹ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ محاصرے کی وجہ سے فرانسیسی فوجیں ایک جگہ پابند ہیں اس لئے وہ ان پر اپنے وقت اور موقع کو دیکھ کر حملہ کر سکتا ہے اور اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے لالی کو اپنی فوج مجبوراً تقسیم کرنی پڑے گی اور کچھ حصہ محاصرے کی خندقوں میں چھوڑنا پڑے گا۔ جو لڑائی اس کے بعد ہوئی اس میں یورپین سپاہ نے دونوں طرف سے مردانگی کے جوہر دکھائے دونوں طرف تقریباً دو دو ہزار یورپین سپاہ تھی اور توپ خانے سے کام لے چکنے کے بعد بندوقوں اور سنگین کی نوکوں کی باری آئی اور سب کے بعد دست بدست مقابلے کی ٹھن گئی۔ انگریزی دستے کوٹ اور ڈریپر کی سرکردگی میں فرانسیسی دستوں سے بھڑ گئے جو لورین اور ر سیلی کی رکاب میں تھے۔ کچھ عرصے تک حملے اور جوابی حملے ہوتے رہے یہاں تک کہ فرانسیسیوں میں ابتری کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور آخر کار انگریزی توپوں کی برسنے والی آگ نے۔ بارود کی ایک پیٹی کے پھٹ جانے نے کوٹ اور ڈریپر کی اعلیٰ درجے کی کارروائی و انتظام نے اور بسی کے گرفتار ہو جانے نے فرانسیسیوں کی ہزیمت کو مکمل کر دیا۔ دونوں طرف کی دیسی سپاہ کو ان کے افسروں نے روکے رکھا اور وہ اس لڑائی میں بہت کم حصہ لے سکی۔ اور فرانسیسیوں کی ملازمت میں جو مرہٹے تھے وہ ادھر اُدھر میدان کارزار کے دامن پر بے کار بھاگ دوڑ میں مصروف رہے۔ لالی نے اپنی فطرتی ہمت سے کام لیکر ایک مرتبہ پھر فرانسیسی رسالے کے ذریعے بہ نفس نفیس دھاوا کرنے کی کوشش کی مگر اس کے سوار انگریزی توپ خانے کی برستی ہوئی آگ کی تاب نہ لا سکے۔ چنانچہ اس نے اپنی شکستہ صفوں کو جلد جلد ترتیب دیا اور خندقوں کی آڑ میں پناہ لی اور اس ترکیب سے جان بچا کر پانڈیچری پہنچ گیا مگر یہ ہزیمت نہایت مہلک ثابت ہوئی فرانسیسیوں

میں کھلے میدان مقابلہ کرنے کا دم باقی نہ رہا تھا۔ ان کے تمام مستحکم مقامات ہاتھ سے نکل چکے تھے اور جن اضلاع سے رسد پہنچتی تھی ان پر بھی رفتہ رفتہ دشمنوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ فرانسیسی بیڑہ ساحل پر قطعاً واپس نہیں آیا کیونکہ ڈی آشے نے اپنے جہازوں کو واپس لانے سے صاف انکار کردیا اور انگریزی بحری دستے نے نہایت استحکام کے ساتھ سمندر پر قبضہ کرلیا اور انگریزی سپاہ کے نئے دستے وطن سے پہنچنے شروع ہوگئے۔ اس مایوسی کی حالت میں پانڈیچری کے ملکی افسروں نے لالی پر ہر طرف سے لعنت وملامت کی بوچھاڑ شروع کردی کیونکہ پانڈیچری کی ناکہ بندی خشکی وتری میں انگریزوں نے کردی تھی اور وہاں نہ کافی سامان حرب تھا نہ پوری سپاہ تھی۔ فرانسیسیوں نے یوں ہی معمولی سی مدافعت کی۔ ان کو پوری طور پر محصور کرلیا گیا تھا اور رسد بند ہوجانے سے فاقہ کشی کی نوبت آگئی تھی۔ یہاں تک کہ جنوری ۱۷۶۱ء میں انھوں نے صرف یہی ایک صورت بچت کی دیکھی کہ اطاعت قبول کرلیں اور قلعے کو حوالے کردیں۔

فصل دوم

جنگ کے نتائج

تسخیر پانڈیچری سے ہم انگریز اور فرانسیسیوں کے تنازعات کے مکمل اور آخری فیصلے کی تاریخ مقرر کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد سے والٹائر کی رائے کے مطابق اہل فرانس کے پاس مشرق میں سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہا تھا کہ اس بات پر کف افسوس ملا کریں کہ انھوں نے چالیس سال سے زیادہ عرصے تک بڑی بڑی رقمیں ایک ایسی کمپنی کو قائم رکھنے میں صرف کیں جو تاجرانہ اور جنگ جویانہ دونوں حیثیتوں سے بالکل نااہل ثابت ہوئی جس نے کبھی کوئی بڑا نفع حاصل نہیں کیا اور جس نے کبھی اپنے

حصے داروں یا قرض خواہوں کو کوئی حقیقی منافع نہیں تقسیم کیا۔ اس کمپنی کے حسابات کی جانچ کرنے کے لئے پادری موریلیٹ کا تقرر عمل میں آیا اور اس نے جو باضابطہ گوشوارے مرتب کئے ان سے معلوم ہوا کہ ۱۷۲۵ء سے ۱۷۶۹ء تک اس کمپنی نے اصل سرمائے میں سولہ کروڑ نوے لاکھ فرانک کا خسارہ اٹھایا۔ چنانچہ ۱۷۷۰ء میں یہ کمپنی توڑ دی گئی۔ پادری مذکور نے حساب لگایا تھا کہ چوالیس سال کے عرصے میں اس کمپنی کو مختلف فرانسیسی وزارتوں نے سینتیس کروڑ ساٹھ لاکھ فرانک کے قرضے دیئے تھے مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پادری پہلے سے اس کمپنی کو توڑ دینے کے لئے مصالحہ تیار کر رہا تھا۔

۱۷۶۳ء کے صلحنامے کے مطابق فرانسیسیوں کو پھر وہ مقامات مل گئے جو ان کے قبضے میں اس وقت سے پہلے تھے جبکہ ڈوپلے نے اپنے توسیع مملکت کے منصوبے پر عمل کرنا شروع کیا تھا۔ مگر ان کی جنگی قوت کی رگیں ان معاہدات کی وجہ سے بالکل کٹ گئی تھیں کہ وہ ان مقامات کی قلعہ بندی نہیں کر سکتے تھے اور بنگال میں کوئی فوج نہیں رکھ سکتے تھے یعنی شمالی ہند کا راستہ ہمیشہ کے لئے ان پر بند کر دیا گیا تھا اور صرف چند ساحلی غیر محفوظ مقامات جنوبی ہند میں ان کے قبضے میں رہ گئے تھے۔ ہندوستان میں جنگی یا تجارتی کامیابی کی دو اصلی اور ابتدائی شرطیں یہ تھیں کہ ایک تو ساحل پر مستقر قائم کئے جائیں دوسرے ایک ایسی بحری سپاہ رکھی جائے کہ یورپ کے ساتھ رابطہ بلا روک ٹوک قائم رکھا جا سکے۔ اس وقت انگریزوں نے سمندر میں فوقیت حاصل کر لی تھی اور فرانسیسیوں نے خشکی میں اپنی اصلی جمعیت کو بھی کھو دیا تھا۔ فرانسیسیوں کی اس بداقبالی کے اسباب کو کسی خاص شخص کی ناقابلیت یا نحوست سے منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا چارہ کار ممکن تھا۔ ان اسباب کو گرد و پیش کے حالات کے اس وسیع اجتماع میں تلاش کرنا چاہیے جس نے فرانس کی اس عظیم الشان جنگی کارروائی کا انگریزوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حال کے ایک فرانسیسی مصنف ہیپلیٹ ہمینٹ نے زور میں آکر یہ لکھ مارا

ہے کہ اگر لالی ان ہدایات کو غرق دریا کر دیتا جو اس کو فرانس میں دیئے گئے تھے اور ہندوستان بھیکر ڈوپلے کے اصول عمل کی تقلید کرتا اور بسی کے مشورے پر چلتا تو آج کے دن ہندوستان کا شاہی تاج انگلستان کی ملکہ کے زیب سر نہ ہوتا مگر اس کا کیا اطمینان ہے کہ اگر لالی ڈوپلے کی تقلید اور معاملہ فہم بسی کے مشورے پر عمل بھی کر لیتا تو ضرور اس کو کامیابی ہو ہی جاتی کیونکہ یہ دونوں قابل اور رہنما دونہ فرانسیسی خود بہت زیادہ ہندوستانی اقتدار کی اصلی بنیاد اس پر سمجھتے تھے کہ دیسی رئیسوں پر اپنا حلقہ اثر وسیع ہو جائے اور کثرت سے دیسی رئیس اپنی جنگی حمایت وحفاظت میں آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے طریقوں سے وہ کل ہاتھ میں آجاتی ہے جس سے ایشیائی سلطنت کے حدود کی توسیع خوب ہو سکتی ہے مگر ان طریقوں پر قیام سلطنت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ بنیاد اس یقینی امداد کے وسائل پر ہمیشہ رکھی جانی چاہئے جو اپنے وطن سے ضرورت کے وقت فوراً مل سکتے۔ بغیر ان وسائل کے حاصل کئے ہوئے اس جنگ ہفت سالہ میں انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینا ایک ایسا دشوار کام تھا جو لالی کی قدرت و قابلیت سے بالاتر تھا۔ فرانس کے ہاتھ سے ہندوستان اس لئے نہیں جاتا رہا کہ ڈوپلے کو واپس بلا لیا گیا یا لیبرڈونائے یا ڈی آشے عین موقعوں پر ساحل چھوڑ کر چلے گئے یا لالی ضدی اور ناقابل اصلاح طبیعت رکھتا تھا۔ فرانس کو یہ نقصان عظیم اس لئے نہیں برداشت کرنا پڑا کہ اہل فرانس میں ممالک بعید کی پرخطر اولوالعزمیوں کی قومی قابلیت میں کوئی کمی تھی۔ کیوں اس میدان میں ہمیشہ اہل فرانس نے بڑی قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ ان کے جو کارنامے نئے ملک دریافت کرنے اور دشوار کاموں کو سرانجام دینے کے امریکہ اور ایشیا کے متعلق سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے موجود ہیں۔ ان سے اس ہمت والی مستعد قوم کی شہرت صفحہ ہستی پر قائم ہو چکی ہے۔ دراصل فرانس نے جنگ ہفت سالہ میں اپنے ہندوستانی مقبوضات کو اس وجہ سے ہاتھ سے کھو دیا کہ لوئیس پانزدہم اپنی ناقص العقل مدخولات اور اپنے ناقابل وزرا کے زیر اثر تھا اور اس کا تمام اصول عمل سرتاسر بے انتظامی اور بدراہی کا نمونہ تھا جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس جنگ ہفت سالہ سے پہلے

باب ششم
فصل دوم

فرانس نے اپنی شمالی امریکہ کی نوآبادیات ہاتھ سے کھودی تھیں ۔ اپنی افریقہ کی تمام مقبوضات کو ضائع کر دیا تھا اور اپنے جزائر مغرب کے بعض نہایت اہم مقبوضات سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ خشکی پر جرمنی کے برخلاف اس کی مہمات کو روز بد دیکھنا نصیب ہو چکا تھا اور تری میں اس نے ناقابل تلافی نقصانات اٹھائے تھے تو ہمکو مجبوراً اس دعوے کے تسلیم کرنے میں بالکل پس وپیش نہیں باقی رہتا کہ ساحل کورومنڈل پر اگر لالی سے بہتر اور قابل تر کوئی اور اشخاص فرانس سے بھیجے جاتے تو وہ بھی ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے ۔

المختصر انگریزوں کی ہندوستان میں کامیابی کے سب سے پہلے اور فوری مقامی اسباب تو یہ تھے کہ اول بنگال انگریزوں کے ہاتھ میں آگیا جس سے گویا فتح کی اصلی رگ ان کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اور تمام ملک پر رزمی کارروائیاں کرنے کا مرکز و مستقر حاصل ہو گیا تھا۔ برخلاف اس کے فرانسیسیوں کا اصلی مخزن وسائل بہت جلد خالی ہو گیا اور ان کا اگر کوئی محفوظ مستقر رہا تو وہ دور جزائر ماریشیس میں رہ گیا۔ دوسرے انگریزوں کے پاس خوش قسمتی سے ایک ایسا قائد تھا جو علاوہ جنگی قابلیت کے ہندوستانی معاملات سے پوری واقفیت رکھتا تھا برخلاف اس کے فرانسیسی سپہ سالار بالکل ناتجربہ کار تھا اور اہل مشرق کے ساتھ معاملات میں عہدہ برآ ہونے کی اس قابلیت کا اس میں کوئی شائبہ تک بھی نہ تھا جو اس کے اکثر اہل وطن میں ہوا کرتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ اندرونی اور لازمی موانع جن کی وجہ سے اہل فرانس ہندوستان پر قبضہ قائم نہیں رکھ سکے یہ تھے کہ ان کی ایسٹ انڈیا کمپنی دیوالیہ ہو چکی تھی۔ ان کا اصول نظام اندرون و بیرون ملک میں بالکل ناقص تھا۔ وہ اپنی تباہ کن یورپ کی جنگی حکمت عملی کی خاطر اپنے تمام تجارتی و نوآبادکاری فوائد کو قربان کرتے جارہے تھے اور سب پر طرہ یہ کہ ان کی بحری قوت بالکل ختم ہو چکی تھی جس سے ان کے تمام ماوراء البحری مقبوضات انگریزوں کی زبردست اور ناقابل مقابلہ قوت و عظمت کے سامنے بالکل بے پناہ ہو گئے تھے[1]۔

[1] ۱۷۵۶ء اور ۱۷۶۲ء کے درمیان فرانس کے چھانوے جنگی جہازات جن پر ۳۸ توپیں تھیں ضائع ہوئے اور یکم جنوری ۱۷۶۳ء کو ان کے پاس صرف چالیس جہازات باقی رہ گئے تھے ۱۲

باب ششم
فصل دوم

برخلاف اس کے اس جہد حیات میں تمام انگریزی قوم پورے متحدہ جوش کے ساتھ کام کر رہی تھی اور اس کی رہنمائی اور ہدایت کا کام بڑے تجربہ کار اور قابل ہاتھوں میں تھا۔ ایک آزاد اور مستعد قوم کی تمام قوت عمل کی ترتیب و رہنمائی پٹ کے ہاتھوں میں تھی جس سے بہتر اصول حرب کا ماہر وزیر انگلستان کو کبھی نصیب نہیں ہوا اور اس کے مقابلے میں فرانس کے بے فکرے نا قابل و درباری کام کرنے والے تھے یا دو ایک قابل مگر غیر ذمہ دار افسر تھے اور سب کا جابر حاکم اپنی مرضی پر چلنے اور چلانے والا بادشاہ لوئی پانزدہم تھا۔ یہ امر واقعہ تسلیم کرنے کے قابل ہے جیسا کہ خود فرنچ مصنفین اس کی توضیح کرتے ہیں کہ اس زمانے کے فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کی ہندوستان یا دوسرے ملکوں میں کامیابی کو دونوں سلطنتوں کے اس قابل لحاظ عدم توازن انتظام سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

یہ تقاضائے فطرت تھا کہ اس قدر ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد دور دراز نو آبادیات یا ایشیائی فتوحات کے فوائد کے متعلق فرانس میں زور شور سے اعتراضات اٹھائے جائیں۔ اس سے چندہی سال پہلے مونٹسکو کے حوالے سے اس کا چرچا شروع ہو چکا تھا کہ غیر ملکوں تک جا کر بسنے کا میلان جو قوم میں پیدا ہوتا جاتا ہے اس سے گو تجارت اور جہاز رانی کے بڑے بڑے فوائد مرتب ہو رہے ہیں مگر اس کا بڑا اہم سقم یہ ہے کہ اصل وطن کی آبادی برابر کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اب اس زمانے میں نو آبادی کے مخالفین کی جماعت کی سرگروہی والٹائر کے ہاتھ آگئی اور اس نے سب سے پہلے علی الاعلان یہ کہا کہ کنیڈا کا ہاتھ سے نکل جانا فرانس کے لئے کوئی نقصان کی چیز نہیں بلکہ فائدے کی بات ہے ساتھ ہی اس نے اس حماقت کا مضحکہ اڑایا کہ چند ایکڑ برف پوش قطعہ زمین کے واسطے مفت میں لڑائی مول لی جائے اور اس خونریزی کو قابل حیف ٹھیرایا جو پیرس اور لندن کے باشندوں کے لئے قہوہ ہلاس یا گرم مصالحہ مہیا کرنے کے لئے عمل میں لائی جائے۔ اس صدی کے آخری حصے میں جب فرانسیسی مدبروں اور مصنفوں کے دماغوں پر سیاسی توہمات اور زیادہ مستولی ہو گئے تو روسو نے بھی اس شاہراہ عام ہی پر

باب ششم
فصل دوم

چل کر اپنے مشہور مکالمات عیش پسندی اور موجودہ تہذیب کی خرابیوں کے متعلق شائع کئے۔ اگرچہ ان تمام مصنفین کا نصب العین ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف تھا مگر وہ سب کے سب مقتدایان مذہب کی حرص وہوس اور اصول ترویج کی کوتہ اندیشی کے تباہ کن اثرات کا تلمیحات اور اشارات کے ذریعے سے مضحکہ اڑاتے میں یا صاف وسنجیدہ لفظوں میں تردید کرنے میں بالکل متفق ومتحد تھے۔ کینیڈا میں مذہبی جماعتوں کا اثر بے انتہا زبردست رہا تھا اس لئے اکثر فرانسیسی گورنروں کے اختیارات کے استعمال میں ملکی اغراض کو مذہبی اغراض کا ماتحت بنانے کی وجہ سے رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے جیسوئٹ فرقے کے ایک رکن لوو کی سازشوں نے ہندوستان میں بھی بدنصیب لالی کی ذلت اور مجرمیت کے اسباب پیدا کرنے میں بڑی مہلک اور سریع الاثر امداد کی تھی۔

ادھر فرانس میں فلسفۂ انسانیت کی روح کے پھیلتے چلے جانے سے قوم کو غیر ملکی تجارت اور دور دراز نوآبادیوں کے نقصانات پر تسکین ہوتی جارہی تھی ادھر انگلستان میں اٹھارھویں صدی کی رواداری اور ترقی کے خیالات سے ایشیائی سلطنت کی توسیع میں برابر امداد ملتی چلی جارہی تھی۔ جس طرح تجارت تمام دنیا میں ہمیشہ مذہب اور سیاست میں آزاد خیالی پیدا کردیتی ہے اسی طرح رواداری اور معقولیت کے اصولوں نے برابر تجارت کو ترقی دی کیونکہ ان اصولوں پر عمل کرنے سے انگریز ان غلط کاریوں اور تنگ خیالیوں سے بچ گئے جو اسپین۔ پرتگال اور ایک حد تک فرانس کی تجارتی اولوالعزمیوں کی سد راہ ہوگئی تھیں۔ اٹھارھویں صدی کے بہترین مورخ مسمی لیکی کی یہ رائے قابل لحاظ ہے کہ انگریزوں کی فتوحات ہندوستان میں ایسے وقت پر شروع ہوئیں جبکہ قوم کے تمام مہذب طبقات میں مذہب کی طرف سے ایک عام بے پروائی اور اندرونی شکوک کے آثار غور سے دیکھنے والوں کو نظر آسکتے تھے۔ جن لوگوں میں اپنے مذہب کی فرقہ بندیوں کے اختلافات کی طرف سے بے پروائی اور بے ولواری پیدا ہوجاتی ہے تو وہ دوسروں کو اپنے مذہب میں تبدیل کرنے کی فکر چھوڑ دیتے ہیں اور غیر مذہب والوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں مذہبی اور دنیاوی تاثرات کو خلط ملط کرنے کی گنجائش ان لوگوں میں نہیں باقی رہتی۔ ہندوستان کی مذہبی آب وہوا کے لئے

باب ششم
فصل دوم

ایک یورپین قوم کے مزاج کی تحلیط اس سے بہتر توام کے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی اور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے سخت ترین دشمن بھی اس کمپنی پر یہ الزام ثابت نہ کر سکے کہ اس نے کبھی پادریوں کا اثر قبول کر لیا یا تبلیغ مذہب عیسوی کے کام کو جو ایک خلاف مصلحت فعل ہوتا اختیار کر لیا[۵] - بحیثیت مجموعی اس زمانے کا عام بے تعصبی اور فارغ البالی کا

[۵] اس فقرے پر ناظر کتب مذہبی جامعۂ عثمانیہ نے جو تنقید کی ہے اُس کا خلاصہ یہ سمجھنا چاہیے کہ گو یورپ یا ہندوستان کے عیسائی مورخ ایسٹ انڈیا کمپنی پر اس قسم کا الزام لگانا پسند نہ کرتے ہوں لیکن اس ملک میں جو لوگ عیسائی مذہب نہ رکھتے تھے ان کو اگر اس بارے میں کوئی بدگمانی ہوئی تو اس تعجب کی ضرورت نہیں۔ جس وقت ہندوستان میں گرجا بنائے گئے خواہ ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس ملک کے مالیہ سے بنایا ہو یا اپنے ذاتی چندے سے اور خواہ اُن کی تعمیر کسی مذہبی سررشتہ عیسوی کی طرف سے ہوئی ہو جس کا تعلق کمپنی سے کچھ نہ ہو اور خواہ ایسے گرجاؤں کا منشا محض یہ ہو کہ جو انگریز تاجر یا کمپنی کے انگریز ملازم یا گورا فوجیں ملک میں مقیم ہیں اُن کی مذہبی ضرورتیں رفع ہوں مگر جس حالت میں کہ گرجا کے دروازے کسی غیر عیسائی پر بند نہ تھے تو پھر یہاں کے لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ ان گرجاؤں کی تعمیر کا منشا، حکومت کی طرف سے تبلیغ مذہب نہ تھا۔ اسی طرح جس وقت عیسائی مشنریوں نے جن کا کام اپنے مذہب کا پھیلانا ہے غالباً کمپنی کی اجازت سے ہندوستانیوں کے لئے مدارس جاری کئے اور ان میں عیسائی مذہب کی تعلیم لازمی کی تو ہندوستانیوں کو گمان ہوا کہ یہ مشنری پادری کمپنی کے ہم قوم و ہم مذہب ہیں اور جب اُنھوں نے مدرسے بنا کر اپنے مذہب کی تعلیم دینی شروع کی ہے تو کمپنی کا بھی اس میں کچھ لگاؤ ہوگا۔ اسی طرح جب کسی انگریز عہدہ دار نے اپنے مذہبی اعتقاد کی وجہ سے ذاتی طور پر مشنریوں کی کسی صورت سے مدد کی تو لوگ یہ سمجھے کہ کمپنی کے عہدہ دار سرکاری حیثیت سے مشنریوں کی مدد کر کے لوگوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں گویا اشاعت مذہب کے کام میں کمپنی بھی مشنریوں کی مددگار ہے یہ صورت اس قسم کی پیدا ہوئی کہ بعض مسلمان عالموں اور پادریوں میں مذہبی مباحثے ہوئے اس کے بعد جب ۱۸۵۷ء کا غدر پڑا تو اتفاق سے ان عالموں پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ یہ لوگ ملک سے فرار ہوئے۔ سرکار نے اُنکی جائدادیں ضبط کیں اور کسی وجہ سے اُن کی تصنیفات ممنوع الاشاعت قرار پائیں ایسی حالت میں لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ علما پر یہ وار دگیر محض اس وجہ سے ہوئی کہ اُنھوں نے پادریوں سے مباحثے کئے ان کو معقول کیا تھا چونکہ کمپنی عیسائی تھی اُس نے پادریوں کا اثر قبول کر کے علما پر ایسے الزام قائم کئے گویا در پردہ پادریوں کی طرفداری اور اُنکے کام میں حصہ رکھتی تھی گو ان واقعات کے ثبوت میں کوئی شہادت دستیاب ہو سکے مگر لوگوں کو اس قسم کے خیالات کرنیکا موقع ملا

میلان طبع بھی اخلاقی حیثیت سے ان اسباب میں شمار کیا جا سکتا ہے جو انگریزی ایسٹ انڈیا کی جد و جہد اقتدار کا ہندوستان میں حامی و مددگار رہا ہو

غرض یہ کہ ہم نے دیکھ لیا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں سرزمین ہند پر جو تین نوبتیں تصادم کی آئیں ان میں سے پہلی نوبت میں صلحنامہ آلاشپل کے وقت ۱۷۴۸ء میں فریقین کی حالت اختتام مخاصمت پر قریب قریب ویسی ہی رہی جیسی کہ ابتدائے مخاصمت کے وقت تھی۔ صرف خفیف سا تقریباً نامعلوم فائدہ انگریزوں کو حاصل ہوا۔ دوسرے موقع پر جبکہ ڈوپلے نے اپنے اہتمام بالشان توسیع مملکت کے منصوبوں پر عمل کرنا شروع کیا تھا تو فرانسیسیوں نے ۱۷۵۴ء میں اس غیر ضابطہ لڑائی کو ایسی شرائط پر خود بند کر دیا جو فریقین کے واسطے تقریباً یکساں تھیں۔ البتہ ممکن ہے کہ اس سے فرانسیسیوں کو کچھ بہتر مقامی اثر و حیثیت حاصل ہو گئی ہو۔ تیسری جنگ جو بین الاقوامی تھی ۱۷۶۱ء میں ختم ہوئی اور فیصلہ کن و ناقابل انتظام طریقے سے فرانسیسیوں کے خلاف ختم ہوئی جیسا کہ بیس سال بعد ثابت ہو گیا کیونکہ ۱۷۸۱ء میں جب فرانسیسیوں نے اپنی فوجیں آخری مرتبہ ہندوستانی ساحل پر اتاریں تو وہ وقت ایسا تھا کہ سمندر میں ہر طرف سے انگریزوں کے خلاف ہوا چل رہی تھی اور انگلستان تن تنہا تمام جہازراں قوموں سے جنگ کر رہا تھا یعنے اس کے مقابلے پر فرانس اسپین اور ہالینڈ کے علاوہ اس کی اپنی امریکہ کی نوآبادیات بھی تھیں۔ ادھر وہ خود ہندوستان میں ایک نہایت پیچیدہ اور بے ترتیب جنگ میں حیدر علی سلطان میسور اور مرہٹوں سے مقابلے میں بری طرح پھنسا ہوا تھا اور یہ دونوں ایسی طاقتیں تھیں کہ سواحل ہند کے علاقے ان کے قبضے میں تھے اور دونوں فرانس سے نامہ و پیام میں مصروف تھیں۔ فرانس کا بیڑہ سفرن کی سرکردگی میں تھا جس سے بہتر امیر البحر آج تک فرانس کو نصیب نہیں ہوا۔ اور بڑی فوج جو اس مہم کے لئے آئی تھی اس کی قیادت بسی کے سپرد تھی۔ سفرن بحری فنون حرب میں انگریزی امیر البحر کے مقابلے میں بہت اعلیٰ پایہ رکھتا تھا مگر فرانسیسی امیر البحر کو بقول مورخ ماہن کے تمام ساحل ہند پر نہ کوئی دوست بندرگاہ

باب ششم فصل دوم

یا چو کی بلی نہ رسد رسانی یا پناہ پانے کا کوئی مستقر نظر آیا۔ سنہ ۱۷۶۹ء تک فرانس کے تمام مقبوضات ہاتھ سے نکل چکے تھے اور صرف ایک ہی مہینہ پہلے سیلون کا بے بہا بندرگاہ ٹرنکومالی بھی انگریزوں نے اہل ہالینڈ سے لے لیا تھا۔ سنہ ۱۷۸۲ء میں اس بندرگاہ پر سفرن نے قبضہ حاصل کر لیا مگر یہ اس وقت ہوا جبکہ انگریز لوگ ہندوستان میں مرہٹوں سے صلح کر چکے تھے اور اس وقت بنگال اور شمال مغرب میں الہ آباد تک کے زرخیز اقطاع پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے سے انگریزی قوت بہ حیثیت سے اس قدر مستحکم ہو گئی تھی کہ جنوب مشرقی ساحل پر ایک ایسی فوج کے اُتر جانے سے ان کو کوئی جنبش نہیں ہو سکتی تھی جو زیادہ سے زیادہ کوئی مقامی نقصان پہنچا سکتی تھی یا جنوبی اقطاع میں کوئی عارضی سیاسی بدنظمی پیدا کر سکتی تھی؛

سفرن کی اصل غایت بھی صرف یہ تھی کہ جس وقت انگریزی فوجیں امریکہ کی نوآبادیات کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھیں اس وقت وہ ان کے مشرقی مقبوضات سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کی توجہ اس طرف ہٹا دے اور قوت عمل کو تقسیم کر دے مگر سنہ ۱۷۸۳ء میں صلحنامہ ورسیلز کی خبر نے اس کی تمام عملی کارروائیوں کو جہاں کا تہاں چھوڑ دیا؛

الغرض ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ ہم صلحنامہ سنہ ۱۷۶۳ء سے وہ زمانہ شروع سمجھیں جس کے بعد یورپ کی تمام جہازراں قومیں کیا تجارت اور کیا فتوحات کے اعتبار سے ہندوستان کا تمام میدان عمل انگریزوں کے لئے خالی چھوڑ کر مقابلے و مجادلے سے بالکل دست بردار کنارہ کش ہو گئیں۔ جو لوگ صورت حالات پر غائر نظر ڈالا کرتے ہیں ان پر یہ امر واضح ہو گا کہ جب دو بڑی قومیں ایک ایسے دور دراز ملک میں برسر پیکار ہوں جہاں تک رسائی صرف ایک طویل بحری سفر کے ذریعے سے ہو سکتی ہو تو جس قوم کے پاس زیادہ زبردست بیڑہ ہو گا وہ اپنے دشمنوں کے تمام سلسلہ جات ارتباط کو قطع کر دے گی۔ تمام رسد رسانی یا امدادی فوج کے ناکے بند کر دے گی اور اپنے متخاصم کو فاقوں سے ار ڈالیگی اس جنگ ہفت سالہ میں ہم دیکھ چکے ہیں انگریزوں کی بحری قوت فرانسیسیوں سے بہت زیادہ زبردست تھی۔ انگریزوں نے فرانسیسی بیڑے کو تمام سمندروں سے چُن چُن کر نکال دیا تھا اور سواحل ہند کی ایسی ناکہ بندی کر دی تھی کہ فرانسیسیوں کے

ماہن کی کتاب "انفلوئنس آف سی پاور آن ہسٹری" صفحہ ۴۲۸۔

قلعہ جات و افواج برابر کمزور ہوتے چلے گئے اور انھوں نے ایک ایک کرکے اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا ۱۷۶۳ء تک ہندوستان میں فرانسیسیوں کی سلطنت بالکل خاک میں ملا دی گئی اور ۱۷۷۰ء میں ان کی کمپنی کا دیوالہ نکل گیا۔ اس واقعہ سے انگریزی کمپنی تمام میدان عمل کی مالک بن گئی اور اس سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ یہ زمانہ انگریزی سلطنت کے عروج کے اعتبار سے بڑی عظمت و شان کا زمانہ ہے کیونکہ اسی وقت سے جد اقتدار صرف انگریزوں اور دیسی رئیسوں میں باقی رہ گئی مگر یہ کشاکش ایسی تھی جس کے نتیجے کے متعلق زیادہ شبہ و شک کی گنجائش نہیں تھی نہ یہ کوئی راز سربستہ تھا۔ نہ کوئی تعجب خیز واقعہ تھا بلکہ ایک جانا بوجھا اور پہلے سے سوچا سمجھا ہوا معاملہ تھا جس کے متعلق پیشین گوئی کر دی گئی تھی کہ ایسا ہو کر رہے گا ۔

باب ہفتم
فصل اول

Junior B.A Syllabus
Begin

باب ہفتم

تسخیر بنگال

فصل اول

کلائیو کی فوج کشی

گزشتہ باب میں واقعات کو مجملاً امیر البحر سفرن کی ساحلی مہم تک اسلئے پہنچا دیا گیا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے تعلقات کا ایک مربوط سلسلہ ناظرین کے ذہن نشین ہو سکے۔ مگر اس باب میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کے واقعات کی تفصیل کرنے کے لیے ہم چند سال پھر پیچھے ہٹ جائیں۔

انگریزوں کے عروج و اقتدار کو آسانی کے ساتھ دو دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ کچھ مخلوط سے ہو گئے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی انگریزوں کے ایوان حکومت کی تعمیر میں یہ دونوں دور ایسے ہیں کہ ان سے علیحدہ علیحدہ دو قسم کے مدارج واضح طور پر قائم کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا دور وہ ہے جبکہ تمام آویزشیں صرف یورپین اقوام میں محدود تھیں جنھوں نے پہلے تجارتی اغراض کے لئے مقابلہ کرنا شروع کیا اور آخر میں آگر

باب ہفتم
فصل اول

ہندوستان کے ساحلی علاقے پر سیاسی و ملکی اقتدار حاصل کرنے کے لیے لڑائیاں لڑکر اسے ختم کردیا۔ تجارتی مقابلہ پوری سترھویں صدی کے دوران میں جاری رہا لیکن فرانس کے ساتھ وہ رزمی کارروائیاں جنھوں نے انگریزوں کی ہندوستانی سلطنت کی بنیاد قائم کی بیس سال سے بھی کم عرصے تک جاری رہیں یعنی ۱۷۴۵ء سے شروع ہوکر ۱۷۶۳ء تک عملی طور پر ان کا اختتام ہوگیا۔ دوسرا دور جس کی توضیح ہم اب کرنی چاہتے ہیں اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ انگلستان نے دیسی حکمرانوں کے مقابلے میں وہ عملی کارروائیاں شروع کیں جو تجارت کو فروغ دینے۔ چھوٹے چھوٹے قطعات ملک کو حاصل کرنے یا مخصوص سیاسی اثر قائم کرنے کے لئے عمل میں نہیں آئی تھیں بلکہ تمام ہندوستان پر ایک ملکی اور شاہی اقتدار قائم کرنے کے لیے اختیار کی گئی تھیں۔ اس دور کی ابتدا ۱۷۵۶ء سے کی جاسکتی ہے یعنے اس وقت سے جبکہ کلایو اور امیرالبحر واٹسن نے مدراس سے اس غرض سے کوچ کیا کہ نواب بنگال کے قبضے سے کلکتہ کو چھیڑالیں۔ اس حساب سے یہ دور کم وبیش پچاس سال تک جاری رہا۔ اگرچہ انگریزی حدود کی توسیع کا سلسلہ اس کے بعد کے اور پچاس سال تک اس طرح جاری رہا کہ کبھی ایک دم تیز گامی کے ساتھ بہت دور تک نکل جاتا تھا اور کبھی طویل عرصے تک اپنی جگہ پر جمارہتا تھا یہاں تک کہ سندھ اور پنجاب کی فتوحات کے بعد ہندوستان کی آخری اور قدرتی حدود تک حصول ملک کی تکمیل ہوگئی۔

۱۷۵۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کے واقعات پر جب کوئی شخص معمولی حیثیت سے نظر ڈالے تو سب سے پہلے اس کا ذہن اس کارنامے کی عظمت و شان کی طرف منتقل ہوتا ہے جو انگریزوں کی تسخیر ہند کی تکمیل میں پیش آیا۔ پھر یہ حیرت انگیز انکشاف اس پر ہوتا ہے کہ کس صفائی اور آسانی سے اس مہتم بالشان کارروائی کی تکمیل ہوگئی۔

آج کل کے انگریز خود جب اپنے چھوٹے سے مغربی جزیرے میں بیٹھ کر اس ہندوستانی وسیع سلطنت کے عرض و طول پر نظر دوڑاتے ہیں جو ان کی حقیر تجارتی مقبوضات سے ترقی کرکے اس درجے تک پہنچ گئی ہے

باب ہفتم
فصل اول

تو ان کو اپنی اس کارستانی و غیر معمولی کامیابی پر تعجب اور خوف ہوتا ہے۔ فی الحقیقت یہ کارنامہ تاریخ میں ایسا عدیم النظیر ہے اور آج کل کے سیاہی مطمح نظر سے ایسا غیر مانوس ہے کہ جن صاحبوں نے اس ہندوستانی سلطنت کا ابتدا سے انتہا تک مطالعہ کیا ہے وہ بھی اس مہتم بالشان عروج و اقتدار کو انسانی فہم سے بالاتر ایک کرشمۂ قدرت سمجھتے ہیں کیونکہ موجودہ زمانے میں قدیم رومیوں کے طریقے پر بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام کو سمجھنے یا اس پر عمل کرنے کی عادتیں بالکل جاتی رہی ہیں۔ ان تمام شاندار مقبوضات پر بالکل اسی انداز سے نظر ڈالی جاتی ہے جیسے کسی ایسے بڑے انعام پر جو خوش قسمتی سے اپنے نام کی چٹھی نکل آنے سے ہاتھ آجاتا ہے یعنے ان کے متعلق یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ کسی ناقابل توجہ اتفاق کی مدد سے یہ ہاتھ آگئے ہیں۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ انگریز لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس سلطنت کے راستے پر چل پڑے اور انھیں یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ راستہ ایسی منزل مقصود تک جا پہنچے گا۔ عام طور پر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ سلطنت انگریزوں کو بالکل سر راہ اتفاقاً پڑی مل گئی کیونکہ وہ صرف زمانے کی رو کے ساتھ بالکل اسی طرح چل پڑے تھے جس طرح پانی کے بہاؤ کے ساتھ کنکر پتھر لڑھکتے چلے جاتے ہیں[1]۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ واقعات و اعداد کی رو سے ان خیالات کی بہت اچھی طرح تردید کی جا سکتی ہے جو اس تسخیر ہند کے متعلق بالعموم قائم کیے جاتے ہیں۔ یہ کوئی نیا خیال نہیں تھا کہ ہندوستان پر ہر ایک چھوٹی سی نبرد آزما قوم جو

[1] اکسپنشن آف انگلینڈ کے مصنف نے بھی یہی خیال اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہم نے ہندوستان پر اندھوں کی طرح قبضہ کیا تھا اگر دیکھا جائے تو انگریزوں کے زبردست کارناموں میں کوئی کام ایسا بے دیدہ و دانستہ نہیں جس طرح کہ یہ فتح ہندوستان"۔ آگے چل کر وہ رقمطراز ہے کہ فتح ہندوستان اس لحاظ سے نہایت عجیب و غریب ہے کہ ایسا واقعہ اس سے قبل دنیا کی تاریخ میں کبھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ اور اس لیے ان لوگوں سے شروع میں ڈیڑھ صدی تک کمپنی کے ارباب حل و عقد تھے اس قسم کی امید بھی نہ رکھنی چاہیے تھی۔

باب ہفتم
فصل اول

جنگی اولوالعزمی اور ملکی معاشرت میں ہندوستانیوں سے بہتر ہو بہت آسانی سے قبضہ کر کے حکومت کر سکتی ہے۔ کیونکہ انگریزوں کے تسخیر ہند سے پہلے ایسا واقعہ گزر چکا ہے۔ شہنشاہ بابر جس نے وسط ایشیا سے سولھویں صدی میں ہندوستان پر حملہ کیا ہمارے لئے اپنی تزک بابری چھوڑ گیا ہے۔ یہ بے بہا کتاب زبردست تاریخی معلومات کا قابل اعتبار مخزن ہے اور اس سے زیادہ دلچسپ کتاب تاریخی حیثیت سے کسی اہل ایشیا نے کبھی نہیں لکھی ہے وہ لکھتا ہے :

میں نے اس ملک پر پانچواں حملہ کیا۔ سلطان ابراہیم کو شکست فاش دی اور سلطنت ہند کو زیر فرمان کر لیا۔ میرے سپاہی۔ رسد بردار اور ان کے ملازم اور میرے فوجی افسروں کے ملازم وغیرہ سب مل ملا کر گنتی کے بارہ ہزار آدمی تھے میں نے رکاب ہمت میں اپنا قدم رکھا اور عنان توکل کو ہاتھ میں لیا۔ اور دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس سلطنت ہند کو تسخیر کرنے کی غرض سے کوچ کر دیا جس کی سپاہ کی تعداد ایک لاکھ پیادے مع ایک ہزار زنجیر فیل کے تھی۔
خدائے بزرگ و برتر نے میری ان محنتوں کو ضائع نہ جانے دیا جو میں نے برداشت کی تھیں بلکہ میرے ہاتھوں سے میرے زبردست دشمن کو شکست دلائی اور اس عظیم الشان ملک کی فتح کا سہرا میرے سر باندھا

یہ عظیم الشان فتح ۱۵۲۶ء میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ بابر کی فتح پانی پت نے تمام شمالی ہند کی فتح اس کو نصیب کی اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد قائم کرا دی۔ بابر نے اس مہم کو جس وقت سرانجام کیا ہے اس وقت اس کے پاس بہت کم ذرائع اور وسائل انگریزوں کے اس وقت کے مقابلے میں تھے جبکہ انھوں نے بنگال میں مضبوطی سے قدم جما کر اپنا مخزن امداد سمندر میں قائم کر لیا تھا اور جس زبردست دشمن کو بابر نے پانی پت میں گرد کیا اس کی فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سو سال کے عرصے میں کبھی انگریزوں کے مقابلے میں اس وقت تک نہ آئی جب تک کہ ان کو آخری لڑائی سکھوں سے نہ لڑنی پڑی۔

اب اس کے تسلیم کرنے میں کیا تامل رہ جاتا ہے کہ جو کچھ ایک دفعہ سرانجام پا چکا تھا وہی پھر ممکن تھا اور تمام قرائن اس یقین کے موجود تھے کہ پھر وہی واقعہ پیش آ کر رہے گا کیونکہ تمام ملک بیرونی حملے کی مدافعت کے بالکل ناقابل تھا چنانچہ اٹھارھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں جبکہ سلطنت مغلیہ کا تنزل حقیقی زوال کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا اسی وقت سے مخلوق نے انقلاب کی پیش گوئیاں اور پیش بینیاں شروع کر دی تھیں اور جو اہل الرائے کہ ٹھنڈے دل سے معاملات پر غور کر سکتے تھے ان کے استبصار سے ہم اس کا پتہ لگا سکتے ہیں کہ آئندہ تسخیر ہند کسی یورپین قوم کے ہاتھوں سرانجام کو پہنچنے والی تھی۔

برنیر نے جو سترھویں صدی کے آخری زمانے میں فرانسیسی طبیب اورنگ زیب کے دربار میں تھا اس راگنی کے سُر پہلے ہی چھیڑ دیئے تھے اور اور اپنی کتاب میں صاف الفاظ میں لکھدیا تھا کہ ایم ڈی کونڈی یا ایم ڈی ٹورین صرف بیس ہزار فوج سے ہندوستان کو مسخر کر سکتا ہے اور اس نے فرانسیسی وزیر کالبرٹ کے نام جو خط لکھا تھا اس میں بنگال کی دولت اور کمزوری پر خاص طور پر زور دیا تھا۔ ۱۷۴۶ء میں کرنیل جیمز ل نے جو بیس سال تک ہندوستان میں رہ چکا تھا شہنشاہ آسٹریا کی خدمت میں ایک تجویز تسخیر بنگال کی ایک نہایت ہی سہل الحصول اور کثیر المنافع کام کے طور پر ان الفاظ کے ساتھ پیش کی تھی کہ:

> ہندوستان کی تمام سلطنت جس کو سلطنت مغلیہ کہنا چاہئے ایک ایسی کمزور اور غیر محفوظ حالت میں رہتی چلی آئی ہے کہ اس کو مغلوں کے اقبال کی ایک کرامت سمجھنا چاہئے کہ آجتک یورپ کے کسی بادشاہ نے جس کے قبضے میں ایک عمدہ بحری قوت ہو اس کی تسخیر کا خیال ہی نہیں کیا۔ ورنہ ایک معمولی ہتھکنڈے میں اس کے اور اس کی قوم کے قبضے میں بے شمار دولت آجاتی ...... مغل حکمراں کا اصول عمل بالکل ناقص ہے اس کی سپاہ کی حالت ناقص تر ہے اور اس کے پاس ساحلی حفاظت کے قابل کوئی بحری قوت بالکل نہیں ہے .... صوبۂ بنگال اس وقت سلطنت مغلیہ کے ایک باغی عامل کے تصرف میں ہے اور

اس صوبے کے سالانہ محاصل کی تعداد کم وبیش بیس لاکھ پونڈ تک پہنچتی ہے
مگر یہی بنگال جو سلطنت مغلیہ کے زیرنگیں نہیں رہ سکتا تمام ہندوستان
کی طرح سمندر کی طرف سے بالکل غیر محفوظ اور مع اپنی تمام بے اندازہ دولت
کے اس باغی کے ہاتھوں سے بڑے مزے سے چھینا جا سکتا ہے ؛

اگر ہم یہ سوچیں کہ ۱۷۴۶ء میں ایک انگریز کی صحت معلومات ہندوستان کے متعلق کس قدر محدود ہو سکتی تھی تو ہم بے اختیار کرنیل مل کی معاملہ فہمی اور عمیق نظری کی صورت معاملات کی تہہ تک پہنچ جانے کے بارے میں تعریف کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ اس نے اصل کمزوری کو معلوم کر لیا تھا دکھتی رگ پکڑ لی تھی اور ہندوستانی سیاست کی کتاب کی خاص اس سطر پر انگلی رکھدی تھی جو اس کی دائمی کمزوری اس اندرونی ناپائداری اور بیرونی بے پناہی اور غیر محفوظی دیکھنے والوں کی نظر کے سامنے پیش کرتی تھی۔ دس بارہ سال کے قلیل عرصے میں انگریزوں نے کرنیل مل کی تجاویز کو عملی جامہ پہنا دیا اور ہم آگے چل کر اس کی توضیح کریں گے کہ تسخیر بنگال کے بعد ہی توسیع مملکت کے متعلق کامل یقین پیدا ہو گیا تھا اور جن قابل لوگوں کے سپرد اس کام کا سرانجام تھا وہ اس کو اتفاقیہ لے بھاگنے کے انتظار میں نہیں تھے بلکہ لازمی طور سے حاصل کر لینے کا یقین کیئے بیٹھے تھے۔

۱۷۱۶ء میں انگریزوں نے جن کے تجارتی کارخانے عرصے سے بنگال میں قائم ہو چکے تھے مغل شہنشاہ سے ایک شاہی فرمان حاصل کیا جس کی رو سے ان کو ایک مقررہ خراج داخل کر کے مال کے درآمد و برآمد کی اجازت مل گئی۔ اور ان شدید و بے قید محصولوں سے ان کو خلاصی ہو گئی جو نوابوں کی تلوّن مزاجیوں کی وجہ سے آئے دن ان پر عائد کیئے جاتے تھے۔ صوبۂ بنگال سلطنت مغلیہ کے محروسات میں ایک عامل کے سپرد رہتا تھا جس کا معمولی خطاب نواب ناظم تھا۔ یہ شخص بادشاہ کی مرضی کے مطابق حاکم صوبہ رہتا تھا اور جب تک سلطنت مغلیہ اپنے پورے عروج وشان میں رہی اس حاکم کا اکثر اس خیال سے تبادلہ ہوتا رہتا تھا کہ ایک جگہ رہنے کی وجہ سے اس کا اثر اور رسوخ اتنا زیادہ نہ ہو جائے کہ پھر سلطنت کو اس کی سرکوبی

دشوار ہو جائے۔ لیکن سلطنت مغلیہ کے تنزل کے ساتھ ساتھ اس بعید الفاصلہ صوبے کے نوابوں کی مطلق العنانی بڑھتی گئی یہاں تک کہ اٹھارھویں صدی میں مرہٹوں کی متواتر باغیانہ یورشوں اور وسط ایشیا کے ناقابل مدافعت حملوں سے سلطنت مغلیہ ایسی بیدست و پا ہو گئی کہ ناظمانِ بنگال نے دہلی کے احکام کی تعمیل میں تساہل اور ادائے خراج میں تغافل برتنا شروع کر دیا یہاں تک کہ مرشد قلی خاں کے زمانے میں جو بڑی قابلیت کا آدمی تھا یہ نظامت شاہی منظوری کی قید سے بے نیاز ہو کر موروثی ہو گئی۔ لیکن ۱۷۴۲ء میں مرشد قلی خاں کے پوتے کو علی وردی خاں نے قتل کر ڈالا اور تخت پر قبضہ کر لیا۔ علی وردی خاں ایک معمولی درجے کا افغان طالع آزما تھا جس نے بہت چھوٹے سے درجے سے ترقی کر کے اپنے تئیں بہار کے نائب ناظم کے عہدے تک پہنچا لیا تھا اور جس نے آخرکار بہ زور شمشیر بنگال کی حکومت حاصل کر لی۔ اس کی زبردست حکومت کے چودہ سال کے دوران میں غیر ملکی تاجروں کو بہت کم وجہ شکایت پیدا ہوئی۔ اگرچہ اس نے انگریزی فرانسیسی اور ڈچ کارخانہ جات تجارت پر بڑے بڑے نذرانے عائد کر رکھے تھے مگر اس نے ان کو پناہ بھی دے رکھی تھی اور نہ ان کے کام کی ترتیب میں کوئی خلل پڑ سکتا تھا نہ کوئی باہمی تنازعات رونما ہو سکتے تھے اور نہ ان کے حقوق پر کوئی دست درازی کر سکتا تھا۔ علی وردی خاں کے انتقال پر اس کا متبنیٰ سراج الدولہ تخت نشین ہوا۔ یہ نوجوان نہایت وحشیانہ اور مشکوک مزاج رکھتا تھا اور نہ حکومت کی کوئی فطری قابلیت اس میں تھی نہ ہدایت کے لئے کوئی تجربہ اس کو حاصل ہوا تھا۔ اس کو انگریزوں کے ساتھ عرصے سے یہ کاوش تھی کہ اس کے خیال کے مطابق انگریزوں نے ایک اور شخص سے پیام سلام کیا تھا جو بنگال کے تخت کا اس کے مقابلے میں دعویدار تھا۔

یہ نیا نواب ابھی تخت پر متمکن ہوا ہی تھا کہ انگلستان سے کلکتے میں جو خطوط آئے ان میں پریزیڈنٹ کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ چونکہ فرانس کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ ہو رہا ہے اس لئے کمپنی کو اپنی ہندوستانی مقبوضات کے استحکام کا انتظام کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ پریزیڈنٹ مذکور نے قلعہ جات کا

استحکام شروع کر دیا لیکن اپنے مقبوضات کی قلعہ بندی کے حقوق انگریزوں کو بنگال میں نہیں عطا کئے گئے تھے اور نواب نے سختی کے ساتھ فوراً انگریزوں کو یہ تمام کام بند کر دینے کا حکم دیا کیونکہ نواب کے ایک ایلچی کو انگریزوں نے بے پروائی سے رخصت کر دیا تھا اور نواب کو پہلے ہی بہت غصہ چڑھا ہوا تھا۔ انگریزی پریزیڈنٹ مسٹی ڈریک نے جس کو اصل خطرے کا بالکل احساس نہ تھا یہ جواب دیا کہ یہ استحکامات فرانسیسیوں کے مقابلے میں کئے جا رہے ہیں جنھوں نے گذشتہ جنگ میں مدراس پر قبضہ کر کے سلطنت مغلیہ کی غیرجانبداری کو توڑا تھا اور جن سے اس دفعہ بھی ڈر تھا کہ کلکتے پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ اس جواب کا مطلب سراج الدولہ نے یہ سمجھا کہ ان غیر ملکیوں نے اُس کے پیمانِ حفاظت کو کسی قابل نہ سمجھا گویا اس کے شاہی اختیارات کی تحقیر کی چنانچہ غصہ و نفرت کی حالت میں اس نے اپنے دارالحکومت کے قریب والے قاسم بازار کے انگریزی کارخانے پر قبضہ کر لیا اور ایک بڑی فوج کے ساتھ کلکتے پر چڑھ دوڑا۔ انگریزوں نے کچھ عرصے تک اپنی حفاظت کی مگر چونکہ یہ شہر استحکام کے ساتھ قلعہ بند نہیں تھا اس لئے انگریزی گورنر اور بہت سے دوسرے انگریز جہازوں کے ذریعے سے دریا میں ہو کر نکل بھاگے اور بقیۃ السیف نے عزت کا سلوک کیئے جانے کے وعدے پر اپنے تئیں حوالے کر دیا۔ مگر جن لوگوں نے نواب کے سامنے اس قلعے میں ہتھیار ڈال دیئے تھے ان سب کو اس نے ایک تنگ و تاریک قید خانے میں بھر دیا جس کا نام کال کوٹھری تھا جہاں سے صرف ایک رات کی جاں فرسا مصیبت کے بعد کل ایک سو چھیالیس بدنصیبوں میں سے صرف تئیس[1] دوسری صبح کو زندہ نکلے۔ جون ۵۶ء کا واقعہ ہے۔

جوں ہی اس حادثۂ جاں کاہ کی اطلاع مدراس پہنچی وہاں کے پریزیڈنٹ نے بلا توقف امیر البحر واٹسن کے بیڑے کو بنگال روانہ کیا اور ایک دستہ سپاہ کا کرنیل کلائیو کی سرکردگی میں اس کے ساتھ کیا۔ اس فوج کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ یہ صرف کلکتے پر دوبارہ قبضہ کر لینے کے لئے ہی کافی نہیں ہوگی بلکہ ہگلی پر قبضہ کر لینے۔ فرانسیسیوں کو چندرنگر سے نکال باہر کرنے اور سراج الدولہ کے دارالحکومت مرشدآباد پر حملہ کرنے کے لئے بھی پوری طور سے کام دیگی۔

اور کلائیو بقول خود یہ عزم بالجزم کر کے روانہ ہوا تھا کہ اس قطعۂ ملک میں کمپنی کی جائداد کو ہمیشہ سے بہتر استحکام و استقلال کی حالت میں قائم کرے اس نے یہ بھی لکھا کہ اُس کو نواب کی فوجوں سے کسی خدشے کا اتنا زیادہ خیال نہیں تھا جتنا اس خاص ملک کے جائے وقوع اور وہاں کی آب و ہوا کا ڈر تھا۔ واقعات سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود مدراس گورنمنٹ کو بھی اس مہم کے نتائج کے متعلق کوئی شُبہ و شک نہیں تھا بلکہ اس کو صرف یہ اضطراب تھا کہ فرانسیسی مہم کے لالی کی سرکردگی میں ساحل کورومنڈل پر پہنچنے سے پہلے بنگال کے معاملات کا خاطر خواہ فیصلہ کر کے یہ مہم کسی طرح لوٹ آئے۔ کلائیو نے جاتے ہی نواب کی سپاہ کو کلکتہ اور ہگلی سے مار کر نکال باہر کیا۔ نواب سراج الدولہ ایک کثیر التعداد سپاہ لیکر کلائیو پر حملہ کرنے کے لئے چڑھ آیا اور آپس میں کچھ نامہ و پیام ہونے کے بعد انگریزوں نے کلکتے کے قریب اس پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی کا کوئی نتیجہ فیصلہ کن نہیں نکلا مگر نواب پر اتنا رعب ضرور بیٹھ گیا کہ اس نے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے جس کی رو سے کمپنی کے تمام بنگالی مقبوضات کمپنی کو واپس دیدیئے گئے اور نقصانات کی تلافی کا وعدہ کیا گیا مگر یہ پیمان صلح عرصے تک قائم نہیں رہ سکا۔ اگرچہ اس کی بڑی سخت ضرورت تھی کہ انگریزی فوجیں بہت جلد مدراس واپس لوٹ جائیں مگر چونکہ انگلستان و فرانس میں علانیہ جنگ چھڑ چکی تھی اس لئے یہ بھی مخدوش معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں بنگال کو خالی چھوڑ دیا جائے جبکہ فرانسیسیوں کا ایک مستحکم فوجی مستقر کلکتے کے قریب ہی چندر نگر میں موجود تھا۔ چنانچہ کلائیو اور واٹسن نے اس قلعے کو دھاووں سے فتح کر لیا۔ نواب نے پہلے تو اس کام پر رضامندی ظاہر کی تھی لیکن بعد کو اس نے اس حملے کی اجازت دینے کے وعدے کو واپس لے لیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ چپکے ہی چپکے بسی کو اپنی امداد کے لئے حیدرآباد سے مع اُس کی فوج کے بلانے کی کارروائی کر رہا تھا۔ اس میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ موقع ملتے ہی سراج الدولہ اپنی مخاصمت کو از سر نو تازہ کرے گا مگر دوسری طرف مدراس گورنمنٹ کا تقاضا آرہا تھا کہ فوجیں بہت جلد مدراس واپس آئیں کیونکہ لالی کی سرکردگی میں فرانسیسی مہم بہت ہی جلد مشرقی ساحل پہ پہنچنے والی تھی۔

باب ہفتم
فصل اول

اس وقت انگریزوں کو بنگال میں سخت مشکل اور اندیشہ کا سامنا تھا کیونکہ جب تک کلکتے کو نواب کی طرف کے خطرے سے کسی نہ کسی طرح محفوظ نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک مدراس کو واپسی ممکن نہیں تھی چنانچہ جس وقت سراج الدولہ کے چند معتوب درباریوں نے کچھ سلسلۂ نامہ و پیام اپنے مطلب کے موافق شروع کیا تو کلائیو فوراً ان کے ساتھ سراج الدولہ کو تخت سے اتارنے کے منصوبے میں شریک ہو گیا۔ اور اس کی جگہ انہی سازشیوں کے سرگروہ میر جعفر کو تخت پر بٹھا دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس کے بعد ہی کلائیو نے اندرون ملک میں سراج الدولہ پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کر دیا۔ جس کو اس نے خندق بند پڑاؤ ڈالے ہوئے مع پندرہ ہزار سوار، تیس ہزار پیدل اور چالیس ضرب توپ کے میدان پلاسی کے قریب منتظر پایا۔ لڑائی گولہ اندازی سے شروع ہوئی جس میں ایک توپخانے نے جو فرانسیسیوں کے زیر اہتمام تھا انگریزوں کو بڑے بڑے جھٹکے دیئے۔ دوپہر ڈھلتے ہی نواب میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ساتھ اس کے جب اس کی فوج میں بھی پسپائی شروع ہوئی تو انگریزوں نے اسی توپ خانے پر حملہ کیا جو اب تک میدان میں جما ہوا تھا۔ فرانسیسیوں کے قدم اکھڑتے ہی کچھ مرتفع قطعات زمین پر قبضہ کر لیا گیا جہاں سے دشمن کے قلب سپاہ اور مستحکم پڑاؤ پر زد پہنچ سکتی تھی اور کلائیو نے اپنی فوج کو ایک جگہ جمع کر کے ایک زاویے پر زور شور سے حملہ کر دیا۔ اس سے نواب کی تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ ایک عام بے ترتیبی کی حالت میں اپنا خیمہ و خرگاہ اپنا توپ خانہ اور اپنے پانسو مقتول چھوڑ کر جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلے۔ کلائیو کے فوجی مراسلہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی طرف کے بائیس مقتول اور پچاس مجروح ہوئے۔ میر جعفر جو دوران پیکار میں اپنے سواروں کے بڑے رسالے کو لئے میدان کارزار کے گرد منڈلاتا پھرتا تھا اور کبھی صفوں کی آخری انتہا سے آگے نہیں بڑھا تھا صبح ہوتے ہی کلائیو سے ملاقات کرنے آیا جہاں اس کو بہ حیثیت نواب بنگال کے سلامی دی گئی۔ اس کے بعد ہی وہ فوراً مرشد آباد جا پہنچا اور دار الحکومت پر قبضہ کر کے بہت جلد سراج الدولہ کا کام تمام کر دیا۔ تمام صوبے نے اپنے نئے نواب کی حکومت کو خموشی و سکون

سے ساتھ تسلیم کر لیا اور دہلی کی سلطنت میں اس وقت اتنا دم نہیں تھا کہ کچھ دخل دے سکتی کیونکہ وہاں احمد شاہ اپنی افغانی فوج سے قبضہ کیئے بیٹھا تھا۔ غرض یہ کہ اس اچانک اور ہولناک انقلاب کی بدولت انگریزوں کا قبضہ بنگال میں فوراً قائم ہو گیا۔

فصل دوم

اُس زمانے کی دیسی فوجیں

پلاسی کی بھگدڑ۔ جسے کسی طرح جنگ کا لقب نہیں دیا جا سکتا۔ بجائے خود اس لیئے ایک اہم موقع تھا کہ انگریزی کمپنی کی فوجیں میدان میں پہلی مرتبہ بطور حمایتی کے نہیں بلکہ بارزین کے ایک کثیر التعداد دیسی سپاہ کے مقابلے میں آئیں جس کی سرکردگی ایک بڑے حاکم صوبہ کے بنفس نفیس سپرد تھی اس میں شک نہیں کہ اُن لڑائیوں کی طویل فہرست میں جو انگریزوں اور ہندوستانی حاکموں یا نبرد آزماؤں میں بلا واسطہ لڑی گئیں یہ لڑائی سب سے اوپر لکھی جانیکے قابل ہے کیونکہ اسی سے ابتدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی جو امر قابل غور ہے وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں اٹھارھویں صدی کے وسطی زمانے میں جن فوجوں کا مقابلہ انگریزوں کو کرنا پڑا یا جن سلطنتوں کی مخالفت کا سامنا کرنا ہوا وہ اپنی بنیاد اور ساخت کے اعتبار سے ایسی ہی کمزور اور بودی تھیں جیسی یہ درخشاں مثال پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ اور اس کی سپاہ نے پیش کی۔ انگریزوں متخاصمین کی یہ فطرتی کمزوری اور اپنے مقبوضات پر حکومت یا ان کی حفاظت کرنے کی ناقابلیت اچھی طرح اسکی توجیہ کر سکتی ہے کہ وہ انگریز جو اپنے میں حکومت و حفاظت کی قابلیتیں رکھتے تھے کیوں نہایت سرعت کے ساتھ ایک ایسے ملک میں اپنے قدم آگے بڑھاتے چلے گئے جو بڑا متمول و بڑا آباد تھا مگر بالکل

بے سر اور بے وارث تھا۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ بنگال اور وہ دیگر صوبے جو ساحل پر واقع تھے اور جن پر انگریزوں نے ایسی آسانی سے فتوحات حاصل کریں در اصل اندرون ملک کے مقابلے میں بہت زیادہ غیر محفوظ تھے کچھ تو اس وجہ سے کہ مرکزی حکومت کی سقیم حالت تھی کچھ اس وجہ سے کہ ان اقطاع ملک کے باشندے اپنی سرشت کے اعتبار سے بہ مقابلہ دیگر صوبہ جات کے کم جنگجو ہوتے ہیں اور کچھ اس وجہ سے کہ بدقسمتی سے اس خاص زمانے میں ان مقامات کی حکومت خاص طور سے خراب حالت میں تھی زمانۂ مابعد کے مغل بادشاہوں کی فوج ہمیشہ سے خراب تھی پھر بھی اورنگ زیب کی وفات کے وقت تک اس فوج میں اتنی سکت ضرور تھی کہ اگر کوئی چھوٹی موٹی مہم سواحل پر اُترتی تو اس کو ہزیمت دے سکتی تھی۔ اور اگر بنگال میں کوئی قابل اور زبردست عامل موجود ہوتا تو کلائیو نے جو مہم دیدہ دلیری سے سر کرلی اس کی ہمت نہیں پڑسکتی تھی کیونکہ چند ہی سال بعد انگریزوں کو مرہٹوں اور حیدر علی کے خلاف فوج کشی کے موقعوں پر یہ اچھی طرح خبر پڑ گئی کہ اگر لڑانے والے قابل اور اہل ہوں تو ہندوستانی فوج اپنی کثرت تعداد کے اعتبار سے بڑی خوفناک مدمقابل ثابت ہوسکتی ہے ؎

بہرحال ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہماری سب سے پہلی فتوحات ایسی فوجوں کے مقابلے میں میسر آئیں جو کرایے کے سپاہیوں کا ایک جم غفیر تھا جن کو نہ ایک دوسرے سے کوئی رابطہ تھا نہ جن کے دل میں نمک حلالی یا وفاداری کے خیالات تھے۔ اس زمانے کی ہندوستانی فوج فی الحقیقت کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا کے مصداق علیحدہ علیحدہ دستوں کے کپتانوں کی ماتحتی میں کرایے پر ہر اس شخص کی خدمت کے لیے جمع ہوجاتی تھی جو انھیں کھانے کو دے سکتا ہو۔ یہ سپہ سالاران لوگوں کو آنکھیں بند کرکے ان آوارہ گرد نیزہ بازوں اور شمشیر بازوں کے کثیر الانفار گروہ میں سے بھرتی کر لیتے تھے جو اکثر وسط ایشیا سے نکل کھڑے ہوتے تھے اور ہندوستان بھر میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان گروہوں کو جم کر لڑنے سے بالکل اسی طرح مس نہیں تھا جیسے سولھویں صدی کے ان ایطالوی سربازوں کو نہ تھا جن کا لقب کونڈوٹیاری تھا۔ یورپ کی بندوقوں کی

نا تجربہ کار وہ چیز نہ تھی جس کے لیئے اُنھوں نے جنگ میں شرکت کی تھی اور گولہ اندازی اگر ڈھنگ سے کی جاتی تھی تو اس کے مقابلے میں یہ ٹھیرنے کا نام تک نہیں لیتے تھے۔ علاوہ برآں ان کے سپہ سالاروں کو گھڑی ادھر گھڑی اُدھر ہو جانے میں کچھ باک نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اکثر جس کے نوکر ہوتے تھے اس کو دغا دینے یا دوسرے کو اس کی جگہ دلا دینے کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اسی لیئے اس پر کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ اس قسم کی فوج بزدل یا نا قابل ہاتھوں میں ایسے ہولناک ہتھیار کے مانند ہوتی تھی کہ وہ رئیس یا عامل یا مدعی حکومت جو ان کی خدمات عرصے تک قائم رکھتا تھا اکثر عین جنگ کے موقعوں پر اپنے بہترین دستہائے سپاہ کے متعلق نہایت بے اطمینانی اور بے اعتمادی کے خیالات لیکر میدانِ جنگ میں جاتا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں سلطنت مغلیہ کے اکثر بغاوت کرنے والے صوبہ جات کی حکومت انہی زر آشنا سپاہیوں کے سپہ سالاروں کے ہاتھ میں آگئی تھی اور ان سب میں سب سے بہتر جنگجو افغان تھے۔ یا ان کا سب سے زیادہ مشہور سرگروہ احمد شاہ ابدالی تھا جو افغانی قوم کا ایک زبردست نبرد آزما تھا اور اٹھارھویں صدی میں ہندوستان پر زور شور سے آدھمکنے والا واحد ایشیائی جنگجو تھا۔

لیکن یورپ والوں نے ہندوستان کے جنگی اکھاڑے میں قدم رکھا ہی تھا کہ سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ تازہ ولایت فن حرب میں تمام ایشیائی غیر ہندیوں کے مقابلے میں ایک ممتاز اور اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ اور اس متحدہ، مستقل اور اصولی طرز عمل کے اعتبار سے تو ان کا کوئی ثانی ہی نہیں تھا جس کے ذریعے سے ایک مربوط قواعد داں سپاہ ہمیشہ آخر میں اپنے بے رابطہ غیر قواعد داں مدمقابل پر غالب آکر رہتی ہے۔ انگریزوں یا فرانسیسیوں کے مقابلے میں کرناٹک یا بنگال کے غیر مستقل اور لرزہ براندام نواب میدان جنگ میں ایک ایسی بغاوت پر آمادہ سپاہ لا سکتے تھے جو پہلی ہی ٹکر میں پیٹھ دکھا دیتی تھی اور اکثر اپنے فرار اختیار کرنے والے سردار کے پیچھے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتی تھی۔ غرض یہ کہ سپاہیوں کی ان خصوصیات اور سپہ سالاروں کی ان

نا قابلیتوں کالازمی تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنی خدمات کو ایک ایسے سردار کے جھنڈے کے تلے منتقل کریں جو تنخواہ برابر دیتا ہو اور فتح ہمیشہ پاتا ہو۔ جو ہمیشہ ہماری صف سے آگے میدان میں نظر آتا ہو اور جنگ کی صعب ترین نوبت پر اپنے ملک کی کٹ مرنے والی فوج سے کام لیتا ہو۔ انگریزوں کی دیسی فوج بھی انہی بیس لاکھ کے پیشہ ور سرفروشوں کے خانہ بدوش اژدہام میں سے بھرتی کی گئی تھی جو ہندوستان بھر میں مارے مارے پھرتے تھے مگر یہی دیسی فوج قواعد سیکھ کر آہستہ آہستہ کیا سے کیا ہو گئی۔ اس کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ پیدل سپاہ کی جتنی تعداد کی ضرورت ہوتی اتنی ہی بلا وقت بھرتی کی جاسکتی تھی مگر جہاں کسی لینے دھاوے کی خبر اڑی اور یہ سپاہی جوق جوق غائب ہونے شروع ہوجاتے تھے۔ ہندوستان کا بہترین رسالہ جس میں افغانی۔ تاتاری۔ ایرانی اور مرہٹے ہوتے تھے خواہ کسی تعداد کی ضرورت ہو صرف چھ ہفتے کے اعلان ضرورت میں جمع کیا جاسکتا تھا اور ان میں سے اکثر خاص اسی دشمن کی فوج میں سے آجاتے تھے جس پر چڑھائی کرنی ہوتی تھی۔ بہر حال انگریزی سپہ سالاروں کو اپنی پیدل فوج کے لیے خالص ہندی نژادوں پر بھروسہ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا کیونکہ ان لوگوں کو پھر نمک کھانے کا پاس وسط ایشیا کے وحشیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا تھا اور یہ ضابطہ وقاعدے کی پابندی کا میلان بھی اپنی طبیعتوں میں اُن سے زیادہ رکھتے تھے۔ اور سو برس تک ہندوستانی سپاہی نے اس اعتماد کا نہایت عمدہ معاوضہ دیا جو اس کی وفاداری اور بہادری پر کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ ایک ایسے توپ خانے کے ساتھ جو ایسے لوگوں کے سپرد تھا جن کے قدم اپنی جگہ پر جمے رہتے تھے۔ چند سُرخ پوش گورہ پلٹنوں کے ساتھ ایک زبردست قواعد دان دیسی پیدل دستے کے ساتھ۔ اور مختصر سے اعلیٰ درجے کے ہلکے دیسی رسالے کے ساتھ کمپنی کی فوج وسائل حرب کے وہ اجتماع پیش کرتی تھی جس کو جنوبی ہند کے ہر مدمقابل پر فتح پانے کے لیے صرف قابلانہ قیادت کی ضرورت تھی ؎

جو تبصرہ ہم ابھی ہندوستانی فوجوں کے متعلق کر چکے ہیں اس سے

اس سرعت کی اچھی طرح وضاحت ہو سکتی ہے جس سے انگریزوں نے ہندوستانی مخاصمین کے خلاف اپنے ابتدائی میدان جیت لیئے اور ساحلی اقطاع خصوصاً بنگال کی فتوحات کو مکمل کرلیا۔ انگریزوں کو فی الحقیقت اتنا سا کام کرنا پڑا تھا کہ غیر ملکی نسل کے جو غیر مستقل حکمراں بن بیٹھے تھے جن کے لقب شاہی کا انحصار صرف غاصبانہ چالبازی پر تھا ان کی حکومت کو الٹ دیں اور اپنی یورپین اور دیسی قواعد داں پلٹنوں کے ذریعے سے ان کرایے کے سپاہیوں کو منتشر کردیں جن کو اپنی تنخواہ سے کام تھا اور جنگ سے کوئی خاص وابستگی نہیں تھی۔ مغرب کی طرف سے مرہٹوں کا سیلاب بڑھتا چلا جا رہا تھا اور شمال کی طرف سے افغانوں کا طوفان اٹھتا چلا آرہا تھا اور اس دوعملی کی وجہ سے اندرون ملک پر حریفانہ دست برد اور استحصال بالجبر کی تباہی چھائی ہوئی تھی۔ تجارت اور زراعت کا ستیاناس ہوگیا تھا اور فوجی کمزوری اور مالی مشکلات کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی دیسی حکومتوں کی حالت ایسی متزلزل ہو رہی تھی کہ ایک فوج کشی یا صرف ایک لڑائی کے نتیجے سے ادھر سے ادھر ہو جانے میں ہر کسی کی بربادی و تباہی کے سامان پیدا ہو جاتے تھے۔ لیکن ہندوستان کے ساحلی علاقوں کی سریع السیر انگریزی فتوحات کی یہ رفتار عرصے تک نہیں قائم رہ سکتی کیونکہ ہم آگے چل کر اس کی توضیح کریں گے کہ جوں جوں انگریز لوگ اندرون ملک میں داخل ہوتے چلے گئے ان کی گام زنی زیادہ سست ہوتی گئی بلکہ اکثر موقعوں پر بالکل ٹھہر ٹھہر گئی۔ مغربی ساحل پر انگریزوں کو ابھی سے ایسے مخاصمین کا سامنا کرنا پڑا جن کو نالائق بنگالی نواب سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ یہ مرہٹے تھے جنکی قوت کی تہ میں ان کی قومی خصوصیت ان کا سیاسی استقلال اور ان کا عظیم الشان جنگی نظام کام کررہے تھے۔ اپنے زبردست پیشوا بالاجی بالا راؤ کے زیر حکومت یہ فوج اپنے معراج اقتدار تک پہنچتی چلی جا رہی تھی۔ انھوں نے بڑے بڑے اقطاع فتح کرلیئے تھے وہ شمالی ہند کی طرف برابر بڑھتے چلے آرہے تھے۔ وسط ہند میں ان کی قوت سب سے زبردست تھی اور ایک طرف ان کی ایک فوج نواب نظام الملک والی حیدرآباد کی ریاست پر حملے کرتی تھی تو دوسری طرف دوسری فوج کرناٹک اور میسور سے بڑے بڑے خراج بالجبر وصول کررہی تھی۔

مرہٹوں کی فوجی کارروائیاں ابتک انگریزوں کے لیئے بڑی سودمند ثابت ہوئی تھیں اور بسا اوقات انگریزوں کے ساتھ اُن کا اتحاد رہا تھا کیونکہ وہ تمام مسلمان حکومتوں کو کمزور کرتے چلے جارہے تھے اور خاص کر ٹیپو کے فوجی اقتدار کو حیدرآباد میں بڑھنے سے روکے ہوئے تھے۔

غرض یہ کہ اس رائے کو تسلیم کر لینے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اگر ہندوستان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا اور اس وقت یورپ والے میدان کارزار میں نمودار نہ ہوجاتے تو تمام جنوبی اور وسطی ہند مرہٹوں کے زیرنگیں آجاتا۔ انگریزوں کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان کو ایسے زبردست مدمقابل سے ٹکر کھانے کی اس وقت تک نوبت نہیں آئی جب تک ان کی اپنی قوت خوب پختہ نہیں ہوگئی۔ کیونکہ اس میں ذرا شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہندوستان میں اقتدار حاصل کرنے کے مدارج مابعد میں جو انگلستان کا دیسی متخاصمین سے مقابلہ ہوا ان میں سب سے زبردست اور پرخطر مدمقابل مرہٹے ہی ثابت ہوئے۔

باب ہشتم

بنگال کی صورت حالات

فصل اوّل

طبعی خصوصیات

۱۷۵۷ء میں کلائیو کی فتح کے بعد ہی بنگال پر فوجی قبضہ کر لیا گیا جس کا انگریزوں کی ہندوستانی حیثیت پر بڑا زبردست اور گہرا اثر پڑا۔ ان کے وسائل اس قدر بڑھ گئے کہ اس کے بعد سے ہی فرانسیسیوں کی ہزیمت جزیرہ نمائے جنوبی میں یقینی ہو گئی کیونکہ جس وقت لالی کا تعلق سمندر سے قطع کر دیا گیا اور وہ ... ساحلی قطعہ زمین پر بے نتیجہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اسی وقت میں انگریزوں نے اپنے قدم گنگا کے ڈیلٹا پر اور زیرین گنگا کے زرخیز اور شاداب اضلاع پر مضبوطی سے جما لیئے تھے۔ اس کتاب کی اصطلاح کے مطابق لفظ بنگال کا اطلاق بنگال خاص بہار اور اڑیسہ کے تینوں وسیع صوبوں پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سب اس وقت میں سراج الدولہ کے زیرنگیں تھے۔ بنگال کے نوابوں کے انگریزوں کی ماتحتی میں آ جانے سے انگریزوں کا اقتدار فوراً شمال مغرب میں گنگا کے کنارے محاذات بنارس تک پھیل گیا اور ان کی اس سیاسی سلطنت کا دارالحکومت اس وقت کے بعد سے کلکتے میں قائم کر دیا گیا ؎

کلکتے میں کمپنی کی حکومت کے مستقر کا منتقل ہونا بھی آئندہ ترقی کا قدم بڑھانے کے واسطے خاص طور سے قابلِ یادگار رہے کیونکہ بمبئی یا مدراس سے نہیں بلکہ کلکتے ہی سے یہ عمل کیا جا سکا کہ انگریزوں کی طاقت نے اندرون ملک میں گھسکر قلب ہندوستان تک پہنچنے کی کوشش کی اور تمام ہندوستان کو زیر نگیں لانے کی صحیح شاہراہ دریافت کی ؛

بنگال پر حملہ کرنے کے یہ معنی تھے کہ ہندوستان میں اس کی سہل اور غیر محفوظ راہ سے گھسنے کی کوشش کی جائے۔ راس کماری سے جانب شمال تمام مشرقی ساحل پر بڑے بڑے جہازوں کے قابل کوئی بندرگاہ نہیں ہے نہ دریاؤں اور سمندر کو ملانے والی آبنائیں بڑے جہازوں کی رسائی کے قابل ہیں لیکن خلیج بنگال کے بالائی حصے پر ہمیں ایک ڈیلٹا لی نشیبی ملک ملتا ہے جس میں ایسی قابل جہاز رانی نہروں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے جو سب کی سب مختلف دہانوں کے ذریعے سے اندرون ملک کے بڑے دریاؤں کا پانی سمندر تک پہنچاتی ہیں بعض عظیم الشان نہریں اس ملک کی ولدلی زمین سے پانی کی بدرو کا کام دیتی ہیں اور بعض میں ہمالیہ کی برف پگھل کر آتی رہتی ہے سوائے اس قطعۂ ملک کے اور کسی حصے میں ساحل ہند کے یہ خصوصیت نہیں ہے کہ دریا ایسے وسیع بحری راستے کی طرح ہوں کہ ان میں بڑے جہاز بھی اچھی طرح لنگر کر سکیں اور ان میں سے ہو کر کئی میل تک پانی ہی پانی میں اندرون ملک میں گھس جانا ممکن ہو۔ اور ان بحری راستوں کے اِدھر اُدھر بلکہ ان سے بہت دور آگے تک بنگال کا شاداب میدان پھیلتا چلا گیا ہے جہاں کے باشندے نہایت جفاکش اور امن پسند ہیں جو اپنی زمینوں سے کماتے بہت زیادہ ہیں اور بہت کم پر گذارہ کر لیتے ہیں ؛

تمام معتبر اصحاب کی بالاتفاق یہ رائے ہے کہ اٹھارھویں صدی میں باعتبار زراعت وحرفت کے ہندوستان بھر میں سب سے متمول صوبہ بنگال تھا۔ کرنیل جیمز نے اپنی اس یادداشت میں جس کا ہم پہلے حوالہ دے آئے ہیں یہ لکھا تھا کہ بنگال کی دولت بے اندازہ ہے اور یہ سمندر کی طرف سے غیر محفوظ

باب ہشتم
فصل دوم

ہے۔ ڈیرسٹ نے ۱۷۶۷ء میں لکھا تھا کہ بنگال کی بے حساب تجارت کو مرکزی نقطہ سمجھنا چاہیئے جس کے گرد تمام ہندوستان کی دولت کھنچ کھنچ کر جمع ہوتی ہے اور یہاں کی ساخت کی اشیا ہندوستان کے بعید سے بعید حصص تک پہنچ جاتی ہیں"۔ وسط ایشیا سے جو حملے ہندوستان پر ہوتے رہتے تھے ان کے سیدھے راستے سے بنگال بچا ہوا الگ واقع تھا اور ان خانہ جنگیوں کے اکھاڑے سے بھی بہت فاصلے پر علیحدہ تھا جن کی جولانگاہ سلطنت کے خاص خاص شہر دلی آگرہ۔ یا لاہور وغیرہ تھے۔ مدتوں سے اس صوبے پر شمال سے آنے والے غیر ملکیوں کی حکومت چلی آئی تھی مگر یہی ایک صوبہ تھا جو بحری حملے سے بالکل بے پناہ تھا اور ہر حیثیت سے انگریزوں کی سی ایک جہاز راں تجارتی قوم کے فائدے کے لیئے نہایت موزوں تھا۔ اس کے دریا بڑی بڑی رگوں کی طرح سیدھے قلب ہندوستان تک جا پہنچتے ہیں۔ بنگال سے سمت شمال مغرب میں زمین بالکل کھلی ہوئی ہے اور بیچ میں بہت کم رکاوٹیں ہیں۔ زمین قریب قریب مسطح ہے اور پھیلتی ہوئی اس بڑے وسطی میدان تک چلی گئی ہے جس کو آجکل ممالک مغربی شمالی (یا دوآبہ) کہتے تھے اور پھر شمال کو بڑھتی ہوئی پنجاب میں چلی ہوئی ہمالیہ کے دامن تک جا پہنچی ہے۔ جو قوم اس وسیع اندرونی کشادہ حصۂ ملک پر قبضہ کرلے جو کہ ہمالیہ سے شروع ہو کر جنوب مشرق میں خلیج بنگال تک پھیلتا چلا گیا ہے اس کے قبضے میں وہ مرکزی مقام آجاتا ہے جس کی زد میں تمام بقیہ ہندوستان رہتا ہے۔ چنانچہ یہ بھی قابل لحاظ بات ہے کہ جتنے فاتحوں کے خاندان ہندوستان میں بس گئے انھوں نے مختلف اوقات میں جو مختلف دارالحکومت قائم کیئے وہ اسی حصۂ ملک میں رہے۔ ہندوستان کے نقشے کو ہم دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا بالائی یا اقلیمی حصہ (جس کو زیرین یا جزیرہ نمائی حصے سے تمیز کرنے کی ضرورت ہے) بقیہ ایشیا سے بذریعہ ایسی قدرتی دیواروں کے علیحدہ کردیا گیا ہے جو اپنے استحکام وارتفاع کے اعتبار سے لاثانی ہیں۔ یعنے ہندوستان کی تمام خشکی کی سرحد پہاڑوں کے سلسلے سے گھری ہوئی اور قلعہ بند ہے سمت جنوب مغرب میں

باب ہشتم
فصل دوم

سمندر کی طرف پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی چلی گئی ہے اور ان کا ڈھلاؤ دشوار گذار نہیں رہا ہے۔ یہاں صحرائے ہند اندرونی زرخیز قطعے اور بیرونی سرحدی ملک کے درمیان حد فاصل کے طور پر واقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان قضا وقدر نے اس قطعۂ ملک کی زرخیزی اور یہاں کے باشندوں کی کمزوری کا لحاظ کر کے اس کی حفاظت کا خاص اہتمام سے انتظام کیا ہے۔ کیونکہ اس تمام کوہستانی فصیل کے سلسلے میں جو شمال مغربی اور شمالی حدود ہندوستان پر سر بفلک پھیلا ہوا ہے بہت ہی کم درے ایسے ہیں جو آمد و رفت کے قابل ہوں۔ یہ درے افغانستان میں ہو کر آتے ہیں اور انہی میں سے ہو کر سکندر اعظم نے اور اس کے بعد کے جملہ حملہ آوروں نے اندرون ملک پر یورشیں کی ہیں۔ اور جو شخص کہ ان ناقابل اختتام پہاڑیوں اور افغانستان کی سنگلاخ وادیوں پر سے ہو کر آخری سنگین فصیل پر چڑھ گیا ہے اور وہاں سے اس نے ہندوستان کے وسیع میدان کو اپنے سامنے نظر کے دھندلکے میں سمندر کی طرح پھیلا ہوا دیکھا ہے وہ اس کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان حوصلہ مند سرداروں کے دل میں کیا کیا پُر امید جذبات موجزن ہوتے ہوں گے جو ایشیا کے مرتفع علاقوں سے اس منظر پر نظر دوڑاتے ہوں گے۔ تمام شمالی خطۂ سرحد پر کوہ ہمالیہ عملاً ناقابل گذر ہے۔ کیونکہ سربفلک پہاڑوں کے سلسلے کے پیچھے ہی ایک مسلسل سطح مرتفع کا دمدمہ بنا ہوا ہے جو بعض جگہ تقریباً سترہ ہزار فیٹ کی بلندی تک چلا گیا ہے اور جو جانب شمال آگے بڑھ کر وسط ایشیا تک کسی قلعے کے عظیم الشان پشتے کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

یہ ہیں خشکی کی طرف سے ہندوستان کی قلعہ بندیاں لیکن جو حملہ آور سمندر کی طرف سے ساحلوں پر اترتا ہے وہ اس تمام قلعہ بندی کو الٹ کر اپنے لئے کارآمد بنا لیتا ہے جیسا ہم بیان کر چکے ہیں وہ کھلے ہوئے غیر محفوظ آبی دروازوں سے داخل ہوتا ہے۔ اس قلعہ بند ملک کے وسط میں گھس سکتا ہے۔ کوچ کرتا ہوا کوہستانی فصیل تک جا پہنچتا ہے۔ تمام چوکیوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور اسی فصیل سے اپنے تئیں دوسرے حملہ آوروں کے مقابلے میں

محفوظ کر لیتا ہے۔ بالکل اسی ترکیب پر انگریزوں نے ۱۷۵۷ء اور ۱۸۴۹ء کے درمیان عمل کر کے کامیابی حاصل کی ہے جبکہ وہ پوری ایک صدی تک ہندوستان کی دیسی طاقتوں کے مقابلے میں مصروف کارزار رہے ہیں۔ اس سو سال کے ابتدائی زمانے میں فتح بنگال کی وجہ سے اصلی مرکز حکومت جنوبی ہند سے منتقل کر لیا گیا اور اس کے ساتھ ہی انگریز لوگ سیاست و مبارزت کے بہت زیادہ وسیع اکھاڑے میں جیتی کے ساتھ کود پڑتے ہیں ؎

فصل دوم

اندرونی معاملات اور انتظامی ابتری

فتح پلاسی کے بعد انگریزوں کے لیے سب سے اہم اور ضروری کام ایک باقاعدہ انتظام کا بحال کرنا تھا۔ انھوں نے میر جعفر کو نوابی کے اختیارات اس معاہدے کے ساتھ دیے تھے کہ کلکتہ اور دیگر انگریزی کارخانہ جات پر سراج الدولہ کے قبضہ کر لینے سے جو نقصانات ہوئے اور جنگ میں جو اخراجات ان کو برداشت کرنے پڑے تھے ان سب کی تلافی کے لیئے رقوم خطیر انگریزوں کی نذر کرے اور انگریزوں کی طرف سے یہ وعدہ تھا کہ جب کبھی نواب کو ضرورت پڑے گی تو وہ اپنی فوجیں نواب کو مستعار دیں گے مگر ان کے اخراجات نواب کو برداشت کرنے ہوں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس حاکم کا خزانہ بالکل صاف کر لیا گیا اور اس کو اپنے اختیارات کام میں لانے اور اپنے تخت و تاج پر قبضہ قائم رکھنے کے لیئے ان غیر ملکیوں کی ماتحتی گوارا کرنی پڑی جو اپنے اوپر کوئی اندرونی ذمہ داری بھی لینے کو تیار نہیں تھے اور جن کی ایک فوج اس کے حدود اختیار کے اندر موجود تھی۔ ایسی حیثیت ہندوستان میں کوئی نئی نہیں تھی

باب ششم
فصل دوم

جہاں کی قواعد داں فوج کے سپہ سالار خود اپنی گورنمنٹ کے لیئے اتنے ہی خطر ہوا کرتے تھے جیسے دشمن کے لیئے۔ چنانچہ اسی زمانے میں حیدرآباد میں بسی کی حیثیت مع اپنی فرانسیسی سپاہ کے بالکل ایسی ہی تھی جیسی کلائیو کی حیثیت مع اپنی انگریزی سپاہ کے بنگال میں تھی۔ مگر جب لالی نے حیدرآباد سے بسی کو اپنے پاس بلالیا تو دکن میں فرانسیسیوں کی قوت گھٹنی شروع ہوگئی اور ان کی بعض مصیبتوں اور ہزیمتوں کی وجہ سے بالکل ہی فنا ہوگئی۔ برخلاف اس کے انگریزوں نے اب اپنی حکومت کو اس ملک پر مستحکم کرنا شروع کردیا تھا جس کو انھوں نے عملاً فتح کیا تھا۔

مگر اس استحکام کی دقتیں اس وجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئیں کہ انگریز لوگ اس ملک میں اپنی مذبذب حیثیت کی وجہ سے بہت کشش و پیچ میں تھے۔ باعتبار واقعات کے انھوں نے اس ملک کو فتح کیا تھا مگر باعتبار ضابطے کے نہ وہ اس پر حکومت کرنا چاہتے تھے اور نہ کرسکتے تھے کیونکہ یہ لوگ صرف ایک تجارتی کمپنی کے قائم مقام تھے اور اپنی قوم کی طرف سے ان کو کوئی اجازت نامہ کسی قطعۂ ملک کو اپنی محروسات میں شامل کرنے کا نہیں ملا تھا۔ اس لیئے ان کو مجبوراً اپنے تئیں بظاہری اعتبار سے دیسی حکمراں کا زیر فرمان بنانا پڑا تھا ورانحالیکہ معنوی اعتبار سے وہ ان کی مرضی کا ماتحت تھا۔ اس سے زیادہ بدنظمی پیدا کرنے والی اور کوئی حالت نہیں ہوتی کہ ملکی حکومت کو کسی خود مختار فوج یا سیاسی جماعت کی مرضی کا تابع ہونا پڑے اور بنگال میں اس مذبذب دوعملی کی برائیاں مخصوص ابتریوں کی وجہ سے بہت ہی بڑھ گئیں۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ خود کمپنی کو بھی اور نواب کو بھی روپیے کی بڑی شدید ضرورت تھی۔ کمپنی کو برابر بڑی بڑی رقمیں مدراس بھیجنی پڑتی تھیں تاکہ فرانسیسیوں کے خلاف جنگ کو قائم رکھا جاسکے۔ ساتھ ہی اس کے خاص بنگال میں بھی اپنی چھ ہزار سے زائد سپاہ ہروقت تیار رکھنی پڑتی تھی۔ نواب کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کو گوارا نہیں کرتا تھا کہ اپنے تئیں بالکل بے دست و پا کرکے اپنے آپ کو اپنے غیر ملکی اتحادیوں کے حوالے کردے اس لیئے اس نے اپنی فوجوں کو

باب ہشتم
فصل دوم

شکست نہیں کیا تھا اور وہ سب اس سے اپنی تنخواہوں کے بقایا کا مطالبہ کر رہی تھیں جس کو وہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے اس کو اپنے حدود کی اندرونی بدنظمیوں کے انتظام کے لیے اور بیرونی حملوں کی مدافعت کے لیے بھی فوج کی ضرورت تھی کیونکہ اس کے کئی بڑے بڑے جاگیردار اس سے بغاوت کر رہے تھے مرہٹے بنگال پر مغرب کی طرف سے ٹوٹ پڑنے کی دھمکی دے رہے تھے اور شاہ دہلی کا ولی عہد ایک بڑی فوج لیکر اپنی آبائی سلطنت کے ایک صوبے کو دوبارہ حاصل کرنے کا دعویٰ کر کے شمال مغربی اضلاع میں نمودار ہو گیا تھا۔ دوسری خرابی یہ تھی یعنی نواب کی حمایتی کمپنی صرف اسی پر قناعت نہیں کرتی تھی کہ اپنی سالانہ امداد کے معاوضے میں اس سے ملکی محاصل کا ایک جزو خطیر اپنے حصے کے طور پر لے لے۔ کیونکہ یہ کمپنی مرہٹوں یا افغانوں کی طرح کوئی ملک پر قبضہ کر لینے والی فوج نہیں تھی جس کی ایک ہی دفعہ کی دھونس اٹھالی جائے اور پھر چاندی کی جوتی مار کر اپنا کر لیا جائے۔ بلکہ کمپنی تو ایک کارکن جماعت کی قائم مقام تھی اور وہ جماعت یورپ کو برابر ارسال زر کا تقاضا کرتی رہتی تھی کیونکہ اس کے اصلی اغراض اب بھی تجارتی ہی تھے۔ چنانچہ جوں ہی ان قائم مقاموں نے یہ محسوس کیا کہ اب کسی میں ان کے مقابلے کی تاب نہیں ہے تو انھوں نے فوراً ملک کی خاص خاص قیمتی پیداوار کی تجارت کا اجارہ لینا شروع کر دیا۔ اس طرح اپنی تجارتی خصوصیت کو قائم رکھکر سیاسی صفات سے اپنے تئیں متصف کر لینے سے انگریزوں نے ایک ایسا خلط مبحث پیدا کر دیا جس سے ایسی ناقابل برداشت ابتریاں اور خرابیاں پیدا ہو گئیں جو بنگال کی تاریخ میں عدیم النظیر تھیں۔

برطانوی ہندی تاریخ کا یہی ایک زمانہ ایسا ہے جس نے انگریزوں کے نام پر سخت اور ناقابل معافی بٹہ لگا دیا ہے۔ سنہ ۱۷۶۰ع سے سنہ ۱۷۶۵ع تک کلائیو کی شش سالہ عدم موجودگی میں کمپنی کے معاملات کا انصرام ناقابل اور ناتجربہ کار ہاتھوں میں ٹھیک ایسے وقت میں پڑ گیا جبکہ قابلانہ اور مدبرانہ انتظام کی سخت ضرورت تھی۔ کلائیو نے پہلے سے ہی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ

باب ہشتم
فصل دوم

طرز انتظام نہ کبھی کامیاب ہوگا اور نہ مستقل طور پر قائم رہ سکے گا۔ چنانچہ اس نے ۱۷۵۹ء میں وزیر اعظم پٹ کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ قومی سلطنت کی طرف سے پورے شاہی اختیارات کے ساتھ بنگال پر تسلط کر لیا جائے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس صوبے سے خالص بچت میں لاکھ پونڈ کی انگریزی خزانے کو ہوگی۔ اسی اثنا میں اس نے اپنی موجودگی میں اس صوبے کے احیائے انتظام کے لئے جو ممکن تھا وہ کیا تھا۔ اور دہلی کے شاہزادے کو اپنی فوجیں حدود بنگال سے ہٹا لے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اہل ہالینڈ بنگال میں انگریزوں کی کارروائیوں کو فطرۃً بڑے رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے اور اس وقت میں انھوں نے نواب سے خفیہ نامہ و پیام شروع کیا اور ایک بڑی ساری فوج بھی بٹاویہ سے لے آئے جب ان کے مسلح جہازوں کو انگریزوں نے سمندر سے دریا میں گھسنے سے منع کیا تو وہ برسر پرخاش ہوئے۔ لڑائی شروع ہوگئی اور کرنیل فورڈ نے ان کو ایک ہی مقابلے میں پورے طور سے شکست دے دی اس مقابلے کی صفت کلائیو نے صرف تین لفظوں میں بیان کی ہے یعنے یہ مختصر، خونریز اور فیصلہ کن تھا۔ لیکن ۱۷۶۰ء میں کلائیو کی روانگی انگلستان کے بعد بیرونی حملے از سر نو شروع ہو گئے۔ اور اندرون ملک میں کمپنی کے کارندوں اور نواب کے عمال کے تلخ و تند تنازعات کی وجہ سے تمام ملکی انتظام ایک مفلوج حالت میں ہوگیا کیونکہ نواب اپنی سب بے اختیاری و بے اثری کے خلاف برابر جد وجہد کر رہا تھا اور اسی سلسلے میں اس نے اہل ہالینڈ سے بھی خفیہ نامہ و پیام شروع کر دیا تھا۔ تقاضائے فطرت کے مطابق وہ اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے پر آمادہ و مستعد تھا اور اس غرض سے اس نے کمپنی کو زک دینے کے لیئے چالیں چلنی شروع کیں۔ کمپنی کے دشمنوں کے ساتھ خفیہ سازشیں کیں۔ اور کمپنی کی اس اجتماعی جنگی کارروائی کو منتشر کرنے کی کوشش کی جو مرہٹوں کے مقابلے میں کی جانے والی تھی۔ جو کہ خود نواب ہی کے ملک میں قتل و غارت برپا کیئے ہوئے تھے صرف اس امید پر کہ اگر مرہٹے غالب آ گئے تو کم از کم انگریزوں کی قوت تو لوٹ جائے گی۔

باب ششم
فصل دوم

نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ دونوں میں سے ایک فریق بھی ایسی حکومت نہیں کرسکتا تھا جو دوسرے کو گوارا ہو اس لئے دونوں فریق بہت جلد اپنی ہر دلعزیزی کھو بیٹھے اور درحقیقت اس تمام عرصے میں ملک پر کوئی مختار حکمراں ہی نہیں رہا۔ ایکطرف تو انگریزوں نے تمام ملک میں بہترین تنخواہ پانے والی اور بہترین قواعد جاننے والی فوج موقع موقع پر تعینات کر رکھی دوسری طرف تمام فوجی اخراجات کا بار اور انتظامی معاملات کا انصرام نواب کے سر پڑا ہوا تھا۔ اور وہ بیچارہ اپنے نمک حرام سرداروں کے ہاتھوں قتل کیئے جانے کے ڈر اور انگریزوں کے ہاتھوں معزول کیئے جانے کے دھڑکوں میں ہی سہما جا رہا تھا۔

چونکہ انگریزی تاجر بنگال میں خاص طور سے روپے کمانے ہی کا ارادہ کر کے آئے تھے اس لیئے ان میں سے بہت سی اچھی خاصی کمائی کر کے پھر یورپ کو چل دیئے۔ جب تک وہ یہاں رہے انھوں نے اپنے تئیں بالکل بے لگام اور غیر ذمہ دار سمجھکر نہ اپنے اوپر جمہوری رائے کا کوئی اثر محسوس کیا نہ کوئی قانونی جوابدہی لازمی سمجھی (کیونکہ قانون کا نام و نشان بھی اس ملک میں نہیں تھا) اور ایسی مطلق العنانی کی حرکتیں کیں جیسے کہ دنیا کے کسی حصے میں یا کسی زمانے میں ایسے طوفان بے تمیزی میں کوئی قوم یا اشخاص کر سکتے ہیں بعض میں سے عزت۔ انصاف اور ایمانداری کا حس ہی بالکل جاتا رہا تھا۔ انھوں نے بالکل ویسی ہی لوٹ کھسوٹ شروع کی جیسی ان سے پہلے مغل یا مرہٹے کر چکے تھے صرف فرق اتنا سا تھا کہ یہ غارتگری اور ڈکیتی زیادہ مہذب اور معقول پیرایے میں تجارتی انداز سے کی جاتی تھی۔ دولت کی نہ ختم ہونے والی تلاش اور اس کے حصول کے آسان ذرائع نے ان لوگوں کے ضمیر مکدر کر دیئے تھے اور ان میں عام مطلق العنانی پیدا کر دی تھی۔ کلائیو نے ۱۷۶۵ء میں اپنی واپسی پر اس صوبے کی جو حالت پائی اس کا اندازہ اس کے خط سے ہو سکتا ہے۔ جو اس نے کمپنی کو لکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے:-

"ایک ایسے ملک میں جہاں روپیہ کی افراط ہو۔ جہاں ہیبت اصول حکومت ہو۔ اور جہاں آپ کے اسلحہ ہمیشہ فتحمند رہتے ہوں کوئی

باب ہشتم
فصل دوم

تعجب کی بات نہیں ہے کہ دولت کی حرص اس کے حصول کے ہر ممکن طریقے سے پیش آ جانے والے ذریعے کو دل سے لگا لینے پر مائل کرے اور استحصال بالجبر اور بے ایمانیاں ان لوگوں کا شعار بن جائیں جو ایک ناقابل مقابلہ قوت کے مطلق العنان مالکان سیاہ و سپید ہوں۔"

اس عالمگیر انحطاط اخلاق نے محاصل ملک پر بھی لازمی طور سے اثر کیا اور لامحالہ فریقین کی مالی مشکلات میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے میر جعفر اور کمپنی کی کشاکش کو زیادہ اُبھار دیا کیونکہ نواب نے کمپنی کی ان فوجوں کے لیئے روپیہ کا انتظام کرنے میں اپنی سرگرمیاں بہت کم کر دیں جن پر کمپنی کے تحکم کا دار و مدار تھا اور تنخواہوں کے بقایا میں ہولناک اضافہ ہوتا شروع ہو گیا۔

آخر کار ریزیڈنٹ بہ اجلاس کونسل نے نواب کو معزول کر کے اس خلفشار کا خاتمہ کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ میر جعفر کے دیوان یعنے وزیر خزانہ سے باہمی سمجھوتہ کیا گیا جس کی رو سے دیوان مذکور نے ضروری فوجی اخراجات کی کفالت کی پابندی اپنے اوپر عائد کی بشرطیکہ انگریز لوگ دیوان مذکور کو بجائے میر جعفر کے تخت بنگال پر متمکن کر دیں۔ چنانچہ یہ انقلاب بغیر ایک قطرۂ خون کے خوشی کے ساتھ وقوع میں آ گیا۔ لیکن کیونکہ نئے نواب نے اپنے نئے آقا کے رقوم سے زیادہ روپیہ ادا کرنے کے وعدے پر یہ حکومت حاصل کی تھی۔ اس لیئے یہ سیاست انقلاب محاصل کی حالت کو بجائے سدھارنے کے اور زیادہ بگاڑتا چلا۔ کیونکہ میر قاسم کا ایفا اس کے وعدوں سے بہت پیچھے رہ گیا اور پھر کمپنی اور ملکی حکومت کے تنازعات اور خطرناک ہوتے چلے گئے اور اس طوفان بے تمیزی کو فرو کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کی گئی جو انتظام مملکت کو روز بروز تباہ اور خزانے کو خالی کرتا چلا جا رہا تھا۔ محاصل اراضی میں برابر کمی ہوتی چلی گئی شمالی ہند کے ساتھ تجارتی تعلقات ایک دم ترک کئے گئے کیونکہ راستہ محفوظ نہیں رہا تھا اور سانگریزی کمپنی اپنے سیاسی اقتدار سے یہ کام لینے پر سرگرم تھی کہ صرف یورپ کو ہی مال کی درآمدگی

باب ششم
فصل سوم

اجارہ داری ہی پر اصرار نہ کرے بلکہ ایک نہایت غیر منصفانہ اور حد سے متجاوز کرنیوالا
دعویٰ یہ کرے کہ اس کو تمام محصول سائرات بنگال کی اندرونی تجارت کے متعلق
معاف کر دیا جائے۔ اس دعوے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کمپنی کے یورپین
اور دیسی عملے نے نواب کے اختیارات کی تحقیر کرنی شروع کی اور ان کے
کارخانے ہر وقت نواب کے محصول وصول کرنے والے افسروں سے [illegible]
آمادۂ پیکار رہتے تھے۔

آخر ان تمام تند و تیز اختلافات کا پیالہ لبریز ہوتے ہوتے چھلک گیا
کیونکہ پٹنے کے کارخانے کے افسر اعلیٰ مسٹر ایلس نے ایک نازیبا حرکت
ایسی کی کہ نواب کے ایک حملے کو اپنے کارخانے پر روکنے کی غرض سے
شہر پٹنہ پر قبضہ کر لیا۔ مسٹر ایلس نے اس مقام پر قبضہ تو کر لیا مگر وہ اس قبضے
کو قائم نہ رکھ سکا۔ اور واپسی میں اس کے تمام آدمی گرفتار کر لئے گئے۔ مگر کمپنی کی
فوجوں نے نواب کو شکست دیدی جس نے جوش مایوسی میں تمام انگریزی قیدیوں
کا قتل عام کرا دیا اور پھر وہاں سے فرار ہو کر نواب وزیر اودھ کے ہاں جا کر پناہ گزین
ہوا۔ اب کمپنی خراب حکومت کے ان خطرناک نتیجوں کو دیکھ کر ہوش میں آئی
اور اس نے اپنی بدنام کنندہ اجارہ داری کے سلسلے کو ترک کیا اور پھر ۱۷۶۳ء
میں میر جعفر کو تخت پر بٹھا دیا۔ ۱۷۶۵ء میں میر جعفر کے مرنے کے بعد [illegible] شطرنج
کا یہ تباہ کن سلسلہ عملاً اختتام کو پہنچ گیا کیونکہ اسی سال میں کلائیو ہندوستان
کو واپس آ گیا اور شاہ دہلی سے ایک فرمان حاصل کر کے ہر سہ صوبہ جات
بنگال، بہار اور اوڑیسہ کے مالی انتظام کا سلسلہ براہ راست اپنے ہاتھ میں
لے لیا اور اس کو وہ عہدہ دربار شاہی سے عطا کر دیا گیا جس کو دیوانی کہتے تھے
دیوان دراصل ہر صوبے میں شاہی خزانے کا مہتمم ہوا کرتا تھا جو امور خزانے کا
معتمد عام ہوتا تھا اور تمام ملکی اخراجات پر اس کو اعلیٰ ترین اختیارات
حاصل رہتے تھے چنانچہ کمپنی کے اس خطاب سے سرفراز کئے جانے سے
زر کی قوت تلوار کے زور کے ساتھ شامل ہو گئی اور کمپنی بلا واسطہ اور باضابطہ
ریاست کے اہم ترین صیغوں کی ذمہ دار نگران بن گئی۔

باب ہشتم
فصل سوم

فصل سوم

بیرونی سیاسیات

اب ہمکو اندرونی حالات سے قطع نظر کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بیرونی تعلقات اور ہندوستان کی عام سیاسی حالت کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ جس وقت میر قاسم نواب وزیر اودھ کے کیمپ میں پہنچا اسی زمانے میں دہلی کا برائے نام شہنشاہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ نواب وزیر اودھ کو یہ اچھا موقع نظر آیا کہ بنگال میں اس حیلے سے ایک مہم لے جائے کہ شاہی اختیارات بعض بحال کئے جائیں گے مگر دراصل اس طریقے سے جتنے اقطاع اس صوبے کے اپنی سرحد میں شامل کرسکے کرلے۔ دریائے گنگ کے کنارے بکسر کے مقام پر اس کی فوجوں کا مقابلہ کمپنی کی فوجوں سے ہوا۔ جو میجر ہکٹر منرو کی سرکردگی میں تھیں اور ایک ہی لڑائی میں اس کی فوجوں کو انگریزی سپاہ نے کامل ہزیمت دیدی۔ اور اس ہزیمت سے آخری اور ثانوی نتائج ایسے مرتب ہوئے جو بعد کو بہت ہی اہم ثابت ہوئے یہی وہ لڑائی ہے جو جنگ بکسر کے نام سے مشہور رہے اور جو ستمبر ۱۷۶۴ء میں لڑی گئی انگریزوں کی فتح سے خود شہنشاہ انگریزی کیمپ میں آگیا وزیر اودھ نہایت مرعوب ہوگیا اور کمپنی کی مسلح فوجیں بڑھتی ہوئی گنگا کو عبور کرکے بنارس اور الہ آباد تک پہنچ گئیں اور انگریزوں کے ہاتھ ایک نیا آگے بڑھا ہوا مقام ایسا آگیا جس کی زد میں وہ تمام چھوٹی چھوٹی بنگال کے شمال مغرب کی ریاستیں تھیں جن سے اس وقت پہلے پہل انگریزی محروسات کا ڈانڈا مل گیا تھا۔ اس جنگ سے انگریزوں کا شمالی ہندسے قریبی تعلق پیدا ہوگیا اور وہ ایک تازہ میدان کارزار میں آگئے جو بہت جلد

وسعت پذیر ہوتا چلا گیا ہو

اس لئے اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے وسطی زمانے کی اس وسیع اور فراخ قطعۂ ملک کی حالت کا ایک موٹا موٹا خاکہ کھینچ دیا جائے جس کو گنگا۔ جمنا اور ان کے معاون دریا سیراب کرتے ہیں جو بنگال سے بجانب شمال مغرب چل کر ہمالیہ تک جا پہنچتا ہے اور جس میں آج کل کی تین برطانوی صوبے۔ اودھ۔ ممالک متحدہ اور پنجاب شامل ہیں۔ اس تمام وسیع قطعۂ ملک میں خونریزی کا سیلاب جو اورنگ زیب کی وفات کے وقت سے اٹھا تھا۔ اپنے انتہائی چڑھاؤ پر تھا۔ اور چونکہ زوال یافتہ سلطنت مغلیہ کی بقیہ شان و شوکت کے واسطے کشاکش دارالحکومت اور صدر مقامات کے قریب زیادہ سخت تھی اس لئے آگرہ۔ دہلی۔ لکھنو اور بنارس کے گرد و پیش کے اضلاع پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے بمقابلہ ہندوستان کے دیگر اضلاع کے زیادہ جمی ہوئی اور سلسلہ وار لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ دو صدی کی جابرانہ شخصی حکومت نے تمام خود مختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں یا خاندانی جرگوں کو ان سطح زرخیز میدانوں میں جن میں ہر حملہ آور کے لئے راستہ بالکل کھلا اور غیر محفوظ تھا کنکر پتھر کی طرح پیس کر برابر کر دیا تھا چنانچہ اٹھارھویں صدی کے طوفان کی تاب مقاومت نہ لا کر جب شاہی سلطنت کی عمارت سرنگوں ہو گئی تو کوئی مقامی بند ایسا باقی نہیں رہا جو اس زمانے کے افساد و تخریب کے سیلاب کو روک سکتا۔ مرہٹے جنوب کی طرف سے ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑے اور افغان پہاڑی دروں میں ہو کر شمال کی طرف سے ہجوم کر آئے۔ اورنگ زیب کی کم سے کم تمام ہندوستان میں ایک دھاک بندھی ہوئی تھی مگر اس کی وفات کے بعد پچاس سال کے اندر مغل شہنشاہ صرف ایک قابل عظمت ذات کے پرچھاویں کی طرح رہ گیا اور رعایا نہ وزیروں اور حریص غاصبوں کے ہاتھ میں آلہ بلکہ ایک کٹھ پتلی بن گیا۔ تمام شاہی عمال اور نائب اپنے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم کرنے اور ایک دوسرے پر چیرہ دستیاں کر کے اپنے حدود کی توسیع کرنے کی فکر میں پڑ گئے ہو

ہم دیکھ چکے ہیں کہ نواب نظام الملک نے جو جنوبی صوبہ جات کے ناظم تھے دراصل

عرصے سے اپنے تئیں ایک بڑی سلطنت کا خود مختار حاکم بنا لیا تھا۔ شمال
مغرب میں سلطنت دہلی کا وزیر دریائے گنگ کے مشرق میں رفتہ رفتہ زور
پکڑ رہا تھا اور اس نے اودھ کی مملکت قائم کر لی تھی جو باوجود صدہا دور کی ہیئت کی
تبدیلیوں کے سو سال تک قائم رہی۔ روہیلکھنڈ پر چند اولوالعزم بہادروں نے
قبضہ کر لیا تھا جو افغانی نسل کے کوہستانی تھے اور روہیلے کہلاتے تھے
جاٹ قوم کے ایک دانشمند اور با اقبال سردار نے جمنا پار ریاست بھرت پور قائم
کر لی تھی۔ آگرہ مشرقی سلطنت کے ایک افسر اعلیٰ سے چھین لیا تھا۔ دہلی اور
خود بادشاہ کی ذات پر ایک دوسرے شخص نے قبضہ کر لیا تھا جو عامل
دار الحکومت سے پنجاب پر حکومت کرنے کے لئے بھیجے گئے
تھے ان کو قبضہ حاصل کرنے کے لئے حکمران کابل کے مقرر کئے ہوئے عمال
سے لڑنا پڑتا تھا اور سکھوں کی پرجوش مذہبی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے باقاعدہ
جنگ کرنی پڑتی تھی۔ غرض یہ کہ جوش پر تھے وہ خاص خاص اور زبردست
اشخاص جنہوں نے اس ملک میں قوت و حکومت کے حصوں کے لئے
زور آزمائیوں کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ لیکن سوائے سکھ قوم کے مشکل سے کوئی
اور ان میں ایسا تھا جس کے پاس کوئی مستحکم نظام۔ سیاسی اصول یا حقوق ہوں
اکثر حکومتوں کا انحصار صرف ایک سردار یا سرگروہ کی ذات پر ہوتا تھا جو غارتگروں
کے غول یا سرفروشوں کے گروہ میں اپنی سربازی و جانبازی کی وجہ سے یکایک
اعلیٰ رتبہ حاصل کر لیتا تھا اور کوئی خاص مہارت فنون حرب یا اصول سیاست
میں نہیں رکھتا تھا اور سوائے تمام سلطنت کے اس کو عام ڈاکوؤں اور رہزنوں
سے کسی طرح بھی ممیز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جس شخص کے پاس بھی زر نقد ہوتا یا اچھی
ساکھ ہوتی وہ بادشاہ کے دربار سے کسی سرکش علاقے کے محاصل وصول
کرنے کے اختیارات کا فرمان خرید کر سکتا تھا۔ اگر یہ شخص کامیاب ہو جاتا اور
جاگیرداروں کی سرکشی کو فرو کر لیتا تو یہی علاقہ اس کی ملکیت بن جاتا اور جوں جوں
اس کی طاقت بڑھتی جاتی اس کی مملکت وسعت پاکر وہ ایک عالیشان سردار
ہو جاتا اور [illegible] کسی زیادہ قابل ہمسائے کے جھنڈے کے تلے

باب ششم
فصل سوم

جمع ہو جاتے اور اس کو شکست دیدیتے تو پھر اُن کا یہی سردار اپنے فرقے کا ایک زبردست شخص بن جاتا اور اکثر کوئی چھوٹی سی ریاست یا حکمران خاندان کی بنیاد اس سے پڑ جاتی قبضۂ اراضی یا وصولی محاصل کے متعلق اس اتفاقیہ اتحاد و اختلاط اور غیر مستقل کشمکش کی علامتیں اس زمانے کے بہت عرصے بعد تک مختلف اور پیچیدہ طریقوں پر قبضۂ اراضی - مراعات حقوق یافتگان و مالکان کی صورتوں میں پائی جاتی رہیں جن سے اس قطعۂ ملک کے انگریز افسران مال کو تقسیم اراضی و بندوبست میں بے انتہا پریشانیوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا ہو

مندرجۂ صدر تشریحات سے ہمارے ناظرین کچھ اندازہ شمالی ہند کی اُس وقت کی ابتر حالت کا لگا سکتے ہیں جبکہ ۱۷۳۸ء میں مرہٹوں نے اس پر ایک جرار اور بے شمار فوج کے ساتھ فتوحات کے مخصوص منصوبے باندھ کر حملہ کیا - سلطنت مغلیہ کی حالت اس شکستہ جہاز کی سی تھی جو طوفان کے تھپیڑوں سے گھرا ہوا ہو - شاہ عالمگیر ثانی جو عرصے سے نظربند تھا اس وقت قتل کیا جا چکا تھا - اور سلطنت کی مردہ نعش کو تقسیم کرنے کے لیے چیل کووں کی طرح ہر طرف سے آزادی کے ساتھ ملکی و غیر ملکی ٹوٹے پڑتے تھے پھر جیسا کہ قاعدہ ہے اس قسم کی کشاکش اگر کچھ عرصے تک جاری رہتی ہے تو آخر میں ایک فیصلہ کن لڑائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس میں کسی عمدہ ممتاز سرداروں کی ماتحتی میں دونوں فریق جمع ہو جاتے ہیں - اس وقت بھی ایک طرف تو مرہٹے ٹڈی دل کی طرح جنوب مغرب کی طرف سے ٹوٹے پڑتے تھے اور دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے اپنے افغانی جرگوں کے ساتھ شمال مغرب کی طرف سے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے تھے چنانچہ رفتہ رفتہ ان دونوں میں سے ایک نہ ایک کے جھنڈے تلے وہ تمام خانہ ساز رئیس اور غارتگر حوصلہ مند جمع ہو گئے جو ملک کو برابر تکا بوٹی کیے چلے جا رہے تھے جب ۱۷۵۶ء میں احمد شاہ ابدالی اپنے ساتھ ایک افغانی فوج لیکر دہلی میں داخل ہوا تو اس نے بادشاہ سے وزارت کا منصب نجیب الدولہ کو دلایا

جو کہ ان چیدہ چیدہ اور سیاست داں امراء میں سے تھا جواب تک سلطنت مغلیہ کے دامن سے لپٹے ہوئے تھے اور اس نے بعد کو پیش آنے والے واقعات میں بڑا سرگرم حصہ لیا۔ لاہور میں احمد شاہ نے اپنی طرف سے حکومت کرنے کے لئے ایک عامل مقرر کر دیا تاکہ پنجاب کے نہایت اہم اضلاع پر قبضہ رکھے اور ملک افغانستان سے اس کے تعلقات آمد و رفت قائم رکھ سکے۔

شمالی ہند کو اس طرح اپنی گرفت میں رکھنے کے انتظامات مکمل کر کے جب یہ افغانی بادشاہ درہائے افغانستان کے راستے سے اپنے وطن کو چلا گیا تھا تو مرہٹوں نے اپنی مخصوص دیدہ دلیری کے ساتھ اسکی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھایا۔ اسوقت مرہٹے فتح و غارتگری کے ایک طوفان کی طرح تمام ہندوستان پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کے سیاسی اتحاد کا اعلیٰ انصرام بالاجی باجی راؤ کے ہاتھ میں تھا جو ان موروثی پیشواؤں میں سب سے قابل تھا جو دراصل وزیروں کا ایک خاندان تھا اور جس نے اپنے شاہی خاندان کو عرصے سے نظر بند کر رکھا تھا۔ ادھر تو یہ زبردست اور سیاست داں حکمراں مرہٹہ حکومت کی توسیع وسط ہند میں کر رہا تھا ادھر اس کا بھائی رگھناتھ راؤ ایک بڑی فوج لیکر شمال میں چڑھ دوڑا۔ اور اس کی مدد پر اس کے اتحادی ہلکر اور سندھیا کی امدادی فوجیں بھی ہو گئیں۔ رگھناتھ راؤ نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ نجیب الدولہ کو نکال باہر کیا اور پھر تیزی کے ساتھ اپنے لشکر و رسالوں کو لیکر لاہور پر بڑھتا چلا گیا۔ احمد شاہ نے جو عامل وہاں مقرر کیا تھا اس کو مار بھگا دیا اور پنجاب میں مرہٹہ حکومت قائم کر دی۔

گرانٹ ڈف کہتا ہے کہ اس کارنامے کو مرہٹوں کے اقتدار کی معراج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ دکن کے گھوڑوں نے دریائے سندھ کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی مگر ساتھ ہی یہ بھی امر واقعی ہے کہ یہی مرہٹوں کے اقبال کا نقطۂ رجعت و زوال تھا اور یہیں سے ان کی ترقی کے جزر کا آغاز ہوا۔ شمالی ہند پر قبضہ کرنے کی خاطر ایسی بے خوف ضرب لگانے سے وہ اپنی حد سے آگے بڑھ گئے کیونکہ یہ کارگذاری ان کو اپنے مستقر سے بہت دور کھینچ لے گئی۔ مسلمانوں کی تعداد شمال میں کثیر اور ان کے اوصاف جوانمردانہ تھے اور احمد شاہ کو

اشتعال دیگر مرہٹوں نے اپنے لیئے ایک ایسا مدمقابل کھڑا کر لیا تھا جو اُن سب متخاصمین سے زیادہ ہولناک تھا جن سے اب تک مرہٹوں کو سابقہ پڑ چکا تھا۔ ان کے دہلی پر قبضہ کر لینے سے بالائی ہند کے تمام مسلمان حکمرانوں کو اپنے خطرے کا احساس ہو گیا تھا اور اُنھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ سلامتی کی اب صرف یہی ایک صورت ہے کہ کسی زبردست جنگجو سردار کے جھنڈے کے تلے مستعد ہو کر مدافعت کے لئے جمع ہو جائیں۔ چنانچہ نجیب الدولہ نے احمد شاہ کے ماتحت ایک ایسے اتحاد کو قائم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ اور خود احمد شاہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی اس دعوت حمایت کو قبول کرنے اور مرہٹوں کے اشتعال انگیز کام سے متاثر ہونے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ چنانچہ وہ ۱۷۵۹-۶۰ء کے موسم سرما میں شمال مغربی دروں میں سے ہو کر طوفان برف و باد کی طرح پنجاب میں اُتر آیا اور اس کے ساتھ افغانستان کے تمام جنگجو حوصلہ مند بھی چل نکلے۔ ایک ہی کاری ضرب میں اس نے پنجاب پر پھر قبضہ کر لیا اور تمام مرہٹے ملکی حکام کو شمالی ہند سے مار کر نکال دیا۔ ہلکر اور سندھیا پر حملے کئے جو کچھ جنوب کی طرف ہٹتے ہوئے قتل و غارت میں مصروف تھے۔ دونوں کو یکے بعد دیگرے سخت نقصان کے ساتھ ہزیمت دی۔ دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور جنوب مشرق کی طرف برابر یلغار کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسنے دریائے گنگا پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ پیشوا نے پونا سے اپنے سب سے بڑے بیٹے بسواس دیو کی سرکردگی میں ایک جرار فوج بھیجی تاکہ اب تک جو نقصان ہو چکا تھا اس کی تلافی اور جو اضلاع ہاتھ سے نکل چکے تھے ان کی واپسی کی کارروائی کرے۔ اس فوج میں تمام دوسرے مرہٹے سردار شامل ہونے چلے گئے اور دوسری طرف تمام مسلمان اتحادی احمد شاہ کے شریک ہو گئے ؏

مبارزطلبی کے قابل موسمی اعتدال قائم ہوتے ہی دونوں لشکر بہت سے نامہ و پیام اور جنگی نقل و حرکت کے بعد جنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت میں دہلی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دوسرے کے مقابل جم گئے۔ یہ ایسی زبردست معرکے کی لڑائی تھی کہ کئی صدی تک ہندو مسلمانوں میں ایسی نہیں لڑی گئی تھی۔ اٹھائیس ہزار

باب ششم
حصہ سوم

افغانی سوار ابدالی کے ساتھ تھے اور پیدل سپاہ کو شامل کر کے خاص اُس کی فوج
اٹھتیس ہزار تک پہنچتی تھی۔ اُس میں ہندوستانی رئیسوں کے امدادی دستے بھی شامل
تھے۔ مرہٹوں کی باقاعدہ فوج میں پچھتر ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیدل تھے۔ پندرہ ہزار
پنڈارے یعنے غارت دوش لٹیرے ان کے جھنڈے کے ساتھ ساتھ تھے۔
ایک بےشمار غول مسلح ڈاکوؤں کا ان کے کیمپ میں بھرا پڑا تھا اور ان کے پاس
دو سو ضرب توپوں سے کم نہیں تھیں۔ دونوں طرف کے توپ خانوں میں سنگ اندازی
کی زبردست منجنیقیں بھی تھیں۔ پہلے پہل علی الصباح مرہٹے اپنے قلعہ بند پڑاؤ سے نکلے
اور ایسے زور و شور سے نکلے کہ اپنے جوش و خروش کے بہاؤ کے آگے
شروع میں سب کو بہا لے چلے۔ اور ایرانی بندوقچیوں، شتر سوار زنبورچیوں اور
سواروں کی صفیں توڑتے ہوئے چلے گئے۔ خاص افغانی فوج کا میمنہ منتشر
ہو گیا اور توپ خانے کی جانسوز آگ نے قلب لشکر کو بھی شکست کر دیا
احمد شاہ کا وزیر جو قلب لشکر پر متعین تھا اس نے اپنے تئیں قاش زین سے
فرش زمین پر گرا دیا اور پا پیادہ ہو کر اپنے سپاہیوں کو مجتمع کرنے کی کوشش
کی اور نعرہ مارا کہ اے مردو تمہارا وطن بہت دور ہے کہ وہاں تک فرار ممکن
نہیں۔ لیکن جنگ کا بڑھتا ہوا سیلاب خود اسے بھی بہائے لئے جاتا تھا
اور احمد شاہ غیض و غضب اور مایوسی کی حالت میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اس کو کسی طرح
نہیں روک سکتا۔ اس نازک موقعے پر برخلاف اُن بزدل نوابوں کے
جن کو انگریز جنوبی ہند میں شکستوں پر شکستیں دے رہے تھے افغانی بادشاہ
نے اپنی مردانگی و جرأت آزمائی کا ثبوت دیا۔ باوجودیکہ اس کا میمنہ شکست کھا چکا
تھا اور قلب الٹ دیا گیا۔ مگر وہ سب سے پہلے بھاگنے والوں کے
پیچھے آگیا اور یا تو ان کو روک دیا یا تہ تیغ بے دریغ کیا۔ پھر اس نے اپنی
محفوظ فوج کے ہر متنفس کو جمع کیا۔ اپنے وزیر کے پاس ایک زبردست
امدادی دستہ بھیجا اور یہ احکام بھیجے کہ لاتعداد شمشیر بکف صف آراستہ
تیغ کشیدہ ہو کر ایک ہی حملے میں اِدھر یا اُدھر کر دو۔ پھر کیا تھا۔ وزیر نے
اپنا گھوڑا سنبھالا۔ اور تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں آدمی اور جانوروں کو چیرتا ہوا

باب ہشتم
فصل سوم

طوفان کی طرح مرہٹہ لشکر کے قلب پر چڑھتا چلا گیا۔ مرہٹوں نے کچھ عرصے تک بڑی جانبازی سے مدافعت کی مگر ان کا سردار مارا گیا۔ ان کی صفیں ٹوٹ گئیں ہزارہا آدمی تہ تیغ ہوئے اور بقیۃ السیف سر پر پاؤں رکھکر بھاگے اور ان کے تعاقب میں سواروں کے غول کے غول چلے جو برابر انھیں تلوار کے گھاٹ اُتارتے چلے جاتے تھے اور راستے میں ان کے دشمن جاٹ وہ کاشتکار بن گئے جو ان کے قتل و غارت سے بہ تنگ آ گئے تھے اور ان کو جگہ جگہ قتل کرنے لگے ؎

پیشوا کو اپنے ملک شمال کے میدان کارزار والی فوج کے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ اور سخت خطرے کو محسوس کر کے وہ خود دکن سے کوچ کر چکا تھا اور دریائے نربدا تک پہنچ گیا تھا۔ وہاں اسکے جاسوس ایک ہرکارے کو ساتھ لائے جو پانی پت کے کسی ساہوکار کا خط لیکر کسی مکتوب الیہ کے پاس ملک جنوب کو جا رہا تھا پیشوا نے اس خط کو کھولا۔ اور اس نوشتۂ قسمت کے یہ الفاظ پڑھے ؎

دو موتی[1] خاک میں مل گئے۔ ستائیس اشرفیاں کھوئی گئیں اور روپے پیسے کا تو شمار و قطار ہی نہیں ہے۔

اس جامع استعارے نے پیشوا کو سیاسی۔ فوجی اور مالی وجانی روح فرسا نقصانات سے آگاہ کر دیا اور وہ اس صدمے سے جس نے شمال ہند میں مرہٹوں کی بے مستقر حکومت کو خاک میں ملا دیا تھا جانبر نہو سکا اب یہ لوگ شہروں کو لوٹ لیں۔ زبردستی کے نذرانے عائد کر دیں اور کسی صوبے پر کچھ عرصے تک حکومت بھی قائم کر لیں۔ مگر سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ معرکے کی فیصلہ کن لڑائیوں سے ہوتا ہے اور ایسی لڑائیوں میں جہاں متخاصمین دست بدست کلّہ بہ کلّہ لڑیں۔ جنوبی ہند کے غارتگروں کی یہ ہستی نہیں ہے کہ وہ شمال مغرب کے جفاکش سپاہیوں سے عہدہ بر آ ہوسکیں ؎

---

[1] اُن میں سے ایک پیشوا کا بیٹا اور ایک اُس کا چچیرا بھائی تھا۔

باب ہشتم
فصل سوم

ایشیا میں ایسی فیصلہ کن فتح کے بعد عموماً یہ ہوتا ہے کہ یا تو کوئی نیا خاندان حکومت قائم ہو جاتا ہے یا کسی وسیع سلطنت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اگرچہ تھوڑی مدت کے لیے شمالی ہند سے مرہٹوں کو بالکل صاف کر دیا گیا تھا اور ہر چند کہ احمد شاہ بھی بالکل انھی وسط ایشیا کے فاتحین کا نمونہ تھا جنھوں نے آگرہ و دہلی میں شاہی خاندان قائم کئے تھے مگر یہ ایک قابل یادگار واقعہ ہے کہ جنگ پانی پت کے نتائج اس عظیم الشان کارنامے کے شایان نہیں نکلے۔ اگر احمد شاہ پنجاب میں ایک زبردست مملکت قائم کر لیتا جس کی ایک حد دریائے سندھ کے اس پار افغانستان تک چلی جاتی اور اسی طرح افغانستان سے رابطہ بھی قائم کر لیتا اور جس کی دوسری حد جانب جنوب دہلی اور گنگا تک پہنچتی تو ہندوستان کی تاریخ اور انگریزی اقتدار کی حالت اس ملک میں بالکل ہی کچھ اور ہوتی۔ لیکن اس کی سپاہ نے جو مال غنیمت سے لدی ہوئی تھی اپنے کوہستان کی طرف واپسی پر اصرار کیا۔ اور اس کے علاوہ سرحد ایران پر اس کے مغربی صوبے بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں کے خطرے میں تھے اس طرح ان اسباب و علل کی وجہ سے شمالی ہند رفتہ رفتہ اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اس کے بعد چالیس سال تک پنجاب پھر اسی ابتری و بدنظمی کی حالت میں لوٹ آیا یہاں تک کہ اس کی حکومت کا عارضی استحکام رنجیت سنگھ کے زیر انتظام عمل میں آیا۔ احمد شاہ کی واپسی کے بعد افغانستان سے پھر چند یورشیں پنجاب پر ہوئیں۔ مگر فی الحقیقت احمد شاہ کی واپسی کے ساتھ ہی وسط ایشیا کے فاتح حملہ آوروں کا طویل سلسلہ عملاً منقطع ہو گیا اور یہ تقریباً وہ وقت تھا جبکہ سمندر کی طرف سے آنے والے فاتحین نے بنگال میں اپنی قوت مستحکم کر لی تھی۔

165
75
240

باب نہم

مرہٹے اور میسور

فصل اول

لارڈ کلائیو کا اصول عمل بنگال میں

پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ مرہٹے باوجود اپنی پانی پت کی شکست کے پھر بھی ہندوستان کی تمام مقامی دول میں سب سے زیادہ مستعد اور سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ مگر چونکہ مسلسل دست درازی کی حرص اور مسلمانوں کے ساتھ دائمی خصومت گویا ان کے اصول عمل میں شامل ہوگئی تھی اس لئے ان کی غارتگرانہ یورشوں کے عالمگیر خطرے نے تمام دوسرے رئیسوں اور سرداروں کو خصوصاً مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں متحد کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ انگریزوں کے واسطے بہت مفید نکلا کیونکہ جو لوگ مرہٹوں سے نفور تھے وہ انگریزوں کی طرف جھکنے لگے۔ نواب وزیر اودھ جو اس زمانے میں بالائی ہند کا سرآوردہ رئیس ہو گیا تھا اور جس کو بنگال پر حملہ کرنے کی دوسری کوشش میں پھر انگریزوں نے ۱۷۶۵ء میں شکست دے دی تھی اب کمپنی کے ساتھ اتحاد کرنے پر بہت ہی میلان ظاہر کر رہا تھا۔ لارڈ کلائیو کے مراسلات سے جس عمیق نظری

باب نہم
فصل اول

اور حقیقی معاملہ فہمی کا ثبوت ملتا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ایک بہادر سپاہی ہی نہیں تھا بلکہ ایک قابل مدبر بھی تھا۔ اب کی دفعہ جو وہ ۱۷۶۵ء میں ہندوستان میں آیا تو اس کو کامل اختیارات اندرونی انتظام کے اور ہندوستان میں امن قائم رکھنے کے انگریزی گورنمنٹ سے مل چکے تھے ہندوستان آ کر اس نے دیکھا کہ حکومت کے سرچشمے بے ضابطگی اور بے ایمانی کی وجہ سے رُکے ہوئے ہیں۔ اس نے نہایت استقلال کے ساتھ اول موٹی موٹی برائیوں کو رفع کیا۔ انتظام کی تدوین پھر قابلِ تعریف قابلیت کے ساتھ کی۔ اور حکمت عملی کی دو کارگزاریوں سے اس نے انگریزی سلطنت کا استحکام انگریزی محروسات کے اندر کر لیا۔ اور اس کے تعلقات کو بیرون برطانوی محروسات کے ساتھ ضابطے کا پابند کر لیا۔

ان میں سے پہلی کارگزاری تو یہ تھی کہ اس نے کمپنی کے واسطے دیوانی کا حق حاصل کیا۔ یہ حق شاہ دہلی نے بڑی خوشی سے اس شرط پر دیدیا کہ کمپنی بنگال کے محاصل میں سے چھبیس[۲۶] لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کو دیا کرے اور گنگا پار کے دونوں ضلعے بادشاہ کے حوالے کر دئے جائیں اور اسکے بدلے میں ان صوبوں کے محاصل کمپنی وصول کرے اس طرح کمپنی کے قبضے میں تمام تحصیل پورے صوبے کی آ گئی۔ اور اس کی حیثیت ایک کارکن تجارتی جماعت کے مسلح سرداروں سے بدل کر فوراً ذمہ دار منتظم افسروں کی جماعت میں تبدیل ہو گئی۔ اور اس ملک میں جو تمام دنیا میں بدنام کرنے والی کارروائیاں چوری۔ غبن۔ دغا اور فریب کی ملک بھر میں دھڑلے سے ہو رہی تھیں ان کا استیصال خود کمپنی کی اغراض کے لحاظ سے ضروری ہو گیا۔ اس ترکیب سے ان آے دن کے جھگڑوں کا بھی ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہو گیا جو بنگال کے خاندانی حق جتانے والے نوابوں اور کمپنی کے اختیارات استعمال کرنے والے کارکنوں میں ہوا کرتے تھے اسی زمانے کے بعد کلایو نے ایک مراسلے میں لکھا تھا کہ:۔

"اب وہ وقت آ رہا ہے جبکہ کمپنی کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم سوداگروں کی حیثیت سے رہیں اور ملکی حکومت کے نام سے دست بردار ہو جائیں

باب نہم
فصل اول

اور ان ستون کے آگے گردن جھکا لے رہیں یا اپنے حقوق و مقبوضات
کی حفاظت و حمایت میں تلوار اُٹھائیں۔ بہرحال یہ طے کرلینا
ہے کہ دونوں میں سے کونسی صورت ہمارے لئے
زیادہ مفاد کی ہے۔"

غرض یہ کہ کلائیو کا صاف منشا یہ تھا کہ کمپنی کو علانیہ زمام حکومت اپنے اختیار میں لے لینی چاہئے اور اس کا یہ فیصلہ نہایت صحیح تھا کیونکہ اور کسی طرح انگریزوں کی حیثیت برجا و مستقل نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ کیسے اور کب تک ممکن تھا کہ ہر وقعہ اپنی ہستی و حیثیت قائم رکھنے کے لئے مقامی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا یا جب کبھی حکومت کے کل پرزے ڈھیلے ہوجاتے تو انقلاب برپا کیا جاتا۔ اس لئے چونکہ اپنے انصرام کے اختیارات کمپنی کسی دوسرے کو اطمینان کے ساتھ تفویض نہیں کرسکتی تھی مجبوراً اس کو تمام ملکی انتظام اپنے ہی ہاتھ میں لینے کی ضرورت تھی۔

کلائیو کی دوسری کارگزاری اودھ کے ساتھ ایک اتحاد کی بنیاد قائم کرنی تھی۔ ۶۵-۱۷۶۴ء کی لڑائی میں نواب وزیر اودھ کو بُرا دن دیکھنا نصیب ہوا تھا کیونکہ انگریزی فوجوں نے اس کا زبردست قلعہ الہ آباد فتح کرلیا تھا اور اس کو اپنے دارالحکومت لکھنؤ کو چھوڑ کر فرار ہونے پر مجبور کیا تھا۔ اور اس نے مرہٹوں کے پاس جاکر پناہ لی تھی۔ اب یہ بالکل کمپنی کے اختیار میں تھا کہ یا اپنے فاتحانہ حقوق کو کام میں لاکر اس کے بعض ان اضلاع پر قبضہ کرلیتی جو شمال مغربی سرحد پر واقع تھے۔ وزیر کو اپنی اغراض کا معین و مددگار بنانے کے لئے اس کو اپنے اس قطعۂ ملک کی حکمرانی پر بازبحال کردیتی جس پر اپنے مذہب حقوق کے اعتبار سے حکومت کررہا تھا اور جس سے اس کو آسانی سے محروم کیا جاسکتا تھا۔ لارڈ کلائیو نے بلا تامل اس دوسری صورت کو اختیار کیا۔ اس نے اودھ کے تمام اضلاع نواب وزیر اودھ کو واپس دیدیئے اور اس کی وجہ یہ قائم کی کہ سلامت روی اور حکمت عملی کا مقتضا یہ تھا کہ کمپنی کے مقبوضات کی حدود کو اب زیادہ وسعت نہ دی جائے۔ کلائیو لکھتا ہے کہ:۔

باب نہم
فصل اول

"میرے اس فیصلے اور رویے نے بہت سے اصحاب کی امیدوں کو پست کر دیا ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ فتح الہ آباد کے بعد میں شاہ دہلی کو ساتھ لیکر سیدھا دہلی پر حملہ کروں گا۔ مگر میری تجویز اب تک یہی رہی ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گی کہ ہم اپنے حمایتوں کو۔ اپنی فتوحات کو اور اپنے مقبوضات کو صرف بنگال۔ بہار۔ اور اڑیسہ تک محدود رکھیں۔ میری رائے میں ان حدود سے بڑھنے کا ارادہ کرنا۔ ایسا حریصانہ۔ احمقانہ۔ اور متجاوزانہ منصوبہ ہے جس کو کوئی سمجھدار گورنر یہ اجلاس کونسل نہیں اختیار کرنا چاہے گا تاوقتیکہ پہلے کمپنی کی مقررہ اغراض کے تمام نظام کو بالکل ہی نئے سرے سے نہ ترتیب دے لیا جائے"

غرض یہ کہ کلائیو نے یہ طے کر لیا کہ اودھ کو بحیثیت ایک دوستانہ سلطنت کے قائم رکھا جائے اور زبردست بنا یا جائے تاکہ بنگال اور شمالی ہند کے درمیان حد فاصل کا کام دے سکے۔ چنانچہ اگست ۱۷۶۵ء کا صلحنامہ معاملت اسی اصول پر مرتب کیا گیا اور لارڈ کلائیو اسی اصول پر اس سرحد کی خارجی پالیسی اس صدی کے آخر زمانے تک قائم رہی۔

یہ واضح رہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس نازک زمانے میں انگریزوں کے معاملات کی رہنمائی کا کام ہندوستان میں تھا ان کی اصلی غرض یہ تھی کہ کمپنی کے مقبوضات کی توسیع کو ایک خاص حد تک محدود کر دیں۔ فتوحات کے منصوبے پر سخت لگام لگا دیں اور دیسی رئیسوں کے ساتھ ایسے تمام تعلقات سے اپنا دامن بچاتے رہیں جن سے غیر ملکی جنگ بازی کی نوبت آنے کا اندیشہ ہو۔ مگر جیسا کہ بعض مورخوں کا خیال ہے اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ کمپنی کو اپنی منزل مقصود ہی کی خبر نہیں تھی بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت جو حیثیت کمپنی کو حاصل تھی اس کا لازمی نتیجہ اور اس کا مقتضا جو کچھ ہو سکتا تھا اس کو انگریز مدبروں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ انگریزوں کے سامنے جو مستقبل اس وقت تھا اس پر غور کرنے والوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سلطنت مغلیہ کے

باب ۶ نمبر
فصل اول

منتشر اجزا اس وقت بہ مجتمع و مستحکم قوت کی طرف کشش سیاسی کی وجہ سے کھنچ جانے کو تیار رہیں اس لئے اگر کمپنی اپنی اغراض تجارت کو ترک کر کے سلسلۂ فتوحات ہاتھ میں لے لے اور سلطنت مغلیہ کے زوال سے جو وسیع میدانِ عمل بے سر و لاوارث پڑا ہے اس پر ایک سلطنت کی بنیاد قائم کرنی چاہئے تو جگہ تعمیر کے واسطے بالکل خالی تھی اور کام کرنے والے کے واسطے ہر طرح کی آسانی تھی سنہ ۱۷۶۲ء میں فتح بکسر سے پہلے کلکتہ کی کونسل نے ایک تجویز انگلستان کو واں منظوری کے لئے بھیجی تھی کہ شاہ دہلی کے ساتھ ایک انگریزی فوج بھیجکر اس کو پھر تختِ دہلی پر متمکن کر دیا جائے اور اس طرح انگریزی اثر تمام بالائی ہند پر قائم کر لیا جائے۔ اور سنہ ۱۷۶۴ء کے بعد جب انگریزوں کی فوجیں نواب وزیر اودھ کو شکست دیکر بنگال سے بہت آگے نکل گئیں تو کلائیو نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اب سے جو قدم اُٹھایا جائے گا وہ انگریزوں کو ایسے میدانِ عمل میں لا کھڑا کرے گا کہ پھر وہاں سے واپسی کا امکان نہیں رہے گا۔ اس نے سنہ ۱۷۶۵ء میں لکھا تھا کہ

> اس وقت ہم اس نازک موقع پر پہنچ گئے ہیں جس کا مجھکو عرصے سے انتظار تھا۔ وہ موقع جو ہمکو یہ طے کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اب ہمکو سب کچھ اپنے سر لے لینا چاہئے یا نہیں۔ جعفر علی خاں نواب بنگال مر چکا ہے اور اس کا ناجائز بیٹا ابھی نابالغ ہے۔ شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ اپنی مملکت سے ہزیمت کے بعد نکال دیا گیا ہے۔ اور اس کی مملکت ہمارے قبضے میں ہے اور یہ کہنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ کل کے دن تمام سلطنت مغلیہ ہمارے ہی قبضے میں ہو سکتی ہے۔ ملک کے باشندے کسی پیمان وفا کے پابند نہیں ہیں اور نہ ان کی فوجیں ہماری فوجوں کی طرح قواعد داں یا وقت پر تنخواہ پانے والی ہیں۔ اور ان میں اچھے افسر بھی مفقود ہیں پھر اس میں شبہ و شک

باب نہم
فصل اول

کی کیا گنجائش ہے کہ ایک زبردست انگریزی فوج ہمکو ایسا حاکم وقت بنا سکتی ہے جس سے تمام دیسی رؤسا ہی مرعوب نہیں رہیں گے بلکہ جو ایسا زبردست اور ناقابل مقابلہ ہو جائے گا کہ کوئی فرانسیسی ڈچ یا دوسرا دشمن اس کے سامنے آتے ہوئے ڈرے گا؟

یہ نفیس اور صحیح خاکہ جو کلائیو نے آئندہ کے ممکنات کا کھینچا تھا اور جس سے حتی الامکان پہلو بچانے کا اپنے مالکوں کو مشورہ دیا تھا صرف کلائیو ہی کے دماغ میں نہیں آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ کی ڈوتاریخ ہندوستان سے ان آخری الفاظ کے اقتباس کا بھی مقابلہ کر کے دیکھنا چاہئے جو ۱۸۰۳ء میں اس مورخ نے لکھے تھے اور جس سے ناظرین کو اچھی طرح ثابت ہو جائیگا کہ معاملہ فہم اور سنجیدہ دماغوں نے بھی امکان توسیع کے متعلق کیسی قطعی رائے قائم کر لی تھی۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ہم نے چند الفاظ میں موجودہ ہندوستان کی عام حالت کا ایک خاکہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ جو کچھ ہم کہہ چکے ہیں اس سے یہ واضح ہو سکتا ہے کہ یہ تمام لمبا چوڑا ملک ایک مٹھی بھر قواعد دال فوج کے ذریعے سے قبضے میں کیا جا سکتا ہے۔ دس ہزار گورہ فوج مع اس تمام ہندوستانی فوج کے جو اس وقت کمپنی کے پاس ہے صرف ہندوستان کو فتح کر لینے کے لئے ہی کافی نہیں ہے بلکہ اگر مناسب حکمت عملی برتی جائے تو مدتوں تک تاج برطانیہ کے ساتھ یہ نگین قائم رہ سکتا ہے۔ جو لوگ ہندوستان کے باشندوں کی طبعی اور فطری خصوصیات سے واقف نہیں ہیں انھیں یہ صورت حالات ایک معما کی طرح نظر آئے گی مگر جن لوگوں نے ان خصوصیات کا بہ غور مطالعہ کیا ہے ان کو یہ معاملہ صرف قابل عمل ہی نہیں بلکہ آسان معلوم ہوتا ہے"

اور ایسا ہی آسان یہ معاملہ نکلا بھی۔ کیونکہ ڈو کی سیاسی نظریات نے

باب پنجم
فصل اول

لفظ بہ لفظ عملی صورت اختیار کی اگرچہ اس کا فوجی قوت کا تخمینہ جو اس نے جنوبی ہند اور بنگال کے تجربے کے مطابق کیا تھا کم ثابت ہوا اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جو لوگ سیاسی معاملات پر رائے زنی کی اہلیت رکھتے تھے ان کی نظر میں انگریزوں کی قوت اس وقت ایسی زبردست ہو چکی تھی کہ کوئی ویسی حکومت ان کو کامل خود مختارانہ اقتدار حاصل کرنے سے روک نہیں سکتی تھی۔ یہ اہم ان کے امکان میں تھی بشرطیکہ کوئی دوسرا غیر ملکی رقیب پھر خلل انداز نہ ہوتا یعنی سب سے اہم رکاوٹ یہ تھی کہ پھر اس خالی میدان میں کسی دوسرے یوروپین رقیب یا وسط ایشیا کے کسی زبردست حملہ آور کا بالائی ہند میں نمودار ہو جانا ممکن نہ تھا اور دراصل اگر انگریز ابھی ساحل سے بہت ہی کم آگے بڑھے تھے وہ اپنے قدموں کو شمالی ہند میں مستحکم طور پر جما لیتا۔ لیکن سمندر پر سے آنے والے خطرات کا تو فرانسیسیوں کے قدم اکھڑ جانے کی وجہ سے اس وقت سد باب ہو چکا تھا اور افغانستان میں سے ہو کر آنے والی ان یورشوں کا راستہ بھی تیزی سے بند ہوتا جا رہا تھا جو دو ہزار سال تک اسکندر اعظم کے وقت سے شروع ہو کر احمد شاہ ابدالی کے زمانے تک جاری رہی تھیں احمد شاہ نے امیروں کا وہ خاندان قائم کر لیا تھا جو ڈیڑھ سو سال سے ان جرگوں اور قبیلوں کے مجموعے پر حکومت کرتے چلے آ رہے ہیں اور جو افغانستان کی وادیوں اور پہاڑوں میں بستے ہیں۔ یہ ناہموار سنگلاخ ملک دریائے جیحون اور شمال مشرقی ایران کی طرف سے ہندوستان پر آنے والے تمام حملوں کے راستے بند کئے ہوئے ہے۔ یہ آزاد و جنگجو قوموں کا ملک ہے اور اس قدر قوت رکھتا ہے کہ کوئی مہذب قوم اس پر حملہ کرے تو اسے چاہئے کہ حملے سے پہلے کامل غور و فکر کر لے لیکن نہ ان کے وسائل ایسے زبردست ہیں نہ ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ سوائے عارضی چھیڑ چھاڑ کے کوئی زیادہ نقصان محفوظ و مستحکم سرحد کو پہنچا سکیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت بیرونی حملوں کے مقابلے میں ہندوستان کے

باب نہم
فصل اول

شمال مغربی دروازوں پر دوہرا قفل پڑنے والا تھا۔ ادھر افغانستان کی خودمختار ریاست نے وسط ایشیا سے ہندوستان پر آنے والی تمام یورشوں کے مقابلے میں دیوار آہنی کا کام دیا کیونکہ یہی وہ راستہ تھا جو یہ یورشیں اختیار کرسکتی تھیں اور ادھر خود افغانی بھی ہندوستان پر یورش کرنے سے ایک عرصے تک کے لئے سکھوں کی وجہ سے رکے رہے سکھوں کا جو ہندو مذہب کی ایک شاخ ہیں اس سرعت کے ساتھ وسعت و قوت حاصل کرنا اُس قلب ماہیت کا ثبوت ہے کہ کس طرح ایشیا میں محض تبدیل مذہب کی تحریکات بہت جلد جنگی و سیاسی رنگ اختیار کرلیتی ہیں — یہ دونوں رنگ دراصل کچھ لازم و ملزوم سے بھی ہیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احیا ر مذہب کے جھنڈے تلے بہت سے سیاسی شورش پسند جمع ہو جاتے ہیں اور ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ ملکی شورشیں جب اپنا علم بلند کرتی ہیں تو مذہبی حمیت کا نام اس کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آخری زمانے تک سکھ مذہب کے فدائی جن کو اسلام سے مجنونانہ خصومت تھی اور جنھوں نے اپنے مسلمان حکمرانوں سے علانیہ اظہار بغاوت کیا تھا ایک ایسی زبردست برادری کی صورت میں مجتمع ہونے لگے جس نے اپنی مردانہ جنگی قابلیتوں اور سریع السیر سیاسی ترقیوں کی وجہ سے نبردآزما سپہ سالاروں کی ماتحتی میں اپنی قوت کو تمام بالائی ہند میں ستلج سے سندھ تک پھیلا دیا۔ اور اس طرح سکھوں نے ایک دوسری اندرونی دیوار وسط ایشیا کے حملوں کے مقابلے میں کھڑی کردی جس کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کا بیرونی دنیا کے مسلمانوں سے بالکل قطع تعلق ہوگیا۔

دریائے ستلج سے نیچے جنوب مشرق کی طرف کچھ دور ہٹ کر مسلمان ریاستوں کا ایک منطقہ سا بنا ہوا تھا جو دہلی سے شروع ہوکر لکھنؤ سے آگے تک نکل گیا تھا اور جس میں گنگا اور جمنا کے تمام زرخیز وسطی اضلاع شامل تھے۔ لیکن ان سب کو شمال کی طرف سے سکھوں کا ادبر

باب نہم
فصل اول

مغرب کی طرف سے مرہٹوں کا ہر وقت خدشہ لگا رہتا تھا۔ ان تمام ریاستوں میں سے مملکت اودھ سب سے بڑی تھی جس کے حدود کمپنی کے بنگالی مقبوضات کے تمام شمال مغربی خط سے ملحق تھے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ۱۷۶۵ء میں اودھ کے ساتھ لارڈ کلایئو نے ایک معاہدۂ اتحاد قائم کیا تھا۔ ادھر نادار مغل بادشاہ کو محاصل بنگال میں سے ایک معقول حصہ دے کر راضی کر لیا تھا اس لئے انگریزوں کو ان دونوں کی طرف سے فی الحال کوئی ڈر نہیں تھا۔ اسی طرح ان تمام ہندو اور مسلمان ریاستوں کی ملکی رقابتوں اور مذہبی خصومتوں نے شمال مغربی ہندوستان میں ایک توازنِ قوت قائم کر دیا تھا اس کے ساتھ لارڈ کلایئو کے مدبرانہ معاہدوں نے ملکر سرحد بنگال کو چالیس سال تک انگریزوں کے واسطے بلا دغدغہ و خرخشہ محفوظ و مامون رکھا۔

فصل دوم

مرہٹے اور حیدر علی جنوب ہند میں

۱۷۶۵ء جس میں ہم نے اس طرح استقلال کے ساتھ بنگال میں قدم جمائے ہماری توسیع مملکت کے اعتبار سے ہماری ترقیوں کی آخری منزل بن گیا۔ لارڈ کلایئو انگریزی مقبوضات اور فتوحات کو صرف بنگال کے ساتھ وابستہ رکھنے کے ارادے میں اس حد تک کامیاب ہوا کہ اس صدی کے آخر تک اس کے مقررہ حدود تقریباً بالکل آگے نہ سرک سکے یہاں تک مرہٹوں کے شمالی ہند کے میدانوں میں گھس پڑنے سے توازن طاقت درہم برہم ہو گیا جس کی وجہ سے انگریز اب تک اپنی سرحد کی طرف سے بے فکر تھے۔ مگر یہ وقفہ بھی انگریزوں کے لئے امن و سکون کا زمانہ نہ تھا بلکہ برابر کوئی نہ کوئی آویزش ہوتی رہتی تھی

باب نہم
فصل اوّل

جس سے انگریزوں کے وسائل پر سخت اثر پڑتا تھا اور بعض اوقات ان کی مملکت
پر جان کندنی کا عالم طاری ہوجاتا تھا۔ مگر ۱۷۶۵ء کے بعد اس منظر نے نقل مکان
کیا۔ یعنے دیسی طاقتوں کے مقابلے میں انگریزوں کے جنگی زور کو پھر مدراس اور
بمبئی کی طرف واپس آنا پڑا۔ اور سیاسی ضروریات کا مرکز تھوڑی مدت کے لئے
جزیرہ نما کے جنوبی حصے اور مغربی سواحل پر ہٹ آیا۔ چنانچہ وسط ہند میں
مرہٹوں سے اور میسور میں مسلمان حکمرانوں سے انگریزوں کا وہ تصادم شروع
ہوا جس کی وجہ سے ان کی توسیع مملکت رک گئی بلکہ کچھ رجعت قہقری کرنے لگی
ان دونوں طاقتوں کی خصوصیات اور ان کی پرداخت کے ڈھنگ نے ان کو
ان تمام متخاصمین میں سخت ترین ثابت کیا جن سے اب تک انگریزوں کا ہندوستان
میں سابقہ پڑچکا تھا۔ ہندوستان میں جو گزشتہ تیس سال سے برابر رزم آرائیاں
ہوتی رہی تھیں ان کی مزاولت سے اور جو مہتم بالشان ثمرات تلوار کے زور سے
حاصل ہوسکتے تھے ان کے شوق سے اس زمانے کے میدان عمل میں متخاصمین
کا ایک بہت زیادہ زبردست طبقہ پیدا ہوگیا تھا۔ مقابلہ ان نبرد آزماؤں کے
جن کو زوال سلطنت مغلیہ کے وقت محض موروثی حقوق یا اتفاقات پہلی صف
میں کھڑا کردیتے تھے۔ اس زبردست طبقے میں سے حیدر علی حکمران میسور تھا
اس شخص نے اپنی زبردست فطری لیاقت۔ جنگی معاملہ فہمی زر آشنا سپاہیوں کو
قابو میں رکھنے کی قابلیت اور اپنے تہور کی وجہ سے اپنے مشہور پرچم اقبال
کے تلے جانبازوں کا ایک بڑا گروہ اکٹھا کرلیا تھا۔ اسی طبقے میں وہ سردار
یا سرگروہ تھے جن کے تحت تصرف میں مختلف قوم جماعتیں یا جنگی برادریاں تھیں
مثلاً مرہٹے۔ بھرتپور کے جاٹ۔ پنجاب کے سکھ اور روہیلکھنڈ کے روہیلے
جو سب کے سب مشترک قومیت۔ مذہب یا ملک کے حقیقی یا اختیاری
تعلقات سے بندھے ہوئے تھے اور جن کو جارحانہ یا مدافعانہ منصوبوں نے
ایک مستحکم اتحاد ملکی یا قومی کی صورت عطا کردی تھی۔ ایسے گروہوں کے واسطے
اندرونی اختلافات و تنازعات کی وجہ سے کمزور پڑجانے کا احتمال تھا مگر چونکہ
اپنی زاد بوم کے ساتھ ان کو ایک حقیقی تعلق تھا اور جمہور کے اتفاق کی وجہ سے

باب نہم
فصل دوم

وہ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ تھے اس لئے ان میں اعلیٰ درجے کی قوت عمل اور زبردست قوت مقابلہ ایسی موجود تھی جو حیدر علی جیسے حوصلہ مند نبرد آزما کی ان فوجوں میں بھی نہیں تھی جن کے ساتھ ہماری جنوبی لڑائیوں کا سلسلہ پہلے شروع ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ نبرد آزما سرفروشوں کو جو کسی قابل سردار کی سرکردگی میں ہوں ایک ہی جنگ میں شکست دینا ذرا مشکل ہوتا ہے لیکن آگے چل کر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس سے بھی زیادہ دقت و دشواری کا کام انگریزوں کو کرنا پڑا ہے یعنی ان کو جتنی ایسی لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں جن کو در اصل سخت اور زبردست کہا جا سکتا ہے وہ سب ان فوجوں کے مقابلے میں پیش آئی ہیں جو باعتبار اپنی قومی یا مذہبی یا دیگر خصوصیات کے ایک ہی جماعت سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً مرہٹے یا سکھ یا جاٹ یا افغانی۔

نہایت ہی پس و پیش کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی تسخیر بنگال کے بعد پھر ایک مرتبہ سیاسی کارگزاری یا جنگی کارروائی کے راستے پر چلنے کے لئے تیار ہوئی ۱۷۶۸ء میں کلکتے کے پریزیڈنٹ کو لندن کے ناظموں نے ایک خط لکھا تھا اس کے مندرجہ ذیل جملے قابل لحاظ ہیں۔

"بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کی دیوانی ہماری انتہائی غایت ہندوستان کے اس حصۂ ملک میں ہے ساحلی علاقے میں کرناٹک کی حفاظت اور شمالی سرکار کا قبضہ۔ بمبئی کی طرف بمبئی کے علاقہ جات مع سالسٹ بسین کے اور قلعہ سورت پر ہم کو اکتفا کرنا چاہیئے۔ اگر ہم ان حدود سے آگے بڑھیں گے تو ہم کو ایک تسخیر کے بعد ہی دوسری پیش آجائے گی یہاں تک کہ سوائے تمام ہندوستان کو تسخیر کر لینے کے ہمارے لئے چارہ کار نہیں رہے گا اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمیں اپنی فوجی قوت تقسیم کرنی پڑے گی اور پھر ہم کو تمام ملک سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور پھر ہندوستان سے ہمارا نام و نشان مٹ جائے گا۔"

یہ خط ہندوستان سے اس خبر کے جانے پر لکھا گیا تھا جس سے

باب نہم
فصل اول

جماعت نظار کو بہت خدشہ پیدا ہو گیا تھا اور جو بہت کچھ ان کی ناراضگی کا باعث ہوا تھا۔ اگرچہ فرانسیسیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا گیا تھا مگر انگریزوں کی حیثیت جنوب مشرقی سواحل پر محفوظ نہیں تھی۔ بنگال میں انگریزوں کو اندرون ملک میں ایک زرخیز صوبے کا مالک تسلیم کر لیا گیا تھا۔ سمندر کی طرف سے انھیں کسی حملے کا خطرہ نہیں تھا اور ان کی خشکی کی سرحد ان کے اتحادی شاہ اودھ کی سلطنت کی وجہ سے محفوظ حالت میں تھی۔ لیکن مدراس میں انگریزی محروسات ساحلی علاقے پر پھیلی ہوئی تھیں اور خشکی کی طرف ان کی سرحدیں ان غیر مستقل زیر حراست ریاستوں سے ملی ہوئی تھیں جو سب مل کر کرناٹک کی ریاست کو ترتیب دیتی تھیں اور جن کا حکمران انگریزوں کے حق میں اعتبار کے قابل نہ تھا۔ دو زبردست اور جنگجو ہمسائے یعنے حیدر علی اور مرہٹے انگریزوں کی سرحد پر منڈلا رہے تھے اور صرف ریاست حیدر آباد انگریزوں کی دوست تھی۔ مگر وہ بھی اس وقت پریشانیوں میں مبتلا سیاسی اعتبار سے کسی قدر تذبذب کی حالت رکھتی تھی۔

حیدر علی ایک سپاہی کا بیٹا تھا جو زر آشنا سرفروشوں کے گروہ میں سے ترقی کر کے ایک چھوٹے سے دستے کا سردار ہو گیا تھا۔ اور خود حیدر علی نے معمولی ترکیب سے عروج حاصل کیا تھا کہ کبھی اپنی فوج کو ایک رئیس کی خدمت میں مصروف کارزار کرتا کبھی دوسرے کی اور آخر کار اس نے اسی فوج سے اپنے حوصلے کے موافق اپنی خودمختاری کے حصول کے لئے کام لیا۔ اسی طرح وہ ایک زبردست نبرد آزما مشہور ہو گیا تھا۔ اور بدنور کو فتح کر کے اس کے قبضے میں بہت سا زر و مال بھی آ گیا جس کے بعد ہی میسور کی قدیم ہندو ریاست پر جو مدراس سے ٹھیک مغرب کو واقع ہے قبضہ کر لیا۔ میسور سے اس نے اپنی فتوحات کو اور آگے ساحل مالابار تک بڑھا لیا اور اس کے بعد اسوقت جنوبی ہند میں جہاں اس کا موقع پڑتا تھا وہیں وہ قبضہ کر لیتا تھا۔ اگرچہ اس کے اکثر ہمسائے بھی انھی دست درازیوں میں مصروف تھے مگر اس کی اعلیٰ قابلیت و ہمت نے ان سب کو ڈرا رکھا تھا۔ مرہٹے اور ریاست حیدر آباد کا

باب نہم
فصل دوم

شمار اُس کے خاص دشمنوں میں تھا۔ مرہٹوں کے ساتھ اُس کے چند معرکے بھی ہو چکے تھے اور ممالک محروسہ حیدرآباد کے بعض مقامات پر اُس نے قبضہ کرنا بھی چاہا تھا۔ خاص میسور سے اُٹھکر کرناٹک پر چڑھائی کی دھمکیاں دینی بھی شروع کر دی تھیں جس کی حفاظت کا مدراس گورنمنٹ کو خاص طور پر خیال و لحاظ تھا۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ لارڈ کلائیو نے شاہ عالم سے ایک باضابطہ عطیہ پنج سرکار ایک فرمان کے ذریعے سے حاصل کیا تھا۔ یہ وہ پانچ سرکار تھے جو مدراس سے جانب شمال واقع تھے اور جو نواب نظام الملک نے فرانسیسیوں کو عطا کر دیے تھے مگر ان میں سے ۱۷۵۹ء میں انگریزوں نے بسی کی فوج کو مار کر نکال دیا تھا۔ ایسے عطیے میں اس شہنشاہ کا کیا خرچ ہوتا تھا جس کے اختیارات اس علاقہ میں محض برائے نام رہ گئے تھے لیکن اگرچہ یہ اضلاع فرانسیسیوں کے قبضے سے نکلنے کے بعد سے انگریزوں کے تصرف میں تھے مگر نواب نظام الملک کی طرف سے وہ باضابطہ انگریزوں کے سپرد نہیں کئے گئے تھے۔ بہرحال بادشاہ کے ساتھ اس طرح کا داد و ستد کر لینا ریاست حیدرآباد کو ناگوار گزرا اور گزرنا بھی چاہیے تھا۔ مگر چونکہ اس ریاست کو اس وقت ایک طرف مالی مشکلات درپیش تھیں دوسری طرف حیدرعلی کی طرف سے بھی کھٹکا تھا اس لئے مدراس گورنمنٹ نے ایک معاہدہ کر کے ریاست حیدرآباد کو جلد مطمئن کر دیا۔ اس معاہدے کے ذریعے سے انگریزوں نے نہایت مبہم الفاظ میں بحالت جنگ ریاست حیدرآباد کو مدد دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے ساتھ انگریزوں نے ایک غارتگر مرہٹہ سردار سے بھی ایک دوستانہ معاہدہ کیا جس نے اپنے دس ہزار سوار معاوضۂ خدمت لیکر نواب نظام الملک کو مستعار دیے تھے۔ ان معاہدوں پر دستخط ہو ہی چکے تھے کہ حیدرعلی نے ایک جرار لشکر حیدرآباد کی حدود میں اُتار دیا اور نواب نظام الملک نے از روے معاہدہ انگریزوں سے کمک کا تقاضا کر کے مدراس سے انگریزی سواروں کا ایک دستہ حاصل کیا۔ مگر ادھر اس مرہٹہ سردار نے میسور کے اضلاع کو بے اختیار خود لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حیدرعلی نے روپے کے زور سے اسے راضی کر لیا

باب نہم
فصل دوم

اور اس نے چپکے سے اپنے گھر کا راستہ لیا کہ کہیں نواب نظام الملک بیچ میں مزاحم
ہنوں اس کے بعد نواب نظام الملک نے مدراس کی فوج کو ساتھ لیکر میسور کی طرف کوچ
کیا لیکن بجائے لڑائی ہونے کے فریقین میں مصالحت ہوگئی اور کمپنی کی فوج سے
مقابلہ ہونے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نواب نظام الملک اور انگریزوں میں ایک
علیحدہ معاہدہ ہوگیا - اور لڑائی کا سلسلہ صرف حیدر علی کے ساتھ جاری رہا
جو بہت ہی جلد ایسا ہوشیار اور سرگرم مدمقابل ثابت ہوا کہ انگریزوں کے
جنگی تجربے میں ابتک کوئی دیسی رئیس ایسا نہیں آیا تھا -

اس فوج کشی کا انتظام مدراس سے نہایت ناقص ہوا۔ فوج کے
افسر اعلیٰ کی حرکات کی نگرانی کرنے کے لئے فوجی منیب مقرر کئے گئے تاکہ وہ
اسکی نقل و حرکت کی نگرانی کرسکیں اور رسد رسانی کے لئے بے ایمان ٹھیکہ دار
تھے جن سب نے ملکر اس کے کام میں سخت ہرج ڈالا - اسکے علاوہ ایسے وقت میں
مرہٹوں کو خوب موقع مل گیا اور انھوں نے کرناٹک میں قتل و غارت کا دورہ کرنا شروع
کردیا - ادھر میسور کے سواروں نے مدراس کے محاذات تک تمام ملک فتح کرلیا اور
کمپنی کی مالی حالت بھی نہایت سقیم ہوگئی چنانچہ جس وقت حیدر علی نے
اپنا جھنڈا اسینٹ ٹامس ماونٹ پر مدراس سے صرف پانچ میل
پر گاڑ دیا اس وقت ۱۷۶۹ء میں ایک صلحنامہ پر دستخط ہوئے
اور یہ بدنام کن جنگ ختم ہوگئی - اس فوج کشی کے دوران میں اگر بنگال
سے فیاضانہ امداد نہ ملتی رہتی تو مدراس کا تمام خزانہ بالکل خالی ہوجاتا
اور لینے کے دینے پڑجاتے - لندن کے ناظموں کو یہ معلوم کرکے
نہایت سخت صدمہ ہوا کہ وہ روپیہ ان بے نتیجہ کارروائیوں میں اڑایا گیا
جس سے ہندوستان میں تجارتی فوائد حاصل کرنے کا اور انگلستان میں
گورنمنٹ کے خزانے کو قرضہ دیکر وزراے سلطنت سے اپنا مطلب نکالنے کا
کام لیا جانا چاہئے تھا - البتہ یہ نتیجہ تو نکلا کہ مشرقی تدبر کے طریقوں کی شناخت
اور ایشیائی اتحادیوں کی قدر خوب اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی - ایک اور خرابی یہ ہوئی کہ جنگ
کو شروع کرنا ہی ایک سیاسی غلطی تھی مگر جس طرح سے ختم کیا گیا وہ اس سے بھی بدتر حماقت تھی

باب نہم
فصل دوم

اس معاہدے میں یہ تشریح کی گئی تھی کہ تمام متعاقدین۔ جن میں انگریز، حیدر علی اور مرہٹے خاص خاص تھے ایک دوسرے کے دوست اور اتحادی رہیں گے تاوقتیکہ کوئی ان میں سے دوسرے کے خلاف پیشدستی نہیں کرے گا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ہر فریق نے اپنے سر بلا شرط یہ ذمہ داری لے لی تھی کہ آئندہ مخاصمتوں کے وقت دوسرے کی مدد کرے گا۔ اور چونکہ اسی طرح کا ایک معاہدہ نواب نظام الملک سے بھی ہو چکا تھا اس لیئے مدراس گورنمنٹ کی حیثیت اس وقت یہ ہو گئی تھی کہ جب کبھی کوئی معرکہ آرائی ہو تو ان تینوں میں سے کوئی سلطنت بادشاہ انگریزوں کو اپنی مدد کے لیئے طلب کر سکتا تھا اور جس قدر جوش و خروش انگریزوں کے ان اتحادیوں میں اس وقت تھا وہ ظاہر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی سال جب مرہٹے اور حیدر علی آپس میں برسر جنگ ہوئے تو ہر دو متعاقدین نے انگریزوں سے امداد طلب کی اور ہر ایک نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ پیش دستی دوسرے کی طرف سے ہوئی ہے مگر چونکہ گذشتہ جنگ کی وجہ سے ناظموں کی طرف سے مدراس گورنمنٹ پر اچھی لتاڑ پڑ چکی تھی اور اس وقت وہ یہ چاہتی تھی کہ اس کے ان دونوں ہمسایوں میں سے کوئی ایک بھی زیادہ قوت حاصل کر لے اس لیئے اس نے دونوں کو ناخوش کرنا گوارا کر کے کسی قسم کی بھی مداخلت کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹوں نے چند قرار واقعی زکیں اور ہزیمتیں حیدر علی کو پہنچائیں جن میں سے ہر ایک کو اس نے انگریزوں کے عین وقت پر دغا دے جانے سے منسوب کیا اور اس کے بعد سے وہ انگریزوں کا دشمن ہو گیا اور انتقام لینے کے موقع کی تلاش میں رہا۔ اور اس کو بہت ہی جلد اپنا غصہ اُتارنے کا موقع مل بھی گیا۔

باب دہم
فصل اول

باب دہم

آئین حکومت

فصل اول

پارلیمنٹ کی تحقیقات

اب ہم برطانوی ہند کی سیاسی تاریخ کے اس سب سے اہم دور کے دروازے پر پہنچ گئے ہیں جو وارن ہیسٹنگز کا طویل عہد حکومت کہلاتا ہے اور جس کی مدت ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک ہے۔ یہ اسی دور میں ہوا کہ انگریزوں کی لڑائیاں ہندوستان کی جنگی قوموں کے ساتھ حصول اقتدار کے لیے خاص اہتمام سے شروع ہوئیں۔ انگریزی ایوان حکومت کی توجہ ہندوستانی معاملات کی طرف خاص طور پر منعطف ہوئی اور پہلی مرتبہ اس امر کی کوشش توجہ کے ساتھ کی گئی کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم کردی جائے۔

جبکہ ۱۷۶۷ء میں لارڈ کلائیو نے ہندوستان چھوڑا اس وقت کمپنی دراصل بنگال کی مالک ہوچکی تھی اور اگرچہ اس کی اصلی حیثیت کو ایک نام نہاد نواب کے دامن سے وابستہ کرکے چھپایا جاتا تھا پھر بھی یہ لباس ایسا تھا کہ دیکھنے والے اندر کی حالت پہچان لیتے تھے۔ کلکتہ اور مدراس

باب دہم
فصل اول

میں پریسیڈنسی کونسلیں خاص ان شہروں کے حدود کے باہر اپنے بلا واسطہ اختیارات سے کام لیتی تھیں اور بالواسطہ طور پر فوجی حاکموں اور مال کے افسروں کی حیثیت سے ان کے پاس بہت زیادہ اختیارات تھے جو وہ تمام بنگال اور کرناٹک میں استعمال کرتے تھے۔ بنگال میں البتہ ایسا تھا کہ باوجودے کہ تمام ابواب سرکاری کی آمدنی کمپنی وصول کرتی تھی۔ مگر لندن کے ناظموں کی طرف سے کارکنانِ کمپنی کو سخت ممانعت اس کی تھی کہ انتظام کے کسی اور شعبے میں کسی قسم کا دخل نہ دیں۔ کمپنی اپنے ایک نائب نواب کو ملکی عملے کے اخراجات ادا کر دیتی تھی۔ کیونکہ اصلی نواب خود ایک طرح سے کمپنی کا وظیفہ خوار ہو گیا تھا) اور تمام انتظامی اور دیوانی فوجداری حکومت برائے نام اس کے سپرد کر دی گئی تھی۔ کلائیو کے بعد کلکتے کا افسرِ اعلیٰ ویرلسٹ مقرر ہو کر آیا وہ لکھتا ہے کہ کونسل اور پریزیڈنٹ کی طرف سے تاکیداً اس امر کی سخت ممانعت کر دی گئی ہے کہ وہ انگریزوں کی طرف سے کسی قسم کے ملکی اختیارات کا نواب کے افسروں پر ادعا کریں۔ اور یہ حکم ہے کہ ہم کو اپنی اصلی شان سوداگروں کی نہایت ہی احتیاط و تکلف سے قائم رکھنی چاہیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تجارت و زراعت میں تنزل ہو گیا۔ سکے کی تعداد کم ہونے لگی۔ اور ملک میں عام پریشانی اور تباہی پھیلنے لگی۔ کیونکہ نواب کے افسر بے لگام ہوتے گئے اور کمپنی اپنے گرانبہا محاصل وصول کرتی گئی اور جو دینے والے تھے ان کی حفاظت کے وسائل کمپنی کے ہاتھ میں نہیں تھے۔ ایسے متناقض طرزِ عمل کے خلاف ویرلسٹ نے بہت زور شور کے ساتھ لندن والوں کے سامنے احتجاج کیا اور اس سقم کو دور کرنے کے لیے ایک بیکارسی کارروائی یہ کر دی گئی کہ چند انگریز اس لیئے ملازم رکھ لیئے گئے کہ دیسی عملے کی نگرانی کریں۔

بہرحال ۱۷۷۳ء میں جا کر کہیں ایسا ہوا کہ ایوان حکومت (پارلیمنٹ) کے حکم کے مطابق انتظامی و قانونی امور کو ایک ضابطے کے مطابق ترتیب دیا گیا اگرچہ محض ابتدائی حالت کی وجہ سے وہ ضابطہ بھی کچھ ناکمل ہی سا تھا۔

باب دہم۔ فصل اول

اس وقت تک کے انگریزوں کے کارنامے محض آویزشوں کی داستانیں ہیں جو ان تجارتی کمپنیوں میں ہوئیں۔ پھر جہاز راں قوموں میں ہوئیں اور سب سے آخر میں ایک فاتح قوم کی نمائندہ ایک زبردست کمپنی اور دیسی حکمرانوں کے درمیان ہوتی رہیں۔ ان آویزشوں کا آخری درجہ فی الحقیقت اس طوفان خیز طوائف الملوکی کا ایک جزو تھا جس میں کہ وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو بڑی سلطنت کے اجزا پراگندہ ہوجانے سے علیحدہ علیحدہ قائم ہوگئی تھیں اب اپنے زبردست ہمسایوں کی طرف سے پامال کی جارہی تھیں۔ انگریزوں کا کام بھی ابتک بگاڑنے کا رہا تھا کیونکہ حفاظت خوداختیاری کے لوازمات نے ان کو اپنے مدمقابل کے مغلوب کرنے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن جو زمانہ اب شروع ہونے والا تھا اس میں ان کی بنانے کی قوت کا اظہار ہونے کو تھا کیونکہ بنگال میں انگریزوں نے اپنے نئے سیاسی عمارت بہت اچھے موقع پر تعمیر کرلی تھی اور اس کے بعد سے جو مسلسل جنگ بازی بلاقید مقام ہوتی رہی اس کے اثنا میں برابر آئین حکومت کی تقویت کے سامان بھی کئے جاتے رہے

انگلستان میں عام میلان طبع کے یہ خلاف ہے کہ غیر سرکاری کاموں میں کبھی سلطنت دخل دے مگر رفتہ رفتہ یہ خیال قوی ہوتا جارہا تھا کہ اب اس کا وقت آگیا ہے کہ کمپنی کی حرکات وسکنات کو نگرانی میں لے آیا جائے۔ انگریزی قوم اس زمانے میں ایسے انتظامات کے سانچے میں جنھوں نے اس کو مکمل ملکی و مذہبی آزادی عطا کر رکھی تھی اور وہ تمدن کے مختص ومشخص مدارج تک پہنچ چکی تھی۔ اس وقت انگریزوں نے بلا تحریک غیرے اپنے تئیں اس ملک کا ذمہ دار پایا جو ہولناک ابتری میں غرق تھا اور جہاں صدیوں سے سوائے غیر محدود شخصی اختیارات رکھنے والی غیر ملکی حکومتوں کے اور کوئی ضابطے کی حکمرانی ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس ملک میں بڑے دور دراز فاصلے سے وہ مہذب شہریت کے اصول سیاست لانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کا پہلا تجربہ بنگال پر کیا گیا اور اسی کو ابتدا سمجھنی چاہیے اس بالکل نئے آئین کی جس کو اس وقت سے برابر وسعت

باب دہم
فصل اول

دی جارہی ہے اور جو بہت سی غلطیوں اور بعض ناکامیوں کے باوجود بھی آخر کار تمام ہندوستان میں نہایت کامیابی کے ساتھ رائج کیا جاسکتا ہے۔

برطانوی ایوان حکومت کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرکے جن امور نے ہندوستانی معاملات پر غور کرنے کی ضرورت ایوان مذکور پر ثابت کی ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ بنگال جیسے زرخیز صوبے کا آسانی سے قبضے میں آجانا تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا اور دوسرا یہ تھا کہ پوری ایک زرخیز و شاداب سلطنت کی دولت کا اہتمام چند تجارتی کارکنوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جانا کچھ مضحکہ خیز نظر آتا تھا۔ ۱۷۶۵ء میں لارڈ کلائیو نے بنگال کی آمدنی تمام مدات سے چالیس لاکھ پونڈ سالانہ قرار دی تھی اور کمپنی کی خالص بچت تمام مصارف ادا کرنے کے بعد سولہ لاکھ پچاس ہزار پونڈ تھی۔ ایسی عظیم الشان جائداد حاصل کر لینے کی وجہ سے ناظمان کمپنی نے تقسیم منافع میں بہت اضافہ کر دیا تھا اور کمپنی کے ایک حصے کی قیمت دو سو ساٹھ پونڈ گنا تک پہنچ گئی تھی۔ حصہ داروں نے ۱۷۶۷ء میں کل سرمائے کا آٹھواں حصہ آپس میں تقسیم کر لیا اور کمپنی کے ملازمین اپنے ساتھ بے شمار زر و سیم لیکر گھر آتے تھے جس سے دیہاتی کونسلوں اور ایوان حکومت کی ممبریاں خرید کرتے تھے۔ ایوان عام میں (ہاؤس آف کامنز) آلڈرمین میکفرڈ نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ کمپنی کے زرخیز علاقوں کے ہاتھ میں آجانے سے باشندگان انگلستان کے محاصل کا بوجھ کچھ کم ہو جائے گا۔ اور انگریزی حکومت نے اس اشارہ سے فائدہ اٹھانے میں کوئی تساہل بھی نہیں کیا کیونکہ کمپنی کو چھوٹی چھوٹی میعادوں کے لیئے فرمان اجازت عطا کرنے کا طریقہ ایسا نفیس حیلہ تھا کہ اس کے ذریعے سے کمپنی کی گرم بازاری کے اعتبار سے اس فرمان کو بالکل نئی شرطوں پر عطا کیا جاسکتا تھا۔[۵]

---

[۵] سب سے پہلے ۱۶۹۸ء میں کمپنی کو قانوناً تسلیم کیا گیا جبکہ ایک نئی کمپنی نے بذریعہ پارلیمنٹ تسلیم کیئے جانے پر گورنمنٹ کو ۸ فی صدی سود سالانہ پر بیس لاکھ پونڈ قرضہ دیا۔ ۱۷۰۸ء میں متحدہ کمپنیوں نے بیس لاکھ پونڈ بلا سودی پھر قرض دیا اور کل قرضہ مع بقایا تیس لاکھ ہوگیا۔ ۱۷۳۰ء میں کمپنی نے پھر چار لاکھ پونڈ دیا ۱۷۴۴ء میں اجازت نامے کی توسیع میعاد پر تین فی صدی سود

باب دہم
فصل اول

۱۷۶۶ء میں وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا کہ غالباً آئندہ اجلاس ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات پارلیمنٹ کی توجہ کو خاص طور سے مصروف رکھیں گے اس کے بعد کمپنی اور گورنمنٹ میں ایک طول طویل مباحثہ سودا طے کرنے کے متعلق ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک قانون کا نفاذ کیا گیا جس کی رو سے متعدد سال تک کمپنی پر چار لاکھ پونڈ سالانہ خزانۂ سلطنت میں داخل کر دینے کی پابندی عائد کی گئی ان ملکی مقبوضات و محاصل کے معاوضے میں جو کمپنی نے ممالک مشرق میں زمانۂ حال ہی میں حاصل کیئے تھے۔ اس کے بعد کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ کمپنی کے سالانہ اخراجات ۱۷۶۵ء کے مقابلے میں سات لاکھ پونڈ سے سترہ لاکھ پونڈ تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ۱۷۶۵ء سے اب تک حکومت برطانیہ نے خالص محصول سائر کے ذریعے سے۔ چائے کی ناجائز درآمد پر جرمانے کے ذریعے سے اور سالانہ چار لاکھ کی مقررہ رقم کے ذریعے سے کم و بیش بیس لاکھ پونڈ سالانہ کمپنی سے وصول کیا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ قومی حکومت نے کمپنی کے منافعوں میں خوب حصہ بٹایا اور اس سے غرض نہیں رکھی کہ وہ منافع کس طرح پیدا کیئے گئے ہیں۔ سالانہ چار لاکھ پونڈ کی رقم دراصل ایک طرح کے خراج یا لگان کی قائم مقام تھی جو سلطنت نے ان علاقوں کے محاصل پر عائد کیا تھا جو کلائیو کی فتوحات سے کمپنی کے قبضے میں آ گئے تھے۔ مگر ان وسائل کے حاصل ہو جانے سے کمپنی کے تجارتی طرز عمل میں ایک تبدیلی ہو گئی تھی کیونکہ ۱۷۶۶ء میں کمپنی نے وہ طریقہ اختیار کیا تھا جس کا نام استنفاع (Investment) رکھا گیا تھا یعنی ملکی محاصل میں سے جو فاضلات ہوتی تھیں اس کا بڑا حصہ خام اجناس مصنوعات و دیگر سامان خریدنے میں صرف کیا جاتا تھا جو انگلستان کو برآمد کیا جاتا تھا چنانچہ بقول برک کے نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے ملکوں میں سلطنت کی آمدنی تجارت

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۵۔ سالانہ پر دس لاکھ پونڈ دیا۔ ۱۸۰۵ء میں حساب فہمی ہو کر کل قرضہ بیالیس لاکھ پونڈ قرار دیا گیا اور سب پر تین فی صدی کی شرح قائم رکھی گئی چار لاکھ پونڈ سالانہ جو داخل کرنا پڑتا تھا وہ ان قرضوں کے علاوہ تھا۔

باب دہم
فصل اول

سے ہوتی ہے مگر بنگال میں تمام بحری تجارت جس کا اجارہ کمپنی کے پاس تھا ملکی محاصل سے چلائی جاتی تھی۔ چنانچہ ملک کی پیداوار پر اس مسلسل برآمد کے بڑے اثرات بہت جلد ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ علاوہ بریں ۱۷۶۷ء میں کلائیو کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد سے اس کے دور اندیشانہ تحکم و تسلط کی عدم موجودگی تمام انتظامی صیغوں میں محسوس ہونے لگ گئی۔ ضابطے کی پابندی پھر سست ہوگئی مالیہ کی حالت اسراف و غیر مصرفی کی وجہ سے سقیم ہونے لگی اور کمپنی کے کارکنوں نے پھر شخصی تجارت کے ساتھ خلط ملط ہونا شروع کر دیا۔ مدراس کی حکومت کچھ کچا کر حیدر علی کے ساتھ اس تباہ کن جنگ میں مصروف ہوگئی جس کی تفصیل اس سے پہلے باب میں کی جا چکی ہے اور ۱۷۷۰ء میں ایک ہولناک قحط نے بنگال کو آگھیرا اور تباہ و برباد کر دیا۔ کمپنی کے ناظم ہمیشہ سالانہ حصہ داروں کی کثرت رائے سے منتخب کیے جاتے تھے مگر اسی عام انتخاب کے طریقے کی وجہ سے مختلف فریق پیدا ہوگئے جن کے باہمی اختلافات و اندرونی تنازعات نے کمپنی کی معنوی حالت نہایت خراب کر دی۔ باوجود ان تمام یکے بعد دیگرے آنے والی برائیوں کے پارلیمنٹ کی طرف سے کوئی توجہ کے ساتھ تحقیقات نہیں کی گئی یہاں تک کہ کمپنی نے اپنا سالانہ خراج چار لاکھ پونڈ دینے کی ناقابلیت کا ہی اظہار نہیں کیا بلکہ اپنے تئیں اس درجہ قرضے سے گرانبار ظاہر کیا کہ سلطنت کے خزانے سے ایک رقم خطیر بطور قرض طلب کی۔ بجائے خراج وصول ہونے کے یا نہایت خفیف شرح پر قرض ملنے کے اب سلطنت برطانیہ پر الٹا تقاضا قرض دینے کا ہونے لگا۔ یہ ایک ایسا اقبال دیوالیہ پن کا تھا کہ جس نے کمپنی کی غلط کاریوں کو لازمی طور سے لارڈ نارتھ کی وزارت کے سامنے ایک بالکل مختلف اور نہایت توجہ طلب پہلو سے پیش کیا جس پر وزارت کی توجہ فوراً مبذول ہوئی اور ان کو یقین ہوگیا کہ اب کسی حقیقی اصلاح کی ضرورت ہے۔

اس زمانے کے گرد و پیش کے عام حالات بھی برابر تبدیلیوں اور ترمیموں کی ضرورت پیدا کر رہے تھے۔ لارڈ کلائیو نے بالکل سچی رائے ظاہر کی تھی کہ

باب دہم
فصل اول

ممالک مشرق کے معاملات بھی اس عام ابتری میں حصہ لیتے جارہے ہیں جو برطانیہ کے تمام ماورار البحری مقبوضات پر طاری ہے کیونکہ یہ تمام مقبوضات اسی سرعت وآسانی کے ساتھ حاصل کر لیئے گئے ہیں کہ ان میں ترتیب وانتظام قائم کرنیکا موقع نہیں مل سکا ہے۔ دراصل انگریزی قوم ابھی بالکل طفل مکتب تھی اور اس کو غیر مانوس اقوام ورعایا پر حکمرانی کرنے کے اور ان ملکوں کا انتظام کرنے کے سبق سیکھنے تھے جو اپنی جائے وقوع۔ اپنی خصوصیات اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس قدر مختلف تھے جیسے شمالی امریکہ کی نوآبادیات اور ہندوستان کے صوبہ جات ہیں۔ انگریزوں کو ابھی کوئی تجربہ ایسے وسیع پیمانے پر ایسے دور دراز ملک اور ایسی متنوع رعایا پر حکومت کرنیکے فن میں نہیں حاصل ہوا تھا۔ چونکہ اس زمانے تک جو کوئی طریقے محکوم ملکوں پر حکومت کرنے کے تجربے میں آچکے تھے ان کے متعلق علم الاخلاق کے معمولی اعتبار سے بھی ناقابلیت وناکامی کا الزام لگایا جاسکتا تھا اس لیئے انگریزوں کے سامنے تاریخ عالم میں کوئی نظیر بھی ایسی نہیں تھی جس سے وہ فائدہ اُٹھا سکتے۔ لیکن یورپ میں ۱۷۶۳ء کی صلح ہوجانیکے بعد سے کم از کم انگریزوں کو جو طویل زمانہ امن وسکون کا میسر آگیا اس نے ان کو فرصت وموقع اپنی بیرونی جائدادوں کی جانچ پڑتال کا دیدیا۔ اور قوم نے حساب لینا شروع کر دیا اس سمندر پار کی مقبوضہ جائداد کا جو اس کی بڑی بڑی کامیابیوں کے صلے میں اس کے ہاتھ آئی تھی۔ اور ہندوستان کے حقوق کا نیا نیا احساس اس عام خیال سے اور زور پکڑ گیا کہ ایک تجارتی جماعت کا یہ کام نہیں ہے کہ ایک بڑی مملکت کے محاصل کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھے۔

معاملے کی سنگینی اور جمہور کی بے اعتباری بڑھنے کی خاص خاص علامات نے مل کر گورنمنٹ کو مستعدی کے ساتھ کمپنی کے معاملات میں ہاتھ ڈالنے پر مجبور کیا۔ اور خود کمپنی کی مالی مشکلات نے اسے اس قابل نہیں رکھا تھا کہ ایوان عام کی حکم دی ہوئی کسی تحقیقات کی سدراہ

ہو یا قوم کے اس حقوق پر کوئی اعتراض کرے کہ وہ اس کے ملکی مقبوضات کا انتظام اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتی تھی۔ پھر بھی کمپنی نے اس وقت اور اس کے بعد تک ایوان حکومت کی مداخلت سے بچنے کے لیئے شہنشاہ دہلی کے نام نہاد شاہی اختیارات کے پردے میں اپنے تئیں یہ عذر کر کے چھپانا چاہا کہ کمپنی کو تمام عطیات اُس دربار سے عنایت ہوئے ہیں۔ اس ادعا میں کمپنی نے لارڈ کلائیو کے مشورے پر عمل کیا جس نے باوجودیکہ ۱۷۶۵ء میں دیوانی کے حقوق کو صرف اس لیئے حاصل کر لیا تھا کہ بنگال پر کسی قسم کے جائز اختیارات حاصل کر لینا ناگزیر تھا مگر ہمیشہ یہی تاکید کرتا رہا کہ کمپنی کی یہ حرکت عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف ہوگی اگر وہ اپنے تئیں سیاسی حیثیت سے اپنی خود مختاری کا اعلان کرے گی۔ چنانچہ قانونی عدالتیں اور پولیس اس وقت تک دیسی افسروں کے سپرد تھیں جس پر کچھ حد تک کمپنی کے کارکنوں کی نگرانی تھی لیکن یہ عدالتیں اور یہ پولیس وغیرہ علیحدہ علیحدہ انتظامی وقانونی صیغوں سے تعلق رکھتی تھیں جن کے انصرام کی ذمہ وار کمپنی نہیں تھی۔

لیکن انتظامی حکومت کا اصل الاصول یہ ہے کہ وہ غیر مشترک اور یک عملی ہو جس کی مشین اس وقت تک نہ چلے جبتک کہ قوت متحرکہ کے تمام نقاط ایک نقطۂ انصال پر اجتماع نہ رکھتے ہوں۔ خواہ وہ نقطۂ انصال کوئی شخصی حاکم ہو یا جمہوری ایوان حکومت۔ کلائیو کے چلے جانیکے بعد بنگال کی دو عملی کا نتیجہ ابتری و بے سری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ عدالتیں پولیس اور محکمۂ مال بالکل مختلف صیغے تھے جو علیحدہ علیحدہ طرق عمل رکھتے تھے جن کے اغراض متحد نہیں تھے اور جن کا کوئی ایک حاکم اعلیٰ نہیں تھا اس لیئے ہر ایک یہ کوشش کرتا تھا کہ بدانتظامی میں دوسرے سے سبقت لے جائے۔ ملک میں کوئی مسلّم قانون نہیں تھا اور انصاف تقریباً بالکل معدوم تھا۔ خود انگریزوں کی تینوں پریسیڈنسیاں بلا قید اپنی ذمہ داری پر صلح و جنگ کرتی رہتی تھیں۔ کمپنی کی تیار فوج کی تعداد بنگال میں

باب ۴ فصل اول

گیارہ ہزار تھی اور ملکی و جنگی عملے کے اضافے نے وہ اخراجات بڑھا دیئے تھے جس نے تجارتی منافع حاصل کرنے کے سرمایے کو اچھی طرح نچوڑ لیا تھا۔ حسن اتفاق سے کمپنی کے محاصل کی اس کمی سے کمپنی کے حصوں کی قیمت گھٹ گئی اور اس سے اس کی آنکھیں کھلیں اور وہ یہ سمجھی کہ وہ کسی شدید قعر ذلت کی طرف گرتی چلی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے وزرائے انگلستان کی خدمت میں مالی امداد کی درخواست پیش کی۔ وزرا نے کمپنی کا معاملہ ایوان حکومت کے سپرد کر دیا اور جنوری سنہ ۱۷۷۳ء میں بادشہ کی تقریر سے کمپنی کے معاملات کی پڑتال کی جانے کے منشا کا اعلان ہو گیا۔ غرض یہ کہ دو منتخب جماعتیں ترتیب دی گئیں تاکہ کمپنی کی حالت و شان اور اس کی حیثیت کی پڑتال اور ممالک مشرق میں برطانوی معاملات کی تحقیقات کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ اب تک برطانوی ایوان حکومت کا طرز عمل یہ رہا تھا کہ غیر مشخص تجاویز منظور فرما لی جاتی تھیں اور ہندوستان پر شاہی حقوق اختیار کرنے یا ان پر عمل درآمد کرنے کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۷۶۲ء میں جب فرانسیسی نائبین صلح نے ان اضلاع کی بحالی کا مطالبہ کیا جو دوران جنگ میں ہندوستان میں فرانسیسیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے تو انگریزی قائم مقاموں نے اس دعوے کے جواب میں ایک باضابطہ مجاز جماعت کے قانونی اور محفوظ حقوق پر سلطنت کا کسی قسم کا حق مداخلت ہونے سے انکار کیا اس قسم کی رائے برک نے بھی اس وقت ظاہر کی ہے جبکہ وہ کمپنی کا مخالف نہیں تھا وہ کہتا ہے کہ :-

> (۱) کمپنی کے تمام مقبوضات ان عطیات کے زور سے کمپنی کے قبضے میں ہیں جو کمپنی کو شہنشاہ دہلی کی طرف سے عنایت ہوئے ہیں اور یہ عطایا مناصب و اختیارات کی صورت میں دیئے گئے ہیں۔ یہ جائداد و اختیارات کی ایک ایسی غیر مانوس قسم ہے جس سے انگلستان کا آئینِ حکومت بالکل ناآشنا ہے .... ایسٹ انڈیا کمپنی تجدید فرمان کے لیئے

باب دوم
فصل اول

عموماً برابر کی حیثیت سے سلطنت کے ساتھ نامہ و پیام کرتی تھی یہانتک
کہ وزیر اعظم (لارڈ نارتھ) نے کمپنی کے مقبوضات کا دعویدار سلطنت
کو کھڑا کیا جس کی اصل غرض یہ تھی کہ ملکی قرضہ ادا کرنے کے لیے کمپنی سے
کچھ روپیہ اینٹھا جائے۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے اپنے اس قانونی
حق کا ادعا کیا کہ حق ملکیت کی پڑتال کی جائے۔ اُن کی غرض یہ تھی
کہ کمپنی پر پورا رعب بیٹھ جائے"۔[1]

برک کا مطلب اس تبصرے سے یہ تھا کہ کمپنی پر حق ملکیت مقبوضات
کی تحقیقات کا دباؤ اس لیئے ڈالا گیا تھا کہ خزانۂ شاہی کے لیئے کچھ نذرانہ
وصول کیا جائے۔ اس خیال میں بڑی حد تک صداقت تھی۔ اور یہ دباؤ
کچھ اس وجہ سے بھی ڈالا گیا تھا کہ کمپنی کو جو مراعات شمالی امریکہ میں بلا محصول
برآمد چائے بیجے جانے کی ملی ہوئی تھیں ان کو فسوخ کیئے جانے کی کسی طرح
تھوڑی بہت تلافی ہو جائے۔ لارڈ نارتھ جس کے طرفداروں کی جماعت
ہر دو ایوانہائے خاص و عام میں اکثریت رکھتی تھیں کمپنی کا مخالف ہو گیا تھا۔
اور اسی وجہ سے پارلیمنٹ کی کمیٹی نے کمپنی کے مخالف رپورٹیں پیش کیں اور
ایوان عام نے یہ تجویز منظور کر لی کہ جتنے مقبوضات جنگی قوت کے عمل یا اثر
سے یا غیر ملکی رئیسوں کے ساتھ معاہدے کر کے حاصل کیئے گئے ہیں
وہ سلطنت کا جائز حق ہیں۔ چنانچہ ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ بنگال میں کلائیو
کی تمام کارروائیاں قوم کے واسطے باعث ذلت و مضرت تھیں۔ کلائیو
بڑے زور و شور سے اپنی صفائی کے لیئے لڑا اور ہر طرف خوب
ہاتھ دکھائے۔ اور یہ تحریک بالاتفاق مسترد کر دی گئی اور بجائے اسکے
یہ تجویز منظور ہوئی کہ رابرٹ لارڈ کلائیو نے اپنے ملک کی عظیم الشان
و قابل تعریف خدمات ادا کی ہیں"۔ اس کے ایک سال بعد یعنے
نومبر ۱۷۷۴ء میں کلائیو نے وفات پائی اور اس عالی حوصلہ با ہمت مستعد

---

[1] آبزرویشنز آن اے سٹیٹ آف دی نیشن۔

اور جفاکشی زندگی کا خاتمہ ہو گیا جس کا سب سے بڑھکر انگریزوں پر یہ احسان ہے کہ ان کی ہندوستانی سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ قوم کی ایسی گراں بہا خدمات کے صلے میں اس قدر کم مایہ انعام کسی کو اس وقت تک نہ ملا تھا۔ نہ اس کے بعد ملا ہے جیسا کہ کلایو کو یہ انعام دیا گیا کہ آئرلینڈ کے امرا کے زمرے میں اس کو شریک کر لیا گیا۔ اس کی جرأت۔ اس کی دور اندیشی۔ اس کی سیاست دانی اور اس کی جنگی قابلیت نے اسے مردانہ صفات کا ایک ایسا مجموعہ بنا دیا تھا جس سے بہتر اس زمانے کی ہندوستانی صورت حالات کے اعتبار سے ہو نہیں سکتا تھا۔

فصل دوم

حکومت کا سب سے پہلا دستور العمل

آخر کار پارلیمنٹ نے دو قوانین ۱۷۷۳ء میں نافذ فرمائے۔ ان میں سے ایک کی رو سے وزرا کو اجازت دی گئی کہ چودہ لاکھ پونڈ کمپنی کو قرض دیں۔ تاکہ وہ اپنے بار سے سبکدوش ہو سکے اور دوسرے قانون کے مطابق کمپنی کی شانِ حکومت کو تبدیل کر دیا گیا اور ہندوستان میں اس کی حکومت کو پارلیمنٹ سے منسوب کر دیا گیا۔ لارڈ نارتھ کے ریگولیٹنگ ایکٹ (قانون تنظیم) کا منشا خاص طور سے یہی تھا کہ خاص انگلستان میں کمپنی کی جو کارکن جماعت تھی اس کی ترتیب نئے سرے سے کی جائے اور بیرون ملک میں جو طرز عمل کمپنی نے اختیار کر رکھا تھا اس کی اصلاح کی جائے۔ ملکی مقبوضات و محاصل کو ابھی کمپنی کے قبضے میں اس وقت تک

باب دہم
جزو دوم

رہنے دیا گیا جب تک کہ اس کے موجودہ منشور کا زمانہ ختم ہو جائے کمپنی نے جو اپنے مقبوضات کا دعویٰ ان حقوق کی بنا پر کیا تھا جو اس کو شہنشاہ ہند نے عطا فرمائے تھے اس عذر لنگ کو اس دلیل سے توڑ دیا گیا کہ ایوان حکومت کو اپنی رعایا کے ہر کاروبار میں پورا پورا تصرف کرنے کا اختیار رہے۔ مالکوں اور ناظموں کی مجلس حکومت امرائیہ کے نمونے پر ترتیب دی گئیں جن میں تعداد ارکین کم کر دی گئی اور متمول کو معیار قابلیت قرار دیا گیا۔ ہندوستان میں بنگال کے علاقے پر گورنر جنرل مقرر کیا گیا اور اس کی کونسل قائم ہوئی مگر پہلے گورنر جنرل کا تقرر پارلیمنٹ کی نامزدگی سے ہوا۔ اس کو پورا اختیار تینوں صوبوں پر عطا کیا گیا تھا اور متنازعہ امور کے تصفیے کے لئے کونسل میں کثرت رائے کی قید لگا دی گئی۔ کلکتہ کی گورنر جنرلی کے ساتھ ہی ساتھ ایک عدالت عالیہ بھی قائم کی گئی جس کے حدود اختیار نہایت ہی مبہم طریقے سے معین کر دیے گئے۔

یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ انتظام کی اس بھونڈی کل کو آجکل کے طرز انتظام سے وہی نسبت تھی جو پہلے پہل کے بارکش انجن کو آج کل کی ڈاک گاڑیوں سے ہے اور اس نے حکمرانی کی چلتی گاڑی میں کتنے روڑے اٹکائے ہوں گے جب کبھی ایشیا میں کسی ایسے ملک میں نیا طریق حکمرانی رائج کرنے کی ضرورت ہو جس کا ابھی کسی دیسی رئیس سے تسخیر کیا گیا ہو تو سب سے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ ایک اعلیٰ مقامی حکومت قائم کر دی جائے اور اس کو کثرت کے ساتھ مشخص اختیارات عطا کر دیئے جائیں اور وہ ان اختیارات کو حکومت عالیہ کی منشا کے مطابق استعمال کرتی رہے۔ یہ اختیارات کیا ہونے چاہئیں اس کا انحصار گردو پیش کے مخصوص حالات۔ مخلوق کے میلان طبع اور ان کی طرز ماند و بود پر اور خصوصاً اس پر ہونا چاہیئے کہ اس مقامی حکومت کے اور صدر حکومت کے درمیان کس قدر فاصلہ حائل ہے۔ انتظامی اور قانونی صیغے خواہ بالکل علٰحدہ علٰحدہ ہیں خواہ ان کو ایک ہی افسر اعلیٰ کی ماتحتی و نگرانی میں کر دیا جا سکے مگر یہ ضروری ہے کہ مختلف محکموں کے اختیارات کی تشخیص کر دی جائے

باب دہم
فصل دوم

اور جو قوانین یا قواعد ان محکموں اور رعایا کے درمیان تعلقات قائم کرنے والے ہوں ان کی کافی طور سے اشاعت کردی جائے ہر حالت میں یہ بھی لازم ہے کہ ایک خاص افسر اعلیٰ کو مکمل اختیارات ایسے عطا فرمادئے جائیں کہ وہ ضرورت کے وقت اپنی ذمہ داری پر فیصلہ کن احکام صادر کرسکے ۔ لیکن ۱۷۷۳ء میں کلکتہ میں اعلیٰ حکومت انتظامی کونسل کی کثرت رائے تھی گورنر جنرل کو صرف مضاعف رائے کا حق حاصل تھا ۔ چنانچہ ایسی جگہ اور ایسے وقت میں جبکہ اتحاد عمل اور استعداد فیصلے کی سخت ضرورت تھی ایسا ہوتا تھا کہ ہر حکم پر جبل وحجت ہوتی تھی اور جس معاملے میں اختلاف رائے ہو جاتا اس کا تصفیہ بغیر سخت مخالفتوں کے نہیں ہوسکتا تھا ساتھ ہی اسکے انتظامی وقانونی محکموں کے اختیارات کے حدود معین نہیں تھے اور ان کا تصفیہ بھی کثرت رائے پر چھوڑ دیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ایک طرح کی جنگ اختیارات شروع ہوگئی تھی جس میں ہر فریق دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا اور اپنے سلب حقوق کی تلافی چاہتا تھا ۔ اس تمام طوفان بے تمیزی کے درمیان شاہی قوت ایک مبہم چیز تھی بلکہ ضابطے کی رو سے بالکل مفقود تھی ۔ وہ ایوانِ حکومت جس کو فریقین اپنا ثالث سمجھتے تھے چھ ماہ کے بحری سفر کے فاصلے پر انگلستان میں تھا ۔

غرض یہ کہ اس نئے طرز انتظام کی ترویج وروانی میں جو موانع حائل تھے ان میں پہلا تو یہ تھا کہ گورنر جنرل بالکل اپنی کونسل کی کثرت رائے کا پابند تھا ۔ دوسرا یہ تھا کہ حدود اختیارات منقسم ومعین نہیں تھے اور تیسرا یہ تھا کہ ہندوستان سے اور کہیں قریب تر سوائے انگلستان کے وہ اعلیٰ قانون ساز حکومت نہیں تھی جو ناقابل تصفیہ امور میں آخری حکم صادر فرما سکتی اور انتظامی اور قانونی محکموں کے حلقۂ اختیارات کو معین ومشخص فرمادیتی خود گورنر جنرل کوئی ایسے قوانین نہیں بنا سکتا تھا جن کی حکام عدالت پرواہ کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ۔ برخلاف اس کے حکام عدالت ایک ایک دلیل پیش کرکے ایسے اختیارات کے مدعی بن جاتے تھے جن کی رو سے

باب سوم
فصل دوم

وہ ان نالشوں کی بھی سماعت کر لیتے تھے جو حکومت انتظامی اور اس کے کارکنوں کے ان افعال کے خلاف کی جاتی تھیں جو ادائے فرائض منصبی میں ان سے سرزد ہوتے تھے۔ بلکہ ایسے فیصلے بھی صادر فرما دیتے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انتظامی محکمہ جات ایک طرح کے ماتحت صیغے ہیں جن کی کارروائیوں کی نظر ثانی و نگرانی کا اختیار حکام عدالت ہی کو ہے۔ ہر فریق اپنے اغراض و استدلال کو فائدہ پہنچانے کے لیے سب سے پہلے شاہی اختیارات کا مسئلہ معرض بحث میں لاتا تھا اور اس کی تاویلیں کی جاتی تھیں۔ کبھی ایک فریق اپنے معاملے کو گہرا رنگ دینے کے لیے یہ تشریح کرتا تھا کہ کمپنی کے قبضے میں یہ ملک شہنشاہ دہلی کے عطیات اور دیسی رئیسوں کے ساتھ معاہدات کے ذریعے سے آیا ہے اس لیے جو حکام عدالت انگلستان سے مقرر کیے ہوئے آئے ہیں ان کے اختیارات احکام کمپنی کے پابند ہیں یعنی ان کو کوئی ذاتی اختیارات ہی نہیں ہیں۔ دوسرا فریق یہ استدلال کرتا کہ کمپنی کے تمام مقبوضات ایوان حکومت کے احکام کی رو سے سلطنت برطانیہ کے جز ہیں اس لیے قانونی عدالت عالیہ کے احکام تمام کمپنی کے محروسات پر ہر جا ساری ہیں اور کلکتہ کے حکام عدالت دیسی عدالتوں کی نگرانی بھی کر سکتے ہیں اور انگلستان کے ویسٹ منسٹر ہال) میں جو ضابطہ برتا جاتا ہے اسی کا اطلاق بنگال کے زمینداروں پر بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ ایوان حکومت نے تمام ملازمان کمپنی پر قانونی ضابطے کے عمل کرنے کا اختیار عدالت عالیہ کو تفویض فرما دیا تھا اس لیے حکام عدالت یہ تجویز کرتے تھے کہ بنگال کے تمام زمیندار و جاگیردار جو محاصل اراضی وصول کرتے ہیں اور کمپنی کو اس میں سے ریاست کا حصہ دیتے ہیں وہ سب کے سب ملازمان کمپنی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ جو کوئی شخص ان اختیارات کے تسلیم کرنے میں تساہل یا تغافل کرتا تھا اس کے واسطے یہ پابندی تھی کہ وہ حکام عدالت کی پیشی میں حاضر ہو کر اپنے تساہل یا تغافل کی وجہ ظاہر کرے۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی تھی کہ کسی بے چارے غریب دیسی کو جو قانونی اصطلاحات و نکات سے واقف بھی نہیں ہے ایک

سمنس (Summons) کی تعمیل میں کلکتہ آنے کے لئے کس قدر سخت تکلیف و تباہ کن صرفہ برداشت کرنا پڑے گا ؛

چنانچہ عدالت العالیہ کی طویل اور مسرفانہ کارروائیوں کی وجہ سے اور اس کے ان غیر مانوس اور سمجھ میں نہ آنے والے اختیارات کی وجہ سے جو کسی حجاب عصمت میں رہنے والے دیوتا کی صفات سے ملتے جلتے تھے ملک کے اصلی باشندوں نے اس عدالت کو غیر ملکی استبداد کا ایک آلہ سمجھ لیا تھا بجائے اس کے کہ اس کو انتظامی تشدد کا کوئی ذریعہ تدارک سمجھتے۔ برک کی رپورٹ کے یہ الفاظ ہیں :۔

جس حد تک تحقیقات کرنے والی کمیٹی نے معاملے کی جانچ کی اُس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ دیسیوں کے واسطے عدالت عموماً ہیبتناک چیز بن گئی ہے۔ اور اس نے ملک کی کسی ایک برائی کی اصلاح بھی نہیں کی ہے بلکہ تمام ملک کو پریشان کر دیا ہے ؛

غرض یہ کہ استحقاقِ ملکیت و مناصب حکومت کے متنازعہ فیہ ہونے کی وجہ سے اور انتظامی و قانونی محکموں کے تعین اختیارات نہ ہونے کی وجہ سے پیچیدگیاں بڑھتی چلی گئیں۔ اختلافات شدید تر ہوتے چلے گئے اور آخر اجزائے حکمرانی میں تصادم ہو کر رہا۔ کونسل اور عدالت نے علیحدہ علیحدہ اپنی صفیں متنازعہ اختیارات کی سرحدوں پر ایک دوسرے کے مقابلے کے لئے آراستہ کیں کمپنی کے افسروں نے مالی معاملات میں بنگال کے باشندوں پر غیر محدود اختیارات کا ادعا کیا حاکمانِ عدالت نے تحصیلی تشدد سے بنگال کی آبادی کی حفاظت کرنے کا دعویٰ کیا اور فریقین نے اپنے اپنے دعوے کی تائید میں خوب دلیل بازیاں کیں۔ حاکمانِ عدالت اپنے اختیارات کامل بھی جتاتے تھے اور مخلوق کی حفاظت کا ذمہ دار بھی اپنے تئیں قرار دیتے تھے اور کونسل اپنے مالی انتظام میں کسی قسم کی بھی پابندی یا مداخلت کو گوارا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

باب دہم
فصل دوم

لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ خاص شہر کلکتے کے لیے تھا۔ کلکتے سے باہر کسی قسم کے قانون کا پتہ بھی نہیں تھا نہ خود کمپنی کو کوئی باضابطہ اختیارات حاصل تھے۔ نہ اس کو اختیارات کے حصول کی جستجو تھی ٭

انہی پیچیدہ وجوہ سے وہ مشہور تنازعے پیدا ہوئے جو وارن ہیسٹنگز اور اُس کی کونسل کے مناقشات کہلاتے ہیں اور جن کی وجہ سے سوائے اس خاص موقع کے جبکہ عدالت عالیہ کے مقابلے کے لیئے فریقین میں اتفاق ہو جاتا تھا اور قریب قریب ہر وقت گورنر جنرل میں اور اس کی کونسل میں ترش و تلخ شخصی مخالفتیں قائم رہتی تھیں۔ اس کتاب کے حیطۂ بیان سے ان ناگوار معاملات کا صرف اتنا سا تعلق ہے کہ بر سبیل تذکرہ ان ابتدائی تجربات کے سلسلے میں ان کا حوالہ دیدیا جائے جو ایک محکوم ایشیائی ملک پر انگریزی آئین حکومت قائم کرنے کے لیئے کیئے گئے تھے ورنہ ایک مخل ساز فسانے کو دہرانے سے سوائے طوالت کے اور کیا حاصل ہے۔ ایوان حکومت کے ۱۷۷۳ء کے احکام کا منشا یہ تھا کہ کمپنی کے سر جو مبہم و غیر متشخص حکمرانی کا بار آپڑا ہے اُس کو ایک معین و متشخص طریقے کے مطابق ترتیب دے دیا جائے۔ اسی تاریخ سے برطانوی حکومت کا ہندوستان میں آغاز ہوتا ہے اور برٹش انڈیا کی خاص تاریخ اسی وقت سے مدوّن کی جاسکتی ہے۔ بہر صورت مستقر حکومت خاص طور سے کلکتے کو بنایا گیا تھا اور اس حکومت کا حاکم اعلیٰ گورنر جنرل کو مقرر کیا گیا تھا اور اُس کو تینوں احاطوں کے تعلقات خارجہ کی نگرانی سپرد کردی گئی اور ایوان حکومت کے فرمان کے مطابق جو اختیارات نگرانی اس کو عطا ہوئے تھے ان کو وہ استعمال کرسکتا تھا۔ اس حد تک تو بنیاد حکمرانی وسیع اور مستقل پیمانے پر رکھی گئی تھی لیکن اندرونی انتظام کی کارروائی گویا ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی اور وارن ہیسٹنگز کے ذمے یہ گراں بار کام پڑگیا تھا کہ وہ کونسل کے اندرونی اختلافوں سیاسی پیچیدگیوں بیرونی جنگوں۔ اور ہر قسم کی مالی مشکلوں کے باوجود بھی اندرونی انتظام کی ساخت و پرداخت میں استقلال کے ساتھ مصروف رہے ٭

باب یازدہم
فصل اول

باب یازدہم

وارن ہیسٹنگز کا عہد حکومت

فصلِ اول

جنگ روہیلا ۱۷۷۴ء

وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۴ء سے پہلے ہندوستان میں عہدۂ گورنر جنرلی کا جائزہ نہیں لیا مگر ۱۷۷۲ء سے جبکہ وہ ہندوستان میں احاطۂ بنگال کا گورنر مقرر ہوکر آیا تھا ۱۷۸۵ء کے موسم بہار تک جبکہ وہ یہاں سے روانہ ہوا تمام برطانوی ہند کی تاریخ کے واقعات کی رفتار روشان پر اس کی شخصیت کی مہر لگی ہوئی ہے اور اُن کو اسی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے ۔

جس وقت وہ اجلاس حکومت پر متمکن ہوا ہے اس وقت مرہٹوں کی قوت جو پورے سو برس سے استحکام پذیر ہو رہی تھی دریائے ستلج سے راس کماری تک کے تمام ہندوستانی رئیسوں اور ریاستوں کو لرزہ براندام کیئے ہوئے تھی۔ جو تباہ کن ہزیمت ان کو پانی پت کے میدان میں برداشت کرنی پڑی تھی اس نے انھیں پنجاب سے البتہ بے دخل کر دیا تھا مگر مغربی ہند میں ان کا دور دورہ تھا۔ راجپوتانہ اور وسط ہند میں وہ بے تکلف قتل و غارت

کرنے تھے اور من مانے فدیے وصول کرتے تھے اور نواب وزیر اودھ اور روہیلکھنڈ کی حکومتوں پر اور دہلی۔ آگرہ۔ الہ آباد کے قرب وجوار کی مسلمان ریاستوں پر آفت نازل کرنے کے لیے ان کی غارتگرانہ تاختیں شمال مغرب میں ان زرخیز مسطح قطعات میں ہوتی رہتی تھیں جن کو دریائے گنگ و جمن سیراب کرتے ہیں۔ اگرچہ مرہٹہ فوجوں کے مصارف مال غنیمت پر چلا کرتے تھے اور ان کے سردار محض اکھڑ۔ جاہل نبرد آزما ہوتے تھے جن کا کام صرف یہ تھا کہ ملک پر قبضہ کرلیں اور خراج عائد کردیں مگر ممالک مفتوحہ میں ان کا ملکی انتظام خصوصاً تحصیل محاصل کا کام برہمنوں کے ہاتھ میں تھا جو کہ اس زمانے میں ہندوستان کے بہترین ملکی و مالی آفیسر شمار کیے جانے کے قابل تھے۔ مرہٹوں کا اصول حرب یہ تھا کہ تمام ملک کو اپنے سواروں کے ذریعے چھانتے چلے جاتے تھے۔ اپنے مخالفین کو ہر طرح سے پریشان کرتے تھے اور ان کے وسائل کو نچوڑ لیتے تھے۔ اگر مدمقابل شکست قبول کرلیتا تو اس سے سخت خراج وصول کرتے تھے اور اگر یہ خود وہاں بس پڑتے تو ملک کو لوٹ لوٹ کر کھائے جاتے تھے۔ بے ضابطہ جنگ کو اس ہوشیاری سے جاری رکھنے سے اور ملک کی دولت ایسے قابلانہ طریقے سے نچوڑ لینے سے وہ اپنے غارتگروں کی کثیر فوج تیار رکھتے تھے جو ہندوستان کی تمام دوسری طاقتوں کو لرزہ براندام رکھتی تھی۔ حیدرآباد کی لمبی چوڑی ریاست باوصف اپنے عرض وطول کے بھی ان کے برابر کی نہیں تھی۔ خود انھی کے فن غارتگری کا قابل استاد میسور کا حیدر علی بھی ان کی مستعدی و کثرت تعداد کے آگے لاچار تھا۔ اور وہ سال کے سال کسی مزمن وبا کے دورے کی طرح روہیلوں پر اور نواب وزیر اودھ پر نازل ہوتے تھے اور یہ بیچارے نہ جانے کس کس جتن سے اپنے ان بڑے بڑے صوبوں کو بچا سکتے تھے جو خود انھوں نے سلطنت مغلیہ کے ٹکڑے پارچے کرکے حاصل کیے تھے تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ ہندوستان میں حاکمانہ اقتدار کے لیے انگریزوں کے مدمقابل مرہٹے ہی ہوتے چلے جارہے تھے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ سوائے مرہٹوں کے بالائے ہند میں انگریزی حکومت کی توسیع کی سدّراہ اور کوئی ہندوستانی طاقت نہیں ہوسکی اُس وقت تک جب کہ ۱۸۴۵ء میں سکھوں نے ستلج کو عبور کیا۔

۱۷۷۲ء میں جبکہ وارن ہیسٹنگز نے بنگال کی گورنری کو سنبھالا تو اُس وقت مختلف مرہٹہ سردار اپنی علٰحدہ علٰحدہ حکومتیں قائم کر رہے تھے مگر وہ سب کے سب اپنے پیشوا کے دامن دولت سے وابستہ ایک ہی سلسلے میں منسلک تھے۔ اور ۱۷۷۲ء سے وارن ہیسٹنگز کے تمام عہد حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات خارجہ پر انھی متنوع تعلقات کا اثر رہا جو انگریزوں اور ان مرہٹہ سرداروں کے درمیان قائم ہوتے رہے۔

ہیسٹنگز کو معلوم ہوا کہ ایک مرہٹہ فوج نے اپنی سالانہ تاخت بنگال کے شمال مغربی اضلاع میں کی اور جہاں اُس وقت شاہ عالم بادشاہ دہلی کلائیو کے مقرر کیے ہوئے وظیفہ پر الہ آباد میں رہا کرتا تھا اس نے ان سے استمداد کیا اور ان کی مدد سے اپنے پائے تخت پر قبضہ بھی حاصل کر لیا۔ ۱۷۷۱ء میں مرہٹوں کی زیر سرپرستی بادشاہ کو پھر تخت تو مل گیا مگر انھوں نے اُس کی بادشاہی کو محض دکھاوے کا ذریعہ رکھا اور اُس کے نام کے حیلے سے دوسرے اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور بادشاہ کو ایک زبردست سامان رسد سے معمور فوج کے درمیان محض اپنا دست نگر بنا رکھا۔ اس کے بعد انھوں نے تیزی کے ساتھ شمالی علاقوں میں جمع ہونا شروع کیا اور وہاں کے مسلمان رئیسوں پر آسانی سے اقتدار حاصل کرنا شروع کر دیا۔ انگریزوں کو ان کی جس حرکت نے زیادہ پریشان کیا وہ یہ تھی کہ مرہٹوں نے اب بادشاہ دہلی کے نام سے اضلاع کڑا و الہ آباد کی حوالگی کا تقاضا کیا جو کہ لارڈ کلائیو نے ۱۷۶۵ء میں بادشاہ کو بطور وجہ گزارہ کے اُس وقت سپرد کیے تھے جبکہ دیوانی کے حقوق کمپنی کو ملے تھے۔ چونکہ یہ اضلاع بنگال اور اودھ کی سرحد پر واقع تھے اسلیے ان پر مرہٹوں کا قبضہ کر لینا دونوں ملکوں کی حفاظت کو سخت خطرے میں ڈالنے والا تھا۔

باب یازدہم
فصل اول

اودھ کی شمالی سرحد پر اس زاویے میں جو ہمالیہ اور بالائے گنگا کے خط تقاطع سے بن جاتا ہے وہ ملک واقع تھا جس پر افغان رہیلوں کا قبضہ تھا۔ یہ ریاست کوئی پچیس سال سے قائم ہوئی تھی۔ اور ایک سربرآوردہ افغانی نسل کے سردار نے احمد شاہ کی پہلی ہندوستانی یورش سے فائدہ اُٹھا کر یہ ٹکڑا سلطنت مغلیہ میں سے اپنے لیے کھسوٹ لیا تھا۔ روہیلکھنڈ پر اس وقت ایک پنچایت کی حکومت تھی جس کا سردار حافظ رحمت خاں تھا اور یہ ملک مرہٹوں کے مقابلے میں عام خط مدافعت کا ایک جزو اہم تھا۔ مرہٹے اس ملک میں ایک مرتبہ ۱۷۵۹ء میں گھس پڑے تھے اور اب ۱۷۷۲ء میں پھر نمودار ہوئے۔ جس طرح اودھ بنگال کے کھلے ہوئے رخ کو ڈھانپے ہوئے تھا اسی طرح روہیلکھنڈ اودھ کی بے پناہ سرحد کا پشتہ تھا چنانچہ جب رہیلوں نے نواب وزیر سے مدد کی استدعا کی تو وزیر نے اپنی مملکت کو خطرے میں سمجھکر انگریزوں سے یہ تحریک کی کہ اس مشترکہ دشمن کے مقابلے کے لیے اتحاد عمل کریں۔ کلکتے کی حکومت نے سر رابرٹ بارکر کی سرکردگی میں ایک انگریزی دستہ بھیجا اور سر رابرٹ کو ہدایت کر دی کہ وزیر اودھ کی حمایت میں فوجی نمائش کرے اور اگر کوئی نامہ و پیام ہو تو ہر حال میں اودھ کی جنبہ واری کرے۔ اوّل وزیر اور روہیلوں میں ایک عہد نامہ ہوا جس پر انگریزی افسر نے تصدیق کی اس کا منشا یہ تھا کہ نواب وزیر مرہٹوں کو سرحد پر سے بھگا دے گا جس کے معاوضے میں روہیلے اس کو ایک مقررہ رقم ادا کریں گے۔ لیکن اس کے بعد ہی مرہٹے بطور خود وہاں سے ہٹ کر برسات کی وجہ سے پناہ لینے چلے گئے۔ شروع ۱۷۷۳ء میں وہ پھر نمودار ہوئے اور پھر روہیلکھنڈ کو دھمکی دینے لگے اور اس دفعہ اودھ، روہیلکھنڈ اور انگریزوں کی متحدہ فوجیں ان کے مقابلے کے لیے بڑھیں جب مرہٹوں کو واپسی پر مجبور کر دیا گیا تو نواب وزیر اودھ نے رقم مقررہ طلب کی مگر حافظ رحمت خاں نے لیت و لعل میں معاملے کو ٹالنا شروع کر دیا۔ اس پر وزیر نے انگریزوں سے استمداد کی جن کے فوجی افسر نے اس معاہدے کی صرف تصدیق کی تھی مگر کسی طرح کی کفالت نہیں کی تھی۔

باب پنجم فصل اول

اس تمام ردّ و بدل سے جنگ روہیلا رونما ہوگئی جس کی وجہ سے وارن ہیسٹنگز کو عام نشانۂ ملامت بننا پڑا اور اس پر ممبران پارلیمنٹ کی طرف سے لعن طعن کی بوچھاڑ ہوئی اور اس کارروائی کو سیاسی جرم کا ایک سیاہ دھبہ اس کے دامن حکومت پر قرار دیا گیا۔ ہم وارن ہیسٹنگز کے طرز عمل پر رائے زنی کرنے سے پہلے صورت حال پر ایک سرسری نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ سلسلۂ واقعات کو دیکھنے سے تمام معاملہ ایک کھلی سازش کا جال سا معلوم ہوتا ہے۔ وزیر کو یہ شبہ ہوا کہ یہ روہیلے جو ایک شاہی صوبے کے افغانی غاصب ہیں ضرورت کے وقت اس کے خلاف مرہٹوں سے مل جائیں گے اور کوئی وجہ بھی نہیں تھی کہ کیوں نہ روہیلے مرہٹوں سے مل جاتے کیونکہ خود وزیر بھی کچھ عرصے سے بڑی اہمیت کے ساتھ مرہٹوں کی اس تجویز پر غور کر رہا تھا کہ ادھ ادھر مرہٹے مل کر روہیلوں پر حملہ کریں اور ان کا ملک آپس میں تقسیم کرلیں۔ بہرحال وزیر میں اتنا سمجھ لینے کی عقل تھی کہ اگر وہ غارتگروں کے گروہ کے ساتھ شریک ہوکر اپنے ہمسائے کا گھر لوٹے گا تو ایک نہ ایک دن یہ لٹیرے اس کا دروازہ بھی جھانکیں گے اس لئے بہ حیثیت مجموعی اس کو زیادہ سلامت روی اسی میں نظر آئی کہ انگریزوں کے ساتھ اتحاد قائم کرے جن کی فوجیں میدان جنگ میں اس کی مدد بھی کریں گی اور جن کی معہود غرض یہ تھی کہ ادھ کو مرہٹوں کے اور اپنے درمیان ایک مضبوط حد فاصل بنائے رکھیں چنانچہ وزیر نے مقام بنارس پر گورنر جنرل کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران میں ۱۷۷۳ء میں یہ خواہش ظاہر کی کہ انگریزی فوج کی مدد سے روہیلکھنڈ پر اس کا قبضہ کرا دیا جائے۔ اور وجہ یہ ظاہر کی کہ روہیلوں نے زر معاوضہ ادا نہ کرکے نقض عہد کیا ہے ساتھ ہی وزیر نے انگریزوں کی مدد کا معاوضہ نہایت کھلے دل سے دینے کا وعدہ کیا۔ اس تجویز پر فریقین میں کچھ ردّ و قدح اور کچھ سوچ بچار کے بعد وارن ہیسٹنگز رضامند ہوگیا۔ چنانچہ اس نے اپنی کونسل کو لکھا:۔

اس نسخہ سے ہمارے اتحادی کے قبضے میں ایک منضبط اور مستحکم ریاست آجائے گی جو بیرونی حملے سے

دریائے گنگ کی وجہ سے بالکل محفوظ رہے گی اور
اُس کے برخلاف مخاصمت یا حفاظت کے لیئے ہماری
فوجوں کی رسائی وہانتک اتنی ہی آسان رہے گی جتنی کہ اب تک
ہے - اس تسخیر سے ہمارے اتحادی کو دولت ملے گی
جس میں سے ہمکو بھی حصہ ملے گا اور اگرچہ اس سے اُس کی
حیثیت محفوظ ہو جائے گی مگر اس کو کچھ ایسی زیادہ طاقت
حاصل نہ ہوگی جس سے ہم کو خطرہ پیدا ہو جائے - اس کی سرحد
کو مرہٹوں سے قریب تر لے آنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ
چونکہ اُس میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے
اسلیئے لامحالہ وہ اور زیادہ ہمارا محتاج ہو جائے گا - اور
ہمارے اور اس کے تعلقات زیادہ مستحکم ہو جائیں گے ؎

چنانچہ متحدہ فوجوں نے ۱۷۷۴ء کے موسم بہار میں روہیلکھنڈ پر حملہ کر دیا - روہیلوں نے اپنے قابل اور بہادر افسروں کی سرکردگی میں بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا اور محض وزیر کی فوج کا تو وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتے تھے مگر انگریزی فوجوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے - اور کئی جانبازانہ حملوں کے بعد ان کو شکست فاش ہوئی - ان کا بہادر سردار حافظ رحمت خاں میدان جنگ میں اپنی فوج سے آگے مردانہ وار لڑتا ہوا قتل ہو گیا - اور افغان کی یہ چھوٹی سی کم عمر جمہوری ریاست بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑ گئی - روہیلکھنڈ کو وزیر کے مقبوضات میں شامل کر دیا گیا اور اس طرح اس کے قبضے میں وہ تمام قطعہ ملک آ گیا جو دریائے گنگ کے بالائی حصے کی مشرقی سمت سے ہمالیہ تک پھیلا ہوا ہے اور جس کی مغربی سرحد پر دریائے گنگا کی ناقابل گذار شستہ بند سرحد ہے -

سیاسی نقطۂ نظر سے انگریزوں کے لیئے اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک محفوظ اور اطاعت شعار اتحادی کو ایک غیر محفوظ اور مشتبہ ہمسائے کی جگہ بند فاصل کے ایک اہم خط پر لا کر اپنی شمال مغربی سرحد کی مدافعانہ حیثیت مستحکم ہو گئی اور واقعہ یہ ہے کہ ان کو اس غرض میں کامیابی ہو گئی -

باب یازدہم
فصل دوم

اس کے سالہاسال بعد تک انگریزوں کی شمال مغربی سرحد بالکل امن وسکون کی حالت میں رہی یہانتک کہ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں انگریزوں نے خود اس سرحد کے پار قدم بڑھایا۔ مگر یہ فوائد ایک ایسی تجارت کے ذریعے حاصل کیئے گئے تھے جو اس قوم پر کی گئی تھی جس کا نہ انگریزوں سے ساتھ کوئی تنازعہ تھا نہ جس نے انگریزوں کو کسی قسم کا اشتعال دلایا تھا اور نہ جس کے تعلقات اب تک انگریزوں کے ساتھ کبھی غیر دوستانہ رہے تھے۔ اس معاملے میں وارن ہیسٹنگز کے طرز عمل کو کسی طرح مبنی بر جواز قرار نہیں دیا جا سکتا حتیٰ کہ اس لچکدار اصول پر بھی اس کی تاویل نہیں کی جا سکتی کہ ایک دور دراز ملک کے عامل کے لیئے اس کے ممالک مفوضہ کی حفاظت کا خیال تمام دوسرے قابل لحاظ امور پر مقدم ہے "

فصل دوم

جنگ مرہٹہ ۱۷۸۲ء و جنگ میسور ۱۷۸۰-۸۴ء

روہیلوں کے خلاف فوج کشی ہی صرف ایک لڑائی تھی جو وارن ہیسٹنگز نے بلاواسطہ خود ہی تجویز کی اور خود ہی اختیار کی اگرچہ وہ اپنی حکومت کے ساتھ طوفان خیز سالوں میں برابر ۱۷۷۵ء سے ۱۷۸۲ء تک جنگی کارروائیوں کی امداد و نگرانی میں مصروف رہا۔ اس وقت سے اس صدی کے آخر زمانے تک انگریزی فوجوں کا میدان جنگ ہندوستان کے جنوب میں اور مغرب میں رہا۔ بنگال میں معاہدہ استمداد (Subsidiary System) جو اودھ کے ساتھ قائم کیا گیا تھا انگریزوں کی مدافعانہ کارروائی کا سنگ بنیاد رہا اور اس کے بعد

باب یازدہم
فصل دوم

اگرچہ مرہٹہ فوجوں نے اکثر بنگال کو دھمکی دی مگر کبھی اُس پر حملہ نہیں کیا۔ لیکن بمبئی میں پریسیڈنٹ اور کونسل کو حصول مقبوضات کرکے اپنے تئیں امتیاز بخشنے کا بڑا شوق تھا خصوصاً اُن کا دانت سالسٹ پر تھا جو بمبئی سے بہت قریب ہے اس لیئے اُنھوں نے رگھوناتھ راؤ مرہٹہ سردار سے جس کو پونا سے بیدخل کرکے نکالدیا گیا تھا ساز باز کرکے مرہٹہ گورنمنٹ کا حاکم اعلیٰ مقرر کرنے کا اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ اس کے معاوضے میں بعض اضلاع کمپنی کی نذر کرے گا۔ بمبئی کے پریسیڈنٹ کی غرض یہ تھی کہ پونا میں سیاسی اقتدار حاصل کرے اور توفیر محاصل کے ذریعے سے بمبئی گورنمنٹ کی من مانی کارروائیوں کے اخراجات پورے ہوسکیں۔ لیکن اس منصوبے کی ترتیب نہایت ناقص طریقے پر کی گئی اور جو ذرائع استعمال کیئے گئے وہ حصول مقصد کے لیئے نہایت ناکافی تھے (جبکہ کلکتہ کی حکومت کو اس معاہدے کا مسودہ وصول ہوا جو رگھوناتھ راؤ کے ساتھ کیا گیا تھا تو یہاں سے اس کارروائی پر اظہار ناپسندیدگی کیا گیا اور اس جنگ کو سیاسی حیثیت سے احمقانہ اور پُرخطر، ضابطے کی رو سے ناجائز اور اخلاق کی رو سے غیر منصفانہ ظاہر کیا گیا اور ان الفاظ کے ساتھ احتجاج کیا گیا کہ "بمبئی کی حکومت نے زبردستی اپنے سر تمام مرہٹہ سلطنت کو فتح کرنے کا بار ایک ایسے شخص کی خاطر لے لیا ہے جو خود اس مہم میں کوئی معقول امداد دینے کے قابل نہیں ہے"۔ کلکتہ کی حکومت نے یہ صحیح پیشین گوئی کی تھی کہ یہ غیر ضروری اولوالعزمی انگریزوں کو مشکلات کے ناپیدا کنار سمندر میں ڈال دے گی۔ اور بمبئی گورنمنٹ کو حکم قطعی یہ بھیجا تھا کہ اگر بغیر خطرے کے ایسا ممکن ہو تو کمپنی کی فوجوں کو فوراً واپس بلا لیا جائے۔ لیکن اس خط کے بمبئی پہنچنے سے پہلے مہم روانہ ہو چکی تھی۔ سالسٹ اور بسین وغیرہ کے مقاموں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا تھا اور انگریز جنگ میں پھنس چکے تھے۔ مرہٹوں اور انگریزوں میں آراس بہاس طویل سلسلے کی پہلی لڑائی لڑی گئی جس میں کہ سرجنگ میں فریقین نے اپنی عزت اچھی طرح سے قائم رکھی تھی۔ بمبئی کی فوجوں کو مجبوراً بے ترتیبی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور اس پسپائی میں بہت سے انگریز افسر ضائع ہوئے جو اپنے

باب یازدہم
فصل دوم

پسپا ہونے والے منتشر سپاہیوں کی ترتیب قائم کرنے میں اپنی فطرت کے مطابق جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اب عزت کے ساتھ اور جلد ہی کوئی مصلح ہو جانا وارن ہیسٹنگز کو ناممکن معلوم ہوا اس لیئے اس نے اس پر اصرار کیا ہر چہ بادا باد ہمکو میدان میں اڑا رہنا اور مصیبتوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ تمام ہندوستان کو عبور کر کے کلکتہ سے امدادی فوجیں بھیجی گئیں اور مرہٹوں سے کچھ گفتگوئے صلح کا ڈھب بھی ڈالا گیا۔ مگر کوئی دورخی کارروائی سے ان کا غصہ جائز طور پر زیادہ بڑھتا گیا۔

اس طرح انگریز ایک طویل۔ مسرفانہ اور بے مصرف جنگ میں پھنس گئے جو اصل سرچشمہ ان تمام ناقابل اختتام مخاصمتوں کا بن گئی جن میں ہیسٹنگز کی حکومت کے ساتوں سال صرف ہو گئے۔ جس سے اس کا خزانہ بالکل صاف ہو گیا۔ اس کی نیک نامی غارت ہو گئی اس کا انتظام ابتر ہو گیا اور مختلف اوقات میں بمبئی اور مدراس پر موت زیست کی گھڑیاں گزر گئیں ان غیر متعلقین۔ غیر فیصلہ کن لڑائیوں کی کوئی ایسی تفصیل و تشریح کرنی ممکن نہیں ہے جو مختصر بھی ہو اور واضح بھی ہو چنانچہ تمام معاملے کا خلاصہ یہ کر دینا کافی ہو گا کہ اس زمانے میں مرہٹے اتنے زبردست اور اس قدر متحد تھے کہ ایسی ایسی فوجیں جو انگریز ان کے مقابلے کے لیئے بھیج سکتے تھے ان کے اتحاد و اطمینان فتح پر کوئی رعب داثر ہرگز نہیں ڈال سکتی تھیں۔ ان کے قبضے میں وسط ہند کا وہ موقع تھا جہاں سے وہ علیحدہ علیحدہ تینوں انگریزی احاطوں کو دھمکی بھی دے سکتے تھے انگریزوں کے خلاف کامیابی سے حیدرآباد اور میسور میں سازش بھی کر سکتے تھے اور اپنے سواحل مغرب کے بندرگاہوں سے فرانسیسیوں سے بھی نامہ و پیام کر سکتے تھے۔ بمبئی اور مدراس کے دونوں چھوٹے احاطوں پر ایسے گورنر تھے جو نااہل اور ناعاقبت اندیش تھے۔ جن کو گورنر جنرل کے اعلیٰ اختیارات سے سخت حسد تھا۔ جو اس کے مشوروں اور احکام کے ساتھ بے پرواہی برتتے تھے اور اسکی حکمت عملی کے سد راہ ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہیسٹنگز کی مخالفت اسکی اپنی کونسل میں بھی ہوتی تھی اور لندن میں بھی اس کی مخالفت اس کے دشمن

باب یازدہم
فصل دوم

کرتے رہتے تھے۔ اگر وہ جنگ سے فوراً کنارہ کشی کرنے کے قابل ہو جاتا اور مرہٹوں کے ساتھ صلح کر لینے پر آمادہ ہو سکتا تو وہ ان سنگین پیچیدگیوں میں اُلجھنے سے بچ جاتا جو مرہٹوں پر حملہ کرنے کی اصلی غلطی سے پیش آ رہی تھیں۔ لیکن انگریز بھی اپنی ضد پر اڑ گئے اور یہ عزم بالجزم کر لیا کہ سالسٹ اور بسین کو ہاتھ سے نہیں دیں گے۔ باوجودیکہ ہیسٹنگز نے پونا میں ایک سفارت بھی بھیجی مگر مرہٹوں نے ان دونوں مقاموں کی حوالگی سے صاف انکار کر دیا اور نامہ و پیام کا سلسلہ ۱۷۷۶ء تک جاری رہا حتیٰ کہ یورپ کی سیاسیات کے ایک الٹ پھیر نے ہندوستانی معاملات کا پانسہ حسب معمول بالکل پلٹ دیا ہو۔

اسی زمانے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اعلان خود مختاری کر دیا اور انگریزوں کو اپنی شمالی امریکہ کی نوآبادیات کی اس بغاوت کے فرو کرنے میں اس درجہ منہمک ہونا پڑا کہ فرانسیسیوں نے اس اعلیٰ درجے کے موقع سے فائدہ اُٹھا کر انگریزوں سے ان نقصانات کا انتقام لینے کا عزم کیا جو اُن کو جنگ ہفت سالہ میں انگریزوں کے ہاتھوں برداشت کرنے پڑے تھے۔ فرانس کے وزیر نے ایک خفیہ سرکاری کاغذ میں لکھا تھا کہ منتقم حقیقی نے یہ وقت خاص انگلستان کی ذلت کے لیے معین کیا ہے۔ غرض یہ کہ امریکہ کی نوآبادیات کو فرانس نے مستعدی کے ساتھ مگر خفیہ طور پر اس درجہ امداد پہنچائی کہ فرانس و انگلستان میں قطع تعلقات ناگزیر ہو گیا۔ ایک فرانسیسی سفیر ۱۷۷۷ء میں اس لیے ہندوستان پہنچا کہ اس شرط پر مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کی تجویز کرے کہ فرانسیسیوں کو مغربی ساحل پر کوئی بندرگاہ دے دیا جائے پیشوا نے ان تجاویز کی ہمت افزائی کی اور انگریزوں میں اس سے بے انتہا خطرہ و تنفر کے خیالات پیدا ہو گئے کیونکہ یورپ ہندوستان اور امریکہ میں جو صورت حالات پیش آ رہی تھی اُس کے اعتبار سے ایسا اتحاد کسی طرح گوارہ کئے جانے کے قابل نہیں تھا۔ اسی سال سفیر انگلستان متعینہ پیرس کے پاس سے خفیہ اطلاع وارن ہیسٹنگز کے پاس پہنچی کہ انگریزوں کے

باب پانزدہم
فصل دوم

دشمنوں کی امداد کے لیئے فرانسیسی ایک مہم ہندوستان کی طرف بھیجنے کی تجویز پر متفق الرائے ہو رہے ہیں۔ ۱۷۷۸ء میں یہ خبر آئی کہ برگوئین نے اہل امریکہ کے مقابلے میں مقام سارا ٹوگا میں ہتھیار ڈال دیئے جس کے ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ فرانس اور غالباً اسپین بھی انگلستان کے مقابلے میں اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔ ادھر ایک فرانسیسی جہاز نے جزیرۂ بوربون سے بہت سا سامان حرب اور کئی فرانسیسی افسران جنگ حیدر علی کے لیئے جنوبی ساحل پر اتار دیئے تھے۔

اگرچہ اسی زمانے میں کلکتہ کونسل کے اندر فلپ فرانسس اور وارن ہیسٹنگز کا اختلاف نہایت ترش و تلخ ہو رہا تھا پھر بھی گورنر جنرل نے ایک تحکمانہ انداز کے ساتھ ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیئے مناسب ذرائع اختیار کرنے کی تجویز کو منظور کرا ہی لیا۔ ہندوستان کے تمام فرانسیسی مقبوضات پر قبضہ کر لیا گیا۔ بنگال سے ایک امدادی فوج بمبئی کو بھیجی گئی اور وقت کی ضرورت سے مجبور ہو کر گورنر جنرل نے عزم بالجزم کر لیا کہ حال ہی میں جو معاہدہ مرہٹوں سے ہوا تھا اس کو الگ پھینکے اور رگھوناتھ راؤ کی جنبہ داری کر کے پونا پر ایک اور فوج کشی کی منظوری دے۔ آج کل کے زمانے میں مہذب سلطنتوں نے اس طریقے کو متروک کر دیا ہے کہ کسی غیر ملک کے مدعی تاج و تخت کی امداد کی جائے۔ چاہے وہ سلطنتیں خود اس غیر ملک کے ساتھ برسرِ جنگ ہی کیوں نہ ہوں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ اگرچہ بین الاقوامی قوانین نے اس کارروائی کو بالکل نامنظور نہیں کیا ہے مگر اسکو ناپسند ضرور کیا ہے مگر خاص طور سے اس سبب سے کہ تجربات کے ایک طویل سلسلے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایسی کوششوں سے دشمن کے نفرت و غصے میں اضافہ ہو جاتا ہے اور سیاسی حیثیت سے یہ ہتھکنڈے ہمیشہ اوچھے رہتے ہیں اور ان سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ مگر ایک زمانے میں یورپ میں دشمن کو تنگ یا کمزور کرنے کا یہ عام طریقہ تھا اور ایشیا میں اب بھی نہایت معقول کارروائی سمجھی جاتی ہے اور خود برطانوی ہند کی تاریخ میں اس کی کئی نظیریں موجود ہیں

باب یازدہم
فصل دوم

جن سے یقیناً سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ غرض یہ کہ رگھوناتھ راؤ مرہٹہ حکومت کی وزارت عظمیٰ دلانے اور اس کی مدد کرنے کی تجویز ایک دوراز کار منصوبہ تھا کیونکہ دوسری مہم کو بھی ناکامی و ذلت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اُس کے ملکی و فوجی سربرآوردہ کاروں نے بڑی بڑی موٹی غلطیاں کیں اور بڑی ذلت کے ساتھ ہاریں مانیں۔ مدعی رگھوناتھ راؤ میدان چھوڑکر جانے کہاں بھاگ گیا اور انگریزوں کے ہاتھ سوائے مرہٹوں کی جائز اور دائمی ناراضگی کے کچھ اور نہیں آیا۔ گرانٹ ڈف نے لکھا ہے کہ بمبئی کی گورنمنٹ نے حالت مایوسی میں مٹھی بھر آدمی سلطنت مرہٹہ کے مقابلے کے لئے بھیج دیئے تھے اور اتنی بڑی مہم کا اہتمام ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا تھا جو کسی طرح عہدہ برآ ہونے کے اہل نہیں تھے۔ مگر یہ سب طفل تسلیاں ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بلکہ اُس صدی کے آخر زمانے تک مرہٹوں کی قوت ایسی تھی کہ اگر اس کا کم سے کم اندازہ بھی لگایا جائے تو کسی حیثیت سے انگریزوں سے کم نہیں تھا۔

میدان جنگ میں دوسری مرتبہ جاں فرسا ہزیمت اور مرہٹہ جتھے کے بعض سربرآوردہ سرداروں کو توڑ لینے کی چند زبردست سیاسی چالوں کی ناکامی کے بعد جس میں فن حکمرانی کے ان قابل ماہروں نے ہیسٹنگز کی ایک پیش نہیں چلنے دی گورنر جنرل نے یہ محسوس کیا کہ وہ ایک ناقابل اختتام جنگ کی بھول بھلیاں میں پھنس گیا تھا اور اس کے مقابلے میں ایسے بے قید ایسے مستعد ایسے سبکرو اور ایسے انتھک دشمن تھے جو اس ہنر سے خوب واقف تھے کہ انگریزوں کے لئے کس قدر کثیر مشکلات پیدا کر دینی چاہئیں۔ حیدر علی شاہ میسور جو کئی سال سے وسائل کی توفیر میں مصروف اور اپنے جزیرہ نما میں موقع کا منتظر تھا اب اس نے اُس جوش انتقام کے علامات ظاہر کرنے لگا جو اُس کے پرکینہ سینے میں اس وقت سے موجزن تھا جب سے کہ انگریزوں نے ۱۷۶۹ء میں مرہٹوں کے مقابلے میں اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جب کلکتہ کی حکومت نے فرانسیسی مقبوضات کی تسخیر کا عزم کیا تھا تو مدراس احکام بھیجدیئے گئے تھے کہ فرانسیسیوں کے ملحقہ مقبوضہ ماہی پر فوراً قبضہ کر لیا جائے کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ یہ بندرگاہ جو جزیرہ نمائے ہند کے بالکل جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے

باب یازدہم
فصل دوم

کسی دن فرانسیسیوں کو اور میسور کے درمیان ذریعۂ نامہ و پیام نہ بن جائے۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے حیدر علی کی یہ خواہش تھی کہ یہ بندرگاہ اُس کے زیر حفاظت چھوڑ دیا جائے۔ جو کچھ بھی ہو اُس نے مدراس کے حکام سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقام پر ہاتھ نہ ڈالیں جس کی وجہ اُس نے یہ بیان کی کہ ماہی میسور کے حدود و اختیار کے اندر ہے اور وہاں کے باشندے رعایائے میسور ہیں اور اگر ان پر حملہ کیا گیا تو میسور کو ان کی حفاظت کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ باوجود اس کے بھی ایک انگریزی دستے نے ماہی پر ایسے وقت میں قبضہ کر لیا جبکہ حیدر علی مرہٹوں کے کچھ دور کے کنارے والے اضلاع کی کتر بیونت میں مصروف تھا اور انگریزوں اور مرہٹوں کو مصروف پیکار پاکر اپنی مملکت کی پیوند پارے کر رہا تھا۔ والیٔ میسور کے صریح و قطعی احکام کی طرف سے اس بے پروائی نے اسے سخت اشتعال دلایا مگر اُلٹا اُس پر رعب جمانے کے لیئے انگریزی فوج بغیر اُس کی اجازت کے اُس کی سرحد کے ایک حصے کو عبور کر کے نکل گئی جس حماقت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کی ناراضگی اور غصے کی انتہا نہیں رہی۔

اٹھارھویں صدی کے ربع آخر کے دوران میں ہندوستان کا توازن قوت ایک طرح کے مثلث پر مبنی تھا جس کے تینوں اضلاع انگریز۔ مرہٹے اور میسور تھے اگر اُن دونوں میں کوئی سے دو لڑتے تو اُسی وقت تیسرا غلبہ پا جاتا تھا اور اگر کوئی سے دو متحد ہو جاتے تو تیسرے کی ہستی معرض خطر میں آجاتی۔ بالکل یہی صورت ۱۷۸۰ء میں پیش آئی جبکہ فرانس کے ساتھ انگلستان کی جنگ چھڑ جانے کے خطرے نے برطانیہ ہند کی حکومت کو اُن شتاب کاریوں پر مائل کیا جن کی وجہ سے انگریزوں کو پہلے مرہٹوں کے ساتھ اُلجھنا پڑا دوسرے میسور کے ساتھ لڑائی مول لینی پڑی اور سب کے بعد دونوں کی متحدہ مخاصمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۷۸۰ء کے موسم گرما تک انگریزوں کا اقبال ہندوستان میں اپنے انتہائی زوال تک پہنچ چکا تھا۔ کلکتہ میں اس طویل و بعید جنگ کے مصارف نے بنگال کے تمام وسائل کو نچوڑ لیا تھا اور اندرونی نفاق نے تباہ

کر دیا تھا کیونکہ گورنر جنرل کو اب تک اپنے ضدی مصاحبین کے ساتھ برابر جھگڑا کرنا پڑتا
جن میں سے ایک مسمی فرانسس کو تو آخرکار اس نے ایک پستول کی گولی سے خموش
کر دیا۔[۱] بمبئی میں تمام ابواب سرکاری کی آمدنی اس قدر ختم ہو گئی تھی کہ کونسل نے یہ رپورٹ
کی کہ فوجوں کو اس وقت میدانِ جنگ میں برسرپیکار رکھنے کی اس لیے ضرورت
ہے کہ خاص بمبئی میں ان کی تنخواہ دینے کو کچھ نہیں ہے۔ جنوب میں حیدر علی نے
مرہٹوں کے ساتھ اتحاد عمل کر لیا تھا۔ نواب نظام الملک والیٔ حیدرآباد کو انگریزوں کے خلاف
اتحاد ثلاثہ میں طوعاً و کرہاً شریک کر لیا تھا۔ فرانسیسیوں سے بحری امداد کا
وعدہ لے لیا تھا اور جولائی ۱۷۸۰ء میں اپنے پہاڑی علاقے سے اسّی ہزار کا لشکر
لیکر کرناٹک کے میدانوں پر اتر آیا تھا۔ ان تمام خطرات پر تنبیہ کرنے والی عملداری
کو مدراس میں بے توجہی اور حقارت کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ سر ٹامس رمبولڈ نے
مدراس کے نااہل اور بدطینت گورنر نے اسی سال فصل بہار میں انگلستان جاتے وقت اپنی
رخصت کے وقت کی رپورٹ میں یہ اندراج کیا تھا کہ میں احاطۂ جنوبی کو کامل امن و سکون
کی حالت میں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ مگر اس سے چند ہی ماہ کے عرصہ میں حیدر علی جس کی
تیاریوں کی عرصے سے شہرت اڑ رہی تھی آندھی کی طرح نیچے کے میدانوں پر چھا گیا اور اس کے
سواروں نے سواد مدراس تک کرناٹک کو گرد برد کر کے رکھ دیا۔ جو انگریزی فوجیں اس کی
سدراہ ہونے کو بھیجی گئی تھیں وہ محصور کر لی گئیں اور تقریباً فنا کر دی گئیں۔ مدراس کا خزانہ
خالی پڑا تھا اور شہر میں رسد کا کوئی پتہ نہیں تھا اور اگر حیدر علی چاہتا تو ذرا ہم کر جنگی کارروائی
کرنے سے اس شہر کو آسانی سے تسخیر کر سکتا تھا۔

ہیسٹنگز نے خبر پاتے ہی کلکتہ سے روپیہ اور امدادی فوج سر آئر کوٹ کی سرکردگی
میں فوراً مدراس کو روانہ کی۔ سر آئر کوٹ نے جولائی ۱۷۸۱ء میں حیدر علی کو پورٹو نووو
کے مقام پر شکست دی اور کچھ نہ کچھ جتن کر کے اس کو دارالحکومت مدراس کے سواد سے دور
بھگا دیا۔ لیکن اس ناگہانی حملے نے گورنر جنرل کے تمام منصوبوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔

---

[۱] وارن ہیسٹنگز اور فرانسس میں ۱۷ اگست ۱۷۸۰ء میں کلکتہ کے مقام پر ڈیول ہوا جس میں فرانسس
کے کاری زخم آیا۔ مگر آخرکار وہ صحت یاب ہو گیا۔

باب یازدہم
فصل دوم

اور اب اُس کو مرہٹوں اور حیدر علی کے مقابلے میں دو دستی جنگ کرنی تھی۔ خود گورنر جنرل کا خزانہ بھی خالی ہو چکا تھا۔ اُس کی فوجی قوت پر حد سے زیادہ بار پڑ چکا اُس کی مرہٹوں کے جتھے میں پھوٹ ڈالنے کی تمام کارروائیاں الٹ دی جا چکی تھیں۔ اُس کو ایک مرہٹہ سردار سندھیا سے شمال مغرب میں گوالیار کے قریب لڑنا پڑ رہا تھا دوسرے سردار ہیشوا سے بمبئی کے قریب جنگ کرنی پڑ رہی تھی۔ اور جو شرائط صلح اُس نے اپنی پیش کی تھیں جو ہر طرح مرہٹوں کے بہت فائدے کی تھیں وہ حقارت کے ساتھ مسترد کر دی گئی تھیں انتہائی جنگی سرگرمی بھی مرہٹوں کو مغربی سواحل پر روک نہیں سکتی تھی اور مدراس میں جو فوج حیدر علی کے مقابلے کے لیئے مامور تھی اُس پر قلت ذخائر کی وجہ سے بڑا سخت وقت گزر رہا تھا اور مدراس کا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سندھیا جو بہت سرعت کے ساتھ تمام مرہٹہ سرداروں میں سب سے زبردست ہوتا جاتا تھا اس وقت تک اپنی فتوحات کی توسیع وسط ہند سے جانب شمال آگرہ اور دہلی تک کر چکا تھا۔ لیکن اگرچہ اُس کی نقل و حرکت نے بنگال کو دھمکی دینی شروع کر دی تھی مگر وہ انگریزوں کے سب سے زبردست نقطۂ اجتماع کی زد میں بھی اچھی طرح آگیا تھا چنانچہ چند جوش و خروش کی آویزشیں وقوع میں آئیں اور قلعۂ گوالیار فتح کر لیا گیا جس کو کمند اندازی کے ذریعے سے انگریزوں کے ایک فراموش کردہ جوان مرد کپتان پوپھم کی شاندار و بہادرانہ ترکیب سے تسخیر کیا تھا۔ اب سندھیا کو ہوش آیا اور اس نے یہ سمجھا کہ فائدہ اسی میں ہے کہ انگریزوں سے کوئی نہ کوئی سمجھوتہ کر لیا جائے۔ چنانچہ آپس میں یہ طے پایا کہ سندھیا کو دہلی کے قرب و جوار کے اُن اضلاع میں توسیع فتوحات کو جاری رکھنے دیا جائے جو ابتک شاہ دہلی کے قبضے میں تھے بشرطیکہ وہ انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان ثالث بالخیر بن کر مناسب شرائط پر صلح کرا دے۔ اس طرح بڑی بڑی قربانیوں کے بعد ہیسٹنگز اس جنگ کو مئی ۱۷۸۲ء میں اختتام تک پہنچانے میں کامیاب ہوا جو نہ انگریزوں کے نام کے لیئے باعث عزت تھی۔ نہ اُن کے اغراض کے لیے کسی طرح

باعث مفاد تھی۔ اور جس کے مآل کار سے وہ ناگزیر ضروریات پیدا ہوئیں جنھوں نے ہیسٹنگز کو اس استحصال پر مجبور کیا جو کہ آخر کار اس کی مجرمیت کی وجہ موجہ بن کر رہا۔ وہ لکھتا ہے کہ ۱۷۸۰ء میں مدراس او بمبئی کی مدافعت ومقاومت کے مصارف نے ... سخت ترین مالی مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا... دونوں احاطے تمام وکمال بنگال کے وسائل کے محتاج رہے تھے اور ۱۷۸۱ء تک بنگال کا خزانہ بھی باوجود ہر طرح کے ابواب آمدنی کھول دینے کی انتہائی کوششوں کے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ ان مشکلات کا دباؤ ایسا سخت پڑا تھا کہ ہیسٹنگز نے بنارس کے راجہ سے ایک رقم خطیر کا بطور معاوضہ حفاظت مطالبہ کیا جس سے بڑا سخت شور وغوغا بلند ہوا۔ جب راجہ نے رقم کی ادائگی میں تساہل کیا تو ہیسٹنگز بذات خود بنارس گیا راجہ پر اس مطالبے سے بھی بڑی رقم کا جرمانہ عائد کیا اور اس کو نظر بند کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بغاوت پھوٹ پڑی جس سے ہیسٹنگز کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی مگر اس کو بغیر کسی مزید سیاسی حیثیت کو نقصان پہنچائے ہوئے زبردست قوت کے ساتھ فرو کر دیا گیا۔ اس جنگی خزانے کے خالی ہو جانے کی بھوک نے ہیسٹنگز سے ایک حرکت یہ کرائی کہ اس نے بیگمات اودھ اور ان کے خواجہ سراؤں پر جبر کیا کہ وہ گورنمنٹ کو وہ روپیہ دیں جس کو اپنے پاس روک رکھنے کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں تھا اگرچہ اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش ہے کہ آیا گورنر جنرل کو اس قسم کی تعدی کرنی روا بھی تھی یا نہیں۔ ان دونوں استحصالوں کے واقعات اتنی مرتبہ بیان کئے جا چکے ہیں اور اب تک بیان کئے جاتے ہیں کہ یہاں صرف ان کے متعلق اشارہ کر دینا کافی ہے۔

مرہٹہ فوجوں کے تمام ملک میں پھیلے ہونے نے اور ان کے ایک جگہ جمع کر نہ لڑنے نے ان کو نہایت پریشان کرنے والا دشمن بنا دیا تھا۔ اور اپنے جنگی مستقر لونا سے ان دروں میں ہو کر جو سواحل مغرب تک اترتے چلے آئے ہیں وہ بمبئی پر چھائے رہ سکتے اور اکثر اس کو دھمکی دے سکتے تھے۔ لیکن ان کی جتھابندی اب کمزور ہوتی جاتی تھی۔ کیونکہ ان کے سرداروں کے اتحاد عمل میں اب فرق آتا جاتا تھا اور ان میں سے اکثر پیشوا کے اختیارات پر اسی طرح قبضہ

باب یازدہم
فصل دوم

کرتے جارہے تھے جس طرح اس سے پہلے خود پیشوا نے سیواجی کی اولاد کے ہاتھ سے شاہی اختیارات چھین لئے تھے۔ برخلاف اس کے حیدر علی کی فوجیں ایک آقا کے زیر فرمان تھیں جس کی جائے قیام۔ قابلیت اور جنگی سرگرمی نے اس کو کسی فیصلہ کن لڑائی کے لئے نہایت خطرناک مدمقابل بنا دیا تھا۔ وہ جزیرہ نمائے ہند کے ایک زاویے میں اپنی مستعد اور زبردست فوج کو لئے بڑے استحکام کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اِدھر سواد مدراس کے میدانوں تک اور اُدھر دونوں طرف کے ساحلی علاقوں تک اس کی رسائی بلا خرخشہ ہو سکتی تھی۔ حیدر علی نے مدتوں سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ ہندوستان کی کمزوری اور انگریزوں کی قوت کا راز سواحل ہند کی غیر محفوظی و بے پناہی میں مستتر ہے۔ اس نے خود بھی ایک جنگی بیڑا مرتب کرنے کی سخت کوشش کی تھی اور موجودہ جنگ نے اس کو اس فرانسیسی بحری دستے کی آمد کا پورا اطمینان تھا جو جزیرہ بوربون میں اس غرض سے آراستہ کیا جارہا تھا کہ انگلستان و ہندوستان میں سلسلۂ ارتباط قطع کرادے۔

جب ۱۷۸۰ء میں یہ بحری دستہ ساحل کورومنڈل پر نمودار ہوا تو اس وقت حیدر علی کرناٹک میں انگریزوں کی جگہ جگہ پھیلی ہوئی فوجی چوکیوں کا قلع قمع کرنے میں مصروف تھا جو کہ بالکل اس کے اختیار میں تھیں۔ اور اگر فرانسیسی بھی اس وقت مشارکت کر سکتے تو وہ کڈالور کے اہم مقام پر یقیناً قبضہ کر لیتا جو کہ بعد کو ۱۷۸۱ء میں حیدر علی کے بیٹے ٹیپو کے ہاتھ سے فتح ہوا لیکن فرانسیسی امیر البحر پھر بوربون واپس چلا گیا۔ اِدھر حیدر علی کو سر آئر کوٹ نے اس قدر دبایا کہ آخر کار وہ پورٹو نووو پر سب طرف سے گھر گیا اور ایسی سخت ہزیمت اس کو ہوئی جس نے اسے بالکل شکستہ حال کر دیا اور تمام سطح قطعہ ملک انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد جب فرانس کا بہترین امیر البحر سفرن ۱۷۸۲ء میں ساحل پر ایک زیادہ زبردست بیڑہ لیکر دوبارہ نمودار ہوا تو اس کا مسائد ورڈ ہیوز کی سرکردگی میں ایک زبردست انگریزی بیڑے سے دوچار ہونا پڑا جو اگرچہ اس کے برابر کا نہیں تھا پھر بھی ٹکر جھیلنے کے لئے کافی تھا۔ اُدھر

باب یازدہم
فصل دوم

حیدر علی بالکل دست و پا شکستہ بدحال ہو چکا تھا۔ انگریز فرانسیسیوں اور اہل ہالینڈ کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر چکے تھے اور اس طرح فرانسیسی بیڑے کے لئے ساحل سمندر پر کوئی مرکزی مقام باقی نہ رہا تھا جہاں سے وہ سامان رسد حاصل کر سکتا یا اپنے جہازات کی ضروری مرمت کر سکتا بہرحال سفرن نے دو ہزار فرانسیسی فوج کسی نہ کسی طرح ساحل پر اتاری جس کی مشارکت کے لئے حیدر علی کا بھیجا ہوا ایک دستہ بھی آگیا۔ ادھر حیدر علی کے بیٹے ٹیپو کی فوج نے جس میں چار سو فرانسیسی بھی تھے کرنل برتھویٹ کے ایک دستے کو اچانک آگھیرا اور یہ انگریزی دستہ سخت اور مایوسانہ مدافعت کے بعد تقریباً فنا کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں پانچ زبردست مڈبھیڑیں سفرن اور ہیوز کے درمیان خلیج بنگال میں ہوئیں۔ سفرن جو کہ قابل تعریف ماہر جنگ تھا ضرور انگریزی بیڑے کو شکست دیدیتا مگر اس کے کپتان جیسی وہ چاہتا تھا ویسی اس کی مدد نہیں کر سکے۔ برخلاف اس کے خود ہیوز اور اس کے تمام افسر اس قدر جی توڑ کر لڑے کہ انگریزوں کی اعلیٰ قابلیت جہازرانی اور غیر متزلزل پامردی نے اس درجہ غلبہ حاصل کیا کہ فرانسیسی بیڑہ کسی طرح اس قابل نہ ہو سکا کہ خشکی والی فوج کو کچھ بھی مدد پہنچائے۔ شروع ۱۷۸۳ء میں بسی فرانسیسی پیدل فوج کا ایک بڑا دستہ فرانس سے لیکر ہندوستان میں آگیا۔ لیکن ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کے انتقال کر جانے سے انگریزوں کا پیچھا اپنے دشمن صعب سے چھوٹ گیا تھا اور اگرچہ اس کے بیٹے ٹیپو نے فرانسیسی فوج کا ساتھ دیکر انگریزی فوج سے گڈالور میں بری طرح ہتھیار رکھوا لئے مگر کوئی ایسی کاری ضرب انگریزوں پر نہیں لگائی جا سکی یہاں تک کہ ۱۷۸۳ء میں فرانس اور انگلستان میں صلح ہو جانے کی خبر ہندوستان میں آگئی جس پر سفرن نے فرانس کی طرف لنگر اٹھا دیا اور اس کے کچھ عرصے بعد ٹیپو نے بادل ناخواستہ انگریزوں کے ساتھ شرائط صلح طے کر لیں۔ اس طرح خدا خدا کر کے یہ سات سال تک جاری رہنے والی جنگ ختم ہوئی جس کے دوران میں ہندوستان میں انگریزوں کی قوت کو بہت سے خطرناک انقلابوں کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن دشمنوں کا وہ نرغہ جس میں ہیسٹنگز چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا آخرکار ٹوٹ چکا تھا۔

باب یازدہم
فصل دوم

اور بہار ۱۷۸۵ء میں جب اس نے اپنے عہدے سے استعفا دیا ہے تو انگریز تمام دیسی رئیسوں کے ساتھ برسر صلح تھے ۔

ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ تمام اٹھارہویں صدی کے دوران میں ہندوستان کے اندر صلح و جنگ کی تبدیلیوں کا انحصار فرانس اور انگلستان کی دوستی و دشمنی کی تجدید پر رہا ہے ۔ جبتک فرانسیسی اس ملک میں انگریزوں کے رقیب رہے دونوں کمپنیاں باہمی مودت یا مخاصمت میں اپنی اصلی سلطنتوں کے اشارے پر رنگ بدلتی رہیں ۔ جب یہ رقابت ختم ہوگئی تو فرانسیسیوں کے قبضے میں ان کے ساحلی مقبوضات رہ گئے لیکن ان کا بیڑا انگریزوں کے ساحلی علاقے کو ہمیشہ دھمکی دیتا رہا اور انگریزوں کے ہندوستان کے ساتھ سلسلۂ ربط کی حفاظت کا تمام و کمال انحصار فرانس و انگلستان کی جنگ کی بحری جنگوں کے نتیجوں پر رہا اسلئے برطانیہ ہند کی حکومت ہمیشہ ان خطرات پر کان کھڑے رکھتی تھی جو فرانس کے ساتھ انگلستان کی جنگ کے احتمال سے پیدا ہوتے تھے اور کسی فرانسیسی فوج کے ساحلی علاقے پر اترنے کی فقط افواہ سے ہی اس گورنمنٹ کی جنگی مستعدی میں عملی تحریک پیدا ہوجاتی ۔ اگر کوئی دیسی رئیس کبھی ہائینس کے ساتھ نامہ و پیام کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا تو اس کے ساتھ فوراً ایک خطرناک دشمن کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اس پر بہر ممکن سرعت کے ساتھ حملہ کرکے اس کو بے دست و پا کر دیا جاتا تھا ۔ اس ضرورت سے زیادہ احتیاط کا ایک یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ فرانسیسیوں نے جتنی مرتبہ انگریزوں کے خلاف ہندوستانی سلطنت پر حملہ کرنے کی نمائش کی اتنی ہی مرتبہ انگریزی سلطنت کی حدود بجائے گھٹنے کے بڑھتے ہی چلے گئے ۔ سوائے اس ایک جنگ کے جو صلح ورسلیز پر ۱۷۸۳ء میں ختم ہوئی ۔ اس طوفان خیز زمانے کے بڑے حصے میں انگریزوں کے مقابلے پر بہت زبردست اور بھاری قوتیں تھیں ۔ ان پر دنیا کے ہر حصے میں بہت سخت دباؤ پڑ رہا تھا جس کی وجہ سے انھیں اپنے قدم ہندوستان کی اپنی اصلی ملکیت پر بھی جمانا محال ہو رہا تھا ۔ ۱۷۸۰ء میں انگلستان کو بغیر کسی اتحادی کے اور سب سے انتہا سخت مخالفتوں کے مقابلے میں تن تنہا یورپ کی تمام بڑی بڑی بحری قوتوں یعنے فرانس ۔ اسپین اور ہالینڈ سے اور ان کے علاوہ

باب یازدہم
فصل دوم

امریکہ کی نوآبادیات سے جنگ کرنی پڑی تھی۔ ایشیا میں بھی انگلستان کو دو نہایت جنگ جو اور نہایت ہوشیار ہندوستانی طاقتوں کی کشاکش میں پھنس جانا پڑا تھا اور یہ دونوں دشمن فرانس سے بھی برابر معاملہ کر رہے تھے جس نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں وہی جنگی چال چلنی شروع کی تھی جو شمالی امریکہ میں اس قدر کامیاب ہو چکی تھی۔ انگریزوں نے اپنی امریکہ کی نوآبادیات کھو دیں نہ اس وجہ سے کہ امریکہ والوں نے خشکی پر اعلیٰ درجے کی مقاومت کی کیونکہ اس مقاومت کو آخر میں ممکن تھا کہ بالکل توڑ دیا جاتا بلکہ اس وجہ سے کہ انگریزوں کے دشمنوں نے ان پر ایسا دباؤ ڈالا تھا کہ بحر اطلانطک کو عبور کر کے انگلستان و امریکہ میں سلسلۂ ارتباط قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہی ہتھیار ممالک مشرقی میں سفرن نے انگریزوں کے مقابلے میں استعمال کرنا شروع کیا تھا اور اس نے یہ سبق انگریزوں سے ہی سیکھا تھا کہ ممالک اقصیٰ میں بحری فوقیت کا لازمی نتیجہ خشکی پر فتح و نصرت ہو کر رہتا ہے۔ فرانسیسیوں نے جان توڑ کوششیں کیں انگریزوں کے ہندوستان آنے جانے کا ناکہ بند کر دیں۔ انکے بیڑے کو سواحل ہند سے نکال باہر کریں۔ ان کے ہندوستانی دشمنوں کی فوجوں کو کسی طرح امداد پہنچائیں۔ انہوں نے لنکا کا وہ لاثانی بندرگاہ یعنے ٹرنکومالی فتح کر لیا جس کی زد میں جزیرہ نمائے ہند ہے اور حیدر علی سے اتحاد عمل کر کے وہ مدراس کو ضرور فتح کر لیتے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ امیرالبحر ہیوز نے سمندر کی زمین پکڑ لی ہے جس کو اس کی گرفت سے کسی طرح فرانسیسی امیرالبحر چھڑا نہیں سکتا تھا۔

کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایسی کشاکش کے زمانے میں بلکہ اسکے کچھ عرصے بعد تک انگریزوں کا سرحدی خط ہندوستان میں اپنی جگہ سے آگے نہ سرک سکا کیونکہ انگریزوں کے پاس فوجی اور مالی وسائل صرف اتنے باقی رہ گئے تھے کہ بمشکل تمام بمبئی اور مدراس کو دشمن کے ہاتھ میں پڑ جانے سے محفوظ رکھا جا سکا۔ لیکن انگریزی قوت کا مرکز و مستقر بنگال میں تھا جہاں تک جنگ کسی طرح پہنچ ہی نہ سکی اور جس پر ایک ایسے شخص کی حکومت تھی

باب یازدہم
فصل دوم

جو اپنی جنگی قابلیت اور انتظامی لیاقت کی وجہ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس زمانے کی کوئی برطانوی ہندی حکومت آجکل کی یورپین سلطنتوں کی طرح جنگ کے جنگی قرضہ کی مدد سے نہیں چلا سکتی تھی کیونکہ اس کی تمام ساکھ جس طبقے میں بنی ہوئی تھی اور جس سے وہ قرض لے سکتی تھی وہ صرف احاطہ کے دار الحکومت کی چار دیواری کے اندر ہی محدود تھا۔ اس لئے اصل مصارف جنگ کی کفالت یا ملکی محاصل سے کرنی پڑتی تھی یا اس روپے سے جو لبطور معاوضہ حفاظت کے دیسی رئیسوں سے وصول ہو سکتا تھا۔ اور بنگال ہی تھا جس نے نہ صرف روپیہ اور فوجیں بہم پہنچائیں بلکہ خاص سیاسی ہدایات اور جنگی سرگرمیوں کا بھی انتظام کیا جنھوں نے مشکلات پر غالب آکر مغربی اور جنوبی احاطوں میں انگریزوں کی مصیبتوں کا برابر تدارک و انتظام کیا۔ اور جب آخرکار مرہٹوں نے صلح کرلی حیدر علی نے وفات پائی اور سفرن باوجود اپنی تمام جرأت و قابلیت کے خلیج بنگال میں انگریزی بیڑے پر غالب نہ آسکا تو یہ کہنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ اس جنگ نے انگریزوں کے ہندوستان میں مضبوط جگہ حاصل کر لینے کا ثبوت دے دیا اور ان کی ہندوستانی سلطنت کی بنیاد کے استحکام کی اچھی طرح جانچ کرلی۔ اگرچہ صلح کی خبر ہندوستان میں ۱۷۸۳ء میں ایسے وقت پہنچی جبکہ انگریزی فوجیں سخت مشکلات سے جنوبی ہند میں گھری ہوئی تھیں اور ساحل پر فرانسیسی جہاز انگریزی جہازوں سے پھر بھی تعداد میں زائد تھے مگر سفرن نے اپنی سلطنت کا وہ مراسلہ وصول کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے :-

> "الحمد للہ کہ صلح ہو گئی۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح نظر آرہا تھا کہ اگرچہ اس وقت ہمارے پاس ایسے ذرائع تھے کہ ہم ہندوستان میں اپنی حکومت منوا لیتے مگر ہم اپنا سب کچھ کھو بھی بیٹھے"

اس جنگ کے اختتام پر وہ زمانہ بھی ختم ہو گیا جبکہ دیسی طاقتوں کے ساتھ طول طویل مقابلے میں انگریزوں کی ہستی ہندوستان میں معرض فنا میں آگئی تھی۔ یہ وارن ہیسٹنگز کی سیاسی مردانگی کا طفیل تھا کہ اس طول طویل

باب یازدہم
فصل دوم

کشاکش سے انگریزی حکومت بلاضرر بچ نکلی اور صرف چند جھٹکوں ہی پر خیر گزری۔ اس سرعد آویزہ انگریز کے حالات زندگی پر کم و بیش ایک صدی تک معرکہ آرائیاں ہوتی رہی ہیں اس لئے یہاں پھر ایسی پامال بحث کو چھیڑنا عبث ہے۔ اس کتاب سے جس بات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وارن ہیسٹنگز نے ہندوستانی گورنمنٹ کو انگریزی تاریخ کے اس نازک ترین وقت میں صحیح سلامت بچا کر نکال لیا جبکہ انگریزوں کے ماور اور بحری مقبوضات تمام دنیا میں سخت خطرے کی حالت میں تھے کیونکہ یورپ کی تمام جہاز راں قومیں انگریزوں کے خلاف جتھا باندھ کر آگئی تھیں۔ جب یورپ کی جنگ ہفت سالہ کے دوران میں فرانسیسیوں کے خلاف انگریزوں کی ہندوستانی اور شمالی امریکہ کی فتوحات نے انگلستان کو اپنے سب سے زبردست بحری رقیب کی طرف سے امین کر دیا تھا تو اس وقت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اب انگریز نسبتاً امن کا زمانہ گزار سکیں گے لیکن جیسے ہی بیرونی مقابلے بند ہوئے اندرونی مشکلات نئی اور پرانی دنیا میں شروع ہو گئیں۔ ممالک مغرب میں نوآبادیات نے خود مختاری کی خاطر ضرب لگائی ممالک مشرق میں دیسی طاقتیں متحد ہو کر انگریزی اقتدار کی مخالف بن گئیں۔ اور فرانس جو ہر دو ممالک سے بے دخل کیا جا چکا تھا اور مایوس ہو چکا تھا حسب تقاضائے فطرت دونوں تحریکوں کی امداد کرنے لگا۔ امریکہ میں باغیوں نے جوش و خروش کی ایک جد و جہد کے بعد انگریزی جھنڈے کو سرنگوں کر دیا۔ ہندوستان میں ایک طویل حرب و پیکار کے بعد بھی انگریزی پھریرا نہ صرف لہراتا رہا بلکہ اپنی جگہ ہمیشہ سے زیادہ مضبوطی سے جم گیا اور نہ میسور کی انتقامی مخاصمت نہ مرہٹوں کی ان تھک مستعدی وارن ہیسٹنگز کی مردانہ گرفت سے ایک فرسنگ قطعہ زمین بھی چھین سکی۔

وارن ہیسٹنگز کے نہ کوئی انسلی تعلقات امرا کے خاندان سے تھے اور نہ کوئی خاص اثر ایوانِ حکومت میں تھا۔ اور وہ وقت ایسا تھا کہ سربرآوردہ خاندانوں اور ایوانِ حکومت کو بے انتہا قوت حاصل تھی۔ ہیسٹنگز اپنی ہی کونسل میں دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس کے افسران بالادست یعنے

کارکنان ایسٹ انڈیا کمپنی اس کو بالکل غیر مستقل مدد دیتے رہتے تھے۔ باوجود اپنے معاصرین کی جان کی کاوشوں کے اور اپنے ماتحت احاطوں کی عدول حکمیوں و تساہل کے اس کو کمپنی کے سرمایۂ انتفاع کو قائم رکھنا تھا اور ساتھ ہی اس کے ان طویل و کوتاہ اندیشانہ لڑائیوں کے لئے وسائل کار بھی فراہم کرنا تھا جن میں اس کو مدراس او بمبئی کی طاقتوں نے پھنسا دیا تھا۔ اس سے یہ امید رکھی جاتی تھی کہ زر انتفاع سے وہ مال خرید کر انگلستان بھیجے جس کو انگلستان میں فروخت کر کے کمپنی کے حصہ داروں کو منافع تقسیم کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد ہر قسم کے اخراجات کی کفالت اس کو بقیہ ملکی محاصل سے کرنی تھی کیونکہ جنگی قرضہ حاصل کرنے کے جو وسائل انگلستان میں ایسی آزادی سے ممکن ہوتے ہیں وہ ہندوستان میں دستیاب ہونے محال تھے چونکہ اس کے زمانہ جنگ کے اخراجات اس کے زمانہ امن کی آمدنی سے بڑھ گئے تھے اس لئے اس پر ملکی آمدنی کو آنکھیں بند کر کے خرچ کرنے کا الزام لگایا گیا۔ انہی مالی مشکلات نے تو اسے بنارس و لکھنؤ میں اس استحصال بالجبر پر مجبور کیا تھا جن کو ہر طرح سے زود بدیگر ان اصحاب نے جرائم کا رنگ دیا۔ جن کو اس کا بالکل لحاظ نہیں تھا کہ اجنبی ملک میں دور و دراز فاصلے پر جب خطرہ رونما ہو جاتا ہے تو کیا کچھ جائز نہیں ہو جاتا یا جب صرف ایک شخص کو تمام قومی اغراض کا بار امانت سپرد کر دیا جاتا ہے تو وہ اس بار گراں کو اٹھانے میں کیسے کیسے کندھے بدلتا ہے۔

جب ہندوستان کے سر سے وہ طوفان ٹل گیا اور اس نے اپنی کشتی کی ناخدائی کر کے اسے پرسکون پانی میں پہنچا دیا تو اس کو انگلستان کی فرقہ بندی کی ضروریات کی خاطر بالکل بے تکلف یا بہت تھوڑے سے تامل کے ساتھ قربان کیا جانے لگا۔ وزارت نے اس کو معزول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر الزام قائم کرنے کی منظوری دیدی۔ فریق مخالف نے اس کی ڈور کبھی تو ڈھیلی چھوڑی کبھی تنگ کھینچی۔ ہر قسم کی قانونی تعویق سے اس کو تباہ و برباد کیا گیا۔ اور طرح طرح کے مذموم لیت و لعل اور متروک ضابطہ پرور یوں کی تفتیش نکال کر اس کو سات سال تک قانونی کشاکش میں مبتلا رکھکر ہر طرح سے تباہ کیا۔ اور یہ سب کچھ وزارت نے جائز رکھا۔ اور اس نمک حلالی کی زندگی پر۔ ان خدمات پر جو ہسٹنگز نے اپنے

ملک کی انجام دیں اور اس بے انصافی پر جس کے ساتھ اس کی خدمات کا معاوضہ کیا گیا انگریزی قوم کو اب تک ایسی فراخدلی کے ساتھ رائے قائم کرنی چاہیے تھی جس پر ان اتہامات کی تازہ بتازہ رنگ آمیزیوں کا کچھ اثر نہیں پڑتا جو اس کے سر پر فرانسس اور نندکمار جیسے کذاب فریادیوں نے تھوپے تھے بلکہ اس جوانمردی و پامردی کا اثر پڑتا جس کا ہر مخالف ہوا کے باوجود بھی حیدر علی اور مرہٹوں کے مقابلے میں ثبوت دیا تھا۔

یورپ میں اس کی نام آوری کا ایک انوکھا ثبوت اس جگہ نقل کرنے کی ضرورت ہے۔ جب وہ بنگال سے روانہ ہونے والا تھا اس وقت سفیر فرانس متعینہ لندن نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنی گورنمنٹ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہسٹنگز کو خفیہ طور سے اس کی ترغیب دی جائے کہ وہ اپنی فوج کے ذریعے اور فرانس کی مدد سے ہندوستان کا خودمختار حاکم بن بیٹھے۔ سفیر مذکور کے دل میں غالباً اس کامیابی کا خیال تھا جس کے ساتھ اس نے امریکہ کی نوآبادیات کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا تھا۔ چنانچہ اس نے یہی استدلال کیا تھا کہ وہ شخص جس کو ہندوستان میں شاہانہ حیثیت حاصل ہے۔ جو ذلت کے ساتھ واپس بلایا جارہا ہے اور جس کو الزام کی جوابدہی کی دھمکی دی جارہی ہے بہت آسانی کے ساتھ ایسی ترغیب میں آجائے گا۔ اور جب فرانسیسی وزیر نے عاقبت اندیشی کے ساتھ سفیر مذکور کی جدت طرازی میں ہاتھ ڈالنے سے انکار کیا تو اس کو سخت مایوسی ہوئی۔

باب دوازدہم

ہیسٹنگز اور کارنواس کے عہد حکومت کا درمیانی وقفہ

فصل اول

ہندوستان کی حالت

۱۷۸۵ء

سر جیمز میکنٹاش نے یہ کہا ہے کہ ایک نسل کے دوران میں انگریزوں نے ممالک مغرب میں ایک سلطنت کھودی اور ممالک مشرق میں ایک سلطنت پائی۔ اس رائے پر ہم صرف اتنا سا اضافہ کرتے ہیں کہ ممالک مغرب کا یہ نقصان اور ممالک مشرق میں اس نقصان کی یہ تلافی دونوں باتیں فرانسیسی گورنمنٹ کے اصول عمل سے پیدا ہوئیں۔ اس طویل جنگ میں جو اس وقت جاکر ختم ہوئی فرانسیسی بیڑے نے امریکہ کی نوآبادیات پر سے انگریزوں کی گرفت کو بالکل اس طرح توڑ ڈالا جیسے کسی شخص کے بازو پر برابر ضربیں لگائی جائیں اور وہ کسی سخت کشاکش میں اپنے مدمقابل کو اپنے پنجے سے چھوڑ دے۔ مگر اس کے ساتھ ہی فرانسیسیوں نے بھی امریکہ کی خود مختاری کی خاطر جنگ کرنے کی جد و جہد میں اپنے تئیں اس قدر کمزور کر لیا کہ پھر ان میں یہ حوصلہ نہ رہا کہ وہ انگریزوں کے ایشیائی معاملات میں دخل دے سکیں یا ان سے بحری ہمسری کا دم بھر سکیں ۱۷۸۳ء سے

باب دوازدہم
فصل اول

انگریزوں کے ہندوستانی معاملات پر ایک طرح کا سکوت وسکون طاری رہا جس میں کبھی کبھی میسور کے ساتھ زور آزمائی ہو جانے سے یا انگلستان میں فرقہ بندی کی جنگ میں ہندوستانی مسائل پر معرکۃ الآرا مباحثات ہو جانے سے کچھ خلل پڑ جاتا تھا۔ فرانسیسی گورنمنٹ کے متعلق انگریزی مدبرین کی دستاویزی شہادتیں موجود ہیں کہ برابر ہندوستان میں مداخلت کرنے کے موقع کی تاک میں تھی لیکن اس کی خارجہ حکمت عملی اس کی روز افزوں اندرونی پیچیدگیوں کی وجہ سے کچھ مفلوج سی ہوتی جا رہی تھی۔ اس طرح اتفاق سے انگریزوں کی فرانس کے ساتھ ایک عارضی صلح قائم تھی جو دس سال تک قائم رہی اور جو انگریزوں کے حق میں ہندوستانی معاملات کے اعتبار سے بہت فائدہ مند ہوئی یہاں تک کہ اٹھارھویں صدی کے آخری دس سال کے حصے میں تمام یورپ پر ایک نیا ہولناک طوفان اس زور شور سے اٹھا کہ اس کا تموج ہندوستان تک بھی آپہنچا اور سلطنت برطانیہ کے ہندوستان میں توسیع حاصل کرنے کے جتنے سنگ راہ باقی رہ گئے تھے ان کو بھی اس نے بہا کر میدان بالکل صاف کر دیا۔

اگر ہم انگریزوں کی طاقت کے بڑھنے کا اندازہ توسیع مملکت کے اعتبار سے لگائیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ جس وقت کلائیو نے دیوانی کے حقوق حاصل کئے اور جب وارن ہسٹنگز ہندوستان سے گیا یعنی ۱۷۶۵ء اور ۱۷۸۵ء کے درمیانی بیس سال کے عرصے تک یہ طاقت نہ گھٹی نہ بڑھی۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزوں نے حکومت اودھ سے بنارس اور غازی پور کو ۱۷۷۵ء میں حاصل کیا (اگرچہ یہ حصول نہیں تھا بلکہ ایسے دو اضلاع کا انگریزی مقبوضات میں شمول تھا جو اس کے قبل ہی اس کے زیر اثر تھے) اور بمبئی کے قریب دو معرکے کے چھوٹے چھوٹے مقامات سالسٹ اور بسین بھی حاصل کر لئے۔ لیکن وارن ہسٹنگز کے تمام عہد حکومت میں توسیع مملکت کا تو ذکر کیا ہے اصلی ممالک پر قبضہ رکھنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

باب دوازدہم
فصل اول

انگریزوں کے حدود پر حملے ہو چکے تھے۔ فوجوں کو کئی مرتبہ شکست ہو چکی تھی اور واسا لحکومت مدراس کی سلامتی سخت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ حقیقتاً انگریزوں کا اقتدار اس وقت تک ہندوستان میں پوری طور پر قائم بھی نہیں ہوا تھا اور اگرچہ انگریز لوگ برابر اپنے تئیں ان سب طاقتوں میں زبردست ثابت کرتے جاتے تھے جو نصف صدی کی ابتری کے زمانے میں سر برآوردہ ہوتی جا رہی تھیں پھر بھی انگریزوں کے ہم چشم ان کے ساتھ رشک و رقابت کے لئے تیار کھڑے رہتے تھے۔ اور دوسری ریاستوں کی حدود مملکت کے مقابلے میں انگریزوں کے مقبوضات کم بھی تھے۔

یہ کشاکش حیات جس میں اس دفعہ انگریزوں نے ایسی پامردی کا ثبوت دیا دو امور ثابت کرنے کے لئے کافی ہو گئی۔ اول یہ کہ یورپ کی متفقہ بحری قوتیں بھی اس قابل نہ ہو سکیں کہ انگریزوں کو سمندر سے بے دخل کر دیں یا ان کے ہاتھ سے ایشیا اور یورپ کے بحری راستوں کا قبضہ چھین لیں۔ دوسرا یہ کہ جب تک انگریزوں کا سلسلہ ارتباط سمندر یا را اپنے وطن سے قائم رہ سکے اور جب تک ان کا بنگال کا خزینۃ الوسائل ان کے ہاتھ میں رہ سکے اس وقت تک ان کو کوئی خدشہ نہیں تھا کہ میسور یا مرہٹے ان کو کوئی مستقل یا مہلک نقصان پہنچا سکیں گے۔ بے شک ان دونوں خطرناک جنگی قوتوں کی حیثیت جنوب اور وسط ہند میں اب تک انگریزوں کی سدراہ ہو رہی تھی اور اگر بالائی ہند میں کوئی ہم چشم ریاست جو معقول وسائل حرب سے آراستہ ہوتی اپنی بنیاد قائم کر کے انگریزی اقتدار کے خلاف علم سرکشی بلند کرتی تو میسور اور مرہٹے انگریزوں کی توجہ کو اپنی طرف مصروف کر کے اس ہندو ستانی کے ہاتھوں انگریزی اقتدار کی ہستی کو خطرے میں ڈلوا دیتے۔ ایسا اتفاق آسانی سے پیش آ سکتا تھا کیونکہ شمال مغرب کے وسیع و زرخیز میدان اب تک کسی نہ کسی نبرد آزما قوم کی نہایت زبردست اور وسیع سلطنت کے جائے قیام یا جولانگاہ رہتے چلے آئے تھے۔ لیکن انگریزوں کے اقبال سے اس موقع پر ایسا اتفاق ہوا اور اکثر ہندوستان میں قبائلی

باب دوازدہم
فصل اول

انگریزوں کا ساتھ بھی نہیں چھوڑا ہے) کہ اٹھارھویں صدی کے آخری زمانے میں جب میسور اور مرہٹے زبردست اور پرخطر ہو رہے تھے تو شمالی مغربی سرحد پر کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ سلطنت مغلیہ کا سایہ اپنی بوسیدہ و کرم خوردہ عظمت و اقتدار کے کھنڈروں پر اب تک متمکن تھا اور دہلی پر حکومت کر رہا تھا۔ اور اگرچہ شاہی اختیارات میں سے تمام قوت و زور رفتہ ہو چکا تھا مگر اس بڑے نام کا سایہ اب تک قرب و جوار کے اضلاع پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ کوئی ان کو کسی نئی سلطنت میں شامل کر لینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

بہر حال سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جانے سے اور افغانوں کے اپنے ملک کو مراجعت کر جانے سے جو سیاسی خلا پیدا ہو گیا تھا وہ سکھوں کی سریع السیر ترقی اور مستحکم نظام کی وجہ سے کم از کم پنجاب میں تیزی سے پر ہوتا جاتا تھا۔ اس نئی ہندو برادری کے ذیل میں جس کو قومیت اور مذہب کے رشتے نے مرہٹوں سے بہت زیادہ آپس میں منسلک کر دیا تھا مخلوق میں ایک ایسی جنگی روح پھونک دی گئی تھی اور ایسا جوش و خروش پیدا کر دیا گیا تھا کہ اس سے پہلے کبھی ہندوؤں کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ سکھوں کی تاریخ ایک خاص کرشمۂ قدرت کو ظاہر کرتی ہے جو ایشیا کے لیے مخصوص ہے یعنے اس اقلیم میں سر اعیانہ تحریک ہمیشہ خاص طور سے خطرناک ہو جاتی ہے جب وہ مذہبی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اور مذہبی جوش کسی مذہبی مقتدا کی سرپرستی میں برابر بڑھتا چلا جاتا ہے اور پرامن رہتا ہے لیکن جہاں اس نے سیاسیات کا رنگ اختیار کیا اور وہ سنگ کی طرح زور و شور سے پھٹ پڑتا ہے سکھوں کے پہلے گرو کے قتل اور خود اس فرقے کی مصائب جو بعد کے مغل بادشاہوں کے ہاتھوں (توہین اسلام کی وجہ سے) اس کو اٹھانی پڑی اس فرقے میں اسلام کی طرف سے ایک خونخوار تنفر پیدا کر دیا تھا۔ احمد شاہ کی افغانی فوجوں نے بھی ۱۷۶۱ء میں سکھوں کی سرکوبیاں کی تھیں اور ان کے جوش و خروش کو دبا دیا تھا لیکن ۱۷۶۳ء میں انھوں نے احمد شاہ کے عامل کو سرہند میں شکست دیکر قتل کر ڈالا۔

باب دوازدہم
فصل اول

اور ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ کو قندھار کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اپنے مغربی صوبہ جات کی طرف کوچ کرنا پڑ گیا۔ اس کے بعد ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ نے وفات پائی اور اس کے بعد ہی سے اس کے جانشینوں کی گرفت پنجاب پر سست ہوتی چلی گئی اور سکھ برادری اور زیادہ مستحکم اور زوردار ہوتی چلی گئی ان سکھوں کے جنگی جتھے علیحدہ علیحدہ تھے جن پر علیحدہ علیحدہ سردار تھے اور یہ مثلیں کہلاتی تھیں۔ یہ مثلیں آپس میں بھی لڑتی رہتی تھیں اور مسلمانوں سے بھی برسرپیکار رہتی تھیں۔ یہانتک کہ ۱۷۸۵ء میں سکھ جہلم و ستلج کا دوآبہ وسط پنجاب میں فتح کر چکے تھے۔ دہلی کے قرب و جوار کی مسلمان ریاستوں کو دھمکی دیتے رہتے تھے اور اپنے غارتگرانہ حملوں کو جانب مشرق دریائے گنگ سے عبور کر کے روہیلکھنڈ کے اندر تک پہنچا چکے تھے۔

بنگال کی انگریزی گورنمنٹ کے لیے بالائی ہند میں اس ہندو قومیت کا احیاء نہایت ہی کارآمد اور باموقع ثابت ہوا۔ کیونکہ اول تو انگریزوں کا اصلی خطرہ یعنے اُن کے حاکمانہ اقتدار کا اصلی سد راہ اُس وقت بھی اور اب بھی یہ تھا اور ہے۔ کہ کوئی بیرونی حملہ کسی مدعی ہمسر کی طرف سے ایسا نہ ہو جائے جس میں وسط ایشیا کی جنگجو قومیں کسی قابل نبرد آزما کی سرکردگی میں ہندوستان پر چڑھ آئیں۔ لیکن اس کو سکھ بالکل ناممکن بنا تے جاتے تھے کہ وسط ایشیا کی کوئی فوج پنجاب میں گھس پڑے اور اس کو ایسے لوگوں سے سخت مقابلہ نہ کرنا پڑے جو اپنے وطن اور اپنے مذہب کی حفاظت کے لیے مستعد ہو گئے تھے اور جن میں وہ جوش تھا جس سے عام ہندو ہند کی امن پسند طبائع معرّا تھیں۔ جو سلطنت احمد شاہ نے قائم کی تھی وہ اپنے تختگاہ افغانستان سے مغرب میں خراسان تک اور مشرق میں بالاستے پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی یعنے ایک سمت حد کی ہو [illegible] ایران سے اور دوسرا ہندوستان سے چھین کر اس سلطنت کے حدود قائم کئے گئے تھے اس لیے اس افغانی سردار کی طرف سے ان دونوں ملکوں میں دلی تنفر تھا اور جب کبھی وہ ایک طرف

باب دوازدہم
فصل اول

کی کوئی بغاوت یا سرکشی کے فرو کرنے میں مصروف ہوتا تھا تو دوسری سرحد والے
دشمن اس موقع سے فائدہ اٹھائے بغیر نہیں رہتے تھے حقیقت یہ ہے
کہ یہ دونوں طرف دشمنوں سے گھری ہوئی حیثیت خود احمد شاہ بھی بڑی مشکل سے
بنائے رکھ سکا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد ہی یہ بگڑتی چلی گئی۔ احمد شاہ
کی وفات کے بیس سال بعد ایک نہایت قابل افغانی سردار زمان شاہ بھی
لاہور تک بڑھ آنے کے بعد ایسی یہ مجبور ہو گیا تھا اور اس آخری ناتمام
مہم نے ان مسلمان فاتحوں کے طویل سلسلۂ یورش کو ختم کر دیا جو سات سو برس تک
ہندوستان کے میدانوں پر شمال مغرب کی طرف سے تاخت کرتے چلے آتے
تھے۔ اور ایسے خاندانہائے حکومت قائم کر دیتے تھے جن کی بقا کے لئے
وہ برابر اپنی پہاڑوں کی پار والی ولایت سے نئی فوجیں لاتے رہتے تھے۔
مگر زمان شاہ کی مہم کے بعد سے سکھ صرف اسی قابل نہیں ہو گئے کہ تازہ حملہ آوروں
کے مقابلے میں دریائے سندھ کے خط مدافعت کو اپنے قبضے میں رکھیں
بلکہ انھوں نے وسط ایشیا اور جنوب ستلج کی مسلمان ریاستوں کے درمیان
سلسلۂ ارتباط و امداد کو بھی منقطع کر دیا اور ان جنوبی ریاستوں کو اپنی شمالی سرحد
پر اس مستعدی سے بڑھتے چلے آنے والے ہندو جتھے سے ہر دم خطرہ سا
رہنے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شمالی ہند کی تمام لڑنے والی طاقتوں میں ایک توازن
قوت قائم ہو گیا تھا جو انگریزوں کے نقطۂ نظر سے نہایت معنی خیز اہمیت
رکھتا تھا کیونکہ ان کی شمال مغربی سرحد پر اٹھارھویں صدی کے بیچ آخر میں کوئی
خرخشہ نہیں تھا جبکہ میسور اور مرہٹوں کے ساتھ برسر پیکار ہونے کی وجہ سے ان پر
بڑی نازک گھڑیاں گذر رہی تھیں۔ اودھ کی حد فاصل جو ہیسٹنگز نے قائم
کر دی تھی اگرچہ مرہٹوں کی ابتدائی یورشوں کے مقابلے میں بہت کارآمد ثابت
ہو چکی تھی مگر وسط ایشیا کی سنگ آمد و سخت آمد یورش کے مقابلے میں وہ بہت ہی
کم کام دے سکتی۔ لیکن سکھوں کی خونخوار مخاصمت نے غیر ممالک کے مسلمانوں
کو دور رد کے رکھا اور دہلی یا لاہور کی سلطنتوں کے کھنڈروں پر کسی دوسرے
اسلامی خاندان کو نیا قصر حکومت تعمیر نہ کرنے دیا انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں

باب دوازدہم
فصل اول

سکھوں کی قوت رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں مجتمع ہو کر نہایت مستحکم ہو گئی لیکن اسوقت انگریز بھی اپنے جنوبی دشمنوں سے مقابلہ کر کے غالب آ چلے تھے اور اپنی تمام فوجوں کو شمال کی طرف پھیر سکتے تھے اور کوئی ڈر ایسا نہیں تھا کہ کوئی دشمن پشت یا بازو پر سے حملہ کر کے فوجی قوت کو تقسیم کرا سکے گا۔

سکھوں کے ستلج کے دونوں بازوؤں پر قدم جما لینے سے یہ بھی فائدہ ہوا تھا کہ مرہٹوں کے آگے بڑھ آنے کی آخری حد مقرر ہو گئی تھی کیونکہ مرہٹے اب پھر سندھیا کی سرکردگی میں شمال کی طرف گھستے چلے جا رہے تھے۔ یہ حوصلہ مند اور قابل سردار اس جد و جہد میں مصروف تھا کہ بالائی صوبہ جات میں اپنے لئے ایک خود مختار ریاست قائم کر لے۔ اس نے ان متخاصم فریقوں میں سے ایک کی شرکت کر لی تھی جو دہلی کے شاہی اختیارات کے لئے برسرپیکار تھے اور ۱۷۷۱ء میں ایک زبردست فوج کے ساتھ چڑھائی کر کے وکیل مطلق کے عہدے کو بطور مال غنیمت کے وصول کر چکا تھا۔ شاہ دہلی کے سب سے بڑے بیٹے نے انگریزوں سے مدد کی استدعا کی تھی اور ہسٹنگز کو اپنے ہندوستان چھوڑنے سے کچھ ہی پہلے بڑا ولولہ اٹھا تھا کہ ایک مہم دہلی اس غرض سے بھیجے کہ مغل شہنشاہ کو پھر تخت پر بٹھا دے اور اس طرح مغلوں کے دارالحکومت میں انگریزی اقتدار کا غلبہ حاصل کر لے لیکن اگرچہ مرہٹوں کے اس دوسری سمت سے عظمت و اقتدار حاصل کرنے کی کوشش نے کمپنی کو بہت کچھ چمکا دیا تھا مگر اس میں سندھیا کی اولوالعزمی کا مقابلہ کرنے کی اس وقت ہمت نہیں تھی۔ سلطنت مغلیہ کے جسد بے روح کو یورپین اثر کے تلے پھر زندہ کرنے کا وہ منصوبہ جو ڈوپلے، بسی اور کلائیو کے فانوس خیال میں بھی جلوہ گر ہو چکا تھا ہسٹنگز نے ناقابل عمل سمجھکر با دل ناخواستہ ہاتھ سے جانے دیا۔ مگر یہ منصوبہ ناقابل عمل نہیں بلکہ محض قبل از وقت ثابت ہوا کیونکہ بیس سال کے بعد دہلی کی فوج کشی کا اتمام لارڈ ولزلی کے احکام کے مطابق عملاً ہو کر رہا۔ اس اثنا میں سندھیا کو جو ہسٹنگز کے چلے جانے کے بعد دہلی اور آگرے پر قبضہ کر چکا تھا اس قدر گھمنڈ ہو گیا کہ اس نے اپنی طرف سے

انگریزی گورنمنٹ کے نام خراج کا مطالبہ بھیجا اس بنا پر کہ انگریزوں کے سپرد بھی ایک شاہی صوبہ یعنے بنگال کا انتظام تھا۔

چنانچہ ۱۷۸۶ء میں جب لارڈ کارنوالس نے ہندوستان میں قدم رکھا تو انگریز مغرب اور شمال مغرب میں مرہٹوں سے برسر مقابلہ تھے اور جنوب میں شاہ میسور ٹیپو سلطان سے مصروف آویزش تھے۔ لیکن ان کے علاوہ کوئی اور ادعائے ہمسری وہمچشمی کرنے والا میدان رزم یا میدانِ سیاست میں انگریزوں کے مقابلے میں نہیں تھا۔

فصل دوم

ہندوستان کے معاملات ایوانِ حکومت کے سامنے

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب سے یورپین اقوام نے ہندوستان میں قیمتی اغراض حاصل کیں کس طرح ہندوستان میں معاملات کی رفتار دھیرے دھیرے یورپ کے حلقۂ اثر کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ کمزور ایشیائی سلطنتوں نے زیادہ زبردست اور زیادہ مستعد سیاسی جماعتوں کی کشش کو محسوس کیا۔ مغربی جنگوں نے مشرق میں جنگ کی آگ بھڑکا دی اور ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ ایک اقلیم سے دوسری اقلیم تک گونجتی چلی گئی۔ ان تمام آویزشوں کا نتیجہ جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں یہ ہوا کہ انگلستان نے ہندوستان میں تمام دیگر اقوام یورپ کے مقابلے میں حاکمانہ اقتدار حاصل کر لیا۔ اس کے بعد جب برطانوی قوم میں اور اس کی عظیم الشان مفتوحہ مملکت میں تعلقات قریب تر

باب دوازدہم
فصل دوم

ہوتے چلے گئے۔ جب نقاط اتصال کی تعداد بڑھ گئی اور انگلستان کو اپنے شاندار مقبوضہ کی اچھی طرح قدر آگئی تو انگریزوں نے اپنے قومی حقوق و فرائض کا احساس کر کے ہندوستانی معاملات کو اپنے وطن کی سیاسیات کے حلقے میں لے لیا اور اس زمانے میں ہندوستان پر نہ صرف بیرونی جنگوں کا بلکہ ایوان حکومت کی فرقہ بندیوں کے تنازعات کا بھی اثر پڑنے لگا۔ ۱۷۸۱ء میں لارڈ نارتھ نے ایوان عام میں یہ تحریک پیش کی کہ قواعد منضبطہ کے مطابق کمپنی کے اجازت نامے کو منسوخ کرنے کا تین سال کا میعادی نوٹس دیدیا جائے اگرچہ فاکس نے وزیر موصوف سے یہ سوال کیا کہ کیا ان کو امریکہ کھو کر بھی ابھی صبر نہیں آیا اور برک نے ایوان حکومت کو صاف الفاظ میں آگاہ کر دیا کہ ممالک مغرب کے بعد ممالک مشرق کو بھی محض ملکی آمدنی کی لالچ میں کھو بیٹھنا دانائی سے بعید ہے اور باوجودیکہ اس تحریک کی سخت مخالفت ہوئی مگر اسنے کسی نہ کسی طرح ایوان عام کی منظوری حاصل کر لی بہرحال ۱۷۸۳ء میں جب اس مذکورۂ بالا نوٹس کی میعاد ختم ہی ہوا چاہتی تھی تو ان زبردست مقرروں کا جو اس وقت برسر حکومت و اقتدار تھے زاویہ نگاہ بالکل تبدیل ہو گیا ۱۷۸۳ء میں یورپ اور امریکہ کی صلح کے بعد جو دس سال امن کے مل گئے تھے ان میں انگلستان کو پھر فرصت مل گئی تھی کہ اپنے مقبوضات اقصیٰ کے حالات و انتظامات پر ایک غائر نظر ڈالے اور مغربی نوآبادیات کے ہاتھ سے نکل جانے نے مشرق کی نئی سلطنت کی خیرمنانے کا خیال بہت گہرا پیدا کر دیا تھا۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ انگلستان نے ایک عظیم الشان ہندوستانی سلطنت حاصل کر لی تھی۔ کیونکہ باوجودیکہ گزشتہ سات سال کی لڑائیوں اور مسلسل آویزشوں نے اس وقت کے لیئے انگریزوں کی حالت ہندوستان میں متزلزل کر دی تھی مگر بہ حیثیت مجموعی یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ کیسے سخت دباؤ کے مقابلے میں کیسی پائداری انگریزوں میں موجود رہی اور ان کی فوقیت بجائے متزلزل ہونے کے مسلم ہوئی۔ وارن ہیسٹنگز نے اپنی روانگی کے وقت بنگال کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا

باب دوازدہم
فصل دوم

کہ تمام ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی متحدہ قوت مع انگریزوں کے دشمن صوبہ فرانس کی امداد کے بھی اس قابل نہ ہو سکی کہ ممالک مشرق میں انگریزوں کی قوت کی بنیاد کو ہلا سکے یا ان کی مملکت کے کسی ٹکڑے سے بھی ان کو محروم کر سکے تو انگلستان میں یہ یقین ہو گیا تھا کہ کمپنی اب ہندوستان کی مالک ہو گئی ہے۔ اور ضرورت سے زیادہ زبردست تجارتی جماعت بن گئی ہے ایسی زبردست کہ انگریزی آئین حکومت کی ماتحتی میں کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ اپنی حکومت کے لیئے خطرے کا باعث ہو گئی ہے۔ اور جب برک نے کمپنی کے تمام نظام عمل پر پارلیمنٹ میں حملہ کیا تو اسی یقین کی وجہ سے یہ حملہ بہت وزن دار اور بر کار ہو گیا۔ جب فوکس نے اپنا ایسٹ انڈیا بل ایوان حکومت میں پیش کیا جس کی غرض یہ تھی کہ کمپنی کے اختیارات کو ایوانِ حکومت کے عاملین کی طرف منتقل کر دیا جائے تو اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے برک نے کمپنی کی مملکت کی توسیع اور اس کی خود مختارانہ حکومت کی وسیع جولانگاہ پر بڑی تفصیل سے بحث کی۔ چنانچہ اس نے کہا:۔

"اگرچہ بیچ میں تھوڑے سے اور وہ بھی حقیر کھانچے پڑ گئے ہیں ورنہ برطانوی مملکت کمپنی کے نام سے یا اُن ہندوستانی رئیسوں کے نام سے جو بالکل کمپنی کے زیر اقتدار ہیں اُس سمت ان پہاڑوں سے جو ہندوستان کو تاتار یعنی کوہ ہمالیہ سے جدا کرتے ہیں راس کماری یعنی ۱۲ درجے عرض البلد تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر میں اپنے ان تمام مقبوضات کو یکجا جمع کروں تو میں اس کو نہایت قریبی تخمینے کے مطابق سلطنت جرمنی کے برابر کہوں گا۔ برخلاف اس کے اپنے ملکی مقبوضات کو اگر میں ممالک آسٹریا کے برابر سمجھوں تو کچھ کمی کے ساتھ تخمینہ نہیں لگاؤں گا .... اس تمام وسیع مملکت میں کوئی فردِ بشر ایسا نہیں ہے جو بغیر کمپنی کی اجازت کے ایک لقمہ بھی منہ میں رکھ سکے"

اس تفصیل میں بہت مبالغہ ہے اور جرمنی کی تشبیہ تو بہت ہی غلط ہے بہرحال یہ واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ سو سال پہلے یعنے پلاسی کی لڑائی سے پچیس سال کے اندر کمپنی کا اعلیٰ اقتدار تمام ہندوستان میں فی الواقع مکمل و مشخص سمجھا جانے لگا تھا۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برک نے جو مجموعی حالت پر تبصرہ کیا تھا وہ بڑی حد تک صحیح تھا۔ تمام دیسی ریاستوں کی کمزوری پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی اور انگریزی سلطنت کی دیواریں گویا کھڑی کی جا چکی تھیں۔ بعد کے واقعات نے ہیسٹنگز کے اس اندازے کی تصدیق کر دی کہ سوائے توجہ حفاظت اور تحمل کے اور سوائے مساویانہ زبردست اور با اصول انتظام کے اور سوائے ہندوستان کے قدرتی وسائل کے بے تکلف استعمال و استفادے کے انگریزی اقتدار کی ماتحتی میں ہندوستان کے مستقل عروج اور اعلیٰ درجے کی پائدار مرفہ الحالی کے لیے اور کوئی ترکیب کارگر نہیں ہو سکتی تھی

چند سال سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے انتظام اور طرز عمل کی ایوان حکومت کی منتخبہ کمیٹی کی طرف سے پوری پوری جانچ پڑتال کی جا رہی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ یہ بالاتفاق طے ہو گیا کہ بہت سی اصلاحات کی ضرورت ہے اور کمپنی کے انگریزی مقبوضات کے انتظام کی بہتر طریقے سے نگرانی کی جانی لازمی ہے۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کر دی اور ایک تجویز بھی ایوان عام کے سامنے ۱۷۸۳ء میں اس کے متعلق اس وقت میں رکھ دی جبکہ پرانی سیاسی جماعتیں مستحیل ہو کر نئے پیشواؤں کے زیر اثر نئی جماعتیں بنتی جا رہی تھیں جبکہ مشہور وزارت اتحاد (Coalttion ministry) ابھی دوران ترتیب میں تھی اور جبکہ متخالف جماعتوں کی تند و ترش معرکہ آرائیاں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اس تجویز میں کمپنی کے تمام موجودہ انتظام پر سختی سے اظہار ناپسندیدگی کیا گیا تھا۔ ڈائرکٹروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ وارن ہیسٹنگز کو واپس طلب کریں۔ اور جو اختیارات گورنر جنرل اور کونسل کو دیئے گئے ہیں ان کی مزید تشخیص و تصریح ہونے کی ضرورت جتائی گئی تھی۔ جب وزارت اتحاد نے کام سنبھالا اس وقت فوکس نے ایک مسودہ قانون پیش کیا جس میں کمپنی کے تمام نظام عمل کو بدل دیا گیا تھا۔ اس مسودے کی

بابِ دوازدہم
فصل دوم

برک نے ایک ایسی تقریر کے ساتھ تائید کی جو کمپنی اور وارن ہیسٹنگز کے
خلاف نہایت سخت الزامات سے بھری ہوئی تھی اور جس میں دونوں کو
قابلِ نفرت تشدد اور بے ایمانی کا مرتکب ٹھیرایا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ کمپنی کے
بعض ملازمین کے خلاف غلط کاریوں اور سیہ کاریوں کی فہرست بیشک
بڑی لمبی چوڑی تھی لیکن ہیسٹنگز اعلیٰ چال چلن اور عرفان کا آدمی تھا اور ایسا حاکم
تھا جس کے ایمان کو کوئی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اور جس نے اپنے ملک کی
زبردست اور قابلِ قدر خدمات کی تھیں۔ مگر اس کی ایمانداری پر بدگمانی کے ساتھ
بدترین تہمتیں لگائی جاتی تھیں اس کی ملکی خدمات کو بے لحاظی کے ساتھ برے
معنوں میں لیا جاتا تھا۔ اور یہ سب کچھ ان عام تقریروں میں کہا جاتا تھا جو
اس کے خلاف اُن اہلِ جماعت کے اخلاقی تنفر کو مشتعل کرتی تھیں جو عہدوں
پنشنوں اور وظیفوں کے غیر شریفانہ مقابلوں میں مصروف تھے اور جن میں سے
کسی ایک کو بھی کبھی اپنی ہمت و پامردی کا ہیسٹنگز کی طرح امتحان دینے کا
اتفاق نہیں ہوا تھا اور جن میں سے خال خال ہی اس قابل تھے کہ اس کے
جیسے طوفانات میں سے اپنے دامن کو آلودہ کیے بغیر نکل سکتے۔

اس طریقے پر اس رپورٹ اور اس کے ساتھ کی تجویز سے
فرقہ بندی کی جنگ کے انجن کے لیے ایندھن کا کام لیا گیا تاکہ
فوکس کے مسودے کو مستحکم مخالفتوں کے مقابلے میں سے نکال لیا جائے
بہرحال سب سے ضروری مسئلہ ایوانِ عام اور ملک کے سامنے یہ نہیں تھا
کہ کمپنی اور اس کے حکام کسی ایسے جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں جن پر
عام طور سے اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا بلکہ یہ تھا کہ ہندوستان کی سرپرستی
اُن اہلِ سیاست کا حصہ ہونا چاہیے یا نہیں جنھوں نے ایک مسودے
کی تجاویز و اصول پر شدت سے الزامات لگا کر عہدے حاصل کرنے کے لیے
بڑے شرمناک اتحاد قائم کیے تھے۔ اس معاملے پر شاہ انگلستان
مع اکثر اپنی رعایا کے اس وزارت سے اختلاف رکھتا تھا جو
ڈیوک آف پورٹ لینڈ نے لارڈ نارتھ، فوکس اور برک کے ساتھ

باب دوازدہم
فصل دوم

ہم آہنگی سے مرتب کی تھی۔ چنانچہ واقعات نے یہ صورت اختیار کی کہ ایوانِ حکومت کی اس استدلالی نوح کشی کی معرکے کی لڑائیاں ۱۷۸۴ء میں گویا ہندوستان کے میدان میں لڑی گئیں۔ فوکس اور برک کو شکست ہوئی اور وہ اپنے عہدوں سے نکال دیئے گئے۔ اور ان کا ایسٹ انڈیا بل منسترد کر دیا گیا۔ وزارت اتحاد کو بادشاہ جارج سوم نے اور اس کے وزیر پٹ نے الٹ دیا اور پٹ فوراً اختیارات وزارت کے انتہائے کمال پر پہنچ گیا۔ ۱۷۸۴ء میں پٹ نے اپنا وہ قانون ایوانِ حکومت سے منظور کرا لیا جس کی رو سے سلطنت کے مقرر کیے ہوئے چھ نگران کاروں کی ماتحتی میں کمپنی کے تمام مالی۔ فوجی۔ اور ملکی انصرام کی نگرانی دیدی گئی۔ خاص اختیارات حکومت گورنر جنرل ہند کے سپرد کیے گئے جس کے تین مشیر رکھے گئے اور گورنر جنرل کو تمام معاملات سیاست میں صلح و جنگ کرنے میں اور ملکی آمدنی کے جمع و خرچ کرنے میں دوسرے دونوں احاطوں پر بھی کامل اختیارات دیدیئے گئے۔ اس کے بعد ۱۷۸۶ء میں ایک دوسرے قانون کے ذریعہ سے گورنر جنرل کو مجاز کر دیا گیا کہ غیر معمولی موقعوں پر گورنر جنرل بہ اختیار خود یعنی بلا مشورہ اپنی کونسل کے اپنی ذمہ داری پر کارروائی کر سکے۔

یہ دوگونہ حکومت کا طریقہ جس سے کمپنی ایک ایسے وزیر کی نگرانی میں کام کرتی تھی جو براہ راست ایوان حکومت کے سامنے جوابدہ تھا ۱۸۵۸ء تک جاری رہا جبکہ تاج برطانیہ نے بلا واسطہ ہندوستان کی حکومت کو اپنا آویزہ بنا لیا۔ اور اس طرح اس منصوبے کی تکمیل ہو گئی جو نوے سال پہلے بڑے پٹ کے زیر غور رہ چکا تھا۔ پٹ کے قانون کا فوری اثر یہ ہوا کہ حکومت ہند کی مشین میں ایک زبردست اور ظاہری ترقی ہو گئی۔ بہت سی وہ بے ترتیب و بدساخت رکاوٹیں نکل گئیں جن کی وجہ سے ہیسٹنگز اور اس کی کونسل اور ماتحت احاطوں میں تصادم ہو جایا کرتا تھا۔ وہ نقائص دور کر دیئے گئے جو ہیسٹنگز نے ظاہر کر دیئے تھے۔ اور وہ تدارک کر دیئے گئے جو اس نے

باب دوازدہ
فصل دوم

تجویز کیئے تھے ۔ اس سے پہلے کے تمام گورنر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہوتے
تھے اور ہیسٹنگز جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا گورنر جنرل تھا ایک بد ساعت اور
بے انتظام آلۂ حکومت کا صدقے کا بکرا بنا ہوا تھا اور ایک طرف دو عملی سے
اس کے راستے میں ساری رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں دوسری طرف کلکتہ اور لندن کی
فرقہ بندیوں کے جھگڑے نے اسے پریشان کر رکھا تھا ۔ مگر اس زمانے کے
بعد سے جس کا ہم ذکر رہے ہیں ہندوستان کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت و اختیارات
کی بالکل دوسرے ہی پیرایئے پر ترتیب کردی گئی اور اس سے نئے دولاب حکومت
کی بڑھی ہوئی طاقت سے نئے ثمرات بہت جلد پختہ ہونے لگ گئے ۔

باب سیزدہم
فصل اول

باب سیزدہم

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت

فصل اول

نئی گورنر جنرلی

جو نیا آئین حکومت برطانوی ہند کو دیا گیا تھا اس کی اصل عمدگی اس قوت میں ہی مضمر نہیں تھی جو اس نے اختیار اور ذمہ داری کو ایک ہی شخص واحد پر رکھ کر بلا کسی قسم کے ابہام کے صیغۂ انتظامی میں بھر دی تھی بلکہ اس نے گورنر جنرل کی حیثیت کو بھی انگلستان کی وزارت سے قومی سیاسی تعلقات قائم کر کے بہت زبردست کر دیا تھا۔ لارڈ کارنوالس ایوانِ حکومت کے خاندانِ عمّال کا پہلا گورنر جنرل تھا جو بذاتِ خود اپنے فنِ سپہگری و سیاست کے اعتبار سے بہت مشہور و معروف تھا۔ وہ اس طرح ہندوستان میں آیا کہ اس کو انگلستان کی اس وزارت کی امداد کا اطمینان تھا جس سے بہتر انگلستان کو بھی نصیب نہیں ہوئی اور اس کو ایوان حکومت کے منضبط قانون کے مطابق گورنر جنرل کا عہدہ تفویض فرمایا جا کر اعلیٰ اور مشخص ملکی اور فوجی اختیارات عطا فرمائے گئے تھے وہ تینوں احاطوں کا حاکم اعلیٰ تھا اور فوج کا بھی کمانڈر انچیف تھا۔ ایک شخص

میں ایسے اختیارات کا جمع ہوجانا اس پر اس کی ذاتی شہرت۔ اور پٹ اور ڈنڈاس کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات۔ ان سب خصوصیات نے اس کے راستے سے وہ رکاوٹیں بالکل دور کردی تھیں جو ہیسٹنگز کی سدّراہ ہوئی تھیں۔ اور پہلی مرتبہ ہندوستان میں انگلستان کے قائم مقام کو اصلی خلعت حکومت سے ملبوس کردیا تھا۔ ان اختیارات کو کام میں لانے کے لیے اس کو اس زمانے کی یورپ وایشیا کی سیاسی حالت سے بھی خوب امداد ملی۔ لارڈ نارتھ کے عہدہ وزارت کی منحوس اور غیر مدبرانہ جنگیں بند ہوچکی تھیں اور ان کی جگہ ممالک مغرب ومشرق میں انگلستان کے نصیب نے امن وسکون لے لی تھی۔ مگر یہ وہ سناٹا تھا جو فضائے یورپ کی پرشکن پیشانی پر طوفان انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ جس کا اثر ہندوستان میں ۱۷۹۳ء سے پہلے محسوس نہیں ہوا۔ بہرحال یہ دم لینے کا موقع ہندوستان میں اندرونی اصلاحات کی تکمیل کے لیے سب سے پیش پیش اور سب سے کم مائل بہ صلح میسوری دشمن پر ایک پر کار ضرب لگا کر برطانیہ کی حیثیت کے استحکام اور دیسی رئیسوں کے ساتھ امن واتحاد کی تجویز پیش از پیش عمل کرنے کے لیے بہت موزوں تھا۔ اگرچہ یہ اتحاد صرف اسی وقت تک قائم رہا جب تک مطلع صاف اور ہموار رہا جب یورپ کے طوفان انقلاب نے سواحل ہند کو ابر آلود کیا کہ اس اتحاد کا شیرازہ بھی بکھر گیا ۔

غرض یہ کہ ۱۷۸۶ء میں ہمیں ایک ایسے گورنر جنرل کے زیر انتظام ہندوستان پر انگریزی حکومت علانیہ قائم کی ہوئی نظر آتی ہے جس کو انگریزی قوم کے قائم مقاموں نے پورے پورے اختیارات عطا کر رکھے ہیں۔ ایک تجارتی کمپنی کے مقرر کیے ہوئے عامل خاص کی حیثیت پوری طور پر اس طرح تبدیل ہوگئی تھی کہ وہ اپنے اختیارات کے اعتبار سے روسیوں کی مجلس انتظامیہ کا بھیجا ہوا مختار کل صوبہ دار بن گیا تھا۔ اس لیے لارڈ کارنوالس کے عہد گورنر جنرلی پر اجلاس کرتے ہی نہایت سریع السیر ترقی کا ایک عصر جدید شروع ہوگیا۔ یہ ہیسٹنگز کی شخصیت تھی جس نے پہلے پہل بنگال کی بڑی حکومت کی ابتدی

باب سیزدہم
فصل اول

کو درست کیا اور جس نے تقریباً تمام انتظامی صیغوں میں باضابطہ کارروائی کا خاکہ کھینچا لیکن ہیسٹنگز کے عہد حکومت میں اندرون انگلستان میں فرقہ بندی کے جھگڑوں نے اور بیرون انگلستان میں سلسلۂ جنگ نے بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا کیں۔ لارڈ کارنوالس کے زمانے سے اندرونی نظام کا انتظام بتدریج ایک طریقے پر چلا جا رہا ہے۔ قانون منضبط ہوتے جا رہے ہیں۔ برائیوں کا سختی سے سدباب کیا جا رہا ہے اور بنگال کے لگان اراضی کا بندوبست ایک وہ خاص انتظامی کارگزاری ہے جس کی وجہ سے لارڈ کارنوالس کا نام ہندوستان میں اب تک یاد رکھا جاتا ہے۔ جتنے اضلاع کہ اس صوبے کے حدود اختیار میں تھے ان کی اراضی پر دوامی شرح محصول مقرر کرنے میں لارڈ کارنوالس نے ایک ایسے مدبر کے میلان طبع کی تقلید کرنے کا ثبوت دیا جو انگلستان کی جائدادوں کے نوع الحقیت سے واقف ہو جہاں زمینداروں کا ایوان حکومت اپنے محاصل اراضی کے لیئے ایک مقررہ دائمی شرح لگان کی تدوین کرنے والا تھا۔ اگرچہ اس بندوبست کی وجہ سے سرکاری خزانے کا وہ حصۂ آمدنی بالکل بند ہو گیا جو اضافۂ کرایہ اور توسیع کاشت سے اس کو زیادہ مل سکتا تھا۔ اگرچہ اس سے یہ ناممکن ہو گیا کہ جتنی سکۂ رائج الوقت کی قیمت گھٹتی جائے اسی نسبت سے شرح لگان کو بڑھا دیا جائے تاہم اس سے یہ ضرور فائدہ ہوا ہے کہ اب تک بنگال ہندوستان بھر میں سب سے متمول صوبے کی حیثیت سے قائم ہے۔ لارڈ کارنوالس کے زمانے سے انگریزی مملکت میں سیاسی بے اطمینانی کی جگہ رفتہ رفتہ ایک مستقل اور پائیدار سلطنت کے احساس اور حکومت پر اعتماد کرنے کے اس رجحان نے لے لی جو صنعت و حرفت کی ترقی کا سرچشمہ ہے۔ ایک طرف رعایا نے مغربی طرز حکومت کی ان نئی خصوصیات کے ساتھ اپنی طبیعتوں کو موافق کرنا شروع کیا اور دوسری طرف برطانوی سرحد پر نہ کسی دشمن صف نے دھمکی دی نہ اس پار قدم رکھا برطانوی حکومت نے اپنے تئیں علی الاعلان سب سے ہندوستان کی بڑی طاقتوں کی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ مگر اب تک اپنے حاکمانہ اقتدار کا کوئی باضابطہ

باب سیزدہم
فصل دوم

اعلان نہیں کیا تھا۔ دیسی ریاستیں ابتک برابری کے دعوے کے ساتھ انگریزوں کے مقابلے میں صلح و جنگ کرتی تھیں۔ ان کے پاس خاص سفارتیں جاتی تھیں۔ اتحاد کے لیئے نامہ و پیام ہوتے تھے اور ان کے اندرونی انتظام میں کبھی دخل دینے کا کوئی ادعا نہیں کیا جاتا تھا۔

فصل دوم

میسور کے سلطان ٹیپو کے ساتھ پہلی جنگ سنہ ۹۲-۱۷۹۰ء

جب لارڈ کارنوالیس اپنے عہدے پر متمکن ہوا تو انگریزوں اور دیسی ریاستوں میں صلح تھی۔ البتہ مرہٹوں نے نواب نظام الملک حیدرآباد کے ساتھ اس لیئے شرکت کی تھی کہ ٹیپو سلطان پر حملہ کریں جس کے جوش مذہبی اور نخوت کی وجہ سے اس کے تمام ہمسایہ رئیس بیگانہ بن گئے تھے۔ اس حملے میں لارڈ کارنوالس نے شریک ہونے سے انکار کر دیا مگر اس نے اپنی فوج کو بھی ضروریات جنگ کے پیمانے پر تیار کر لیا اور ٹیپو کی نظر بھی ایسی صحیح تھی کہ اس نے انگریزوں کی طرف سے خطرہ محسوس کر کے ان کے مقابلے کے لیئے اپنی قوت کو بھی بڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس سلطان میسور نے فرانسیسیوں کو بطور اپنے اتحادیوں کے آخری مرتبہ سواحل ہند پر نمودار ہوتے دیکھا تھا اور خود اس کی رسائی ساحلی علاقے تک تھی اور اس کے تعلقات فرانسیسی مقبوضات سے قائم تھے اس لیئے اس نے بھی اپنے والد مرحوم کے اس اصول عمل کی تقلید کی کہ دوسری یورپین اقوام سے استمداد کر کے ہندوستان میں انگریزی

باب سیزدہم
فصل اول

اقتدار کے عروج کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن چونکہ اس کو یورپ کے سیاسی معاملات میں پوری معلومات حاصل نہیں تھیں اس لیئے اس نے ایسی تدبیریں کیں جو بالکل بیچ ثابت ہوئیں اور جنھوں نے جلد اس کی تباہی کے سامان پیدا کر دیئے۔ ۱۷۸۷ء میں ٹیپو نے ایک سفارت قسطنطنیہ بھیجی جس کا کوئی معقول نتیجہ تو نکلا نہیں مگر سلطان کی طرف سے اس کا ایسا شاندار و پرتپاک استقبال کیا گیا کہ جس سے میسور کے بدقسمت حاکم کو اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگانے اور ان مدبرانہ تکلفات کے کوئی حقیقی معنی سمجھنے کی جرأت ہوگئی۔ اسی سال ٹیپو کے سفیر کا بڑی مدارات کے ساتھ پیرس میں لوئیس شانزدہم نے بھی استقبال کرایا اور وہ ایسا وقت تھا جبکہ فرانس اور انگلستان کے تعلقات یقیناً کشیدہ ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نہایت سطحی اخلاق سیاست کے اظہار نے ٹیپو کو اپنی حیثیت کا اندازہ کرنے میں فریب دیا اور انگریزوں کی شبہ آمیز مستعدی اور اس عزم میں پختگی پیدا کر دی کہ جہاں تک جلد بن سکے اس خوفناک نام و پیام کو قطع کرا دینا چاہیئے۔

ایسی باہمی بدگمانیوں کی حالت میں یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ ہندوستانی معاملات کی تدریجی رفتار کو روکنے کی کوشش کرنے اور گرد و پیش کے حالات کے سبب طرف سے سمٹ کر آ جانے والے دباؤ کا مقابلہ کرنے میں پارلیمنٹ کے احکام ممانعت کس درجہ حقیر اور غیر موثر تھے۔ پٹ کے قانون نے یہ اعلان کیا تھا کہ چونکہ فتوحات کے منصوبوں کے پیچھے پڑنا گورنمنٹ برطانیہ کی خواہش، عزت اور اصول عمل کے بالکل منافی ہے اس لیئے گورنر جنرل اس کا پابند ہوگا کہ نہ خود کوئی اعلان جنگ کرے نہ کسی کے ساتھ ایسا معاہدہ یا اتحاد کرے جس کی رو سے کسی دیسی رئیس سے جنگ کرنا پڑے یا جنگ کا کفیل ہونا پڑے بہ استثنا اس خاص حالت کے جبکہ خود برطانوی مملکت یا کسی سچے اتحادی کے ملک پر جنگ کا کوئی فوری خطرہ طاری ہو۔ لیکن لارڈ کارنوالس نے

باب سیزدہم
فصل دوم

خشکی پر قدم دھرا ہی تھا کہ نواب نظام الملک کی طرف سے اس پر تقاضا ہوا کہ ٹیپو کے خلاف مملکت حیدر آباد کی حفاظت کی جائے۔ چونکہ کسی فوری جنگ کا خطرہ نہیں تھا اس لیے گورنر جنرل پارلیمنٹ کا اثر قبول کر کے نواب نظام الملک کے ساتھ کوئی مدافعانہ کارروائی کرنے سے باز رہا جس سے ٹیپو کے حوصلے پست ہو جاتے۔ بہرحال اس نے یہ ضرور کیا کہ نواب نظام الملک کے ایلچی کو ایک تحریری وعدہ ایسا سپرد کر دیا کہ پرانے معاہدے کے مطابق انگریزوں کی طرف سے نواب نظام الملک کو ایک امدادی فوج اس وقت دیدی جائے گی جب اس کی ضرورت پڑے گی لیکن یہ شرط لگا دی کہ وہ فوج کسی ایسی ریاست کے خلاف نہ استعمال کی جائے جس سے کمپنی کا اتحاد ہے۔ ان ریاستوں کے علیحدہ علیحدہ نام لکھ دیئے گئے تھے اور چونکہ میسور کا نام اس فہرست میں نہیں تھا اس لیے مخاصمت کے آثار بجائے کم ہونے کے اور بڑھ گئے کیونکہ ٹیپو نے بجا طور پر اس تحریری وعدے کو اپنے خلاف کسی قسم کی جارحانہ کارروائی کا پیش خیمہ سمجھا۔

ان تمام رقابتوں اور باہمی تیاریوں نے انگریزوں اور سلطان میسور کے درمیان جنگ برپا ہونے کے تمام اسباب پیدا کر دیئے تھے اور تھوڑے ہی دن میں ٹیپو نے کارنوالس کو احکام پارلیمنٹ کے معنی سمجھنے کے تمام شبہ و شک سے آزاد کر دیا۔ انگریزوں کی طرف سے ضابطے کی تنبیہوں کی پروا نہ کر کے ٹیپو نے ایک غیر منصفانہ اور بے نتیجہ حملہ راجہ ٹراونکور پر کر دیا جو برطانیہ کے زیر حفاظت تھا۔ اس پر لارڈ کارنوالس نے نواب نظام الملک اور مرہٹوں کے ساتھ اتحاد ثلاثہ کیا اور متعدد فوجیں ملک میسور پر چڑھ دوڑیں۔ پہلے موسم کی جنگی کارروائیوں کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا اور ۱۷۹۱ء میں جب لارڈ کارنوالس نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو سرنگا پٹم کی یورش ناکام رہی۔ لیکن دوسرے سال کی فوج کشی میں ٹیپو مغلوب ہو کر اپنے دارالحکومت میں محصور ہو گیا اور اس کو مجبوراً ۱۷۹۲ء میں ایک ایسے معاہدے پر دستخط کرنے پڑے جس سے اس کے تمام وسائل مفلوج

باب بستم

ہو گئے اور اس کی نصف مملکت بشمول کورگ و اضلاع مالابار واقعہ سواحل مغرب اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس وقت کے بعد سے ٹیپو برابر انتقام کی ترکیب اور موقع کی تاک میں رہا۔ اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس خیال خام میں مبتلا رہا کہ کسی غیر ملکی امداد سے انگریزوں کے خلاف اپنے دست و بازو کو قوی کرلے۔ اس نے مرہٹوں، زماں شاہ شاہ افغانستان اور فرانسیسیوں سے نامہ و پیام کیئے اور فرانسیسیوں نے اس کی امداد کرنے کی اس درجے تک نمائش بھی کی کہ جس سے انگریزوں کو کافی وحشت و اشتعال پیدا ہو گیا۔ ٹیپو کے فرانس کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنے کا صرف ایک معقول نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ جب ۱۷۹۳ء میں انقلاب فرانس نے یورپ میں انگلستان و فرانس کے مابین سخت مخاصمت پیدا کر دی تو حکومت میسور انگریزوں کی مخاصمت کی پوری زد کے سامنے بے پناہ ہو کر آ گئی ہو

فصل سوم

مرہٹہ اور میسور کی پیچیدگیاں

اس اثنا میں مرہٹہ سردار مادھو جی سندھیا جس نے آخر کار شہنشاہ مغلیہ کو اپنے زیر اثر لا کر اس سے وکیل مطلق کی سند حاصل کر لی تھی۔ اور جس نے شمال میں عظیم الشان فتوحات حاصل کر لی تھیں اور اپنے ہم چشم ہلکر کو ایک خونریز لڑائی میں شکست دے دی تھی بالعموم ہند میں سب سے زبردست طاقت ہوتا جاتا تھا۔ اس کی سیاسی غایت یہ تھی کہ اپنے تئیں مرہٹوں کے جتھے سے علیحدہ کر کے خود مختار بھی کر لے اور اس جتھے کو بھی نہ ٹوٹنے دے اور چونکہ وہ انتہا معاملہ فہم تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی فوقیت کو

سمجھ رہا تھا اس لیئے وہ ان کے ساتھ کسی قسم کا ایسا اتحاد کرنے پر اعتماد نہیں کرتا تھا جس کی غرض کسی ہم چشم کو برباد کرنا ہو خواہ وہ ہم چشم سلطان میسور کا سا مسلمان بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ اب جبکہ ٹیپو کا زور توڑ ڈالا گیا تھا تو یہ امر روز بروز واضح ہوتا جاتا تھا کہ مرہٹے ہی صرف ایک ایسی جنگی قوت رہ گئے ہیں جو ستلج سے سمندر تک پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی طرف سے انگریزوں کو مقاومت کا خطرہ ضرور ہونا چاہیئے تھا مرہٹوں کے قبضے میں اس وقت وسیع مملکت تھی۔ ان کے سرداروں کی ماتحتی میں کثرت سے مسلح فوجیں تھیں جو راجپوت فرقوں کی کمزور مقاومت پر بہ آسانی سے غالب آجاتی تھیں اور جنھوں نے اب تک بہت تھوڑے ہی وقت کے ساتھ اودھ اور حیدرآباد کی مسلمان ریاستوں کی زرآشنا فوجوں کو یقیناً گرد برد کر دیا ہوتا لیکن ان کے سرداروں کا فطری میلان طبع یہ تھا کہ جو جو صوبے وہ فتح کرتے جائیں ان سے اپنے لیئے خود مختار حکومتیں قائم کرتے جائیں اور اپنے اپنے پڑاؤں کو دارالحکومتوں میں تبدیل کرتے جائیں۔ اس سے ان میں لازمی طور پر باہمی رشک و رقابت کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور مجموعی جتھے کے مشترک اغراض کو بہت نقصان پہنچنے لگا تھا۔ مادھوجی سندھیا کی خود مختاری ۱۷۸۶ء میں تسلیم کر لی گئی تھی۔ اس نے اس کے بعد سے اپنے مقبوضات کی تیزی کے ساتھ توسیع اور اپنے ذخائر حرب کی توفیر کر لی تھی اس وقت دہلی کے گرد کے تمام اضلاع پر اس کا قبضہ تھا اور اس کے قبضے میں ایک زبردست فوج تھی جو موقع موقع سے تعینات تھی۔ قبل اس کے کہ سندھیا کی طاقت حد سے بڑھ جائے اور انگریزوں سے اس کا تصادم ہو۔ اس کے حصول عظمت کو کسی نہ کسی طریقے سے روکنے کی ضرورت گورنر جنرل پر اس کے پولیٹیکل ایجنٹوں نے بہ تاکید ظاہر کی تھی مگر اس خاص حالت اور اسی طرح کی دوسری حالتوں میں بھی پٹ کے احکام ممانعت نے جو سوائے فوری خطرے کے اور ہر وقت انگریزی حکومت کے عدم مداخلت کی تاکید سے ہاتھ پاؤں باندھے رکھتے تھے یہ اثر کیا تھا کہ انگریزوں نے ایک زبردستی کا سکوت و سکون اپنے اوپر طاری کر لیا تھا جس سے اکثر کسی نافہم حوصلہ مند رئیس کو اتنی جرأت ہو جاتی تھی کہ وہ اس حد تک آگے بڑھتا چلا آتا

باب سیزدہم فصل سوم

کو ان سے مخاصمت ناگزیر ہو جاتا تھا۔ سندھیا کا اصول عمل اب علانیہ یہ نظر آنے لگا کہ وہ انگریزوں کے بابر دوسری غیر ملکی طاقت کے خلاف جو ہندوستان کو مطیع فرمان کرنا چاہتی ہو ایک ملکی اتحاد کی بنا ڈالنی چاہتا تھا۔ مگر اس کے روز افزوں اقتدار نے برطانوی حکومت کی طرح مرہٹہ سرداروں کو بھی چوکنا کر رکھا تھا چنانچہ پیشوا اس کا اقتدار کرنے کے لئے یا اس کے منصوبوں میں ہم آہنگ ہونے کے لئے بلا تامل تیار نہیں تھا۔

مگر ۱۷۹۴ء میں مادھوجی سندھیا کا یکایک انتقال ہو گیا۔ یہ شخص بڑے حوصلے اور سیاسی قابلیت کا سپاہی تھا اور فن جنگ میں اس کو خاص ملکہ تھا اور اس نے دوسرے ہندوستانی رئیسوں کی بہ نسبت بہت اعلیٰ پیمانے پر یورپین افسروں کی زیر نگرانی اپنی قواعد داں فوجیں تیار کی تھیں۔ اور ان کے ساتھ عمدہ کار آمد توپ خانہ بھی رکھا تھا۔ لیکن معاملہ فہم مرہٹہ سردار اس بات کو سمجھ چکے تھے اور منہ پر لا چکے تھے کہ یہ طریقۂ ترتیب فوج کا جس نے ان کو تمام دیسی متخاصمین کے مقابلے میں اور راجپوتانے کے بھائی بندوں کی بے قاعدہ فوج اور مسلمان رئیسوں کے خام کار بہادروں کے لئے ناقابل ہزیمت بنا رکھا تھا ان کے اصلی سخت دشمنوں یعنی انگریزوں کے مقابلے میں بجائے فائدے کے نقصان پہنچانے والا ثابت ہوگا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ ایسی کوشش تھی کہ یورپین طریقوں سے جنگ کا کھیل کھیلا جائے اور انگریزوں سے سیکھی ہوئی گھاتیں انھی پر چلائی جائیں۔ قواعد داں فوجیں اور بھاری توپیں ان بادیہ پیما یورشوں اور جنگی چالوں میں رکاوٹیں پیدا کرتی تھیں جو وہ اپنے سبکرو رسالوں کے ذریعے سے انجام کو پہنچاتے تھے۔ وہ ان کی سر توڑ تاختیں اور ترت پھرت واپسیاں معدوم ہوتی چلی جاتی تھیں جن کی وجہ سے وہ سو سال تک مغلوں کی بے شمار فوجوں پر فتوحات حاصل کرتے رہے تھے اور اکثر موقعوں پر انگریزوں کو بھی نہایت پریشان اور بے بس کر دیتے تھے۔ ڈوپلے اور کلائیو کے زمانے میں قواعد داں فوجوں سے کام لینا در اصل

ایک نئے اور نہایت پُرکار ہتھیار کے داخل جنگ کر لینے کے برابر تھا جس سے سوائے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے کسی دوسرے کو واقفیت نہیں تھی اور اس قسم کی خلاف ابید فوقیت ہمیشہ اُس فریق کو غلبہ دلادیتی ہے جس کے قبضے میں وہ ہوتی ہے۔ لیکن متمدن اقوام کے اسلحۂ حرب اور جنگی چالوں کے واسطے ضرورت ہے فن جنگ میں ایک خاص قابلیت رکھنے کی اعلیٰ درجے کے ذخائر کی بہم رسانی کی اور ایسے افسروں کی ایک محفوظ تعداد کی جن کو اعلیٰ درجے کی جنگی تعلیم دی گئی ہو۔ اور یہ ناممکن ہے کہ ان سے کچے طریقے پر کوئی ایشیائی سردار کام لینے لگے جس کی قوم ابھی ان ایجادوں سے واقف بھی نہ ہو۔ تمام جنگی تاریخ یہ ثابت کرتی چلی آتی ہے کہ کسی جفاکش غیر متمدن قوم کے لیے جو جنگی وسائل اور تجربات سے معرّا ہو مگر تعداد میں کثیر ہو بہترین طریقہ کسی قواعدداں قلیل التعداد فوج کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کا یہ ہے کہ بے قاعدہ اور بچت کی لڑائی لڑے اور باقاعدہ جم کر مقابلہ نہ کرے۔ انگریزی تربیت فوجوں کو جو سخت ترین ہزیمتیں اُٹھانی پڑی ہیں ایشیا اور افریقہ میں برداشت کرنی پڑی ہیں وہ سب کی سب دریائے اوہیو پر بریڈک کی ہزیمت سے لیکر افغانستان و ٹرانسوال کی زمانۂ حال کی بدطالعیوں تک انھی مستعد بے قاعدہ فوجوں کے ہاتھوں نصیب ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے ہتھیاروں اور اپنے طریقوں سے کام لیا تھا۔ علاوہ برآں مرہٹوں نے غیر ملکی ذخائر حرب اور جنگی چالوں کو جس نسبت سے اختیار کیا اسی نسبت سے ان کے ہاتھ سے وہ فوائد جاتے رہے جو قومی مذہبی یا فرقہ بندی کے جذبات اتحاد سے اور مشترک ملکی و رواجی اغراض سے حاصل ہوتے تھے اس نئے طریقے کے لیئے کارداں سپاہیوں کی ضرورت پڑی جن کو جہاں سے ملیں بھرتی کرنا پڑتا تھا اور خاص طور سے غیر ملکی افسروں کو تلاش کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح یہ اجنبی غیر مانوس عناصر برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ بعد کی مرہٹہ فوجیں کرایہ کے سپاہیوں کا ایک غلوط مجمع بن گئیں جو مختلف حصص ملک سے بھرتی کیئے گئے تھے۔ اور ان کے ساتھ جو پیدل

باب بستم فصل سوم

قواعدداں فوج اور توپ خانہ تھا اس کے سپہ سالار مختلف ملکوں اور قوموں کے نبرد آزما تھے؛

اس وقت کے بعد انگریزوں کو جو لڑائیاں مرہٹوں سے لڑنی پڑیں ان کی بھی اور جو بعد کے زمانے میں سکھوں سے لڑنی پڑیں ان کی بھی یا امتیازی خصوصیت رہی کہ اگرچہ ان میں مقاومت بڑی سخت ہوتی اور یا اکثر فتحیابی سخت نقصان برداشت کرکے ہوتی تھی مگر فتوحات فیصلہ کن ہوتی تھیں ضربیں پرکاری پڑتی تھیں کیونکہ وہ قریبی زد سے لگائی جاتی تھیں اور ایسی فوجوں پر لگائی جاتی تھیں جو باقاعدہ صفوف میں آراستہ ہوتی تھیں اور جب ان فوجوں کا ایک دفعہ استیصال کردیا جاتا یا ان کو ہزیمت دیدی جاتی تو پھر فوراً ہی ان کا نعم البدل ممکن نہیں ہوتا تھا۔ چونکہ تمام ہندوستانی ریاستیں اور خاندانہائے حکومت جن سے انگریزوں کو لڑنا پڑتا تھا اپنی ہستی قائم رکھنے کے لیئے فتوحات جنگ کے محتاج تھے اس لیئے ایک ہزیمت کھاتے ہی وہ انگریزوں کے پورے پورے بس میں آجاتے تھے کیونکہ قریب قریب جتنے رئیس اس وقت تھے ان سب کا حق ریاست زمانۂ حال کے مقبوضات پر مبنی تھا اور ان کی حکومت کی عمارت میں قومی ہمدردی کا کوئی مصالحہ نہیں لگایا گیا تھا۔ چنانچہ جب تک فاتح خود ہی مغلوب دشمن کو تخت و تاج واپس نہ کردے رعایا اپنے سر پر دوسرے آقا کو قبول کرلیتی تھی جتنی کوششیں دیسی رئیسوں نے یورپ کے فنون و اصول حرب کی تقلید کرنے کی کیں وہ سب ان کو اور دھوکہ دینے اور جال میں پھنسانے کا باعث ہوئیں۔ ان کو یہ گمان ہوتا تھا کہ اس طرح وہ انگریزوں کے ہمپایہ ہوجائیں گے ایک ایسا طریقہ اختیار کرکے جو در اصل ان کو بہت نقصان پہنچاتا تھا کیونکہ وہ اپنی قوت کے غلط اندازے پر بڑے بڑے جنگی عملے غیر ملکی افسروں کی ماتحتی میں قائم کرلیتے تھے اور انگریزی گورنمنٹ کو اس تمام مواد کے بہت جلد تباہ و برباد یا کم از کم منتشر کرنے کی فکر پڑجاتی تھی۔ انگریزوں کے واسطے اس سے زیادہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ اپنے روپے اور ذخائر حرب کی مدد سے اپنی قواعدداں فوج کی تعداد کو

باب ہفدہم
فصل سوم

جس حد تک اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے ضرورت ہو بڑھاتے چلے جائیں برخلاف اس کے ہندوستانی رئیسوں کے واسطے اس سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ اپنے قواعد داں سپاہیوں اور جنگی توپوں کے نقصان کی تلافی کر سکیں۔ اس سے یہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ جنگی و سیاسی حیثیت میں برابری کا نہ ہونا ہی اس کا سبب ہوگیا کہ گزشتہ صدی میں جتنی فوج کشیاں ہندوستان میں ہوئی ہیں ان میں سے ہر ایک کے بعد انگریزوں کے حدود مملکت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور رہا ہے۔ فی الحقیقت تمام ملک ہندوستان آہستہ آہستہ اس حکومت کے دامن سے وابستہ ہوتا چلا گیا جو تمام دیگر برسر آوردہ حکومتوں کے مقابلے میں فنون جنگ میں اعلیٰ ترین مہارت رکھتی تھی اور جس کی پائداری کسی حالت میں کسی ایک حاکم کی حیات یا اقبال یا کسی ایک جنگ کی فتح و شکست پر منحصر نہیں رہی کیونکہ اس کے وسائل کی بہمرسانی اس متمدن دولت و قوت کے خزانے سے ہوتی تھی جو سمندر پار محفوظ تھا۔

۲ میسور پر اس فوج کشی کے بعد لارڈ کارنوالس کی غایت عمل یہ ہوئی کہ جنوب ہند کے امن و سکون کا اس طرح انتظام کرے کہ نواب نظام الملک فرمانروائے حیدرآباد اور مرہٹوں کو شرکت اتحاد کی دعوت دے تاکہ تینوں کے ممالک کی باہمی کفالت ٹیپو کی دست درازی کے خلاف ہو سکے نواب نظام الملک نے اس تجویز کو مستعدی سے لبیک کہا کیونکہ انھیں مرہٹوں کی طرف سے بہت خطرہ تھا مگر مرہٹوں نے شرکت سے انکار کیا کیونکہ انھوں نے مملکت نواب نظام الملک پر ہاتھ صاف کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ اودھ اور حیدرآباد کی دونوں مسلمان ریاستیں اپنی مملکت و محاصل کے اعتبار سے نسبتاً سخت کمزور تھیں اور میزان سیاست میں ان کا پلہ بہت ہلکا تھا۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کو خاص خیال اس کا تھا کہ کہیں وقت سے پہلے ان کا استیصال نہ ہو جائے۔ اس زمانے میں مملکت اودھ تمام و کمال زیر حمایت حکومت برطانیہ آگئی تھی جس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ اصلی خاندان کی حکومت کو قائم رکھ کر حاکم وقت کی خود مختاری سلب کر جاتی ہے

باب سیزدہم
فصل سوم

اس طرح رہے کہ اس مملکت کی جنگی مدافعت کی ذمہ داری حفاظت کرنے والی حکومت لے لیتی ہے اور اصلی حاکم اپنے تئیں ایک معاہدہ انضمام (Subsidiary treaty کا پابند کردیتا ہے یعنے جو فوج مدافعت کے لیئے نامزد ہوتی ہے اور جس کی قیادت خود حاکم اصلی کے ہاتھ میں نہیں ہوتی اس کے اخراجات وہ ملک ادا کرتا ہے۔ اسکے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایشیا میں کوئی شاہی خاندان اس وقت تک اپنی حکومت قائم نہیں رکھ سکتا جبتک کہ اس میں یکے بعد دیگرے لائق اور فرزانہ حکمراں پیدا نہ ہوتے رہیں اور ان کا انتخاب ان کے تجربے اور لیاقت کی بنا پر نہ ہوتا ہو۔ لیکن یہ حفاظت کا طریقہ جو خاندانی حقوق کو قائم رکھتا ہے اگرچہ اس کی اجازت تو نہیں دیتا کہ کوئی ناقابل وارث تخت و تاج کسی چلتے ہوئے غاصب کے ہاتھوں معزول یا مقتول ہوجائے پھر بھی کسی نہ کسی وقت کسی ایسے رئیس کو متمکن کرادیتا ہے جس کا کوئی قدرتی حق اس تخت پر متمکن ہونے اس سلطنت کے کاروبار کو چلانے کا ناقابلیت حکمرانی کے اثرات اودھ میں ابھی سے ظاہر ہوچکے تھے جہاں اندرونی ابتریاں اور مالی مشکلات روز بروز بڑھتی جارہی تھیں اندرونی بغاوت اور بیرونی حملے کی طرف سے اطمینان ہونے نے ایک عام تن آسانی اور مطلق العنانی پیدا کردی تھی۔ تحصیلات کی بدانتظامی نے جزیے کی بقایا کا بار بڑھادیا تھا اور وہ بدنظمی جو پرائی حمایت و حفاظت کے اطمینان سے پیدا ہوگئی تھی اور اسی حفاظت و حمایت کے طریقے کو جاری رکھنے کی وجہ موجب بن گئی۔ بعد کے زمانے میں اسی قسم کے آثار حیدرآباد میں بھی رونما ہونے لگے اور اس ریاست کو بھی اسی اصول حمایت کے ذیل میں لے لیا گیا۔

اس تمام پیچ در پیچ ردّ و بدل کی تاریخ ان غیر معمولی اور پیہم مشکلات کا وجود ثابت کرسکتی ہے جو اکثر حکومت برطانیہ کو ہندوستان میں پیش آتی رہی ہیں جہاں کہ غیر جانبداری یا عدم مداخلت کے اصول عمل نے آخرکار نفاق کے تخم کو اس درجہ پختہ کردیا کہ انگریزوں کو مجبوراً ان خرابیوں کا تدارک کرنے کے واسطے قدم اٹھانا پڑتا تھا حالانکہ شروع شروع میں ان کو نہایت آسانی سے دور کیا جاسکتا تھا۔ ملک کی کوئی دوسری قابل لحاظ طاقت قیام امن سے کوئی دلبستگی نہیں رکھتی تھی۔ جو زبردست تھے وہ عام رواج کے مطابق کمزوروں کا شکار کرتے تھے اور ہر وقت انگریزوں کو

باب بستم
فصل چہارم

یہ خطرہ لگا رہتا تھا بلکہ اس کا یقین رہتا تھا کہ جب کوئی نبرد آزما اپنے کمزور رقیبوں کو پامال کر چکے گا تو اجتماعی قوت کا رخ مملکت برطانیہ کی طرف پھیر دے گا۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انگلستان کے قبضے میں اس وقت سوائے جبل طارق کے یورپ بھر میں کوئی دوسرا خشکی کا حصہ نہیں تھا پھر بھی تمام اٹھارھویں صدی کے دوران میں انگلستان کو اپنے پڑوسیوں کی ہر یورپین جنگ میں کسی نہ کسی طرح حصہ لینا پڑتا تھا۔
اب ہم کو ہندوستان کی حالت کی طرف نظر کرنی چاہیئے۔ یہاں انگریزوں کے مقبوضات جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ بہت سے بالکل ہی اکیلے تھے اور ایک دوسرے سے فاصلے پر واقع تھے اور ان کے بیچ میں جگہ جگہ علاقہ جات غیر حائل تھے اور سوائے سمندر کے اور سب طرف سے آسانی کے ساتھ ان پر چڑھائی کی جا سکتی تھی۔ المختصر یہ کہ بقول سر آرتھر ولزلی کے انگریزی مقبوضات کا کوئی خط سرحد ہی نہیں قائم کیا جا سکتا تھا۔ ایسے ملک میں یقیناً انگریزوں کو ملوثاً دکر ہا ایسے تنازعات و آویزشات میں حصہ لینا پڑتا ہوگا جو اس زمانے میں ملک کے امن و توازن قوت میں برابر خلل ڈالتے رہتے تھے۔

فصل چہارم

کارنوالس کے عہد حکومت کا اختتام ۱۷۹۳ء

الغرض کارنوالس کے عہد حکومت کی کارروائیوں اور ان کے نتیجوں نے یہ اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ انگریزوں کے واسطے یہ کام کتنا مشکل تھا کہ خموش رہیں اور کھڑے تماشہ دیکھا کریں کہ ان کے گرد کیا کیا لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں۔ انگلستان میں کمپنی کے گورنروں کے

باب سیزدہم
فصل چہارم

خلاف یہ عام الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ سب کے سب غیر منصفانہ اور غیر ضروری جنگوں میں بے سوچے سمجھے کود پڑتے تھے اور اپنے ہمسایوں کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی دائمی حرص ان کو گرمائے رکھتی تھی جو ضابطہ ۱۷۸۶ء میں آئین حکومت کا مدوّن کیا گیا تھا اس کا ایک یقینی فائدہ یہ سمجھا گیا تھا کہ اعتدال۔ سیاسی بے غرضی۔ ترک اغراض حریصانہ کا اہتمام اس طرح ہو جائے گا کہ انصرام معاملات کو براہ راست وزارت کی نگرانی میں سپرد کر دیا جائے گا۔ کوئی گورنر جنرل روش اعتدال قائم رکھنے اور صلح جوئی پر کاربند ہونے کی ہدایات پر لارڈ کارنوالس سے زیادہ سکھا پڑھا کر ہندوستان کو نہیں روانہ کیا گیا اور ان عام احکام کی مزید تصدیق و تاکید ایوان حکومت کے اس خاص قانون سے کر دی گئی تھی جو کہ نبرد آزمائی کے جوش اور توسیع مملکت کے منصوبوں کے لگام دینے کی خاص غرض کے لیئے منضبط کیا گیا تھا۔ پٹ کا ۱۷۸۴ء کا قانون اس مطلب کی تشریح میں کمل تھا اور ۱۷۹۳ء میں ایک دوسرا قانون حسب ذیل نافذ کیا گیا تھا:-

> از بس کہ فتوحات و توسیع مملکت ہند کے منصوبوں پر عمل پیرا ہونا ایسی کارروائی ہے جو انگریزی قوم کی خواہش عزت اور اصول عمل کے خلاف ہے اس لیئے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے لیئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اعلان جنگ کرے یا جنگ کرنے کے کسی معاہدے میں شرکت کرے یا کسی دیسی رئیس یا ریاست کے مقبوضات کی کفالت کی خاطر جنگ کرے سوائے اس خاص حالت کے جبکہ ہندوستان میں انگریزی قوم کے خلاف عملی مخاصمت شروع ہو جائے یا اس کی تیاری ہو جائے یا سوائے اس خاص حالت کے کہ حکومت انگلستان کوئی خاص حکم یا اختیار عطا فرمائے۔

باوجود اس کے بھی لارڈ کارنوالس نے جس کے اعتدال و معاملہ فہمی پر کبھی شبہ نہیں کیا گیا ہے اپنے کو مخاصمتوں کے لیئے تیار رہنے پر

باب سیزدہم
فصل چہارم

کلکتہ پہنچتے ہی مجبور پایا اور اُس کو فوراً یہ محسوس ہونے لگا کہ تمام احکام ممانعت
دراصل انہی برائیوں کو پیدا کرنے والے ہیں جن سے بچنے کے لیے
یہ احکام صادر فرمائے گئے ہیں۔ ان تمام بندشوں کے معنی یہ تھے کہ
گورنر جنرل ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور دیسی ریاستوں کے
پُرخطر اتحاد و پرجوش مخاصمتوں کا تماشہ دیکھتا رہے اور اس وقت تک
کسی معاملے میں دخل نہ دے جب تک کہ صورتِ حالات اس انتہا کو
نہ پہنچ جائے جس سے اس کی اپنی مقبوضات کے قیام و امن پر حقیقی اور
یقینی خطرہ لاحق ہونے لگے۔ جنگ میسور اور اس کے ساتھ توسیع مملکت
باوجود اُس سے بچنے کے تمام ایماندارانہ حکموں اور کوششوں کے
وقوع میں آ کر رہی۔ باوجود ان تمام جنگی کارروائیوں کے
کارنوالس کی نیک نیتی پر قوم کو اتنا اعتماد تھا کہ جب ۱۷۹۳ء میں
وہ انگلستان پہنچا ہے تو وہاں عام احساس یہ تھا کہ اس نے سکون و امن
کی حکمت عملی کو ترقی دینے ہی کی تمام ضروری کارروائیاں کی ہیں اور بس
برخلاف اس کے انگریز لوگ ایک ایسے دور کی ابتدا پر پہنچ گئے
تھے جس میں طول طویل مخاصمتیں پیش آنے والی اور وسیع الحاقِ مقبوضات
ہونے والا تھا۔

قدرتی اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ توسیع مملکت کا
قدم برابر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا اور ایسے اسباب کے وجود کا ثبوت
اس امر واقعے سے بہتر نہیں مل سکتا کہ جو پارلیمنٹ کی نگرانی توسیع مملکت کے
روکنے کے لیے قائم کی گئی تھی وہی اس کو آگے بڑھانے کی وجہ بنتی چلی گئی
مسٹر اسپنسر والپول نے اپنی تاریخ انگلستان میں بیان کیا ہے کہ اس زمانے کا
ہر سربرآوردہ مدبر کمپنی کے مقبوضات میں اور کسی اضافے کو پسند نہیں کرتا
تھا اور توسیع کو روک دینا چاہتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جنگ بازی کے
اس منحوس رجحان کو روکنے کے لیے جو کمپنی کے دامن پر ایک سیاہ دھبہ
تصور کیا جاتا تھا اکثر قوانین مرتب کیے گئے تھے۔ مگر ہمارے سامنے

باب سیزدہم
فصل چہارم

ہولناک تاریخی حقیقت موجود ہے کہ جب سے ہندوستانی معاملات کا انصرام سلطنت نے کمپنی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا اسی زمانے سے جنگ و فتوحات کا وہ دور شروع ہوگیا جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی تھی۔ انگریزوں کی اعلیٰ پیمانے کی جنگوں کی ابتدا ۱۷۸۹ء سے ہوتی ہے اور یہ دور ۱۷۸۶ء اور ۱۸۰۵ء کے درمیان آتا ہے یعنے وہ دور جس میں کارنوالس اور ولزلی (یعنی ایسے دو گورنر جنرلوں نے حکومت کی جو وزارت کی طرف سے مقرر کیے گئے تھے) براہ راست ایوانِ حکومت کے سامنے جوابدار تھے۔ اسی میں سب سے زیادہ طویل لڑائیاں اور سب سے زائد حصول مقبوضات بذریعۂ فتوحات یا پیشکش کے وقوع میں آئے۔ اس کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ انگریزی مملکت کی سب سے زائد ترقی جو لارڈ ڈلہوزی کے عہدِ حکومت تک ہو چکی تھی وہ ٹھیک اسی زمانے میں ہوئی جس کو متذکرۂ صدر گورنر جنرلوں کا عہد حکومت کہا جا سکتا ہے۔ انگریزوں کی ہندوستانی سلطنت کی داغ بیل بے تکی کٹی ٹوٹی لکیروں میں سوداگروں نے ڈالی۔ بنیادی پتھر بنگال میں کلائیو نے رکھا۔ پہلی منزل ہسٹنگز نے مستحکم کی لیکن عظیم الشان اوپر والی منزلیں گورنر جنرلوں کے اسی ممتاز سلسلے کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی ہیں جن کو ایوانِ حکومت نے کامل ملکی اور فوجی اختیارات کے ساتھ ملک کا سردار اور سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ گذشتہ سو سال میں جتنے اہم الحاق کیے گئے ہیں وہ سب انگلستان کی قومی حکومت کی منظوری اور مخصوص احکام کے اتباع میں وقوع میں آئے ہیں[1]

ہندوستان کے ساتھ انگلستان کے تعلقات کے قریب ہو جانے

---

[1] ۱۸۴۳ء کے الحاقِ سندھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے گورنر جنرل لارڈ المبرو کے طرزِ عمل کو قابلِ الزام اور ناقابلِ منظوری ظاہر کیا تھا مگر اس کی کارگزاری کو بہت کچھ پس و پیش کے بعد سر رابرٹ پیل کی مجلس انتظامیہ نے منظور کر لیا۔ ۱۲ ھ

باب سیزدہم
فصل چہارم

اور انگریزوں کی اس ملک میں نفع و نقصان کی اہمیت نے اس ایشیائی مملکت کو یورپ کے سیلاب سیاست کے راستے میں اس طرح لاکر رکھدیا تھا کہ فرانس و انگلستان کی مخاصمتوں کی بڑھتی ہوئی موجیں ہندوستانی سواحل سے آکر ٹکرانے لگیں اور انھوں نے یہاں کی رفتار واقعات میں تیزی اور تندی پیدا کردی۔ ۱۷۹۳ء میں انگریزوں کی طول طویل جنگ انقلاب پذیر فرانس کے ساتھ شروع ہوگئی جس نے بہت جلد ایشیا میں انگریزی سیاسیات کے امتزاج پر اثر ڈالا۔ چند سال کے بعد نپولین بونا پارٹ رزمی خودمختاری کے راستے پر کسی ایشیائی فاتح کی طرح اس شان سے قدم زن ہوا کہ تختوں کو الٹا جاتا تھا۔ سرحدوں کو مٹاتا جاتا تھا قومی روایات اور موروثی حقوق کو روندتا جاتا تھا اپنی تلوار کے زور سے نئی سلطنتیں قائم کرتا جاتا تھا اور ان کی حدبندیاں اس طرح کرتا جاتا تھا جیسے کوئی اپنی آبائی جاگیر میں علٰحدہ علٰحدہ فرسے قائم کرتا جاتا ہے۔ اس مشغلے میں جو لطف اس کو آنے لگا تھا اس نے اس کی نشت کو ایشیا کی طرف بھی کھینچا جہاں اس نے دیکھا کہ نا قابل اختتام جنگ اور غیر مداخلت پذیر حکومت کا جو مادہ اسکی سرشت میں ودیعت کیا گیا تھا اس کے لئے ایک وسیع میدان عمل اس طرح مل جائے گا کہ پرانی رعشہ براندام حکومتوں کو الٹ پلٹ کرکے اپنے اطمینان و فرصت کے وقت ان کو نئی شان سے ترتیب دیا جائیگا اس کے اس میلان طبع کے ساتھ اس کی ایک اور عمل بھی شامل ہوگئی تھی یعنے اپنی ایشیائی اولوالعزمی کے شوق کے ساتھ اس کو انگریزوں پر کسی جگہ خشکی میں ایک ضرب کاری لگانے کی خواہش بھی تھی کیونکہ وہ ان کا تری میں کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ برطانوی ہند پر حملہ کرنے کا منصوبہ برابر اس کے دل و دماغ پر مستولی رہا تھا لیکن اس کی پہلی اور آخری کوشش ایشیائی فتوحات پر یہ ہوکر رہ گئی کہ اس نے مصر پر ایک نا مکمل قبضہ کرلیا اور ۱۷۹۸ء میں شام پر اس غایت کا اعلان کرکے چڑھائی کی کہ انگریزوں کو ان کے تمام مشرقی مقبوضات سے نکال باہر کرے گا اور خاکنائے سویز کی ناکہ بندی کردے گا۔ مگر اس دھمکی نے حسب معمول ہندوستان

میں انگریزوں کو الحاقِ ممالک میں مدد دی کیونکہ ایک طرف تو اس نے
اس وحشت و ناراضگی کو بڑھا دیا جس کے ساتھ انگریز لوگ فرانسیسیوں
کی ان سازشوں کو دیکھ رہے تھے جو وہ مرہٹوں اور سلطانِ میسور
سے کر رہے تھے اور فرانسیسی افسران دونوں سلطنتوں
کی افواج کے لئے ملازم رکھے جا رہے تھے اور دوسری طرف
انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور فرانسیسیوں کے اظہارِ حمایت
نے دیسی رئیسوں کو یہ دھوکا دیا کہ وہ حفاظتِ خود اختیاری کے لئے اُسی
زینے پر چڑھنے لگے جس نے ان کو آخرکار سر کے بل تباہی کے
گڑھے میں گرا دیا۔ اب جبکہ انگلستان کو اپنے ایشیائی مقبوضات کی
اچھی طرح قدر معلوم ہو گئی تھی پھر اُسی پرانے رقیب کی طرف سے
ہندوستان میں مداخلت کا ہونا جس نے اکثر میدانِ اقتدار میں
اُس سے بازی لیجانے کے لئے مقابلہ کیا تھا سخت ترین نفرت و حسد
کا باعث بن گیا۔

۱۷۹۳ء میں ہندوستان چھوڑنے سے پہلے لارڈ کارنوالس کا آخری کام یہ تھا کہ تمام
فرانسیسی مقبوضات پر قبضہ کر لیا گیا تھا۔ ۱۷۹۶ء میں سیلون بھی اہل ہالینڈ سے لے لیا گیا
اور انگریز اگر فرانسیسیوں کے ساتھ کسی کو کسی قسم کا سمجھوتہ کرتے دیکھتے یا اس کے علامات دیکھتے
یا اس قسم کا میلانِ طبع کسی رئیس میں دیکھتے تو اس کو ایسی خطرناک چنگاری
سمجھتے تھے جس کو فوراً ٹھنڈا کر دینے کی ضرورت تھی۔ سر جان شور جو
لارڈ مارننگٹن کی ۱۷۹۸ء کی آمد تک عہدۂ گورنر جنرلی کا عارضی انصرام لئے ہوئے
تھا غیر ضروری طور پر محتاط اور دور اندیش مدبر تھا اس کو انگریزوں کے تعلقات
و ذمہ داریاں بڑھانے سے اصولی اختلاف تھا چنانچہ جب مرہٹوں نے
نواب نظام الملک پر حملہ کیا تو سر جان شور نے روکھے پن کے ساتھ نواب نظام الملک کو
مدد دینے سے انکار کر دیا اور اس طرح انگریزوں کے خاص
دوست کو بیگانہ کر دیا اور خاص دشمن کو دیدہ دلیر بنا دیا۔ چونکہ نواب نظام الملک نے جو
انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے سخت خواہشمند تھے ایک معاہدہ کی ملامت

باب سیزدہم
فصل چہارم

کی تجویز باہمی سرحدی کفالت کی بنا پر پیش کی تو حکومت برطانیہ نے صرف اس وجہ سے پہلوتہی کی کہ وہ حیدرآباد کی حمایت کرکے مرہٹوں کو اس لیئے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ میسور کے ساتھ شرکت کرکے اس کا بدلا اتاریں۔ اس بزدلانہ کارروائی کا نتیجہ خطرناک نکلا کیونکہ مرہٹوں نے ملک حیدرآباد پر حملہ کردیا اور مقام کروالا پر ۱۷۹۵ء میں اس کی فوجوں کو کامل ہزیمت دیکر اس کو ذلت کے ساتھ شکست و دیگر سخت شرائط کی تعمیل پر مجبور کیا۔ اس فتحیابی سے مرہٹوں کی قوت بہت بڑھ گئی اور ان کے نام کی دھاک بیٹھ گئی اور نواب نظام الملک کو انگریزوں کی دغا سے اس قدر غم و غصہ پیدا ہوا۔ کہ انھوں نے اپنی قواعدداں پلٹنوں کی تعداد بہت بڑھالی اور جو فرانسیسی افسر ان کے قائد تھے ان پر پہلے سے زیادہ بھروسا کرنا شروع کیا اور ان فرانسیسیوں نے نواب نظام الملک کو روز بروز انگریزوں سے بیگانہ بنانا اختیار کیا۔ لیکن لطف یہ ہے کہ جوں ہی نواب نظام الملک نے ریمنڈ اور دوسرے فرانسیسی افسروں کی ماتحتی میں اپنی فوجوں کی تعداد بڑھائی اور قواعد سکھوانی شروع کی تو وہی سر جان شور جو حمایت کرنے سے انکار کرچکا تھا اب مداخلت پر آمادہ ہوکر نواب نظام الملک کو اس کارروائی سے مانع آیا۔

سر جان شور کو یہ ڈر تھا کہ میسور اور مرہٹے اس کے خلاف متفق ہوجائیں گے اور اس کو یہ امید تھی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشک کرنے والی اور ایک دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھنے والی طاقتیں ایک نہ ایک دن آپس میں مشت مشت کرکے رہیں گی لیکن لڑائی کے زمانے میں ایک تماشائی کی پرامن حالت اس کی ہمسایہ ریاست کے اغراض و شان سے مطابقت نہیں کرسکتی۔ موجودہ صورت میں انگریزوں کی غیر جنبہ داری نے ان کے دونوں جنگجو رقیبوں کی مائل بہ خاش سرشت کو اور ابھار دیا اور ان کی درازدستیاں بڑھنے لگیں اور وہ انگریزوں کے لیئے بتدریج زیادہ خطرے کا باعث ہوتے گئے نواب نظام الملک کو مرہٹوں کے بس میں کوتہ اندیشی سے چھوڑ دینے کے نتائج بد اب

باب سیزدہم
حصہ چہارم

ظاہر ہونے لگے کیونکہ مرہٹوں کو بڑی دولت مل گئی تھی اور ان کے عظمت و اقتدار میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور جوں جوں انگریزوں کی وقعت ان کی نظروں میں کم ہوتی گئی ان کی دیدہ دلیری بڑھتی گئی ۔ علاوہ برآں ٹیپو سلطان میسور جو اپنے دل میں انتقام لینے اور گزشتہ جنگ کے نقصانات کی تلافی کرنے کی وحشتناک امیدیں لیئے ہوئے تھا اب نواب نظام الملک کی قوت اس درجے ٹوٹی ہوئی سمجھنے لگا کہ اسے یقین ہو گیا کہ اگر کسی طرح انگریزوں کو مداخلت سے باز رکھا جا سکے تو وہ تمام مملکت حیدر آباد کو تسخیر کر سکتا ہے ۔ چنانچہ انگریزی حمایت کا ردِ عمل کرنے کے لیئے اس نے اپنی وہی پرانی بے اثر کوششیں بیرونی اتحاد حاصل کرنے کی پھر شروع کیں ۔ اُس نے شاہ زماں خاں امیر افغانستان ۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیئے زور ڈالا اور جواب میں اس کو یہ ہمدردانہ پیام وصول ہوا کہ امیر بہت جلد اپنی رکاب نصرت تمام ملحدین و مشرکین کے استیصال کے لیئے ہندوستان کی طرف منعطف کرنے والا ہے ۔

سنہ ۱۷۹۷ء میں شاہ زماں خاں نے پنجاب پر چڑھائی کر ہی دی اور لاہور پر قبضہ بھی کر لیا جس سے سلطنت برطانیہ کو بہت وحشت ہوئی ۔ کیونکہ اس کی آمد سے تمام شمالی ہند میں ایک تہلکہ پڑ گیا ۔ مسلمان رئیس اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ حاکمِ اودھ کسی قسم کی مدافعت کرنے کے بالکل قابل نہیں تھا اور اگر یہ افغانی سردار اسی طرح دہلی تک بڑھتا چلا آتا تو پھر طوائف الملوکی اور ہولناک ہل چل پھیل جاتی ۔ اس زبردست تقاضا نے مدافعت کا یقیناً یہ اثر ہوتا کہ انگریزوں کو اپنی تمام ممکن الحصول فوجیں بنگالی سرحد کی حفاظت کے لیئے شمال کی طرف مجتمع کرنی پڑتیں لیکن سنہ ۱۷۹۹ء میں شاہ زماں کو واپسی پر مجبور ہونا پڑا کیونکہ اس کو اپنی مغربی سرحد کی ایرانیوں کے حملے سے بچانے کی ضرورت آ پڑی تھی ۔

اسی اثناء میں ٹیپو نے ایک سفارت بحر ہند کے پار جزائر فرانس[علہ] کو

علہ فرانسیسیوں کے قبضے کے زمانے میں یہ نام ماریشیس کا تھا ۔

بھیجی اور اسی کے ساتھ پیرس کی ڈائرکٹری کے نام کچھ خطوط بھیجے جن میں انگریزوں کے خلاف جمہوریۂ فرانس کے ساتھ جارحانہ و مدافعانہ اتحاد کی تجویز اس غرض سے پیش کی گئی تھی کہ انگریزوں کا ہندوستان سے استیصال کر کے ملک کو فرانس اور میسور میں نصف نصف تقسیم کر لیا جائے۔ ان فرانسیسی جزائر کے گورنر نے اس کے ایلچیوں کا شاندار استقبال کیا اور ایک اعلان ۳۰ جنوری ۱۷۹۸ء کو شائع کیا جس میں رضا کاروں کو دعوت دی گئی تھی کہ میسور کے جھنڈے کے تلے جمع ہو کر فرانس اور ہندوستان کے مشترک دشمن انگلستان سے لڑیں۔ ۱۷۹۹ء میں نپولین بونا پارٹ نے ایک مراسلہ مقام قاہرہ سے ٹیپو کے نام بھیجا اور ٹیپو سے خواہش کی کہ اپنا قائم مقام بھیجے اس مراسلے کا خلاصہ یہ تھا:

> آپ کو اس کا علم ہو چکا ہے کہ میں ایک نبرد سعا اور ناقابل شکست فوج لیکر بحر روم کے سواحل پر پہنچ گیا ہوں اور میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ کو انگریزی حکومت کے فولادی پنجے سے آزادی دلاؤں۔

لیکن بہت جلد فرانسیسیوں کی مصر میں خود ناکہ بندی کر دی گئی اور جب خشکی یا تری سے بیرونی مداخلت کی خبریں رفتہ رفتہ آنی بند ہو گئیں تو سلطان میسور انھی انگریزوں کے جوش مخاصمت کے سامنے بے پناہ رہ گیا جن پر اس نے اس قدر دہشت طاری کر دی تھی اور اس کا بھی وہی حشر ہو کر رہا جو ان مشرقی رئیسوں کا ہمیشہ ہوا کرتا ہے جو دول یورپ کے جھگڑے رگڑے میں خدا واسطے کو دپڑتے ہیں۔

باب چہاردہم

برطانوی سلطنت جس کی بنیاد ہندوستان میں آہستہ آہستہ اٹھارھویں صدی میں قائم کی گئی تھی انیسویں صدی کے پہلے پانچ سال کے اندر بہت تیزی کے ساتھ تعمیر ہوگئی اور اس میں بہت کچھ قابل لحاظ اضافہ ہوگیا۔ تاکہ اس فوری توسیع کے اسباب اچھی طرح سمجھ میں آجائیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کے شروع میں اس زمانے کی ہندوستان کی سیاسی حالت کی ایک مختصر سی تشریح کردی جائے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے آخری زمانے میں ہندو اور مسلمان آپس میں حصولِ اقتدار کے لیے مصروف آویزش رہے اور مرہٹے ہند کے ہر جگہ میدان جیتتے رہے۔ جو پانچ ریاستیں مسلمانوں نے قائم کی تھیں ان میں سے بنگال اور روہیلکھنڈ کا وجود ناپید ہوچکا تھا۔ اور اودھ۔ حیدرآباد اور میسور کو مرہٹوں کا زبردست جتھ برابر دھمکیاں دیتا رہتا تھا۔ مرہٹہ سرداروں میں سے سندھیا کے پاس سب سے زبردست لشکر تھا۔ وہ دہلی اور آگرے کا مالک ہوچکا تھا اور بے چارہ مغل (بے ملک) بادشاہ بالکل سندھیا کے ہاتھ میں تھا۔ ایک دوسرے سردار نے اپنا صدر حکومت ناگپور وسط ہند میں بنا لیا تھا اور بڑے بڑے قطعاتِ ملک پر قبضہ کرتا جاتا تھا اور جسے سمجھے جتنا جی چاہتا تھا محاصل وصول کررہا تھا۔ تیسرا گیکواڑ اپنے طریقوں کے مطابق اپنے قدم بمبئی کے شمال میں مغربی سواحل پر جمارہا تھا۔ چوتھا ہلکر آزاد فوجوں کا قابل اور بہادر سردار مشہور ہوگیا تھا اور بے تکلف ہر طرف غارتگری میں

مصروف تھا۔ پیشوا جو کہ اس تمام برادری کا برائے نام سردار تھا ان پر جوش اور
مطلق العنان سرداروں پر سے اپنا اثر بالکل کھوتا جا رہا تھا۔ اور انگریزوں کے
ذاتی مقبوضات یا زیر حفاظت مملکتوں کے باہر تمام ہندوستان میں ایک
طوائف الملوکی کا دور تھا سوائے ان خاص مقامات کے جو ان مرہٹہ سرداروں
کے بالکل ہی پڑوس میں تھے یا جو ان کے پڑاؤں یا کچہریوں کے اندر تھے
تمام ملک ایسے زر آشنا سپاہیوں سے بھرا پڑا تھا جو اپنی خدمات ہر روپیہ
دینے والے کو فروخت کر دیتے اور جن کے افسروں کا جہاں ہاتھ پڑتا وہیں
اضلاع اور قلعہ جات کو دبا بیٹھتے تھے۔ ایک قابل یادگار نمونہ اس جماعت کا
جو انگریزوں کے خاص مذاق کا ہو سکتا ہے جارج ٹامس تھا جو آئرلینڈ کا ایک
باشندہ ٹپراری کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص ایک جہاز میں خلاصی تھا۔ مدراس میں
یہ اپنے جہاز سے اترا اور سیدھا شمالی صوبہ جات ہند کا راستہ لیا
اور سنہ ۱۷۹۰ء میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہی جارج ٹامس دس ہزار فوج کا سپہ سالار
ہے جس میں پیادے۔ سوار اور توپ خانہ تک موجود ہے اور غیر معمولی
پامردی و جنگی قابلیت کے ساتھ اپنی طرف سے ہی جنگ کر رہا ہے۔ اس نے
اپنے لیئے ایک چھوٹی سی ریاست بھی دہلی کے قریب ہی قائیم کر لی تھی مگر آخر کار
اسے مرہٹوں اور سکھوں نے مل کر مغلوب کر لیا اور وہ اپنے وطن کو مراجعت
کرتے ہوئے راستے میں فوت ہو گیا۔ دہقانوں کے بڑے بڑے جرگے
اپنے مواضعات پر ڈنڈے کے زور سے قبضہ رکھتے تھے وہ باضابطہ
حکومت کا مقابلہ کرتے تھے اور کبھی کبھی تو مرہٹہ فوجیں بھی ان کو بس میں
نہیں لا سکتی تھیں۔ پرانے سرحدی خطوط سب مٹا دیئے گئے تھے۔ تمام
ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے غارتگرانہ طریق جنگ کے مطابق حصہ رسدی
تقسیم کر لیا گیا تھا۔ خاص خاص رئیس سب کے سب غیر ملکی تھے جن کے
نہ قیام کا کوئی اعتبار تھا نہ جن کے مقبوضات یا حدود و اختیارات مشخص و
معیّن ہوئے تھے۔ بلکہ بڑی بڑی ریاستوں کو بھی امتیازی حد بندی
یا تعینِ مملکت نصیب نہیں تھی۔ کسی خاص حاکم کی قلمرو کے صحیح رقبے کا اندازہ کرنا

باب چہارم

نہایت مشکل تھا کیونکہ قطعات مملکت پر برابر تنازعہ ہوتا رہتا تھا اور اکثر تبدیلیاں ہوجاتی تھیں۔ اکثر ریاستیں اپنے ان حاکموں کے نام سے منسوب و مشہور تھیں جن کو لگان اراضی دیا جاتا تھا اور جو اس فوج کی کفالت کرتے تھے جو یہ محاصل زبردستی وصول کرسکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود مرہٹہ ریاستوں کا بھی کوئی سیاسی تعین اس زمانے تک نہیں ہوا تھا۔ بڑے بڑے قطعات ملک ایسے بھی تھے جس میں مرہٹہ اور مسلمان حکومتیں آمدنی کو باہم تقسیم کرلیتی تھیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سیاسی تقسیم کا انحصار مذہبی یا قومی امتیاز پر نہیں تھا۔ ہندو مسلمانوں پہ حکومت کرتے تھے مسلمان ہندوؤں کے حاکم تھے اور تمام زر آشنا فوجوں میں تو دونوں قومیں آپس میں بالکل مخلوط تھیں ؛

فصل اول

میسور ۱۷۹۹ء

لارڈ مارننگٹن (بعد کو مارکوئیس ولزلی) کلکتے کے راستے میں اپریل ۱۷۹۸ء میں مدراس پر جہاز سے اترا۔ اور اسی دن ٹیپو کے سفر جزائر فرانسہ سے واپس ہوکر منگلور پر اترے اور اپنے ساتھ ایک گروہ کم ادنی طبقے کے رضاکاروں کا اور جزائر فرانسہ کے گورنر کی طرف سے ایک مراسلت لائے جس میں یہ اطمینان وہ الفاظ تھے کہ جمہوریۂ فرانسہ ٹیپو کے اعلان اتحاد واخلاص کا بہت جلد عملی جواب بڑی خوشی کے ساتھ دے گی۔ گورنر جنرل کے ہندوستان پہنچنے کے بعد ہی جو ہدایات انگلستان سے وصول ہوئیں

باب چہاردہم
فصل اول

ان میں بلا تامل اس کو اختیار دیا گیا تھا کہ ٹیپو نے فرانسیسیوں کے ساتھ جو ریشہ دوانیاں کی ہیں ان کو میسور کی طرف کا علانیہ اعلان جنگ سمجھا جائے۔ ہنری ڈنڈاس نے جو ہندوستانی معاملات کی نگران کار جماعت کا صدر تھا اپنے مراسلے میں یہ اظہار کیا تھا:-

"مجھے یہ لکھنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ موجودہ صورت حالات کو دیکھکر ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ٹیپو کے لشکر میں کسی فرانسیسی چھوٹی یا بڑی فوج کا شریک ہونا براہ راست ہمارے ساتھ اعلان جنگ کرنا ہے"۔

چنانچہ کلکتے پہنچنے کے چند ہی ماہ بعد لارڈ مارننگٹن کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ دیسی ریاستوں کی فوجوں یا کونسلوں میں کسی فرانسیسی جماعت کا داخل ہونا یا ترقی کرنا ایک پر خطر برائی ہے جس کے استیصال کی سخت ضرورت ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ جو سفارت ٹیپو کی طرف سے جزائر فرانس کو گئی تھی وہ اپنے ساتھ نہ صرف محارجانہ و مدافعانہ اتحاد کا وعدہ انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل خارج کر دینے کی غرض سے لائی ہے بلکہ کچھ فرانسیسی افسر اور نوآموز سپاہی بھی میسور کے لشکر کے لیئے لیتی آئی ہے تو گورنر جنرل نے یہ طے کر لیا کہ اس کے ساتھ عمل مخاصمت کے کافی اسباب پیدا ہو گئے۔ اس کا جنگی جوش جھٹ بھڑک اٹھا اور ٹیپو پر فوراً حملہ کر دینے سے وہ صرف اس لیئے رکا رہ گیا کہ اس نے اپنے تئیں تیار نہیں پایا۔ مالیہ کے مدِ اخراجات میں فاضل رقم عرصے سے چلی آرہی تھی۔ کمپنی کی ساکھ مہاجنوں میں بہت گر گئی تھی۔ مدراس کی فوج میدان میں جانے کے قابل نہیں تھی اور گورنر جنرل کو اپنے اتحادی یعنی مرہٹے اور نواب نظام الملک کے اتحاد عمل پر اتنا کم بھروسہ تھا کہ اس نے ان کو دعوت شرکت دینے کا خیال بھی عبث سمجھکر چھوڑ دیا۔ عدم مداخلت کے اصول عمل کے ثمرات اب ظاہر ہوئے۔ نواب نظام الملک نے

باب چہارم
فصل اول

بے گانگی اور کمزوری ظاہر کی - ٹیپو نے خطرناک تیاریاں کرلیں اور مرہٹوں نے اپنی طاقت کو خوب بڑھالیا - انگریزی غیر جانبداری کے چھ سال یعنے ۱۷۹۲ء سے ۱۷۹۸ء تک مرہٹوں اور ٹیپو نے اپنے وسائل جنگ کو ترقی اور اپنی حدود مملکت کو وسعت دیتے میں اور اپنے زبردست ہمسایوں کے مقبوضات پر دست برد کرنے میں صرف کیئے تھے۔ مقام کرولا پر نواب نظام الملک کے شکست کھانے اور پابند شرائط ہونے نے اُن کو ہندوستان کی ایک سربرآوردہ طاقت کی حیثیت سے گرا کر مرہٹوں کا باجگذار بنا دیا تھا" اور چودہ ہزار کی جو فوج فرانسیسی افسروں کی قیادت میں ان کے پاس تھی بس اسی پر ان کی حکومت اور اقتدار کا دارومدار تھا۔ مارکوئیس اوف ولزلی نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ یہی حیدرآباد کی قواعدداں پلٹنیں نواب نظام الملک کی انگریزوں سے بے گانگی کا اصل سبب ہیں اور اگر یہ ٹیپو کے مقابلے میں میدان میں لائی بھی جائیں گی تو ظن غالب یہ ہے کہ یہ سب کی سب ٹیپو کی طرف ہوجائیں گی مرہٹوں کے دارالحکومت پونا میں دولت راؤ سندھیا جانشین مادھوجی سندھیا کا اثر پوری طور پر غالب تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے قبضے میں وسط ہند کے بڑے بڑے اقطاع تھے اور اس نے اپنی مملکت کے حدود کو شمال مغرب میں دہلی تک وسعت دے لی تھی جس کی سرحدیں اودھ اور بنگال کی انگریزی سرحدوں کے محاذات میں چلکر دونوں سے آگے نکل جاتی تھیں۔ غرض یہ کہ وسطی اور شمالی ہندوستان میں سندھیا ہی سب سے مقتدر سردار تھا۔ اس نے کچھ ایسا مبہم سا طریق عمل اختیار کر رکھا تھا کہ پیشوا اور نواب نظام الملک دونوں پر اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی اور مرہٹوں کی اس سیاسی حماقت پر اظہار ملامت کیا کرتا تھا کہ وہ میسور کو تباہ کرنے کے لیئے انگریزوں کو امداد دیتے ہیں۔ اسی زمانے میں امیر افغانستان زمان شاہ کے پاس سے ایک مراسلہ گورنر جنرل کو وصول ہوا جس میں ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا اور انگریزوں سے اس غرض سے امداد طلب کی گئی تھی کہ شاہ عالم مغل بادشاہ کو مرہٹوں کے پنجۂ کفر سے نجات

دلائی جائے ۔

ایسی حالت میں گورنر جنرل نے یہ ارادہ کیا کہ میسور کے ساتھ کچھ زمانہ سازی کی جائے چنانچہ اس نے پہلی مراسلت حصول اطمینان کی غرض سے بھیج بھی دی۔ ساتھ ہی اس کے وہ اتحادِ ثلاثہ کو تقویت دینے میں مصروف ہوگیا۔ اس نے حیدرآباد اور پونا کے ساتھ انگریزوں کے مذبذب تعلقات کے لیئے یہ مدبرانہ اصطلاح (اتحادِ ثلاثہ) ایجاد کی تھی۔ اس نے اپنی مالیات کی حالت درست کرنے اور مدراس کی فوج میں نئی بھرتی کرنے کی طرف بھی توجہ کی۔ پہلا کام اس نے یہ کیا کہ نواب نظام الملک کے ساتھ حیدرآباد کی فرانسیسی پلٹنوں کو توڑ ڈالنے کا معاہدہ کیا اور یہ کارروائی بڑی قابلیت اور استقلال کے ساتھ عمل میں آئی اور اس کی جگہ نواب نظام الملک کو ایک ایسی فوج دیدی گئی جو انگریزی افسروں کی سرکردگی میں ہمیشہ ان کے ملک میں قیام کرنے والی تھی ۔ پونا میں بھی یہی تجویز پیش کی گئی تھی مگر وہاں کی حکومت انگریزی عروج و اقتدار کی طرف سے بہت بدگمان تھی اور انگریزی امداد کی بالکل محتاج نہیں تھی ۔ پیشوا کو فطرۃً کوئی دلبستگی ایسے انتظام کی تجویز سے نہیں پیدا ہوسکی جو برائے نام معاہدہ استجرا تھا مگر اس کی معنوی صورت یہ تھی کہ جو ریاست روپیہ دیتی تھی وہی خود اس ریاست کی فوجی ماتحتی میں آجاتی تھی جو آدمی بہم پہنچاتی تھی ۔

بہرحال نواب نظام الملک اور پیشوا دونوں کو کسی نہ کسی طرح میسور کے خلاف اتحادِ عمل کرنے پر راضی کرلیا گیا۔ اس کے بعد سلطان میسور سے معقول الفاظ میں یہ خواہش کی گئی کہ فرانسیسیوں کے ساتھ رسم اتحاد کو اٹھا دے۔ چونکہ اس نے ان مطالبات کی طرف سے بے پروائی برتی یا ان کو ٹالنا چاہا اس لیئے شروع ۱۷۹۹ء میں اتحادِ ثلاثہ کی متفقہ فوجیں اس کی طرف بڑھیں۔ میدان میں اپنے متحدہ دشمنوں کے مقابلے میں قایم رہنے کی چند بے اثر کوششوں کے بعد ٹیپو کو اپنے دارالحکومت سرنگاپٹم میں پسپا ہونا پڑا جہاں اس کا محاصرہ کرلیا گیا اور مئی ۱۷۹۹ء میں اس شہر کو بہ رسم یلغار فتح کرلیا گیا خود ٹیپو اپنی ایک شہر پناہ پر دست بدست لڑائی میں مارا گیا۔ اور اس کی وفات

باب چہارم فصل اول

سے میسور کے اس کم عمر مسلمان خاندان کا آناً فاناً میں خاتمہ ہو گیا۔ لارڈ مارنگٹن نے اس مملکت کو توڑ کر کچھ حصے تو انگریزوں اور ان کے اتحادیوں میں تقسیم کر دیئے اور بقیہ مملکت کو پھر اسی قدیم ہندو خاندان کو تفویض کر دیا جس کو حیدر علی نے بے دخل کر کے نکال باہر کیا تھا۔ اور یہی خاندان مدتوں کی قرقی قائم رہنے کے بعد سے اب تک امن و امان کے ساتھ میسور پر حکومت کر رہا ہے۔

ان جنگی اور سیاسی کارناموں میں کامیابی کا انحصار اس فوج کشی میں کرنل آرتھر ولزلی کی موجودگی پر تھا جو پہلی مرتبہ اس تماشا گاہ پر نمودار ہوا تھا جہاں نہایت شاندار سپاہیانہ اور مدبرانہ شہرت اس کے نصیب میں لکھی ہوئی تھی۔ اگرچہ ایک ماتحت فوجی عہدہ اس کو تفویض کیا گیا تھا مگر اس کے ذکی اور واقعات پر احاطہ کرنے والے ادراک۔ اس کی قوت عمل اور کام کو نپٹنے کے ڈھب کا اظہار اُن مشوروں سے جو وقتاً فوقتاً وہ لارڈ مارنگٹن کو دیتا رہا۔ اور اس اصلاح سے ہوتا ہے جو اس نے فوجی صیغوں کی ترتیب میں کی۔ اور ان عاجلانہ فیصلہ کن کارگزاریوں سے ہوتا ہے جن کے ذریعے سے اس نے ایسی جنگ کو یوں اختتام کو پہنچا لیا۔ اکتوبر ۱۷۹۹ء میں بطور انعام حسن کارگزاری ایوان عام میں گورنر جنرل کے شکریئے کی جو تجویز منظور فرمائی گئی۔ قوم کی طرف سے اس کی تائید ان الفاظ میں کی گئی :۔

> نہایت مستعدی اور قابلیت کے ساتھ فرانسیسیوں کی سازشوں اور منصوبوں کا رد عمل کرنے کے اور خاص طور سے انکے اثر و اقتدار کو دکن میں سے بالکل مٹا دینے کے صلے میں (گورنر جنرل قوم کے شکریے کا مستحق ہے) کیونکہ اس نے برطانوی ہندوستان کے امن و مرفہ الحالی کو ایک پائدار حفاظت کی بنیاد پر قائم کر دیا ہے۔"

اس موقع پر شاید پہلی مرتبہ ایک ضابطے کی دستاویز میں شہنشاہیت کا لہجہ استعمال کیا گیا تھا اور یہ اُس عذر خواہ لہجے سے بالکل مختلف تھا

جو بیس سال پہلے انگریزوں کی حیثیت اور توقیر ذمہ داری پر ایوان میں بحث کرتے وقت اختیار کیا جاتا تھا۔

یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیپو کا ستارہ ہی گردش میں تھا۔ وہ ایک پُرغضب۔ ضد کا پکا اور اکھڑ مسلمان تھا جس میں وہ تندہی کی سخت قابلیتیں ودیعت کر دی گئی تھیں جو ایشیا کے حاکموں کو اپنے زمانے میں سربرآوردہ کرنے کے لیئے کافی ہوتی ہیں۔ لیکن اس میں اعلیٰ قسم کی سیاسی قابلیت نہیں تھی اور اس میں اُس دور اندیشی کا تو شائبہ بھی نہیں تھا جس نے اکثر قابل سے قابل اور زبردست سے زبردست ایشیائی سرداروں کو یورپ والوں کے ساتھ ٹکر کھانے سے روکے رکھا ہے۔ وہ ایسے سیلاب کی زد میں آ گیا جس نے میسور سے بہت زیادہ بڑی ریاستوں کو اپنے بہاؤ میں لے لیا تھا۔ جو دنیا کے ایک دور دراز حصے میں اُٹھا تھا۔ جس کے اُٹھنے کے ایسے اسباب و واقعات تھے جو ٹیپو کی فہم سے بالاتر تھے اور اس کے اختیار سے بالکل باہر تھے اور جو اب اُس نہر سے میں پوری قوت کے ساتھ بہ رہا تھا جو ہر طرف سے آ کر جمع ہو جانے والے نتیجوں کے قدرتی اثرات کے زور سے انگریزوں کو ہندوستان کے عروج اقتدار کی طرف لیئے جا رہا تھا۔ اس نے ایسے وقت میں فرانسیسیوں کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کیا جبکہ وہ انگریزوں کے ساتھ ایسی سخت دشمنی رکھتے تھے جس میں صلح ہونے کی کوئی امید ہی نہیں تھی اور یہ آواز بلند اعلان کر چکے تھے کہ انگریزوں کے مشرقی مقبوضات پر حتی الامکان ایک ضرب کاری لگا کر رہیں گے۔ ٹیپو کو نہایت صاف الفاظ میں تنبیہ کر دی گئی تھی کہ اس جھگڑے میں جو ہاتھ ذرا بھی انگریزوں کے خلاف تلوار پکڑنے کا ارادہ کرے گا انگریز اس ہاتھ کو مروڑ کر وہ تلوار چھین لیں گے۔ اور اس کو یہ سوچ لینے کا موقع تھا کہ ابھی اس کے فرانسیسی دوست اس سے بہت دور ہوں گے کہ انگریز اپنی حمایت پر ان دیسی رئیسوں کو لیکر اس کی سرحد پر آ دھمکیں گے جن کو اس نے ہمیشہ اپنی طرف سے وحشت زدہ رکھا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ٹیپو یہ بھی سمجھتا تھا کہ انگریزوں

باب چہارم فصل اول

کے مطالبات کو مان لینا گویا ان کی قوت کے آگے سر جھکا لینا۔ اپنے ہتھیار ڈال دینا۔ اپنی خود مختاری کھو دینا اور ایسے باجگذار رئیس کی حیثیت پر اتر آنا ہے جس کے خارجہ تعلقات اور فوجی انتظامات کی ترتیب و تدوین انگریزی حکمت عملی کے تقاضے کے مطابق ہوا کرے گی چنانچہ اس کے خوانخوار ناقابل اصلاح مزاج نے اس کو اس مایوسانہ جہد حیات کی خندق میں ڈھکیل دیا۔

بالکل ایسے ہی مواقع اس کے بعد سے اکثر پیش آتے رہے ہیں اگرچہ وہ ایسے سنگین نہیں تھے اور ایسے ہی اختیارات فیصلہ دوسری ریاستوں اور رئیسوں کو بھی دیئے گئے ہیں۔ اور سلطنت برطانیہ کی ہندوستان میں موجودہ تصویر و تنظیم مع اپنے وسیع صوبہ جات و کثیر باجگذاراں کے تاریخی پہلو سے ایک بڑی ریاست کے ذیل میں رفتہ رفتہ ان ریاستوں کا آجانا ظاہر کرتی ہے جنھوں نے یا خود سر تسلیم خم کر لیا یا جن کو زبردستی زیر کر لیا گیا چونکہ سلطنت مغلیہ کی تعمیر بھی فتوحات کے اسی تدریجی سلسلے سے ہوئی تھی اسلئے جب وہ عالیشان عمارت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر گئی تو تمام اجزا میں پھر کسی ایسی مرکزی حکومت کی طرف کشش ثقل پیدا ہوئی جس کی حفاظت کی تلاش تمام کمزور ریاستوں کو ہوتی چاہئے تھی اور جس کی فوقیت کو بلا فرق تسلیم کرنے پر بخوشی یا بہ جبر تمام زبردست ریاستیں مجبور کی جانے والی تھیں۔ حصول بنگال سے جب انگریزوں کو قوت حاصل ہوگئی۔ ان کے خورشید اثر کی شعاعیں ایک نقطے پر مجتمع ہونے لگیں۔ ان کے اجتماع وسائل کو استحکام ہوگیا تو یہ یکذات کرنے والا عمل کیمیاوی پہلے سخت عناصر کے تدریجی کو استحالہ کی طرف رجوع ہوا۔ لیکن صدی کے اختتام تک اس میں بڑی قوت اور تیزی پیدا ہوگئی۔ انگریزی نائبان حکومت کو اب حصول مقبوضات کی کارروائی میں قوم کی بلا واسطہ قوت و پامردی سے امداد ملنے لگی اور اس طوفاں خیز زمانے کے رنگ میں ان کی کارروائیاں بھی رنگی جانے لگیں۔ ہیسٹنگز کی جس کارروائی کو قابل نفرت ناانصافی پر محمول کیا جاتا تھا مارکوئس ولزلی کی اسی کارگذاری کو ملکی ضرورت کے وقت حسن تدبیر سے تعبیر کیا جانے لگا۔ ان دونوں مدبروں کا مطمح نظر اور اصول عمل بالکلیہ

باب چہاردہم
فصل دوم

ایک تھا۔ لیکن ہیسٹنگز اپنے کمزور وسائل اور تکلیف کے ساتھ مدافعانہ پہلو پر پیشتر ہی بدل رہا تھا اور ولزلی نے انگلستان کی جنگی وزارت کی پشت پناہی میں بڑی شاندار عملیت کے ساتھ جارحانہ پہلو اختیار کر لیا۔

فصل دوم

معاہدات استجزا

میسور کا فیصلہ ہو جانے سے انگریزی مملکت دو لمبے لمبے قدم اور آگے بڑھ گئی۔ اس سے اس قدیم دشمن کا آخری تدارک ہو گیا جس نے تیس سال سے انگریزی مقبوضات جنوبی ہند کو خطرے میں ڈال رکھا تھا اور اس سے انگریزوں کا پورا تسلط جزیرہ نمائے ہند کے سواحل زیرین پر قائم ہو گیا اور اس طرح فرانسیسیوں کے ہاتھوں کسی قسم کے تنگ کئے جانے کا جھگڑا مٹ گیا۔ علاوہ برآں اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گیا کہ کرناٹک کی نوابی کا جھگڑا چکا کر اس اقتدار کا بھی جائز استیصال کر دیا گیا جس کے حصول کے لئے انگریز اور فرانسیسی ڈوپلے اور کلائیو کے زمانے میں اس شدت کے ساتھ لڑتے رہے تھے۔ جب سے کرناٹک کا تنازعہ انگریزوں کے حق میں طے ہوا تھا تب سے نواب کرناٹک کی حیثیت درجہ بدرجہ تنزل کر کے ایک زیر حمایت اتحادی اور پھر ماتحت حاکم سے ایک ایسے رئیس تک آ پہنچی تھی جس کے اختیارات برائے نام رہ گئے تھے اور جس کے تمام ابواب آمدنی اس جزیہ کی ادائگی میں مکفول تھے جو اس کو اس فوجی حفاظت کے عوض دینا پڑتا تھا۔ جو کمپنی کی طرف سے کی جاتی تھی۔

باب چہارم

فصل دوم

اس منحوس حالت میں اس نے فطرتاً سلطان میسور کے ساتھ خفیہ نامہ و پیام شروع کر دیا تھا جو اس کے قرض خواہوں یعنے کمپنی کا دشمن جانی تھا فتح میسور کے بعد نواب کرناٹک کے خطوط بھی پکڑے گئے۔ اس پر لارڈ ولزلی نے اس کو نہایت ہی جائز سمجھا کہ سیاسی سازش اور اندرونی بدنظمی کی دوگونہ سزاؤں کے طور پر کرناٹک کو بالکل انگریزی حکومت میں شامل کر لے۔ لارڈ ولزلی کا قول تھا کہ مخلوط حکومت ملک کے واسطے وجہ مصیبت ہو جاتی ہے اور اسی مسلمہ اصول پر اس نے تنجور اور سورت کا بھی الحاق کر لیا۔

اب لارڈ ولزلی کی اصلی اور یقینی غایت یہ ہو گئی کہ انگریزی قوت کی فوقیت ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں پر مسلم کر دے۔ چنانچہ اسکے اتمام کے لیئے معاہدات استحکام کا اصول ایجاد کیا گیا۔ ان معاہدات کی شرائط ایسی رکھی گئی تھیں کہ دیسی ریاستوں کو بالکل ایسے ذرائع سے محروم کر دیا جاتا تھا جس سے وہ کوئی ایسے طریقے اختیار کر سکیں یا ایسے جتھے باندھ سکیں جو سلطنت برطانیہ کے تحفظ کے لیئے باعث خطرہ ہوں۔ ساتھ ہی اس کے انگریزوں کی عام نگرانی اس حوصلہ مندی اور زود کاری کے جوش و اضطراب پر قائم کر دی گئی تھی جو ایشیائی حکومتوں کا خاصہ ہے اور اس طرح انگریزوں کو ہندوستان کا امن و سکون قائم رکھنے کے لیئے تیار کر دیا تھا۔ یہ عام نگرانی گورنر جنرل ان اتحادوں کے ذریعے سے قائم کرنا چاہتا تھا جو دیسی ریاستوں کے ساتھ ان کے حقوق کی حفاظت و حمایت کی بنا پر کیئے گئے تھے۔ اس ضابطے کی پیچ در پیچ سخن پروری سے قطع نظر کر کے صاف الفاظ میں لارڈ ولزلی کو اہل ایشیا کی مضطربانہ حوصلہ مندی گوارا نہیں تھی اور اس نے برطانوی ذمیت ان تمام دیسی ریاستوں پر جن کا انگریزی حکومت سے کوئی تعلق تھا اس طرح پھیلانی چاہی کہ ہر حکمران کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی ذاتی فوج میں تخفیف کر دے اور اپنی اندرونی حفاظت اور مدافعت کے متعلق صرف برطانوی شہنشاہی کی مقتدر فوجی قوت پر بھروسہ رکھے۔

باب چہارم

فصل دوم

معاہدات استیجار کا طریقہ ایک مجمل سی تشریح چاہتا ہے کیونکہ اس نے انگریزی سلطنت کی توسیع میں نہایت ہی اہم خدمت انجام دی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انگریزوں کی شرکت ہندوستانی لڑائیوں میں اس وقت سے شروع ہوئی جبکہ انگریزوں نے ایک فوجی دستہ کسی دیسی رئیس کی حمایت کے لیئے مستعار دیا۔ دوسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ انگریزوں نے خود ہی میدان سنبھالا اور ان کی حمایت پر ان رئیسوں کے بے قاعدہ سپاہی ہوتے تھے جو انگریزوں کے ساتھ اپنی اغراض مشترک کردیتے تھے اور جن کے سپاہی غیر قواعد داں۔ ناقابل اعتبار ہوتے تھے اور ان سے کام بھی بے ڈھنگے پن سے لیا جاتا تھا۔ انگریزی سپہ سالار کو اکثر میدان جنگ میں آگے اور پیچھے برابر نظر رکھنی پڑتی تھی۔ اس کے اتحادی نازک موقعوں پر اپنی جانیں الگ بچا کر بڑی بے موقع غیر جانبداری کا اظہار کردیتے تھے اور اندھا دھند لوٹ مار کے لیئے وقت پر موجود ہوتے تھے اور خاص طور سے یہ نزلہ فریق ضعیف پر گرتا تھا۔ ضرورت اس کی تھی کہ فوج میں ایسے آدمی ہوں جو برستی ہوئی آگ کے تلے استقلال کے ساتھ صحیح جنگی چالیں چل سکتے ہوں۔ اس غرض کے لیئے یہ بھی کچھ بے مصلحت ہی تھا کہ دیسی سپاہیوں کو یورپین افسروں سے تعلیم دلائی جائے تاوقتیکہ ان کو باقاعدہ تنخواہ نہ ملے اور وہ ایک ہی آقا کا حکم ماننا نہ سیکھیں۔ چنانچہ یہ طریقہ بہت جلد اس نوبت پر پہنچ گیا کہ دیسی اتحادی سے فوج نہیں لی جاتی تھی بلکہ اس سے روپیہ لے لیا جاتا تھا اور انگریز ایک خاص تعداد کو بھرتی کرنے قواعد سکھانے اور تنخواہ دینے کی ذمہ داری کرلیتے تھے اور ان تمام اخراجات کے برابر اپنے اتحادی سے زر معاوضہ لے لیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے معاہدات استیجار اُن معاہدات سے بالکل برعکس تھے جو انگلستان نے یورپ میں کیئے تھے۔ وہاں انگلستان روپیہ دیتا تھا اور روس اور آسٹریا فوجیں بھرتی کرتے تھے اور یہاں اودھ اور حیدرآباد روپیہ دیتے تھے اور حکومت برطانیہ فوج بھرتی کرتی تھی۔ اب تک

باب چہاردہم
فصل دوم

دیسی رئیسوں نے ایسی فوجیں قائم رکھنے میں رقوم خطیر صرف کی تھیں جو تسلیم و اطاعت سے بالکل بے بہرہ تھیں اور جو آپس میں ہی برابر دست و گریباں رہتی تھیں۔ اب ایک ایسی ہوشیار اور معتبر حکومت سے معاہدہ کر کے جو ایک رقم مقررہ کے معاوضے میں تمام فوجی ذمہ داری اپنے سر لیتی تھی ان رئیسوں کو خرچ کی بھی کفایت ہو جاتی تھی اور ہر دم آمادۂ بغاوت رہنے والی سپاہ سے ان کا پیچھا بھی چھوٹ جاتا تھا اور یہ لوگ مزے سے اپنے محلوں میں چین کرتے تھے۔

مگر چونکہ شاہانہ خصائل میں لین دین کی صفائی شامل نہیں ہے اس لیئے یہ زر معاوضہ بڑی بے قاعدگی کے ساتھ ادا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ دوسری نوبت یہ آئی کہ ایشیائی حکومتوں کے اس پرانے طریقے کی تجدید کی گئی جس کی رو سے فوجوں کے اخراجات کے لیئے جاگیریں کاٹ دیجاتی تھیں۔ علاوہ پنجاب کے جس کے ساتھ ابھی انگریزوں کو کوئی معاملہ نہیں پڑا تھا۔ ہندوستان میں تین ریاستیں ایسی تھیں جن کی جسامت یا قوت کی طرف سے انگریزوں کو تشویش ہو سکتی تھی۔ ان میں سے مرہٹہ برادری کے پاس ابھی زور وزر کافی تھا مگر اودھ اور حیدرآباد کی دونوں مسلمان ریاستیں کسی طرح اس قابل نہیں تھیں کہ لارڈ ولزلی کی تجاویز سے اختلاف کرتیں اور ان دونوں میں سے کوئی سی بھی اس قابل نہیں تھی کہ بغیر انگریزی حمایت کے عرصے تک اپنا وجود قائم رکھ سکتی۔ میسور کی تقسیم میں نواب نظام الملک والی حیدرآباد کے ساتھ بہت فیاضانہ برتاؤ کیا گیا تھا اور ٹیپو کا خاتمہ ہو جانے سے اس کو ایک قدیم دشمن سے نجات مل گئی تھی۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں نواب نظام الملک نے بڑے معقول اضلاع بڑے پیمانے پر قائم رکھی جانے والی حمایتی فوج کے اخراجات کی باقاعدہ کفالت کے لیئے "علی الدوام حکومت برطانیہ کے نذر کر دیئے۔

نواب وزیر اودھ کی حیثیت بہت زیادہ قابل لحاظ تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کلائیو اور ہیسٹنگز نے اس رئیس کو شمال مغربی سرحد کی حفاظت کے لیئے لگا رکھا تھا اور اس کی مملکت اب بھی سرحد مذکور کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ لیکن امیر افغانستان زمان شاہ پنجاب پر اپنی آخری تاخت کر رہا تھا اور

باب چہاردہم
فصل دوم

سندھیا دہلی پر قبضہ کیے بیٹھا تھا اور وزیر والی اودھ کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ اس کے تمام ملک میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی فوجیں آمادۂ بغاوت تھیں اور انگریزوں کے جزیہ کے بھاری بوجھ نے اس کو قلاش کر دیا تھا۔ وہ محاصل اراضی بغیر تشدد کے وصول نہیں کر سکتا تھا۔ جب اس کا خزانہ خالی ہوتا تو وہ اپنی فوج کی تنخواہیں نہیں تقسیم کر سکتا تھا اور فوج دھمکیاں دیتی اور اطاعت سے انحراف کرتی تھی۔ اس صورت حالات میں لارڈ ویلزلی نے اسے یہ مشورہ دیا کہ اپنی نافرمان فوج کو توڑ دے تاکہ مزید برطانوی افواج اس کی مملکت کی حفاظت کے لیے اسی معاوضے والے اصول پر رکھدی جائیں۔ وزیر موصوف نے ہر طرف کی پریشانیوں سے عاجز آکر تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی مگر پھر اپنا ارادہ بدل دیا اور گورنر جنرل نے جو اودھ کے معاملات میں آزادی سے کارروائی کرنی چاہتا تھا تبدیل ارادہ کو حیرت۔ افسوس اور نفرت کے ساتھ منظور کر لیا۔ ہم کو یہاں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ لارڈ ویلزلی اپنے اتحادی کے جذبات و اغراض کو برطانوی حکمت عملی کی مقتدر متقاضیات کا ایسے طریقے پر محکوم بنانا چاہتا تھا جس میں بہت کم صبر و تحمل یا فیاضی کا شائبہ تھا۔ اس تمام نامہ و پیام کے دوران میں اس کا لہجہ وزیر سے خطاب کرنے میں ایسا ہوتا تھا گویا اخلاقی فوقیت کے ممبر نخوت پر کھڑا اور اودھ کی فلاکت زدہ مخلوق کو ناقابل برداشت بدنظمی کی مصیبتوں سے بچانے کا وعظ کہہ رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رعایائے اودھ کی مصیبت کا بھی اس کو کافی پاس و لحاظ تھا مگر اس کی سب سے سنگین غرض یہ تھی کہ اودھ کو تمام و کمال انگریزی اثر و نگرانی میں لے آئے۔ انگریزی مملکت میں ایک قیمتی و زرخیز اضافہ کر لے اور اودھ میں اودھ کے صرفے سے برطانوی فوجیں قائم کر دے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اودھ کے معاملات کی ابتری کو رفع کرنے کی نہایت سخت ضرورت تھی اور لارڈ ولزلی کے کچھ تحکمانہ نامہ و پیام کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزیر نے اپنے تمام سرحدی صوبہ جات بہ شمول روہیلکھنڈ کمپنی کے نذر کر دیے۔ جو اضلاع اس طرح منتقل کیے گئے تھے ان کی آمدنی سے ان انگریزی فوجوں کی کفالت

باب چہاردہم
فصل دوم

کی جانے والی تھی جو اودھ کی حفاظت وحمایت کے واسطے قائم ہونے کو تھیں۔ اس انتظام نے ہیسٹنگز کی حد فاصل قائم کرنے کی اُس حکمت عملی کی جگہ لے لی جو تیس سال تک اپنی غایت بخوبی پوری کرتی رہی تھی۔ بجائے اسکے کہ اودھ کی سپردگی میں وہ اضلاع رکھے جاتے جو مرہٹوں اور شمال مغربی حملہ آوروں کے سامنے بے پناہ تھے لارڈ ولزلی نے اس پیش کش کے ذریعے سے بیرونی سرحد کے پورے منطقے پر قبضہ پا لیا اور اس کے بعد سے اودھ سب طرف سے انگریزی مملکت سے گھر گیا سوائے اپنی شمالی سرحد کے جہاں اُس کا ڈانڈا نیپال کی پہاڑی ریاست سے ملتا تھا۔ اس نہایت ہی اہم توسیع مملکت نے حکومت برطانیہ کو قلب ہند کے چند اُن نہایت ہی زرخیز اور آباد اضلاع پر قبضہ دلا دیا جو بنارس سے اوپر کی جانب دریائے گنگ اور اس کی باجگذار ندیوں تک دامن ہمالیہ تک جگہ جگہ واقع ہیں۔ اس مسئلے نے انگریزی قوت کا استحکام وسیع تر بنیاد پر کر دیا۔ سلطنت کی آمدنی کو بہت بڑھا دیا اور انگریزوں کی سرحد کو سندھیا کے تمام بالائی ہند کے مقبوضات کے سلسلے کے محاذ میں قائم کر دیا۔ حکمت عملی کی ان نہایت کاری ضربوں پر ایک طرف کمپنی کے ڈائرکٹروں نے سخت نفرت ظاہر کی اور دوسری طرف شہنشاہ معظم کے وزرا نے دلی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

باب چہار دہم

فصل سوم

مرہٹے ۱۸۰۳-۱۸۰۵ء

فرانسیسیوں کی طرف سے تخلیہ مصر اور صلح امینس (Amiens) نے کچھ عرصے کے لیے لارڈ ولزلی کی جنگی مستعدی کے سرچشمے کا رخ بے شک بدل دیا۔ اب تک وہ اپنی حکمت عملی کو خالص مدافعانہ اور صلح جویانہ بتا سکتا تھا اور یہ کہ سکتا تھا کہ فرانسیسیوں کے منصوبے کا رد عمل کرنے کی ضرورت نے اسے توسیع مملکت پر مجبور کیا تھا اور یہ کہ اس نے دیسی رئیسوں کی فوجوں کے توڑ دینے پر اس لیے اصرار کیا تھا کہ وہ ان کو ایک ایسی قوم کے پنجۂ استبداد سے بچانا چاہتا تھا جو اپنی کبھی نہ بجھنے والی حرص اور کہیں نہ رکنے والی غارتگری کا لقمہ و شکار دنیا بھر کے تخت و تاج کو سمجھتے تھے۔ بہر حال اس وقت میسور، حیدرآباد اور اودھ فرانسیسیوں کی چھوت سے بہت پرے ہٹا دیے تھے اور لارڈ ولزلی یہ اطلاع دینے کے قابل ہو گیا تھا کہ اس وقت اگر کوئی قابل لحاظ دیسی طاقتیں انگریزی ذمیت سے آزاد ہیں تو وہ مرہٹہ سیاسی مشارکت ہے۔ اس کو مرہٹوں کے فطری اصلی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ باوجودیکہ لارڈ ولزلی نے ان کو بہت سنجیدگی کے ساتھ فرانسیسیوں کے توڑ جوڑ سے آگاہ کر دیا تھا پھر بھی جس یورپین طاقت کو مرہٹے شبہے کی نظر سے دیکھتے تھے وہ انگلستان ہی تھا۔ مرہٹوں کی بے چین طبیعتوں نے۔ ان کی مقامی حیثیت کے اعتبار سے فرانسیسیوں کے ساتھ سازش کر لینے کے ظن غالب نے۔ اور سندھیا کی ملازمت میں متعدد فرانسیسی افسروں کی موجودگی نے گورنر جنرل کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ احتیاط کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ سلطنت مرہٹہ کی جماعت شوریٰ میں

باب چہاردہم
فصل سوم

اعلیٰ درجے کا انگریزی اثر پیدا کیا جائے اور سیاسی تعلقات کا ایک ایسا ضابطہ تیار کیا جائے جو ان کے مقابلے میں زبردست حد فاصل کا کام دے۔ یہ حد فاصل مسلمان ریاستوں کے ساتھ معاہدات اسنجر ا کی تکمیل کر کے قائم کر دی گئی۔ اور جو مہنگا سودا کہ نواب نظام الملک والی حیدرآباد اور نواب وزیر اودھ کے ساتھ لارڈ ولزلی نے کیا تھا اگر اس کو صرف سیاسی ضروریات کی میزان میں تولا جائے تو وہ بالکل واجبی تھا۔ ان رئیسوں کو بے شک انگریزی حمایت کی بہت بڑی قیمتیں دینی پڑیں مگر حق یہ ہے کہ بغیر اس حمایت کے ان کی ہستی بھی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ مرہٹے ان کو دھیرے دھیرے ہڑپ کر جاتے اور جب مرہٹوں کی ملکی اور مالی حیثیت میں ان تسخیروں سے بے انتہا اضافہ ہو جاتا تو پھر ان کی طاقت اور ان کے وسائل کا کیا پوچھنا تھا۔ چونکہ مرہٹہ برادری کے تین بڑے بڑے سردار یعنے سندھیا۔ ہلکر اور راجۂ ناگپور اپنے اقتدار کے لئے بزور شمشیر فیصلہ کرنے پر تل گئے تھے اس لیئے اس وقت بڑا اچھا موقع تھا کہ مداخلت کر کے اس برادری کے برائے نام سربنچ کو جو پونا میں تھا برطانوی حمایت میں آجانے کی ترغیب دی جائے کیونکہ تینوں غارتگر فوجیں جو اس وقت تمام ملک کی لوٹ مار سے اپنا کام چلا رہی تھیں پونا کی حکومت کو برابر اپنے اپنے طور پر دھمکیاں دے رہی تھیں۔ اگر یہ تینوں متحد ہو کر پیشوا کا تخت لوٹ دیتیں تو تمام مرہٹہ سلطنت ان کے اثر میں بلکہ ان کے ہاتھ میں آجاتی اور اس کے بعد یہ خدشہ رہتا کہ اب یہ اتحاد ثلاثہ انگریزوں کی طرف رخ کرے گا۔

۱۸۰۱ء میں لارڈ ولزلی نے ہندوستان کی سیاسی حالت کا مجمل خاکہ ان لفظوں میں کھینچا تھا۔

"ہندوستان کے امن کو اعلیٰ درجے کے استقلال کے ساتھ قائم کرنے اور فرانسیسی مداخلت کا ہمیشہ کے لیئے سد باب کرنے کے لیئے بس صرف اس کی ضرورت ہے کہ حکومت برطانیہ مرہٹوں کو اپنی حمایت میں لے لے۔"

اور اسی دور اندیشانہ اصول عمل پر اس نے مرہٹہ سرداروں کے ساتھ بالکل اسی طرح کا معاملہ کرنے کی ابتدا کی جیسا اس نے مسلمان رئیسوں کے ساتھ کیا تھا۔ باجی راؤ پیشوا نے اب تک انگریزوں کے ارمغان حمایت کے قبول کرنے اور معاہدۂ استنجاد کرنے سے برابر اغماض کیا تھا مگر اس وقت پیشوا اور ہلکر میں ایک نہایت سخت مخاصمت پیدا ہوگئی کیونکہ پیشوا نے ہلکر کے بھائی کو بڑی بے دردی سے قتل کرادیا تھا اور ہلکر اپنی فوج لیکر پونا پر چڑھائی کرچکا تھا۔ ادھر سندھیا پیشوا کی مدد کے لیئے آگیا اور نواحی پونا میں دونوں میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جس میں ہلکر کی فوجوں کو قریب قریب شکست ہوہی چکی تھی کہ ہلکر نے تمام فوج سے آگے بڑھ کر مع اپنے سواروں کے نہایت جوش کے ساتھ حملہ کیا اور پیشوا اور سندھیا کی متحدہ فوجوں کو سخت ہزیمت دیکر میدان سے بھگادیا اور تمام توپیں اور خیمہ وخرگاہ وغیرہ ہلکر کے ہاتھ آگیا ہ علہ

پیشوا نے ایک قلعہ میں پہنچکر پناہ لی اور وہاں سے اس نے انگریزوں کے پاس ایک قاصد طلب امداد کے لیئے بھیجا اس کے بعد ہی وہ بہت جلد خود بمبئی کے قریب بسین میں آکر پناہ گزیں ہوگیا جہاں اس نے گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ایک عام معاہدہ امدفاع پر دستخط کردیے۔ اس معاہدے کی شرائط کی رو سے اس نے اتنے اضلاع گورنمنٹ برطانیہ کی نذر کردیئے جن کی آمدنی ایک زبردست حمایتی فوج کے اخراجات کی کفیل ہوسکتی تھی جو بالاستقلال اس کی مملکت میں رکھی جانے والی تھی۔ علاوہ برآں پیشوا کے تمام تعلقات خارجہ

علہ انگریزی سفارت خانہ متعینہ پونا تقریباً میدان جنگ ہی میں واقع تھا۔ دوسرے دن ہلکر نے سفیر کو بلایا اور سفیر مذکور حاضر نہ ہونا خلاف مصلحت سمجھکر وہاں گیا اس نے فتحمند مرہٹہ سردار کو ایک چھوٹے سے خیمے میں پایا۔ اس کے ٹخنوں تک پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے تھے ایک زخم بھالے کا اس کے سینے میں اور ایک گھاؤ تلوار کا اس کے سر میں تھا۔ ہلکر نے بڑی تواضع او رخلاق کے ساتھ سفیر انگریزی سے ملاقات کی اپنے زخموں پر بے پروائی ظاہر کی اور انگریزی گورنمنٹ کا ذکر بڑے دوستانہ الفاظ میں کیا۔ مصنف

باب چہاردہم
فصل سوم

انگلستان کی سیاسی حکمت عملی کے ماتحت کر دیے گئے۔

دسمبر ۱۸۰۲ء کے معاہدہ بسین نے لارڈ ولزلی کے اصول عمل کی ایک اور زبردست غایت پوری کر دی کیونکہ اس کی شرط یہ بھی تھی کہ جتنے بے انداز مطالبات مرہٹوں کی طرف سے نواب نظام الملک والی حیدرآباد پر ہو رہے تھے وہ سب انگریزوں کے توسل سے طے کیے جاویں گے اور ان ہی پر تقاضے بھی کیے جائیں گے۔ اس طرح مملکت حیدرآباد بتمام و کمال انگریزوں کی حفاظت و حمایت میں آ گئی۔ اس اہم معاہدے کی شرائط کی تعمیل میں ذرا دیر نہیں لگائی گئی پیشوا کو جنرال آرتھر ولزلی کی سرکردگی میں ایک انگریزی فوج کی حفاظت میں پونا واپس پہنچا دیا گیا۔ اور مرہٹہ برادری کے متخاصمین کو باضابطہ اس کی اطلاع دیدی گئی کہ ان کی صدر حکومت یعنے پونا پر انگریزی حمایت قائم کر دی گئی ہے۔ اس تحکمانہ انداز نے لارڈ کاسل رے کو بھی چونکا دیا جس نے انگلستان سے گورنر جنرل کو یہ لکھکر فہمائش کی کہ اس کارروائی سے احتیاط کے ساتھ پرہیز کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے ہم ان نامتناہی اور پیچ در پیچ مصیبتوں میں پھنس جائیں گے جو سرکش مرہٹہ سلطنت کی طرف سے نازل ہوتی رہا کریں گی۔ لارڈ ولزلی نے صرف یہی جواب دیا کہ:-

"مرہٹہ لشکر میں اب بھی فرانسیسیوں کا عنصر اتنا غالب ہے کہ اس سے ہر طرح کا خطرہ ہے۔"

یہ ایسا عذر تھا کہ جو انگلستان کی اس وزارت کو بالکل ساکت کر سکتا تھا جس کو ابھی تھوڑا سا دم لینے کی مہلت کے بعد ہی پھر بونا پارٹ سے دوسری کشتی لڑنے کے لیئے اپنی تمام قومی قوت کو جمع کرنا پڑ رہا تھا۔

لارڈ ولزلی کا اصول سیاست اس وقت اپنی معراج کو پہنچ گیا تھا۔ اس کی حمایتی فوجیں ان چار زبردست ہندوستانی حکومتوں کے صدر مقاموں میں مقیم تھیں جو کسی زمانے میں انگریزوں کی سیاسی ہم چشم تھیں یعنے میسور و حیدرآباد اور لکھنو و پونا جن کے تنازعات بھی آخری فیصلے کے لیئے

باب چہاردہم
فصل سوم

گورنر جنرل کی طرف رجوع کیے جاتے تھے۔ اور ہر دوسری یوروپین قوم کی مداخلت سے شدت کے ساتھ پرہیز کیا جاتا تھا۔ ان ستونوں پر لارڈ ولزلی بڑی پختگی کے ساتھ ایک پائدار، متمدن، اور باضابطہ آئین حکومت کی عمارت اس مصالحے سے تیار کر رہا تھا جو اس کو ان متحلل اور متزلزل ریاستوں سے ہاتھ آیا تھا جو اسی بنیاد پر قائم تھیں۔ لیکن یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ معاہدۂ بسین کوئی ایسا شربت کا گھونٹ نہیں تھا جسے مرہٹہ سردار حلق سے اتار جاتے وہ سمجھ گئے کہ ان کی برادری کی جڑ پر کلھاڑی پڑی ہے اور وہ جتنی چالیں پونا کے خلاف بساط سیاست میں چل رہے تھے۔ ان سب کو پونا میں انگریزی اقتدار کی شہ نے مات کر دیا ہے اور آئندہ کو لازمی طور سے خود ان کی آزادی کے خلاف انگریز لوگ قدم اٹھانے والے ہیں۔ مرہٹوں کی سرپنچ حکومت کا انگریزوں کے ساتھ باجگذارانہ تعلقات قائم رکھکر موجود رہنا یہی معنی رکھتا تھا کہ کچھ عرصے میں دوسری مرہٹہ حکومتیں بھی گرتے گرتے اسی ماتحتی کی حالت میں آجائیں گی۔ اسی کا مرہٹوں کو ہمیشہ سے ڈر تھا اور اس کی روک تھام کے لیے اب اُنھوں نے عزم بالجزم کر لیا۔ اُنھوں نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ پیشوا کو بغیر ان کی استرضا کے ایسا معاہدہ کر لینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ ساتھ ہی اس کے اُنھوں نے اپنے باہمی تنازعات کو یکدم ملتوی کر دیا اور کچھ باہمی اتحاد پر اس مشترک وجہ خطر پر مائل نظر آنے لگے۔

لارڈ ولزلی نے سندھیا کو اس مضمون کا مراسلہ بھیجا کہ پیشوا اور حکومت برطانیہ میں ایک معاہدۂ اندفاعی طے پا گیا ہے تاکہ پونا میں پیشوا کی جائز حکومت پھر قائم کر دی جائے۔ اس لیے سندھیا کو بھی دعوت شرکت دی جاتی ہے۔ سندھیا نے جواب دیا کہ گورنر جنرل کے دل خوش کن مراسلے نے معزز و ممتاز فرمایا اور وہ خود اسی غرض کے لیے ایک بڑی فوج کے ساتھ پونا کو آرہا تھا۔ رہا معاہدۂ اتحاد کا معاملہ اس کے متعلق کافی غور و خوض کی ضرورت ہے۔ گورنر جنرل کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ سندھیا نے دوسرے

باب چہاردہم
فصل سوم

مرہٹہ سرداروں سے اس لیے نامہ و پیام شروع کردیا ہے کہ انگریزوں کے
خلاف اتفاق و اتحاد کرلیں۔ اس نے راجہ برار یعنے ناگپور کے مرہٹہ سردار کو
تو اپنے ساتھ متفق کرلیا جس کا دوسرے سرداروں پر بڑا اثر تھا مگر ہلکر نے
گوسندھیا کے ساتھ صلح کرلی لیکن اس اتحاد میں شریک ہونے سے انکار
کردیا اور گائکواڑ نے بھی اپنے تئیں الگ تھلگ رکھا۔ بہرحال سندھیا نے راجہ برار
کی شرکت حاصل کرلی اور دونوں سرداروں نے انگریزی سفیر کو اپنے ارادوں
کے متعلق جواب دینے کو لیت و لعل میں ٹال کر اپنی متحدہ فوجوں کے ساتھ
سرحد حیدرآباد تک کوچ کرلیا۔ اور اپنی نقل و حرکت کی کوئی وجہ موجہ بتانے کو بھی
ٹال دیا۔ وقت ٹالنے میں مرہٹوں کا فائدہ تھا کیونکہ انھیں امید تھی کہ ہلکر کو ترغیب
دیکر شریک اتحاد کرلیا جائے گا۔ مگر اسی وجہ پر گورنر جنرل یہ چاہتا تھا کہ جتنی
جلدی ممکن ہو ان دونوں سرداروں سے صلح یا جنگ کا ایک جواب لے لیا جائے
اس وقت کچھ گورنر جنرل کے مزاج کے موافق ہوا چلنے لگی تھی کیونکہ یورپ میں
پھر فرانس سے جنگ چھڑ جانے میں گھڑیاں گذر رہی تھیں۔ انگلستان کے
وزرا نے گورنر جنرل کو ہدایت کردی تھی کہ اپنی فوجوں کو جنگ کے واسطے
بالکل آمادہ رکھے اور اسے اختیار دیدیا گیا تھا کہ جن فرانسیسی مقبوضات کو معاہدۂ
امینس کی وجہ سے واپس کردینا چاہیے تھا ان کی واپسی کو ملتوی کرکے اپنے قبضے
میں رکھے کیونکہ معاہدۂ امینس کے عنقریب شکست کردیے جانے کے آثار
موجود ہیں اور ایک فرانسیسی مہم بریسٹ[له] میں ممالک مشرق پر چڑھائی کرنے کے لیے
تیار کی جارہی ہے۔ دوسری طرف کمپنی کے ناظموں نے فوجی اخراجات کے
اضافے پر اور کمپنی کے تجارتی روپے کو غیر مصرف اڑا دینے پر کچھ ایسی
ہدایات بھیجیں جو حکومت ہند کو نہایت بے موقع اور حوصلہ شکن
معلوم ہوئیں۔

لارڈ ولزلی نے وزارت کے نام ایک عرضداشت بھیجی جس میں
استعفا داخل کردینے پر آمادگی ظاہر کی تھی اور آخر میں یہ لکھا تھا کہ جماعت
نظماء کی اس وحشت اور اس غصّے پر قابل وزرا کو اسی رواداری و تحمل کے ساتھ

[له] (Brest)

نظر ڈالنی چاہیئے جو عقل سلیم انسانی کمزوریوں ۔ جہالتوں ۔ تنگ خیالیوں اور بدمزاجیوں پر جائز رکھتی ہے ۔ مگر یہاں اس نے فوراً مرہٹہ برادری پر ایک ساتھ ہر طرف سے حملہ کردینے اور جنگ کو ایک عظیم الشان پیمانے پر شروع کردینے کی تیاریاں شروع کردیں ۔ فرانس کے ساتھ پھر ترک تعلقات ہوجانے سے اس کو حسب دستور پھر اس کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی کہ جتنی جلد ممکن ہو ہندوستان کی تمام جنگجو حکومتوں کو ایک زبردست نگرانی کے اثر میں لے لیا جائے ۔ آرتھر ویلزلی نے گورنر جنرل کا اطمینان کردیا تھا کہ اس کا بہت کم خدشہ ہے کہ فرانسیسی فوجیں مرہٹوں کی مدد تک ہوسکیں گی کیونکہ اگر فرانسیسیوں نے اپنی فوجیں ساحل پر اتار بھی دیں جب بھی ان کے پاس ضروری وسائل و ذخائر بالکل نہیں ہوں گے اور ان کے مخزن وسائل سے اُن کا تعلق انگریزی فوجیں بالکل قطع کردیں گی ۔ مگر گورنر جنرل اس بات کو سمجھتا تھا کہ کچھ بھی ہو یورپ کی ہر جنگ عظیم کے ساتھ انگریزوں کی حالت ہندوستان میں ضرور جوکھوں میں پڑجاتی ہے ۔ وہ اس کو بھی خوب جانتا تھا ۔ کہ یہ سلطنت جو وہ خشکی پر قائم کررہا تھا اپنی پائیداری و استقلال کے اعتبار سے انگریزوں کے بحری اقتدار و اثر کی محتاج ہے ۔ چنانچہ اس نے وزارت کے ذہن نشین یہ امر کرنا چاہا کہ جب تک[ع] راس امید و ماریشس پر فرانسیسیوں کا قبضہ و اثر ہے اس وقت تک انگریزوں کے مقبوضہ ہندوستانی سواحل کو امن نصیب نہیں ہوسکتا اور انگریزوں کا اندرونی ملک کے دشمن برابر اس امید پر اُبھرتے رہیں گے کہ انھیں ہر وقت فرانسیسیوں سے امداد مل سکتی ہے ۔ غرض یہ کہ اس نے کسی تیاری میں دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا جو اس کو اس غایت کے حاصل کرنے کے لیئے ضروری نظر آئی اور فرانس کے ساتھ مخاصمت کے تازہ ہوجانے کے اس موقعے سے اس نے اس لیئے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہا کہ ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کا مکمل استحکام ہوجائے گا ۔ اور خود ہندوستان کو آئندہ کے لیئے امن و سکون حاصل ہوجائے گا ۔ ان اغراض کے حاصل

[ع] ہالینڈ پر فرانس کا اثر اس وقت غالب تھا ۔

باب چہاردہم
فصل سوم

کرنے کے لیئے جن جن طریقوں سے لارڈ ولزلی نے کام چلایا ان کے متعلق خواہ کچھ ہی رائے قائم کی جائے مگر یہ ناممکن ہے کہ ہم لارڈ ولزلی کی اس موقع پہ تعریف کرنے سے باز رہ سکیں کہ سیاسی مطلع کے آثار سمجھنے میں اس کی نگاہ بہت دور تک اور بہت سچا کام دیتی تھی اور علت و معلول کا سلسلہ قائم کرنے میں اسکا دماغ نہایت حاضر اور نہایت محیط تھا۔

ان خیالوں اور ارادوں کے مطابق اس نے اپنے احکام جنرل ولزلی کے پاس بھیجے جو مغربی ہند میں سندھیا کے مقابلے میں مصروف تھا اور جنرل لیک کے پاس بھیجے جو شمال مغرب میں سندھیا کے مقبوضات پر بڑھ رہا تھا۔ اصلی غرض یہ قرار دی گئی کہ یا تو سندھیا کی قوت بالکل توڑ دی جائے یا اسے ایسی صلح پہ مجبور کیا جائے جس سے حکومت برطانیہ کی طرف سندھیا کا اتنا ملک منتقل ہو جائے کہ وہ وسط ہند میں گھرا رہ جائے۔ مغربی سواحل سے اس کا بالکل قطع تعلق ہو جائے۔ دہلی سے اس کو نکال دیا جائے جہاں وہ اب تک سلطنت کا وکیل مطلق بنا بیٹھا تھا۔ اس کے وسط ہند کے مقبوضات اور شمالی ہند کے مقبوضات کے درمیانی ایک حد فاصل حائل کر کے اسے بالکل وسط ہند میں ڈھکیل دیا جائے۔ دہلی میں موسیو پیرن جو سندھیا کا قابل ترین فرانسیسی سپہ سالار تھا ایک زبردست قواعد داں فوج کی قیادت پہ مامور تھا جس کے ذریعے سے اس نے قلعۂ دہلی پر قبضہ کر رکھا تھا شاہ عالم بادشاہ دہلی کو نظر بند کر رکھا تھا اور اس کے نام سے حکومت کا کاروبار خود کر رہا تھا۔ لارڈ ولزلی کی اصلی اغراض میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس خطرناک فوج کو توڑ دیا جائے جس کی سرکردگی فرانسیسیوں کے ہاتھ میں تھی اور جس میں بہت سے فرانسیسی افسر شامل بھی تھے۔ اور ایک مرتبہ سندھیا کے ساتھ تیغ آزمائی کی ضرورت اس کو بعد بروز اس لیئے زیادہ محسوس ہوتی جاتی تھی کہ ان فرانسیسی کارکنوں کے ذریعے سے مرہٹوں اور فرانسیسیوں میں برابر نامہ و پیام اور سازشوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

اس وقت برطانیہ کی تمام قوت ایسے قائم مقام کے دست و بازو

میں تھی جو خود نہایت مستعد اور جفاکش تھا۔ جو فطرتاً اقتدار پسند تھا جس کے
قبضے میں نہایت زرخیز اور خوش انتظام صوبہ جات کی آمدنیاں تھیں جس کی مدد پر
وہ مستحکم اور قواعد داں فوجیں تھیں جن کی قیادت ولزلی اور لیک جیسے دو کار آزمودہ
نبرد آزماؤں کے سپرد تھی۔ مرہٹوں کی فوجیں تعداد میں انگریزی فوجوں سے
زیادہ تھیں ان میں بڑے بڑے دستے تھے جن کو فرانسیسی اور انگریزی
افسروں نے قواعد سکھائی تھی اور نہایت زبردست اور کارآمد توپخانہ
تھا لیکن برادری کے سب سردار آپس میں حسد رکھتے تھے اور ایک دوسرے
کی طرف سے بدگمان تھے۔ اور نہ وہ اپنے دوست پر بھروسہ کرتے تھے
نہ دشمن پر۔ کم از کم گذشتہ پچاس سال تک انھوں نے اپنی ریاستیں
غارتگرانہ تاختوں اور بے صرفہ قبضوں کے ذریعے سے قائم رکھی اور بڑھائی
تھیں۔ ان کے ہاں کوئی ملکی قانون نہیں رائج تھا۔ ان کے کوئی سرحدی
خطوط نہیں مقرر تھے۔ اور ان کے لشکرگاہ ان کے دارالحکومت تھے۔
ہندوستان میں حاکمانہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے جب دو ایسی طاقتوں
میں تصادم ہو تو اس کا نتیجہ شبہ و شک کی کب گنجائش رکھتا ہے۔ جن
دو سپہ سالاروں کے سپرد انگریزی فوجیں تھیں اور جن کو پورے سیاسی
اختیارات بھی دیدیے گئے تھے ان کی سرکردگی میں جو جنگ شروع ہوئی
وہ ایک شان کے ساتھ انجام کو پہنچی اور جن اغراض کی خاطر یہ جنگ شروع کی گئی
تھی وہ تمام و کمال حاصل ہو گئے۔ جولائی ۱۸۰۳ء میں جنرل ولزلی نے سندھیا
اور ناگپور کے راجہ کو صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ یا تو اپنی فوجیں نظام الملک
کی سرحد پر سے ہٹا لیں یا مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ جواب میں پہلے
انھوں نے انگریزی فوجوں کے وہاں سے ہٹا لیے جانے کی خواہش ظاہر
کی مگر چونکہ اس سے وہ ملک بے پناہ رہا جاتا تھا جس کو ان کی نقل و حرکت
دھمکی دے رہی تھی اس لیے انگریزی فوج کا کوچ بول دیا گیا اور باضابطہ
اعلان جنگ کر دیا گیا۔ جنگ کا منظر وسط ہند کے اس میدان میں پیش آیا
جہاں حیدرآباد کی شمالی سرحد کے خطوط دونوں مرہٹہ سرداروں کے مقبوضات

سے متصل ہو جاتے ہیں۔ اسی جگہ جہاں ستمبر ۱۸۰۳ء میں پہلا تصادم ہوا سندھیا کی فوجیں بڑے زور شور سے اور بڑی بے جگری ہو کر لڑیں۔ فرانسیسی قائد دی بوئین کی کار آزمودہ پلٹنوں نے بڑی شاندار مقاومت کی۔ توپ خانے نے انگریزی پیدل سپاہ کو سخت نقصان پہنچایا اور توپ خانے کے سپاہی اپنی توپوں کے سامنے کٹ مرے۔ مگر ولزلی کو فتح بھی بالکل فیصلہ کن ہی نصیب ہوئی۔ اس کے بعد آگے کوچ کر کے ولزلی برار میں گھس گیا اور وہاں مقام ارگاؤں پر نومبر ۱۸۰۳ء میں ناگپور راجہ کی سپاہ کو سخت ہزیمت دی۔ پھر اس نے گوال گڑھ کا پہاڑی قلعہ بڑا اول کر لیا اور سال ختم ہونے نہیں پایا تھا کہ ہر دو مرہٹہ شخصاً حصین کی گفتگو نے صلح ان شرائط پر مکمل ہو گئی جو برطانوی سپہ سالار نے پیش کی تھیں۔

شمال مغرب میں جنرل لیک کی کامیابیاں بھی اس سے کم اہم نہیں ہوئیں اس نے قلعہ علی گڑھ کو بہ پول کر فتح کر لیا۔ دہلی کے سامنے سندھیا کی فوجوں کو منتشر کر دیا شہر میں داخل ہو گیا اور شہنشاہ دہلی کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ آگرے کو محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ اور سب سے آخر مرتبہ نومبر ۱۸۰۳ء میں انگریزی فوجوں کا مقام لاسواڑی پر سندھیا کی بہترین فوج کی سترہ پلٹنوں اور اعلیٰ درجے کے توپخانے سے سامنا ہوا۔ اور یہی سندھیا کی سب سے اچھی اور آخری تربیت یافتہ فوج باقی رہ گئی تھی۔ یہ لڑائی بڑی خونریز اور بڑی سخت ہوئی۔ سندھیا کے توپخانے کے سپاہیوں نے اپنی توپوں سے قدم نہیں ہلایا یہاں تک ان کو سنگینوں سے چھید دیا گیا اور بھی تمام فوج نے ایسی بہادری اور پامردی کے جوہر دکھائے کہ اگر اس وقت فرانسیسی افسروں کی سرکردگی میں یہ لڑائی لڑی جاتی تو بقول لارڈ لیک کے جنگ کا نتیجہ بہت کچھ مشتبہ ہوتا لیکن پیرن اور دوسرے فرانسیسی افسر اس وقت سے پہلے مرہٹوں کی ملازمت سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ کچھ بھی ہو اس جانبازانہ مقاومت نے ثابت کر دیا کہ شمالی ہند کے سپاہی میں کس اعلیٰ پایہ کی جنگی سرشت ودیعت کی گئی ہے اور اس نے اس کا اس سے پہلے بھی اکثر ثبوت دیا ہے کسی سپاہی نے اپنی جگہ سے قدم تک نہیں ہٹایا۔ یہاں تک کہ ان کی تمام توپیں چھن گئیں اور ان کو وہ عزت کی موت نصیب ہوئی جس کو اخلاقی فتح سے تعبیر

کیا جاسکتا ہے۔

ان سختی سے لڑی جانے والی اور مشکل سے فتح کی جانے والی لڑائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام جنگی نظام جس پر سندھیا کے اقتدار کا دارومدار تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ شمال میں اس کے جو تعلقات دربار مغلیہ کے ساتھ تھے وہ قطع ہو گئے اور پونا میں جو اس کو مرہٹہ برادری کا سب سے زبردست پنچ سمجھا جاتا تھا وہ اثر بالکل مٹ گیا۔ جنگ شروع ہونے کے وقت سندھیا کی باقاعدہ فوج کی تعداد چالیس ہزار قواعد داں سپاہ تھی جس کے ساتھ ایک بہت بڑا سلسلہ توپخانے کا تھا اور یہ تمام فوج اور توپخانہ ایک فرانسیسی سپہ سالار کی نگرانی و تربیت میں کام کرتا تھا اور ہندوستان کے اعلیٰ ترین صوبوں کی آمدنی سے اس کے مصارف کی کفالت کی جاتی تھی۔ اس بڑی فوج کا اب کہیں پتہ بھی نہیں رہا تھا اور سندھیا اور راجہ ناگپور نے جب اپنے تمام مقبوضات کے ہاتھ سے نکل جانے کا قریبی خطرہ محسوس کر لیا تو بادل ناخواستہ ان شرائط پر رضامند ہو گئے جو ان کی فوجوں کا وجود مٹا دینے والے انگریزی سپہ سالاروں کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔ معاہدہ بسین کو دونوں نے باضابطہ تسلیم کر لیا۔ دونوں نے معاہدات اندفاع کو منظور کر لیا اور بڑے سے بڑے قطعات ملک انگریزوں کے حوالے کر دیئے۔ سندھیا نے انگریزوں کے حوالے وہ تمام شمالی اضلاع کر دیئے جو دریائے جمن کے دونوں کناروں پر واقع ہیں۔ اس نے اپنے تمام بندرگاہ اور مغربی سواحل کے مفتوحات انگریزوں کی نذر کر دیئے اور اس نے دہلی اور شاہ عالم بادشاہ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ اس نے تمام فرانسیسی افسروں کو اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور اپنی سرحد کے قریب اپنے خرچ پر ایک زبردست انگریزی فوج کا قائم کیا جانا منظور کر لیا۔ راجہ ناگپور نے نواب نظام الملک کو برار واپس دیدیا اور حکومت برطانیہ کے حوالے صوبہ کٹک کر دیا جو مدراس سے بالائی اضلاع اور بنگال کے مغربی اضلاع کے درمیان خلیج بنگال پر حائل ہے۔

لیکن ہلکر جو قصداً جنگ سے اس امید پر الگ تھلگ رہا تھا کہ

اپنے رقیب اور دشمن سندھیا کی مصیبت سے فائدہ اُٹھائے گا اب راجپوتانہ میں ایک زبردست مرہٹہ جماعت کو لیے ہوئے آزاد غارتگری کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اس نے ان تمام انگریزوں کو قتل کرا دیا تھا جو اس کی ملازمت میں تھے۔ اب چونکہ اس نے سندھیا کی بے پناہ حالت سے فائدہ اُٹھانے کی کچھ علامتیں ظاہر کیں تو لارڈ لیک نے اسے یہ ہدایت کی کہ اپنے ملک واپس آرام سے چلا جائے مگر جب اس نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو انگریزی فوجوں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ ہلکر نے اب تک مرہٹوں کی پرانی چالوں کو قائم رکھ چھوڑا تھا۔ اور اس کے سبکرو رسالوں کی نقل و حرکت اس کے بے تکلف چھاپے اور بلا کی طرح نازل ہو جانے والے دھاوے انگریزوں کے واسطے نہایت تکلیف دہ اور پریشان کن ثابت ہوئے۔ کرنل مونسن نے اس پر وسط ہند میں فوج کشی کی اور ہلکر نے اُسے اپنی مصنوعی پسپائی کی چالوں میں اپنی طرف گھسیٹنا شروع کیا یہاں تک کہ مونسن اپنے مستقر سے بہت دور نکل گیا اور یکایک جبکہ اس کے پاس صرف دو دن کا ذخیرہ رہ گیا تھا اور ایک زبردست تعداد کا دشمن اس کے سامنے موجود تھا مونسن نے واپسی کا ارادہ کیا۔ مگر اس کو اب ہلکر کہاں جانے دیتا تھا۔ برطانوی فوجوں کو آگرے پہنچنے کے لیے ایسے دشوار گزار قطعۂ ملک میں سے جانا تھا جس میں دریاؤں کا جال بچھا ہوا تھا اور ہلکر ایسی زور شور سے پلٹا کہ اس نے قریب قریب تمام انگریزی فوج کو راستے ہی میں ختم کر دیا۔

چند ماہ بعد نومبر ۱۸۰۴ء میں ہلکر نے انگریزی فوجوں سے ایک سخت اور فیصلہ کن لڑائی مقام ڈیگ پر لڑی۔ اس کے ایک اتحادی راجہ بھرتپور نے تین مرتبہ اس انگریزی فوج کو پسپا کیا جو یورش کر کے قلعہ لینا چاہتی تھی اور اس زور شور کے ساتھ مدافعت کی کہ لارڈ لیک کو سخت نقصان اُٹھا کر واپس ہونا پڑا۔ لیکن لیک کے سبکرو دستوں نے ہلکر کی فوج کی طرف اس تیزی سے رخ کیا کہ اس کی فوجوں کو یکایک بے خبری میں آگھیرا اور

باب چہاردہم
فصل چہارم

بالکل منتشر کردیا اور خود ہلکر بھاگ کر پنجاب میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ وہاں سے اس کو اس لیئے واپس آنا پڑا کہ اپنے دونوں پیشرو سرداروں کی طرح اسے بھی ان ہی شرائط صلح پر دستخط کردینے میں جی بچنے کی امید تھی ؎

فصل چہارم

لارڈ ولزلی کے اصولِ عمل پر ایک نظر

لارڈ ولزلی کی ان تمام کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی جنگی و سیاسی فوقیت اس طرح قائم ہوگئی کہ آئندہ کے لیے کسی مقاومت کا امکان بھی نہیں رہا۔ لیک اور ولزلی کے جنگی کارناموں نے وہ آخری قواعد داں فوجیں بھی نابود کردیں جو کہ یورپ کے طرز تربیت کی تقلید کرکے ہندوستان کے مقتدر سرداروں نے گذشتہ بیس سال میں تیار کی تھیں اور جس ہتھیار پر مرہٹے اپنی مقاومت کا بھروسہ کیئے تھے وہ ان کے ہاتھ کے ہاتھ ہی میں توڑکر رکھدیا گیا۔ بجائے ان کثیر التعداد پلٹنوں کے جن کی مجموعی سپاہ ہزار ہا تک پہنچتی تھی اور جن کو مرہٹہ اور مسلمان سربرآوردہ ریاستوں نے غیر ملکی سپہ سالاروں کی تربیت و نگرانی میں سالہا سال سے رکھ چھوڑا تھا اب لارڈ ولزلی کے عہدنامجات اسنتجہ اسے نے صرف ہندوستانی مخلوط انگریزی ہندوستانی سپاہ کے جن کی مجموعی تعداد بیس ہزار تھی اور جن کو تنخواہیں ریاست کی طرف سے ملتی تھیں خود ان ریاستوں کے اندر یا ان کی سرحدوں کے قریب ہی قائم کرلیے۔ غیر ملکی افسروں کو

لازم رکھنے کی بلا اجازت انگریزی حکومت سے سخت ممانعت کر دی گئی۔ ریاستہا
دو ریاستوں میں کسی باہمی مخاصمت کو عملی پہلو اختیار کرنے کی ضرورت نہ رہی کیونکہ
تمام تنازعات کو حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت
تھی۔ ہر ریاست کے حکمرانوں کو اپنی اپنی حدود میں اپنے اختیارات کو عمل میں
لانے کا پابند کر دیا گیا اور یہ حدود حکومت برطانیہ نے معین کر دیے۔
ان کو ایسے اغراض کے لیے آپس میں اتحاد کرنے کی بھی اجازت نہیں رہی
جو برطانیہ کے مفاد کے منافی ہوں۔ اور کامل طور پر وہ تمام وسائل منقطع
یا سلسلۂ پیام تہ کر دیے گئے جو ان ریاستوں میں اور کسی غیر ملکی حکومت میں
کیے جا سکتے تھے۔

اس وقت تک مرہٹہ سرداروں نے جو مقبوضات ٹکڑے
کر کے مختلف مالکوں سے مختلف اوقات میں چھینے تھے وہ نواب نظام الملک
پیشوا اور راجپوت سرداروں کے مقبوضات کے ساتھ اس قدر مخلوط
تھے کہ سرحدی اور تحصیلی حقوق میں بڑی بڑی پیچیدگیاں پڑتی رہتی تھیں جو قصداً
اسی وجہ سے ڈالی جاتی تھیں کہ تنازعہ اور دست اندازی کا حیلہ مل جایا کرے۔
لارڈ ولزلی کی حکمت عملی یہ تھی کہ سب سے پہلے تو اس حصۂ ہندوستان
کے سیاسی نقشہ کو اس ترتیب سے ترکیب دے کہ ہر مرہٹہ حکومت
معین حدود کے اندر گھر جائے۔ اس کا دوسرا اصول عمل یہ تھا کہ مرہٹہ برادری
کے تمام مقبوضات کے سلسلے کے درمیان چند غیر مرہٹہ ریاستوں کو جگہ جگہ
حائل کر کے ان کے ارتباط کو توڑ دے اور مرہٹہ اور انگریزی ممالک شمال
کے درمیان بھی چھوٹی چھوٹی خود مختار کفایتی ریاستیں بطور حد فاصل کے
قائم کر دے اور سب سے آخری غرض اس کی یہ تھی کہ جنوبی ہند کے
نقشے کو بھی اس ترکیب سے مرتب کرے کہ انگریزوں کے اہم مقبوضات
احاطہ مدراس کا سلسلہ متصل صدر حکومت بنگال کے ساتھ قائم ہو جائے۔
یہ استحکام و ارتباط کی کارروائی بارہ سال بعد لارڈ ہیسٹنگز کے ہاتھوں اور
عمدگی کے ساتھ انجام کو پہنچی اور سب سے آخر میں لارڈ ڈلہوزی نے اسے

باب چہاردہم
فصل چہارم

بالکل تکمیل کو پہنچا دیا۔ لیکن لارڈ ولزلی کی حد لبست نے سوائے پنجاب و سندھ کے تمام ہندوستان کی سرحدی تقسیم کی داغ بیل ڈال دی تھی جس کی آئندہ چالیس سال تک برابر تکمیل ہوتی رہی اور جس کے نشانات ابتک ظاہر ہیں۔ آگرہ و دہلی کے شاہی شہروں اور ان کے ساتھ ہی دریائے جمنا کے دونوں کناروں پر کے ملحقہ مقامات پر قبضہ کر کے اور گنگا و جمنا کے دوآبہ کے تمام شہروں کا الحاق کر کے لارڈ ولزلی نے انگریزی حدود کو بنگال سے شمال مغرب میں پہاڑوں تک پہنچا دیا جس کی آخری سرحد ہمالیہ کے بالائی رخ کے بہاؤ پر ختم ہوتی تھی۔ صوبہ کٹک پر قبضہ کر کے اس نے جنوب مشرق کے ساحلی مقبوضات میں سلسلۂ ارتباط قائم کر لیا۔ بنگال اور مدراس کے دونوں احاطوں کو آپس میں ملحق کر لیا اور ان کے درمیان نہایت موزوں ربط قائم کر لیا۔ اس طرح انگریزی مملکت نے وسعت پا کر ایک کشادہ منطقے کی صورت اختیار کر لی۔ جو ہمالیہ سے شروع ہو کر نیچے کی طرف کو خلیج بنگال اور انتہائے جنوبی اضلاع مدراس تک لپٹتا چلا گیا تھا۔ اور جو الحاقات سواحل غربی پر ہو چکے تھے ان سے ہندوستان کا تمام ساحلی علاقہ انگریزوں کے قبضے یا اثر میں آگیا تھا۔

ان سب کارروائیوں کے علاوہ جب لارڈ ولزلی نے مرہٹوں کو دہلی سے نکال دیا اور بادشاہ کی ذات اور شاہی خاندان کو اپنے قبضے میں کر لیا تو اس نے ایک نہایت معنی خیز تبدیلی انگریزی اصول عمل میں کی۔ گزشتہ چالیس سال سے نفاذ توقیع شاہی پر اس حوصلہ مند یا غاصب کے ہاتھ میں آجاتا تھا جو دارالحکومت پر قبضہ کر لیتا۔ شاہی دربار پر رعب جما لینا اور اپنے کسی اعلیٰ منصب پر مامور فرمائے جانے یا کسی ایسے اضلاع کا حاکم کر دیئے جانے کے احکام حاصل کر لینا تھا جو اس نے پہلے سے دبائے ہوئے تھے۔

اس سے پہلے کے زمانے میں انگریزی اور فرانسیسی کمپنیوں نے استحقاق نامے مغل اعظم سے حاصل کیئے تھے۔ یہ بھی اطلاع مل چکی تھی کہ صلحنامہ امینس کے بموجب فرانسیسیوں کو پانڈیچری پر بادبحال کر دیا گیا تو نپولین بونا پارٹ

باب چہاردہم فصل چہارم

نے اس فرانسیسی نوآبادی میں بہت سا فوجی عملہ اس غرض سے بھیجا تھا کہ جو فرانسیسی افسر سندھیا کی ملازمت میں تھے ان کے توسل سے شہنشاہ دہلی سے نامہ و پیام کریں۔ اور ۱۸۰۳ء میں جو ورانہ کا منصوبہ نپولین کی منظوری کے لیئے پیش کیا گیا تھا اس کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ ہندوستان میں ایک بڑی مہم اس حیلے سے بھیجی جائے کہ شاہی خاندان کو دشمنوں اور ظالموں کے پنجے سے نجات دلائی جائے گی۔ بہرحال لارڈ ولزلی نے اپنی اس کارروائی کو بالکل جائز سمجھا کہ فرانسیسوں کی طاقت و اثر کے ہندوستان میں بڑھ جانے کا رد عمل کرنے کے لیئے فوری طور سے شہنشاہ دہلی اور شاہی خاندان کو انگریزی حمایت میں لے لینے کی ضرورت ہے۔ اس نے اس ضابطہ بیمی کو بالکل فضول سمجھا کہ یا تجلدار ریاستوں پر اپنا حاکمانہ اقتدار قائم کرنے کے لیئے یا اپنی قلمرو میں اپنے اختیارات استعمال کرنے کے لیئے جو حق اب انگریزوں کو پہنچتا تھا اس کو سلطنت مغلیہ کے شاہی اختیارات کے پردے میں استعمال کیا جائے۔ اس نے اس برائے نام شہنشاہی کو بالکل منسوخ کر دینے کا علی الاعلان ارادہ کر لیا جو اپنے ابتدائی اور اصلی مجسمہ کی محض سایہ رہ گئی تھی اور جس کا تخت نشین انتہائے ذلت و نکبت کی گرفتاری سے انگریزوں کے دست و بازو کے طفیل میں رہائی حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے شاہ عالم کو ایک ملکی وظیفہ خوار کی حیثیت پر پہنچا دیا اور اس کی شاہی آن بان قائم رکھنے کے لیئے کافی رقم سالانہ مقرر کر دی۔ یہ انتظام پچاس سال تک قائم رہا اور بالآخر ۱۸۵۷ء میں اختتام کو پہنچ گیا جبکہ غدر کی باد صرصر نے خاندان مغلیہ کے آخری چراغ کو مع اس کے خاندان کے ایک دم گل کر دیا۔

لارڈ ولزلی کے عہد حکومت کا سیاسی نتیجہ اس آخری جلے سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے جو اس نے کمپنی کے ناظموں کو اس مراسلے میں لکھا تھا جس میں اس نے ایک مختار کل عامل کے فخرمندانہ جذبات کے ساتھ جنگوں اور ان معاہدوں کے نتائج کی تفصیل کی تھی جو اس نے

باب چہار دہم
فصل چہارم

انگریزوں کی اس مشرقی سلطنت کے استحکام و ہندوستان کے قیام امن کے لیئے کیئے تھے، وہ جملہ یہ ہے:۔

"حکومت برطانیہ اور ہندوستان کی خاص خاص ریاستوں کے درمیان ایک عام رابطۂ اتحاد قائم ہے جو اس اصول پہ ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر ہندوستانی ریاست کا ذاتی مفاد اس میں ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھے اور ہر ریاست کو یہ ممانعت ہے کہ اپنی ناجائز توسیع کی خاطر دوسری ریاست کے حقوق و مقبوضات غصب کر سکے اور اجازت ہے کہ اپنی معینہ حدود کے اندر اپنے اختیارات کو بلا مداخلت غیرے کام میں لائے اور ان سب پہ ایک عام نگرانی گورنمنٹ برطانیہ کی رہے گی۔"

یہ وہ وقت تھا کہ لارڈ ولزلی نے اپنے حکمانہ و عاقلانہ اصول عمل کی مدد سے انگریزی حکومت کی حدود کو نہایت درجہ وسعت دیدی تھی، اور حقیقتاً اسی وقت سے تینوں احاطوں کی اصلی ترتیب کا قائم ہو جانا سمجھا جا سکتا ہے۔ ۱۷۹۲ء تک حکومت احاطۂ مدراس اپنے پورے اختیارات کو سوائے چند ساحلی اضلاع کے اور کہیں کام میں نہیں لا سکتی تھی۔ لیکن ۱۷۹۹ء اور ۱۸۰۱ء کے درمیان میں تقسیم میسور، سقوط تنجور، تفویض حیدرآباد اور انتقال مملکت کرناٹک نے بڑے بڑے زرخیز اقطاع مدراس کے حلقۂ اختیار اور انتظام میں شامل کر دیئے اور خود مدراس کو جنوبی ہند کی ایک وسیع قلمرو کا صدر مقام بنا دیا جس میں اس زمانے کے بعد سے کوئی اہم توسیع نہیں ہو سکی ہے۔ مغربی ہند میں احاطۂ بمبئی اب تک تقریباً ساحلی علاقے پر محدود تھا اور اس کی خاص اہمیت اس کے ایک بندرگاہ اور تجارتی منڈی ہونے پہ منحصر تھی۔ اب اس میں گجرات کے بیش قیمت اضلاع شامل کر دیئے گئے

باب چہاردہم
فصل چہارم

اور اس کی حکومت کا انتظام ملحقہ ریاستوں میں خصوصاً پونا اور بڑودہ کی مرہٹہ ریاستوں میں ناقابل مقابلہ عروج کے ساتھ پھیل گیا۔ شمالی ہند میں مرہٹوں کی قوت تمام شکست ہو چکی تھی۔ بدھیلکھنڈ کا اہم صوبہ جس میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں کچھ تو انگریزوں کے قبضے میں اور باقی سب کا سب انگریزی اثر میں آگیا تھا۔ جو اضلاع کہ اودھ نے نذر کیے تھے اور جو اقطاع کہ سندھیا سے فتح کیے گئے تھے ان سب پر آئینی حکومت قائم کر دی گئی۔ اور ان میں چین اور آرام کی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ احاطۂ بنگال اس وقت خلیج بنگال سے شروع ہو کر شمال مغرب میں کوہ ہمالیہ اور سرحد پنجاب تک چلا جاتا تھا اور کلکتہ ایک وسیع قلمرو کے نگران عام حاکم کا صدر مقام قرار دیا گیا جہاں سے بلا واسطہ ہندوستان کے سب سے زیادہ زرخیز اور آباد قطعے پر حکومت کی جاتی تھی اور بالواسطہ دریائے ستلج کے جنوب تک کی تمام ریاستوں اور ٹھکانوں پر برطانیہ کے زبردست وجود کا رعب داب طاری کیا جاتا تھا جس سے وہ سب اس آفتاب حکومت کے دور کے راستے میں آجاتی تھیں اور اس شہنشاہی کے بیرونی حدود کی شعاعوں کا پرتو لیتی رہتی تھیں۔ چند ہندوستانی ریاستیں جو ابتک انگریزی اقتدار اور اثر کی زد سے باہر تھیں وہ یا تو پنجاب میں واقع تھیں جہاں سکھوں کا دور دورہ تھا یا دریائے سندھ کے کنارے کا علاقہ تھا اور یا نیپال کا کوہستانی ملک اس کے سوا اور تمام ہندوستان انگریزوں کے زیر نگیں تھا۔

ہندوستان کی انگریزی سلطنت کو کلائیو اور ہیسٹنگز کی ڈالی ہوئی بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے لارڈ ولزلی کی حکومت کے سات سال (مئی ۱۷۹۸ء تا جولائی ۱۸۰۵ء) اہم ترین و نازک ترین مدارج میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ لارڈ ولزلی ہندوستان اس وقت پہنچا تھا جبکہ حکومت کے سامنے دو راستے تھے۔ مطلع سیاست بالکل ابر آلود و مذبذب حالت میں تھا اور انگریز ابھی تک یہ طے نہیں کر سکتے تھے کہ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ایک طرف تو وہ راستہ تھا جو پارلیمنٹ نے بنا دیا تھا یعنی دیسی ریاستوں کے تنازعات سے

باب چہاردہم
فصل چہارم

بالکل الگ تھلگ رہکر اپنی حدود کے اندر چپ چاپ اپنی مدافعت کے سامان سے تیار بیٹھکر تماشہ دیکھنا - دوسرا راستہ یہ تھا کہ خطرات کا مقابلہ کرنے اور دشمنوں سے ہتھیار چھیننے کے لیئے آگے قدم بڑھانا - اس طوفان بے تمیزی میں اس وقت سے پہلے اپنا وار کرلینا کہ بے ترتیبی یا بے اطمینانی قوت پکڑ سکے - اور اپنے ہمسایوں پر زبردستی پابندئی امن و صلح عائد کر کے اپنے مقبوضات میں امن و سکون حاصل کرلینا - لارڈ کارنوالس اور سر جان شور نے اپنے امکان بھر پہلا راستہ اختیار کیا تھا - لیکن لارڈ ولزلی نے اپنے ہندوستان آنے سے پہلے ہی یہ محسوس کرلیا تھا (جیسا کہ اس نے بہت عرصے بعد لارڈ ایلنبرو کو لکھا) کہ بیچارے بوڑھے کارنوالس کا ٹیپو کے ایفائے عہد پر اعتبار کرنا اور مرہٹوں اور نواب نظام الملک کے ساتھ جو معاہدات ہوئے تھے اُن سے قوت حاصل کرنے کی امید رکھنا کس قدر خود فریبی و تن آسانی پر دلالت کرتا ہے" اس قسم کے قبل از وقت قائم کیئے ہوئے خیالات کا تقاضہ یہ تھا کہ ہندوستان پہنچتے ہی اس نے دوسرے راستے پر بلا پس و پیش قدم بڑھایا اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کی مساعی نہایت شان کے ساتھ مشکور ہوئیں - اس نے ایک بہت مختصر سی فوج کشی میں سلطان میسور کو کچل کر رکھدیا - اس نے نواب نظام الملک والی حیدرآباد کی اس چودہ ہزار کی زبردست قواعد داں فوج کو برطرف کرا دیا جو فرانسیسی سپہ سالاروں کی ماتحتی میں کام کرتی تھی - اس نے کرناٹک پر قبضہ کرلیا - اودھ کی آدھی مملکت کا الحاق کرلیا - تمام بڑی بڑی ریاستوں کو باجگذار یا ذیلی بن جانے پر مجبور کرلیا - اور مرہٹہ برادری کی قوت کو بالکل توڑ پھوڑ کر اس نے انگریزوں کے ناقابل مقابلہ اقتدار کی تکمیل کا آخری سنگ بھی اُٹھا کر پھینک دیا ہو -

ہمکو انصاف کے ساتھ تعریف کرنی پڑتی ہے ان اعلیٰ قابلیتوں کی جو گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے اپنے شاندار مقصد کی تکمیل میں ظاہر کیں - اس زود ذہنی اور معاملہ فہمی کی جس سے وہ سیاسی صورت حالات کی تہ تک پہنچ جاتا تھا - اور اس جوش اور لگاؤ کی جس کے ساتھ وہ اپنی جنگی کارروائیاں

باب چہاردہم
فصل چہارم

کرتا اور تدبر اپنے ہتھکنڈے سے چلتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اندرونی انتظامات میں جو اصلاحیں اس نے کیں اور پیشکشیدہ یا مفتوحہ صوبہ جات میں جو نظام حکومت اس نے قائم کیا تھا وہ بھی حقیقی تعریف کے مستحق ہیں۔ لارڈ ولزلی سے بہتر کوئی شخص تعریف کے قابل نہیں ہوا ہے۔ اور ایسے موقع پر یہ ہمارا منصب نہیں ہے۔ نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔ کہ اتنے زمانے بعد ایک ایسے خادم ملک کی لغزشوں کو اعتراض کی نظر سے دیکھیں جس کی ہمت مردانہ سے قوم کو بڑے بڑے فائدے پہنچ چکے ہیں البتہ تاریخی اغراض کے اعتبار سے یہ لازمی ہے کہ ہم اس کی صرف توضیح کریں کہ وہ کیا خاص اجتماع گردوپیش کے حالات کا تھا کہ جس کی وجہ سے لارڈ ولزلی کی پرجوش حکمانہ تدبیر کی گنجائش نکل آئی تھی اور جس نے اسے اس قابل کر دیا تھا کہ جو اس کی مخالفت یا نکتہ چینی کرتے تھے ان کو وہ ایک شان حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا جیسا کہ اس کی انگلستان کی خط وکتابت سے ثابت ہوتا ہے۔

وہ انگلستان سے روانہ ہو کر ہندوستان اس تاریک زمانے میں پہنچا تھا جبکہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں نہایت خونریز اور خطرناک لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ جب بوناپارٹ کا طالع اقبال یورپ کے اوپر پورے زور سے چمک رہا تھا۔ جبکہ بوناپارٹ مصر کے اوپر حملہ کر رہا تھا اور ایشیائی فتوحات کے منصوبے باندھ رہا تھا اور جبکہ انگلستان میں ٹوری وزارت اُن طریقوں پر حکومت کر رہی تھی جن کو آجکل حد سے زیادہ تحکمانہ اور جابرانہ لیکر قابل ملامت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسے اجتماع آفات کے وقت نہ اس کا موقع تھا نہ کسی طبیعت کا ایسا میلان ہوسکتا تھا کہ لارڈ ولزلی کے اس عذر کی کچھ گہری نظر سے جانچ کی جائے کہ اس کو ہندوستان میں فرانسیسیوں کی سازشوں اور ہندوستانی ریئسوں کی بیگانگی اور عدم قابلیت اصلاح نے اس پر مجبور کیا کہ ان کو یا تو تخت سے اُتار دیا جائے اور یا ان سے ہتھیار لے لئے جائیں۔ اور انگلستان کی حکومت کا استحفاظ اس وقت ممکن ہے جبکہ اس کا اقتدار تمام ملک پر حاوی ہوجائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بارہ سال پہلے جن کارروائیوں پر وارن ہیسٹنگز

باب چہاردہم
فصل چہارم

کو مطعون کیا گیا تھا اور ملزم گردانا گیا تھا ان سے دس گنی زیادہ تحکم و تشدد کی کارروائیوں پر لارڈ ولزلی کی تعریف اور امداد کی جاتی تھی۔ اس زمانے میں انگریزی ایوان حکومت کا امتزاج کچھ اس قدر بالکل بدل گیا تھا کہ لارڈ ولزلی ہندوستان کی ہر مقاومت کو روندتا اور کچلتا چلا جا سکتا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے صلح جو ناظموں کو تنگ دل شہزادوں کا ایک جھگڑا سمجھ کر ان سے بے اعتنائی برت سکتا تھا۔

لارڈ ولزلی کی تحکمانہ لفاظی صرف اسی کی سرشت کا اظہار نہیں کرتی تھی بلکہ اس زمانے میں جو حالت طاری تھی اس کا عکس بھی اس میں نظر آتا تھا۔ انگریزی قوم کے مزاج میں ہندوستانی سیاسیات کے متعلق ایک عجیب تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ انقلاب فرانس سے پہلے اسی بد اخلاقی۔ غداری اور نا اہلی کے مرتکب انگریز افسر سمجھے جاتے تھے جن کا الزام اس زمانے میں ولزلی ہندوستانی رئیسوں پر لگاتا تھا۔ ۱۷۸۳ء کے بعد سے وارن ہیسٹنگز کے دوران مقدمہ تک برک اپنی تقریروں میں گورنر جنرل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف برابر اظہار ناپسندیدگی کرتا رہا اور دیسی رئیسوں کے متعلق یہ رائے ظاہر کرتا رہا کہ انگریزی فوج کے اعتماد کو دیدہ دلیری سے توڑ کر انگریزی حکام نے ان بیچاروں کا شکار کیا ہے۔ ۱۸۰۲ء کی جنگ مرہٹہ کے متعلق اس نے ایوان حکومت کو یقین دلایا تھا کہ یہ صرف اس عام برادری و مشارکت کا ایک پہلا جلوہ ہے جو انگریزوں کے خلاف اس لیے قائم کی جا رہی ہے کہ ان کے طرز معاملت کی طرف سے ہر ریاست میں ایک عام نفرت و مغائرت پیدا ہو گئی ہے۔ وزیر اودھ اس کی رائے میں ایک مظلوم رئیس تھا جس کے ملک کو گورنر جنرل کے استحصال بالجبر نے کوڑی کوڑی کو تنگ کر دیا تھا۔ مگر بیس سال کے اندر اندر بالکل قلب ماہیت ہو گئی یعنے اب گورنر جنرل کا یہ کام تھا کہ وہ مرہٹوں کی غداری اور تباہ کن غارتگری کو مطعون کرتا تھا اور اودھ اور حیدرآباد کی ریاستوں پر جنکو وہ بے حد کمزور سمجھتا تھا سخت اعتراض

باب چہاردہم
فصل چہارم

کرتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ۱۷۸۳ء میں انگریزی قوم ایک ایسی جنگ میں پچھاڑ کھا کر ہاتھ پاؤں جھاڑ رہی تھی جس میں اس کی نو آبادیاں امریکہ کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔ مخلوق کو ناکامیوں نے بددل کر دیا تھا۔ اور ان کا نشۂ نخوت اُتر گیا تھا۔ سچ ہے مصیبت سے زیادہ کوئی چیز انسان کے ضمیر کو مجلیٰ نہیں کرتی۔ انیسویں صدی کے شروع ہونے تک یورپ کی صورت معاملات بالکل بدل چکی تھی اور ایسے وقت میں جب کہ صرف ایک روز کے بحری سفر میں ایک انگریز ایسے مقام پر پہنچ جاتا تھا جہاں اس کو ذاتی تجربہ پر جوش حملوں اور فتوحات کا ہو جاتا۔ جہاں فوجیں عہدنامہ جات کو روندتی چلی جاتی تھیں۔ جہاں چھوٹی ریاستیں بے صرفہ لوٹ کھسوٹ اور حریصانہ غصب و دستبرد کی شکار ہو رہی تھیں۔ ایسے وقت میں یہ امید مشکل سے کی جا سکتی تھی کہ وہ مرہٹہ اور مسلمان سرداران کا وکیل برکت ہو جایا کرتا تھا انگلستان والوں کو اپنے معاملات سُنا کر ان پر ٹھنڈے دل سے گہری نظر ڈالنے پر راغب کر سکیں گے یا ایسٹ انڈیا کمپنی کا اپنے گورنر جنرل کے تشدد و تحکم کے خلاف احتجاج کرنا کوئی اثر ایک بالکل مسلح قوم کے ایوانِ حکومت پر ڈال سکے گا۔

لارڈ ولزلی کی معہودہ غایت یہ تھی کہ ہندوستان بھر میں زبردستی امن قائم کر دے اور انگریزی مقبوضات کی دائمی حفاظت و پائیداری کا انتظام اس طرح کر دے کہ ہر دیسی حکومت پر دولتِ برطانیہ کا شاہانہ اقتدار قائم کر دیا جائے اور ان سب کو دوستانہ معاہدات یا ماتحتانہ تعلقات کی زنجیروں سے حکومت عالیہ کے ساتھ باندھ دیا جائے اور آئندہ کے لیے پُر اثر طریقے پر انگریزوں کی حکمرانی یا نگرانی کی ہمسری یا ہم چشمی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ مختصر یہ کہ اس سے پہلے اب تک حکومت برطانیہ نے دیسی ریاستوں کے ساتھ اپنے معاملات میں ہمیشہ سیاسی مساوات سے کام لیا تھا خواہ وہ برائے نام ہی کیوں نہ ہو۔ مگر لارڈ ولزلی نے سیاسی اقتدار کے شاہی اصول کی تجدید و توسیع کی۔ اس کے تمام اقوال و افعال اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں ایک دوسرے رنگ کی سلطنت انہی پہلی بنیادوں پر تعمیر کرنی چاہتا تھا اور اس کا یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ بغیر اس

نئی طرز تعمیر کے جو انگریزوں کی موجودہ حیثیت کے مقتضائے وقت سے کے مطابق تھی اور کسی طرح انگریزی سلطنت کی پائداری و استحکام کی ضمانت نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ولزلی کی قطع و برید کی کارروائیوں نے ہی وہ یقینی اور لازمی نتائج پیدا کیئے جن سے اُن دیسی ریاستوں میں بھی زبردست متمدن حکومت کا طریقہ قائم ہوگیا۔ جو سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر بنکر کھڑی ہوگئی تھیں۔ کیونکہ تیزی یا آہستگی سے نرم ذرائع یا سخت ذرائع سے یہ ضرور ہوکر رہتا تھا کہ انگریزی سلطنت وسعت پذیر ہو اور اس عروج و اقتدار پالی چلی جانے والی یورپین حکومت کے خلاف مقامی ہیئتوں کی تمام سیاسی اور جنگی مقاومتیں ہر تصادم پر برابر کمزور ہوتی اور ٹوٹتی چلی جائیں ٭

باب پانزدہم

زمانۂ سکون

فصلِ اوّل

رجعتِ قہقری

لارڈ ولزلی کی جنگی فتوحات اور شاندار الحاقات کی روشِ حکومت نے ناظموں کی جماعت کو نہایت وحشت زدہ کر دیا تھا اور وہ برابر قرضے کے بڑھ جانے کے خلاف احتجاج کر رہے تھے اور توسیع مملکت کو شبہ و شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گورنر جنرل ان کی اس رائے کو بے انتہا حقارت کی نظر سے دیکھتا رہا اور اس نے لارڈ کاسل رے کو لکھا کہ جبتک ہندوستان میں ملکی امن کا تقاضا یہ ہے کہ میں یہاں رہوں اس وقت تک اس جماعت نگراں کارِ ہند کے قابل نفرت پھٹے سے کوئی ایسی ہولناک آواز توہین و تہتک کی نہیں نکل سکتی جو میری یہاں سے روانگی میں عجلت پیدا کر دے مگر مونسن کی منحوس ہزیمت کے بعد گورنر جنرل کو یہ محسوس ہونے لگا اب وزرا کے پاس بھی یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہو گئے ہیں کہ گورنر جنرل حد سے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اور بہت تیز قدم اٹھا رہا ہے۔ اور لارڈ کاسل رے نے

باب پانزدہم
فصل اول

اس کو برابر فہمائشیں کرنی شروع کیں اور بہ حیثیت مجموعی تمام قوم کو اس کی ہندوستانی جنگوں کی لمبی چوڑی اطلاعوں نے اور فتوحات اور غیر معمولی تسخیروں نے چونکا دیا تھا۔ لارڈ ولزلی نے اپنی فوج کشیوں اور الحاقوں پر قوم خطیر صرف کی تھیں اور ان اہم معاملات کی اطلاع اپنے باضابطہ افسران بالادست یعنی ناظموں کو اختتام معاملات سے کئی کئی ماہ بعد دیتا رہا تھا۔ ہلکر کے برخلاف اپریل ۱۸۰۵ء میں اعلانِ جنگ ہو چکا تھا مگر اس اعلان کی اطلاع انگلستان کو ایک ایسے جہاز پر بھیجی گئی جو اگست ۱۸۰۵ء میں کلکتے سے روانہ ہوا تھا۔ اس جہاز کو راستے میں فرانسیسیوں نے گرفتار کر لیا چنانچہ پہلی باضابطہ اطلاع جو ناظموں کو ملی وہ ولزلی کے اُن مراسلات کے ذریعے پہنچی جو فرانس کے اخبار مانیٹر نے پیرس میں شائع کیے تھے۔ آخر کار لارڈ کاسل رے صدر مجلس انتظامیۂ ہند نے لارڈ ولزلی کو لکھا کہ اب جماعت نظماء کسی کے بس کی نہیں رہی ہے۔ معاملات کو اس صورت میں چلنے نہیں دیا جا سکتا ہے اور مسٹر پٹ۔ لارڈ میلول اور خود صدر موصوف اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ اب گورنر جنرل کی واپسی ہی مناسب ہے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی اگست ۱۸۰۵ء میں انگلستان جانے کے لیے جہاز پر سوار ہو گیا اور اپنے جانشین کے لیے ایک ایسی مملکت چھوڑ گیا جو اپنی وسعت و قوت کے اعتبار سے اس سے بالکل مختلف تھی جو ولزلی کے پیشرو نے خود اس کے سپرد کی تھی۔ اس کے عہد حکومت کے آخری زمانے میں اس کی حرکات کچھ اعتدال پسندی کی طرف مائل معلوم ہوتی تھیں ۱۸۰۵ء میں لارڈ کارنوالس کو دوبارہ زمام حکومت سپرد ہو جانے سے حکومت کے اصول عمل میں ایسی تبدیلی واقع ہو گئی کہ تمام رفتار معاملات بالکل بدل گئی بلکہ اس کا رخ پلٹ گیا۔ اگرچہ لارڈ کارنوالس کا دوسرا عہد حکومت نہایت ہی مختصر ہوا پھر بھی اس کو اتنا وقت مل گیا کہ اس نے وہ صلح و امن کے اصول قائم کر دیے جن پر اس کے جانشینوں نے آکر عملدرآمد کیا ہے۔

جب لارڈ کارنوالس کلکتے پہنچا تو اس نے یہ دیکھا کہ خزانہ خالی تھا۔ قرضہ بہت بڑھ گیا تھا۔ اور اس میں برابر اضافہ ہو رہا تھا کمپنی کی تجارت برآمد

اس لیئے بندھی کہ جنگی کارروائیوں کے لیئے زرنقد کے مطالبات برابر ہوتے رہتے تھے۔ انگریزی اقتدار حکومت کا علی الاعلان ادّعا کر دیا گیا تھا اور اس کو خاص طریقوں اور قاعدوں پر زبردستی چلایا جا رہا تھا جس کا ظاہری اور بدیہی نتیجہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کو سیاسی معاملات میں اور زیادہ وسیع پیمانے پر حصہ لینا پڑے گا کارنوالس کے ذاتی خیالات اور وہ ہدایات جو وہ انگلستان سے ساتھ لیکر آیا تھا بالکل ہی دوسرے رخ پر چلنے کے متقاضی تھے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ معاہدات استیجار سے انگریز لوگ صرف پست ہمت اور نا قابل رئیسوں کی حمایت کرنے یا اُن کو سہارا دیکر کھڑا کرنے کی پیچیدہ ذمہ داریوں کی بھول بھلیاں میں پھنس گئے ہیں جس سے خود ان رئیسوں کی آزادی عمل کا سدباب ہو گیا ہے اور ایک زبردست آئین حکومت کو قدرتی اسباب سے کام لیکر زیادہ زبردست بننے کا جو موقع حاصل ہو سکتا ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی رائے میں انگریزوں کے مفاد کا مقتضا بھی یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی سرحد کے قریب والی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دھیرے دھیرے بڑی غارتگر ریاستوں میں مدغم ہو جانے سے بچائے رکھیں۔ بلکہ اسکے برخلاف اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ انگریزوں کی حمایت اپنے اصلی مقبوضات کی حد سے آگے نہ بڑھے۔ مگر یہ سیاسی قلعہ بندی کا اصول کبھی ہندوستان میں زیر عمل نہیں رہا ہے۔ انگریزوں کو ہمیشہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اپنے انتظامی خطِ سرحد سے آگے ایک قسم کا پشتہ سا تیار کر لیا کریں جو خاص سلطنت برطانیہ کے اور کسی دوسرے سرکش یا خوفناک ہمسایہ کے درمیان ذمی ریاستوں یا جرگوں کا ایک منطقہ بن کر حدّ فاصل کا کام دے۔

لارڈ کارنوالس نے بعجلت اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا کہ گورنمنٹ برطانیہ اُس ناگوار و خوفناک خیال کو محو کرنا چاہتی ہے کہ اس کا ہندوستان کی ہر ریاست پر اپنی حکومت یا نگرانی قائم کرنے کا کوئی ارادہ یا منصوبہ ہے۔ مگر قبل اس کے کہ سوائے اس اعلان کے

وہ کوئی عملی کارروائی اس اصول کے مطابق کرسکتا وہ اپنے ہندوستان آنے کے تین ہی ماہ بعد ۵ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو انتقال کرگیا۔ لیکن اس کے خیالات جو انگلستان میں لارڈ ولزلی کے قابل قدر اور راستادانہ کارگذاریوں کا بالکل ردعمل ظاہر کرتے تھے اس قدر غالب آگئے کہ آئندہ دس سال تک الگ تھلگ رہنے کی حکمت عملی کا تجربہ حکومت برطانیہ برابر ہندوستان میں کرتی رہی۔ سر جارج بارلو جو کارنوالس کی وفات کی وجہ سے کچھ عرصے کے لیئے گورنر جنرل ہوگیا تھا اس اصول پر عمل پیرا ہوا کہ تھوڑی سی مملکت اور مقامی اختیارات اور آمدنی کو بھی کسی خاص محدود حلقے کے حفظ امن کی خاطر قربان کیا جاسکتا ہے۔ اور اس نے دیسی ریاستوں سے ہر قسم کے وہ تعلقات بالکل قطع کرلیئے جن کی پابندی انگریزوں پر معاہدات کے ذریعے سے ظاہر طور پر عائد نہیں ہوتی تھی۔ اس ملک کی تاریخ کے دیکھنے سے یہ واضح ہوجائے گا کہ جب کوئی ایسا شخص اجلاس حکومت پر متمکن ہوا ہے جس کو ہندوستانی انگریز کہہ سکتے ہیں تو الحاقات نہایت ہی شاذونادر ہوئے ہیں اور توسیع کی کارروائیاں بہت سست پڑ گئی ہیں۔ مگر سر جارج بارلو نے تو ایک قدم اور بھی پیچھے ہٹا لیا۔ لارڈ ولزلی نے جس اتحاد استیجرا کو سندھیا کے ساتھ قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کو ترک کردیا گیا۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو مرہٹہ مقبوضات میں مخلوط یا اُن سے ملحق تھیں سب اپنی اپنی قسمت پر چھوڑ دی گئیں۔ انگریزوں نے تمام سرحدی تنازعات سے الگ تھلگ رہنے کا۔ ہندوستان کے عام معاملات سے کنارہ کشی کرنے کا اور اپنے ہمسایوں کے جھگڑوں اور شکایتوں سے بالکل قطع تعلق کرکے اپنی حیثیت کو سدھارنے اور اپنی جائداد کو سنبھالنے کا اعلان کردیا۔ فی الحقیقت اگر سر جارج بارلو پوری طور سے اس نقطۂ نظر کے مطابق عمل پیرا ہوجاتا جس کے متعلق افسران بالادست کی طرف سے اس پر زور ڈالا جارہا تھا تو وہ حکومت برطانیہ کو ان معاہدات استیجرا سے بے تعلق کرلیتا جن کی وجہ سے انگریزوں کو اعلیٰ اقتدار

باب پانزدہم
فصل اول

ان دو بڑی ریاستوں میں حاصل تھا جن میں سے ایک پر پونا میں پیشوا حکومت
کرتا تھا اور دوسری ریاست جو نواب نظام الملک کے زیر نگیں تھی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلتا
کہ لارڈ ولزلی کا تمام کیا دھرا خاک میں مل جاتا۔ اس تمام عروج سے قصداً
دست برداری اختیار کر دی جاتی جو انگریزوں نے بڑی مصیبتوں سے حاصل
کیا تھا۔ اور وسط ہندوستان کا میدان پھر مرہٹوں کے لیے خالی چھوڑ دیا جاتا
جو تھوڑا ہی اس تمام سرزمین پر عمل و دخل کر لیتے جہاں سے انگریز بے دخل ہو جاتے
لیکن جو لوگ ہندوستان کی صورت حالات پر نظر جمائے ہوئے تھے
ان کو یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ پھر اسی سیاسی ابتری کا
دور واپس آ جائے گا۔ پھر انگریزوں کا اعتماد ملک بھر سے جاتا رہے گا
اور پھر دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ خود گورنر جنرل کی نظر سے بھی
یہ حقیقت پوشیدہ نہ رہ سکی اور اس کو باوجود اپنے اصول کی صحت استدلال
کے ان معاہدات کے قیام پر زور دینا پڑا اور حیدرآباد میں انگریزی سیاسی اختیارات
کی ابقا کے لیے سخت جد و جہد کرنا پڑی۔ سنہ ۱۸۰۷ء میں لارڈ منٹو نے
عہدۂ گورنر جنرلی کا انصرام سر جارج بارلو سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

فصل دوم

بیرونی یورش کی افواہیں

اگرچہ فرانسیسیوں کے سمندر کے راستے سے ہندوستان تک

آ پہنچنے کا پوری طور سے سدباب کر دیا گیا تھا اور اگرچہ تمام دیسی ریاستیں جو ساحل کی طرف سے فرانسیسیوں کی سازشوں سے متاثر ہو سکتی تھیں انگریزی اتحاد کے تسلیم کرنے کی بھاری ذمہ داریوں سے جکڑ دی گئی تھیں پھر بھی اسی اثنا میں خطرات پر تنبیہ کرنے والی علامتیں طوفان خیز مطلع سیاست کے ایک دوسری سمت سے نمودار ہونی شروع ہو گئیں۔

شاہ ایران نے جس کو ۱۸۰۴ء سے ۱۸۰۵ء میں ایک جنگ میں روس کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچا تھا یورپ میں پنولین سے استمداد کی اور اسی طرح کی ایک استدعا کلکتے بھی بھیجی۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت عدم مداخلت و عدم مشارکت کے اصول پر عمل ہو رہا تھا اس لیئے یہاں سے کوئی ہمت افزائی نہیں کی گئی۔ البتہ فرانسیسیوں نے جو خود اس وقت روس کے ساتھ ایک خطرناک جنگ میں مصروف تھے ایران کی دعوت اتحاد کو بڑی مستعدی سے لبیک کہا اور مشترکہ دشمن کے خلاف ایک جارحانہ اتحاد کی شرطیں طے کرنے کے لیئے اپنی سفارت ایران بھیجی۔ پنولین ابھی روسیوں کے مقابلے میں ایلاؤ کی غیر منفصلہ لڑائی سے بڑے نقصان کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکا تھا اس لیئے اس نے بڑے شوق سے روس کو ایشیا میں تنگ کرنے کے اس موقع کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے ساتھ ہی اس کا ایشیائی فتوحات والا پرانا منصوبہ بھی پورا ہوتا ہوا نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی سفارت طہران کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ اس کی اصل غایت یہ ہونی چاہیئے کہ فرانس۔ ٹرکی اور ایران کا ایک اتحاد ثلاثہ ہندوستان تک ایک تری راستہ پیدا کر لینے کے لیئے قائم کیا جائے۔ ساتھ ہی اس کے سفارت کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ جہانتک ممکن ہو اس کا بھی پتا لگائے کہ خاص ہندوستان تک اگر فرانسیسی فوج پہنچ جائے تو وہاں کس قدر بلا واسطہ اتحاد عمل کی خصوصاً مرہٹوں سے امید کی جا سکتی تھی۔

اس کے بعد ۱۸۰۷ء میں فریڈلینڈ کی لڑائی ہوئی جس میں پنولین نے اپنی فتح سے یہ کام لیا کہ شہنشاہ روس کو دشمن سے دوست بنا لیا۔ ایران

سے کے ساتھ جو جاجانہ اتحاد کیا گیا تھا اسکو خموشی کے ساتھ روس اور ایران کے درمیان توسل صلح کے طور پر کام میں لایا گیا اور نپولین نے الیگزینڈر اول کی شرکت سے ہندوستانی برطانوی حکومت کے خلاف ایک نہایت زبردست جتھہ بندی کی ساخت پرداخت شروع کی روس کو اس وقت بھی ایشیائی حکومت ہونے کا ادعا تھا اور اس کی قوت عمل کا رخ اور رجحان سمت مشرق کو تھا۔ اس لیئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ فرانس جو اس وقت تمام مغربی یورپ پر چھایا ہوا تھا اس طاقت سے کے ساتھ مل جاتا جس سے کے سوائے کوئی دوسری طاقت اس کے منصوبوں کو ہندوستان میں آگے نہیں بڑھا سکتی تھی خشکی کی طرف سے یورش ہونے سے کے خطرے کو کس قدر اہم و وحشت خیز بنا سکتا تھا۔ یہ وہ خطرات ہیں جو جب سے اب تک وقتاً فوقتاً اعادہ کرتے ہی رہتے ہیں اور جس قدر ان سے کے قابل عمل ہونے میں آسانیاں پیدا ہوتی جاتی ہیں اسی قدر ان خطرات کا اثر زیادہ گہرا اور قابل تدارک ہوتا جاتا ہے۔ اس مزمن بے اطمینانی کا لازمی اثر یہ ہوا ہے کہ تمام انیسویں صدی کے دوران میں اور اب تک گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ ایک لمحہ کو بھی ہندوستان کے شمال مغربی گوشے سے نہیں ہٹ سکی ہے۔ اور برطانوی ہند کی تمام خارجہ حکمت عملی کے اس خاص نقطے پر اجتماع نے اس سمت میں انگریزی مقبوضات کی توسیع میں برابر مدد دی کیونکہ انگریزی سرحد کے اس خاص نقطۂ مداخلت کو محفوظ رکھنے کے خیال میں انگریز لوگ فطرتاً اس نقطے سے بھی آگے نکل گئے ہیں تاکہ وہ پیچھے رہکر زیادہ محفوظ ہو جائے۔ غرض یہ کہ فرانسیسی فوج کشی کا بھتنا جو سواحل ہند پر گشت لگاتا پھرتا تھا ابھی ٹرفل گار کی موجوں میں غرق کیا جا ہی چکا تھا کہ بحیرہ خزر اور دریا سے جیحون کی طرف سے بڑھنے والی یورپین افواج کا خوف انگریزی مدبرین کے دوربین دل و دماغ پر مستولی ہونے لگا تھا۔

جس دن سے کہ شہنشاہان فرانس و روس نے مقام ٹلسٹ پر پیمان وفا استوار باندھا اسی دن سے برابر نپولین کی طرف سے الگزینڈر اول پر اس مہتم بالشان تجویز پر عمل پیرا ہونے کا زور ڈالا جا رہا تھا کہ ایک

متحدہ مہم شرکی اور ایران میں سے ہو کر ہندوستان میں اس غرض سے بھیجی جائے کہ انگریزوں کی سلطنت کو الٹ دے اور ان کی تجارتی مرفہ الحالی کے وسائل کو ملیا میٹ کر دے۔ ۱۸۰۷ء میں براعظم یورپ میں فرانس کا اقتدار اپنے معراج کمال کو پہنچ گیا تھا۔ نپولین نے باری باری سے ہر فوج کو شکست دیدی تھی جو اس کے مقابلے میں سرمیدان آئی تھی۔ اور اس نے تمام سربرآوردہ یورپین سلطنتوں کو ایک ایسے اتحاد پر زبردستی رضامند کر لیا تھا جس کی غایت یہ تھی کہ تمام بندرگاہوں پر سے انگریزوں کی تجارت بالکلیہ اٹھا دی جائے۔ مگر جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ درپردہ حملہ کرنے کے طریقے انگلستان پر اثر کرنے میں بالکل حقیر ہیں اور یہ کہ بغیر براہ راست ضرب کاری لگائے یہ انتھک دشمن بیکار نہیں ہو سکتا تو نپولین نے تقاضائے فطرت کے مطابق اپنی نظر انگریزوں کے اس مشرقی مقبوضہ کی طرف پھیری جس کی ایک سرحد پر ابھی تک یورپ سے خشکی کا حملہ کئے جانے کا امکان تھا۔ اور اس کا جوش اس خیال سے اور بھڑک اٹھا کہ ایشیا کئی مرتبہ پہلے فاتحانہ فوج کشیوں کا جولانگاہ بن چکا ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نپولین نے بڑے غور کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ پورے یورپ اور ایشیا پر سے اپنی فوجوں کو عبور کرا کر اس جزیرے کی ایک مملکت پر حملہ کرے جو خود اس کے ملک سے بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی نپولین کو یہ زیادہ قابل عمل معلوم ہوا کہ ایک فوج ڈینوب یا قسطنطنیہ سے دہلی پر خشکی کے راستے سے بھیجی جائے اس کے کہ کیلے سے ڈوور پر بحری راستے سے اپنی فوجیں اتار دے تو ہمکو اعلیٰ درجے کا ثبوت اس دعوے کا مل جاتا ہے کہ ایک بڑا بحری قوت کس قدر ناقابل مقابلہ اور دشوار گزار ہوتی ہے۔ لیکن نپولین کی تجاویز پر روسیوں کی طرف سے کسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا گیا کیونکہ ان کو ایشیائی فوج کشی کی مشکلات کے سبق آموز تجربات ہو چکے تھے اور ان کو اپنے اس رفیق سفر پر پورا پورا بھروسہ بھی نہیں تھا جس کے ساتھ گھر سے نکلنے کی ان کو دعوت دی جا رہی تھی وہ کسی طرح اس بات پر تیار نہیں تھے کہ دور دراز ایشیائی اولوالعزمیوں پر عمل پیرا

باب پانزدہم
فصل دوم

ہوں یا اپنی نوجوں کو قلب ایشیا میں قید کرکرا کے رکھ دیں۔ اور یہ سب جوکھوں بھی اس زبردست اور حریص اقتدار پسند شخص کی خاطر گوارا کی جانے جس کی فوجیں اٹک ان کی مغربی سرحد پر منڈلا رہی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ شرط پیش کی کہ اس متفقہ سوداگری کے منافع کی پہلی قسط کے طور پر اور آئندہ کے لیے سمت مشرق میں پیش قدمی کرنے کے لیے ایک جنگی مستقر قائم کر لینے کی غرض سے پہلے تقسیم و تجربہ ٹرکی کر لینا چاہیے۔ مگر اس شرط کو پنولین نے منظور نہیں کیا اور اس کی نہایت معقول وجہ یہ بتائی کہ ایسا کرنا گویا اپنی ڈور انگلستان کے ہاتھ میں دید نیا ہے۔ کیونکہ اگر روسی قسطنطنیہ پر قبضہ کریں گے تو اس کے جواب میں انگریز فوراً مصر پر قبضہ کرلیں گے۔ بہرحال ایک رعب دار فرانسیسی سفارت ایران کو بھیج ہی دی گئی اور فرانسیسی کارکنوں کی مستعدیاں اور توڑ جوڑ کو خاص دار الحکومت ایران و دیگر ریاستہائے ایشیا میں دیکھکر برطانوی ہند کی حکومت کو بڑی بے چینی و تشویش پیدا ہوئی۔

فصل سوم

توسیع تعلقات خارجہ

اس وقت سے ہم کو برطانوی ہندی تعلقات سفارت کو بڑے وسیع حلقۂ عمل پر حاوی ہونے کی کوشش شروع کرتے سمجھنا چاہیے۔ انگریزی وزرا نے پنولین کی ایشیائی فوج کشی کا حال معلوم کرلیا اور اس کے خفیہ نامہ و پیام کی بھی ان کو اطلاع مل گئی۔ انھوں نے متحدہ فرانسیسی اور روسی مہم کی شمال مغربی سرحد ہندوستان کی طرف روانگی کے اہم خطرے

کو سنجیدگی کے ساتھ محسوس کیا اور اب یہ سوچنے کی ضرورت نہیں رہی کہ
لارڈ کارنوالس کی غیر جانب داری اور محض مدافعت کی حکمت عملی پر ان افواہوں
کے ہوتے ہوئے کسی طرح عمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ فرانسیسیوں کی
جنگی نمائشوں کا رد عمل کرنے اور بحیرۂ اسود اور بحیرۂ خزر کی طرف سے
آنے کی دھمکی دینے والی مہم کے مقابلے میں ایک مضبوط اور استوار
حد فاصل قائم کر دینے کی غرض سے لارڈ منٹو نے خاص شمال مغربی سرحد
کے اور سرحد پار کے تمام حکمرانوں کے مثلاً رنجیت سنگھ کے پاس لاہور
میں، امیر افغانستان کے پاس کابل میں، سندھ میں اور ایران میں سفارتیں
بھیجیں اور خود ایران تو بیچارہ فرانسیسی اور روسی اتحاد کی ہیبت سے لرزہ براندام
ہو رہا تھا۔ اب جبکہ نپولین الگزینڈر کا دوست اور اتحادی ہو گیا تھا تو شاہ ایران
اچھی طرح جانتا تھا کہ اس فرانسیسی توسل سے کیا بہتری کی امید رکھنی چاہیئے
چنانچہ اس نے حمایت کے لیئے انگلستان کی طرف رخ کیا۔ طہران میں
ایک معاہدہ طے پایا جس میں اول بہت کچھ الجھنیں اور غلط فہمیاں پیش آئیں
کیونکہ کلکتے کی سفارت کے ساتھ ایک دوسری سفارت لندن سے آگئی تھی۔ بالآخر انگلستان نے
اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد کر لی کہ اگر ایران پر بلا اشتعال کوئی حملہ کیا گیا
تو انگلستان اپنے روپے سے ایران کی مدد کرے گا۔ لاہور سے
سفارت واپس آگئی کیونکہ کچھ نامہ و پیام کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ رنجیت سنگھ
بطور شرائط اتحاد کے جنوب ستلج میں اپنی خود مختار بادشاہی کے تسلیم کرنے کا
دعوی پیش کرتا ہے۔ پشاور میں افغانستان کے انگریزی سفیر مونٹ سٹارٹ الفنسٹن
کے تمام ملک افغانستان میں خانہ جنگی کی وجہ سے ابتری پھیلی ہوئی تھی۔
افغانی بادشاہ شاہ شجاع بڑی مشکل سے اپنی سلطنت کے سرحدی علاقوں پر قابض
تھا اور دُرّانی حکومت مغرب کی طرف سے ایران کے حملے اور مشرق کی طرف
سے سکھوں کے حملے سے ٹوٹ کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوتی جا رہی تھی
الفنسٹن امیر سفارت کے نامہ و پیام کا سلسلہ شاہ شجاع کی شکست کی وجہ
سے قطع ہو گیا جو کہ جان بچا کر اپنی مملکت سے نکل بھاگا تھا۔ تین سال بعد

باب پانزدہم
فصل سوم

اسی شاہ شجاع کو انگریزوں نے اُس منحوس مہم کے ذریعے سے تخت پر پھر بٹھایا جس میں انگریزوں کو پوری ایک فوج کا اور شاہ شجاع کو اپنی جان کا نقصان اُٹھانا پڑا ۔

بہر حال افغانستان پنجاب اور سندھ کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے اور حد فاصل قائم کرنے کے معاہدات کی تمام تجاویز یا تو ملتوی کر دی گئیں یا بالکل مسترد کر دی گئیں کیونکہ رفتار واقعات نے پھر مغرب کا رخ اختیار کر لیا تھا ۔ اسپین کی بغاوت اور روس پر حملہ کرنے کی تیاریوں نے نپولین کے واسطے بہت جلد اس قدر مصروفیت کے سامان پیدا کر دیئے کہ اس نے اپنی ایشیائی طالع آزمائی کے منصوبے ترک کر دیئے ۔ اس عظیم الشان اتحاد میں جو فرانس کے خلاف قائم کیا گیا تھا ۔ روس بھی انگلستان کا شریک ہو گیا ۔ اس نے ایران اور ٹرکی سے بھی صلح کر لی اور ایشیا کو طے کر کے آنے والی حملہ آور فوجوں کا خطرہ اس وقت کے لیئے انگریزوں کے دل سے جاتا رہا اور جب یہ طویل جنگ ختم ہوئی تو نپولین کی کامل ہزیمت نے انگریزوں کے قبضے میں ہندوستان کی غیر متنازعہ حکومت چھوڑ دی ۔ بحری راستوں کی حفاظت پر انگلستان کا ناقابل مقابلہ بیڑہ تھا ۔ فرانسیسی سلطنت کا بالکل گرد برد ہو جانا ۔ یورپ کی تمام دول عظمیٰ کا بالکل تھک جانا ۔ تمام وسط ایشیا میں ایک علانیہ سقوط و جمود کا طاری ہو جانا ان تمام اسباب نے ملکر انگریزوں کو چودہ سال[۱] ایسے نصیب کر دیئے جس میں انگریزوں کو اُس نقل و حرکت سے یا فوجی نمائشوں سے نجات ملی رہی جو خشکی پر حملہ ہونے کے خطرے کے وقت لازمی تھیں ۔

ہندوستان سے جتنے وفود بھیجے گئے تھے ان سب کا دور از کار نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۰۹ء میں رنجیت سنگھ کے ساتھ حد بست کا معاملہ

---

[۱] یعنے ۱۸۱۴ء سے ۱۸۲۶ء تک ۔ ۱۸۲۸ء میں اُس نے ایران پر حملہ کیا اور ۱۸۳۲ء میں دو تک جانب مشرق پیش قدمی کرتا چلا آیا جس سے انگریزوں کی تشویش پھر تازہ ہو گئی ۔ ۱۲ ۔ مصنف ۔

معقولیت سے تصفیہ پا گیا اور اس نے دہائیں آگر جنوب ستلج کی بعض سکھ ریاستوں پر شاہی حقوق کے دعوے سے دست برداری کر لی۔ اس وقت کے بعد سے رنجیت سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ اپنے جنوب مشرقی سرحد پر دوستانہ تعلقات قائم رکھکر اور شمال مغربی سرحد پر افغانستان کے ساتھ ایک قسم کی خانہ جنگی برپا رکھکر ایسے ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جس سے اس کی مملکت سینکڑ پار تک وسعت پا گئی۔ اس نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ اور سکھ حکومت کو ایسا مستحکم کر لیا کہ وہ تقریباً چالیس سال تک انگریزوں کے خود مختار اتحادی کے طور پر قائم رہی ؟

ساتھ ہی اس کے اس قبل از وقت سفارتی ہلچل کے آخری نتائج بھی کسی طرح غیر اہم یا غیر مستقل نہیں ثابت ہوئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فرانسیسی رقابت نے کس طرح انگریزوں کی فتوحات کو مستعجل کر دیا تھا اور کس طرح اس کے بعد کے زمانے میں دیسی رؤسا کے فرانس کے ساتھ نامہ و پیام نے یا ہندوستانی فوج میں فرانسیسی افسروں کی موجودگی نے انگریزوں کی بدظنی کو قوی کر دیا تھا۔ یہ بھی ہم تفصیل کر چکے ہیں کہ اس کی وجہ سے لارڈ ولزلی کے ساتھ کیسی اچھی کل اپنی اس حکمت عملی کو چلانے کی آ گئی تھی کہ اندرون ہندوستان میں انگریزوں کے حاکمانہ اقتدار کے راستے میں جتنی مسلمان یا مرہٹہ ریاستیں حائل ہونے والی تھیں ان کو یا مطیع یا حمایتی معاہدات کا پابند کر لیا جائے ؟

اسی طرح نپولین کے منصوبے کی خبر نے انگریزوں کی توجہ کو پہلے پہل ساحلی علاقے سے منتقل کر کے خشکی کی سرحد کی طرف مبذول کیا اور گورنمنٹ برطانیہ کو پہلی مرتبہ ایشیائی رزم آرائی و سفارتی تعلقات کے وسیع سمندر میں شناوری کرنے پر آمادہ کیا جس میں کہ حکومت مذکور اب تک وقتاً فوقتاً مصروف رہتی ہے ؟

اب تک انگریزی سیاست کا میدان عمل ہندوستان کے حدود میں محبوس تھا اور صرف ان ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ انگریزوں کے

باب پانزدہم
فصل سوم

تعلقات پر موقوف تھا جن پر انگلستان نے آسانی سے حقوق مالکانہ حاصل کر لیئے تھے کیونکہ اس کے اقتدار کے عروج کے لیئے قدرتی اور ناگزیر اسباب پیدا ہو گئے تھے۔ اب پہلی مرتبہ انگریزی سفارتی تعلقات کے اس سلسلے میں داخل ہوئے جس کی رو سے مغربی ایشیا کے تمام ممالک کابل سے قسطنطنیہ تک یورپ اور ہندوستانی مقبوضات کے درمیان حدود فاصل شمار کیئے جاتے ہیں۔ ان غیر ملکی اور بعید ممالک کی خودمختاری اور تحفظ انگریزوں کی ہندوستانی سرحد کی حفاظت اور ایشیا کے توازن قوت کے لیئے ناگزیر ہیں۔ اس زمانے سے پہلے دول یورپ کے تصادم و تقابل کے جھٹکے اور رگڑے صرف اندرون ہندوستان کی ریاستوں کے ساتھ انگریزوں کے طرز عمل پر اپنا اثر ظاہر کرتے تھے۔ اور جو ہندوستانی رئیس یورپ میں انگریزوں کے دشمنوں سے نامہ و پیام کرنے کا ارادہ کرتا تھا اسے انگریز لوگ بالکل فنا یا غیر مسلح کر دیتے تھے۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز سے انگلستان کو کسی ہندوستانی ہم چشم سے ڈرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ہے اور اس نے اول درجے کی ایشیائی سلطنت ہونے کا رتبہ حاصل کر لیا ہے۔ انگریزوں کے ہندوستانی مفاد کا بار گراں انگریزوں کے نہ صرف ان تعلقات کی میزان میں تولا جاتا رہا ہے جو ایشیا کے ساتھ قائم ہیں بلکہ یورپ کی ہر ایک اس دولت کے تعلقات کی میزان میں بھی تولا جاتا رہا ہے جس کا مطمح نظر یا میلان طبع کسی حد تک بھی انگریزوں کی مشرقی حیثیت پر اثر ڈالتا ہو۔ چنانچہ اقلیم ایشیا کی ہر قابل لحاظ ریاست کے سیاسی تغیر و تبدل کے ساتھ انگریزوں کا قریبی اور حقیقی رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ یہ ہمن بے اطمینانی یعنے شمال مغربی حملے کا خدشہ جو اس وقت پیدا ہوا تھا کئی بڑی بڑی جنگی کارروائیوں اور قبل از وقت سفارتی منصوبوں کا سبب بن گیا۔ اسی کی وجہ سے دو مہمیں افغانستان بھیجی گئیں ایک جنگ ایران کے ساتھ ہوئی۔ اور وہ اصول عمل اختیار کیا گیا ہے جس سے انگریزوں کی ذمی ریاستیں ہندوستان کی قدرتی حدود سے بہت آگے تک بڑھ گئی ہیں ٭

غرض یہ کہ انگریزوں کے مسلمہ حاکمانہ اقتدار کا قیام انیسویں صدی کے آغاز

سے شمار کرنا چاہیئے اور اسی وقت سے اس بدگمانی کا آغاز بھی سمجھنا چاہیئے کہ کوئی یورپین ہم چشم خشکی کی طرف سے حملہ کرسکتا ہے جس کی وجہ سے اول اول نامہ وپیام کی پھر معاہدات کی اور آخر کار انگلستان کے اور اُن ریاستہائے غیر کے درمیان جنگ کی نوبت آگئی جو مملکت ہند سے متصل ہیں یا تھوڑے سے ہی فاصلے پر واقع ہیں۔ ۱ ؎

فصل چہارم

اندرونی استحکام

جب تک کہ یورپ کی آویزشیں برپا رہیں برطانوی حکومت ہندی تمام مغربی ایشیا پر برابر ہوشیاری کی نظر رکھے رہی اور ہر ایسی حرکت پر اپنی حفاظت کے لیئے تیار ہو جاتی رہی جس سے انگریزوں کی ہندوستانی حیثیت پر کوئی اثر پڑنے یا خطرہ پیش آجانے کا احتمال یا امکان ہوتا۔ اسی اثناء میں انگریزوں کی بحری فوقیت نے انھیں اس قابل کردیا کہ اُنھوں نے اپنے تمام دشمنوں کو چن چن کر مشرقی سمندروں سے نکال باہر کیا اور ان تمام مقامات پر قبضہ کرلیا جہاں سے کسی ساحلی علاقہ یا تجارتی منڈی کو کسی قسم کے خطرے کے سامنے بے پناہ ہونا پڑتا تھا۔ یورپ اور ایشیا کی سیاسیات میں جو باہمی رابطہ اور دائمی تاثر تھا جس نے انگریزوں کی ایشیائی سلطنت کی توسیع پر اب تک اس درجہ اثر ڈالا تھا اس کا مزید ثبوت اس زمانے کے واقعات سے ملتا ہے۔ ۱۸۰۸ء تک نپولین کی فوقیت روس کے باہر

باب پانزدہم
فصل چہارم

تمام یورپ کے اقطاع میں مسلّم ہو گئی لیکن ۱۸۰۵ء میں جنگ ٹرافلگار نے انگریزوں
کو سمندر کی غیر متنازعہ حکومت سپرد کر دی تھی خشکی و تری کی قوتوں کی اس بین
تفریق نے جس کی اس قدر وسیع پیمانے پہ تاریخ میں کہیں نظیر نہیں ملتی انگریزوں کی حیثیت
کو مشرق میں معظم و مقتدر بنا دینے میں بڑا کام دیا۔ کیوں کہ جوں ہی یورپ کی کسی
ریاست کا سلطنت فرانس کے ساتھ الحاق کر لیا جاتا یا اس کا فرانس کے ساتھ
اتحاد بالجبر عمل میں آجاتا فوراً ہی اس ریاست کے ماوراء البحری مقبوضات پر برطانیہ عظمیٰ
قبضہ کر لیتی۔ راس امید جو ہندوستان کے راستے میں آدھی دور پر ایک نہایت
اہم بحری مستقر ہے ۱۸۰۶ء میں تسخیر کر لیا گیا۔ ۱۸۱۰ء میں لارڈ منٹو کی مہم نے
تمام ہالینڈ کی نو آبادیات جاوا اور ملاکا سے فرانسیسیوں کو مار کر نکال دیا اسیر کردہ بمبئی
نے فرانس کے مقبوضہ جزائر ماریشیس و بوربون پر قبضہ کر لیا اور تمام ڈچ اور فرنچ نو آبادیات
جو سواحل ہند پر واقع تھیں آسانی سے انگریزوں کے ہاتھ میں آگئیں۔ اس طرح
نپولین کی تمام اقلیم یورپ کو انگلستان کے ساتھ قطع کرا دینے کی کامیابی
کا شاندار نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے اس کے کہ نپولین انگریزی سلطنت ایشیا کو تباہ کرتا
اور گرا دیتا وہ گویا اس کی تعمیر و استحکام میں کام کرتا رہا۔ علاوہ برآں جب شہنشاہ فرانس
نے ۱۸۰۶ء میں برلن سے وہ احکام جاری کرائے جن کی رو سے انگریزی
مال تجارت کی یورپ کے تمام بندرگاہوں پر جانے سے ممانعت ہو گئی
تو اس کے جواب میں انگلستان نے احکام کونسل جاری کر دیئے جن کی رو سے
غیر جانبدار ریاستوں کو بھی ان بندرگاہوں پر تجارت کرنے کی ممانعت ہو گئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان
کے ہاتھ تمام بحری تجارت کا خاص کر ایشیا کی بے بہا تجارت کا اجارہ آگیا کیونکہ تمام بحری راستے۔
بندرگاہیں۔ مقامات پناہ و ذخائر اور جہازوں کے ٹھیرنے کے مقامات انگریزوں کے قبضۂ اقتدار میں تھے۔
۱۸۱۵ء میں جب اس عظیم جنگ یورپ کا خاتمہ ہو گیا اور طول و طویل
صلح کا آغاز ہوا تو انگریزوں کو جنوبی ہند کے نہایت قیمتی مفتوحات یعنی راس امید
سیلون اور ماریشس پر غیر متنازعہ قبضہ حاصل ہو گیا تھا۔ سواحل ہند پر جتنی غیر ملکی
نو آبادیات تھیں سب سے ہتھیار لے لیے گئے تھے اور جو ریاستیں
ہندوستان میں تھیں ان میں سے ایک کا بھی یہ حوصلہ نہیں رہا تھا کہ انگریزی قوت

دوسائل سے برابری کا دم بھرے ۔ چھ خاص خاص ریاستیں معاہدات دستیجہ اس کے ذریعے سے انگریزی اتحاد کی پابند تھیں ۔ مغرب اور وسط ہند میں بڑودہ ۔ پونا اور حیدرآباد ۔ جنوب ہند میں میسور اور ٹراونکور اور شمال مغرب میں اودھ مع متعدد چھوٹی ریاستوں کے یہ سب کے سب انگریزی اقتدار و حمایت کے تلے آگئی تھیں ۔ انگریزی سرحد سے پرے رنجیت سنگھ کی روزافزوں ترقی کرنے والی بادشاہت پنجاب میں اور نیپال کی گورکھا ریاست ہمالیہ کی جنوبی ڈھلاؤ پر واقع تھیں ۔ صرف وسط ہند میں تین ریاستیں رہ گئی تھیں جو سب طرف سے انگریزی حدود سے گھری ہوئی تھیں اور جو اب تک ممالکت برطانیہ کے حلقے میں باضابطہ نہیں آئی تھیں ۔ ان پر وہ تین خاندان حکومت کرتے تھے جو جنگی اور غارتگر مرہٹہ برادری کی روایات کے یادگار تھے ۔ سندھیا گوالیار میں ہلکر اندور میں اور بھونسلا ناگپور میں ۔ ان میں بڑودہ کے خاندان گیکواڑ کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کی حیثیت کچھ مختلف تھی ۔ اس جنگ عظیم کے اختتام کے وقت سے جبکہ دیسی ریاستوں کے مقاومت اقتدار کا انگریزوں کے حق میں ناطق فیصلہ ہوگیا ۔ انگریز لوگ وہ زمانہ شمار کرسکتے ہیں جبکہ ان کی مملکت میں آئینی حکومت رائج کی گئی ۔ ہمسایہ ممالک کے ساتھ ایک باضابطہ اصولِ عمل قائم کیا گیا اور خود انگریزوں نے اپنے شاہی فرائض اور پابندیوں کو سمجھا اور تسلیم کیا ۔ حیدرآباد اور اودھ کی مسلمان ریاستیں اپنی ہستی کے لیئے انگریزوں کی حمایت کی رہین منت تھیں ۔ اگر انگریزوں کا قدم بیچ میں نہ ہوتا تو حکومتیں قائم کرنے کے طوفان بے تمیزی میں ان کے زبردست اور خونخوار ہمسائے انھیں کبھی کے چٹ کرگئے ہوتے ۔ مگر یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان ریاستوں نے اکثر موقعوں پر انگریزی حمایت کی بڑی بڑی قیمتیں دی ہیں ۔ ان ریاستوں کے ساتھ ابتدائی معاملتوں میں انگریزوں نے اس طوفان خیز اور ناپائیدار زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہوکر نا ملائم بھرپور طریقوں سے بے شک کام لیا ہے اور ضرورت

کے وقت ان ریاستوں کی آمدنیوں اور علاقوں میں سے انگریزوں کے جنگی خزانے کا منہ بھرنے کے لیئے گرانبہا نذرانے دینے پڑتے ہیں۔ مگراب ایسا وقت آگیا تھا کہ حکومت برطانیہ کو ان فوری ضروریات سے کشاکش سیاسات کی خاطر مجبور ہونے کا خطرہ نہیں رہا تھا بلکہ اس کو اپنے ذاتی مقبوضات سے کثیر و محفوظ آمدنی ملتی تھی۔ وہ اپنے معاملات کو معینہ معاہدات کے ذریعے سے نہایت مہذب طریقے پر طے کرسکتی تھی اور دیسی ریاستوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو حاکم و محکوم کے معقول اور مقبول طریقے پر ترتیب دے سکتی تھی۔

اب انگریزوں کو اس کی فرصت بھی نصیب ہوگئی تھی کہ اپنے گھر کی انتظامی حالت پر بھی گہری نظر ڈالیں اور ان تمام صوبہ جات کو ترتیب کے ساتھ مربوط کریں جن پر زمانۂ حال میں قبضہ ہوا تھا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آغاز میں معقول اور باضابطہ صورت کے ساتھ اراضی کے لگان کی تشخیص کی گئی۔ ابتدائی پولیس قائم کی گئی۔ مختلف اضلاع میں قزاقی اور رہزنی کی جو عام وارداتیں ہوتی تھیں ان کا سدباب کرنے کی پہلی دفعہ ڈھنگ سے کوشش کی گئی۔ قانونی عدالتیں قائم کی گئیں اور اُن کی نگرانی کا انتظام کیا گیا۔ المختصر آئینی حکومت کے زبردست طریقے کی جڑ اس امن وسکون کے زمانے میں لگادی گئیں جو اس زمانے سے ابتک تمام ہندوستان پر چھایا ہوا ہے۔ انیسویں صدی کے پہلے پانچ سال مسلسل جنگ بازی میں گزرے جسکے ساتھ ہی حدود میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی رہیں خطوط سرحد ادھر سے اُدھر ہوگئے اور ریاستیں کی ریاستیں کدھر سے کدھر ہوگئیں لیکن اس زمانے کے بعد سے جو ملک برطانیہ کے حیطۂ اختیار میں آگیا اس کو بیرونی حملوں سے یا سرحدی سرکشیوں سے برابر امن نصیب رہا اور سوائے ۱۸۵۷ء کے ناگوار واقعات کے اندرونی بے اطمینانی کے آثار بھی ہرجگہ سے معدوم ہوگئے اور انگریزوں کو یہ سوال کرنے کا حق حاصل ہوگیا کہ یورپ یا ایشیا کی کوئی دوسری سلطنت بھی اس تھوڑے سے عرصے کے اندر اس قسم کے مکمل سیاسی امن وسکون سے بہرہ یاب ہوئی ہے؟ -

باب شانزدہم

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت

فصل اوّل

وسط ہند کی حالت

ہم ابھی ان واقعات اور خیالات کی ایک حد تک تشریح کرنے کی کوشش کر چکے ہیں جن کی وجہ سے لارڈ ولزلی کی واپسی کے بعد گورنمنٹ برطانیہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنی انتظامی سرحد کے باہر قدم نہ نکالے۔ آئندہ کے لیے سیاسیات کے معاملوں کو نہایت محدود ذمہ داریوں کے ساتھ قبول کرے۔ اور اپنے اصلی حلقۂ تعلقات سے باہر جو کچھ ہوتا رہے اس کو ایسے بے غرض تماشائی کی نظر سے دیکھتی رہے جس کو اپنے ہمسایوں کی آویزشوں یا مصیبتوں سے کوئی سروکار نہ ہو۔ یہ ایسی حکمت عملی ہے جس پر زمانۂ قدیم سے اکثر ان یورپین سلطنتوں نے عمل کرنے کی کوشش کی ہے جو سب طرف سے غیر متمدن ریاستوں یا قوموں سے گھری رہی ہیں مگر کبھی اس میں کامیابی نہیں ہوسکی ہے۔ بادی النظر میں یہ حکمت عملی نہایت سادگی اور دور اندیشی پر مبنی۔ اور عین شخصی اغراض اور ملکی اخلاق کے مقتضا کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ سوائے اس کے

باب سوم
فصل اول

اور کسی کام کی نہیں ہو سکتی ہے کہ ایک متمدن قوم کے اس ناگزیر میلان طبع کو کچھ عرصے کے لیئے ان چھوٹے چھوٹے ٹھکانوں اور کم عمر شخصی حکومتوں کو بالکل فنا یا محکوم کرنے سے روک دے یا باز رکھے جو صرف اس لیئے پیدا ہو جاتی ہیں اور قائم رہتی ہیں کہ ان سے بہتر اور پائدار تر حکومتیں نہیں موجود ہوتیں جن کی در اصل زمانے کو ضرورت ہوتی ہے سیر کا وسط صرف عارضی ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی بازگشت اصل کی طرف ہی ہوتی ہے اور بالکل وہ حالت ہو جاتی ہے جیسے ایک لمبی ذقن بھر کر کوئی ایک دم رک جائے اور پھر دو چار قدم اس لیئے پیچھے اٹھائے کہ اس سے بھی زیادہ لمبی ذقن بھرنے کے لیئے بدن کو تولے۔ چنانچہ اس استادانہ طریق عمل پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس کا اصلی منشا اپنی قوت اور اپنے کام کا اندازہ لگانا ہوتا ہے مگر دیکھنے والے یہ انگریزوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ پیڑ کے تلے اس امید میں دامن پھیلائے بیٹھے ہیں کہ ہمارے حصے کا پھل پک کر خود ٹپک پڑے۔ دوسری طرف یہ بات دیکھنے کی ہے کہ عموماً توسیع مملکت کا الزام اُن عمال کے سر تھوپا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں خاص سرحد کے یا سرحد کے قریبی صوبہ جات کے معاملات کے انصرام کے شاہی اختیارات دیئے جاتے ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو فی الحقیقت اصل تقاضا اس توسیع کا خاص دار الحکومت ہی سے آتا ہے کیونکہ وہاں سرمائے کی توفیر۔ قومی اغراض کی ضروریات جو یورپ کی جنگی یا سفارتی پیچیدگیوں سے پیدا ہو جاتی ہیں اصل حکومت کو اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ سیاسی اور جنگی کارروائیوں کو ایسے راستے پر چلایا جائے جس میں بہت ہی کم رکاوٹیں ہوں۔ یہ پیش قدمی عارضی طور پر ملک کی بعض طبعی خصوصیات مثلاً پہاڑوں یا ریگستانوں کی وجہ سے رکی رہ سکتی ہے لیکن معناً یہ صرف اسی وقت بالکل رک جاتی ہے جبکہ برابر کی جوڑ کا کوئی ہم چشم میدان میں آجاتا ہے یا خود اپنی مرکزی حکومت کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست کے فن تعمیر میں مستحکم عمارت صرف اس مصالحے پر مبنی ہو سکتی ہے جو دستیاب ہو سکے

اگر جس کو اس ترکیب سے جمایا اور لگایا جائے کہ ارضی و سماوی آفات کا مقابلہ کر سکے۔ جس طرح کمزور بنیاد پر کسی دریا کا بند باندھنا ناممکن ہے بالکل اسی طرح کسی کمزور خط مدافعت پر سرحد کا قائم کرنا محال ہے۔ جس طرح وہ بند صرف ایک چڑھاؤ میں صاف بہ جاتا ہے اسی طرح انتہائے پیش بندی بھی اس خط سرحد یا سرحدی انتظام کو عرصے تک قائم نہیں رکھ سکتی جو سیاسی یا ملکی پائیداری کے قدرتی خطوط پر قائم نہیں کیا گیا ہو۔

چنانچہ جس وقت انگریزوں نے اس حالت سے کنارہ کشی اختیار کی جس کو لارڈ کارنوالس نے تحلیف وہ تعلقات اور من گھڑت کفالتوں کی ایک بھول بھلیاں قرار دیا تھا اس وقت بھی ان کو بعض بڑی بڑی ریاستوں کو اپنے حلقۂ اثر میں رکھے رہنے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اگرچہ انھوں نے تمام وسط ہند کو مع راجپوتانہ کے اپنا انتظام آپ کرنے کے لیئے چھوڑ دیا تھا۔ انگریزوں نے اپنی مملکت کے گرد اگرد فوجی ناکہ بندیوں کا ایک مستحکم احاطہ کھینچ لیا تھا اور اس تاروں کے احاطے کے باہر کا وہ وسیع قطعۂ ملک جس میں مرہٹہ خاندان اور قدیم راجپوت خاندان رہتے سہتے سندھیا۔ ہلکر اور دوسرے غارتگر سرداروں کی دست برد کے لیئے بے پناہ چھوڑ دیا تھا۔ مرہٹوں کی ریاستوں کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی خاندانی حکومتیں اور چھوٹے چھوٹے سے ٹھکانے تھے جو حکومت کے مختلف مدارج کے ساتھ قائم تھے۔ مرہٹہ سرحد سے پرے مغربی ریگستان کی طرف راجپوتوں کی ریاستیں تھیں جو اس قدر کمزور اور غیر متحد تھیں کہ زبردست غارتگر فوجوں کی دراز دستیوں اور استحصالوں کو کسی طرح روک نہیں سکتی تھیں یہ سب کی سب قبائلی ریاستیں جو ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی یادگاریں تھیں افغانوں اور مغلوں کی سلطنت کی ٹکریں جھیل چکی تھیں اور اٹھارھویں صدی کے طوفان خیز طوائف الملوکی میں بھی اپنی ہستی قائم رکھ سکی تھیں۔ لیکن ان کے اندرونی جھگڑوں نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور راجپوت خاندانوں کی حفاظتی فوج اب بالکل اس قابل نہیں رہی تھی

باب ۱۶ فصل اول

کہ مرہٹوں کی تو امداد ان فوج یا امیر خاں کے افغانی سرفروشوں کے مقابلے کی تاب لاسکے - ان میں سے بعض ریاستوں نے حکومت برطانیہ کو بہ اصرار مجبور کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو اپنی حمایت میں لے لے اور وہ اس حمایت پر اپنا حق اس استدلال سے جتاتی تھیں کہ ہندوستان میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی طاقت ایسی موجود رہی ہے جس کی ماتحتی صلح جو ریاستوں نے اختیار کی ہے اور اس کے معاوضے میں ان کو بے باک لٹیروں کی فوجوں اور نو زائیدہ مدعیوں سے پناہ دی جاتی رہی ہے۔ آج حکومتِ برطانیہ کو بھی اس قسم کی حمایت کرنے والی طاقت کا رتبہ نصیب ہے اس لیئے وہی ان کمزور ریاستوں کی قدرتی حمایتی اور پشت پناہ ہے جن کو قزاقوں اور غارتگروں کے آئے دن کے ظلم و ستم کا صرف اس لیئے شکار رہونا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ نے اپنا ہاتھ ان کے سر پر سے اٹھا لیا ہے[۵]

لارڈ منٹو ہندوستان کو خاص اسی ارادے سے آیا تھا کہ مدافعانہ اصولِ عمل پر قائم رہے گا مگر ۱۸۱۳ء میں اپنے عہدے کا انصرام اپنے جانشین لارڈ موئرا یا مارکوئیس آف ہیسٹنگز کو سپرد کرنے سے بہت پہلے اس نے اپنے خیالات میں بہت ہی زیادہ تبدیلی پیدا کر لی تھی — اس کو مجبوراً ہلکر کی ریاست کو بچانے کے لیئے ایک قزاقوں کے سردار کے مقابلے میں فوجی مداخلت کرنی پڑی تھی اور امیر خاں پنڈاری پر جو اس وقت ناگپور پر چھاپا مارنے کے منصوبے باندھ رہا تھا رعب جمانے کے لیئے میدان میں فوج بھیجنی پڑی تھی۔

۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۳ء تک پنڈاروں کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر گئی۔ ان سربرآوردہ گروہوں کی اصلیت یہ ہے کہ سلطنت مغلیہ کے بعد کی طوائف الملوکی کے زمانے میں ہندوستانی

---

۵ سر چارلس مٹکاف رزیڈنٹ راجپوتانہ کا خط۔ مورخہ جون ۱۸۱۶ء

فوج کے ساتھ بے تعلق نیاز مندوں کا ایک ایسا گروہ رہتا تھا جس کو کوئی
تنخواہ تو نہیں ملتی تھی مگر جو مقدمۃ الجیش کا۔ جاسوسی کا رسد رسانی کا اور فتح و شکست
کے وقت لوٹ کھسوٹ کا کام کیا کرتا تھا۔ ان کو مالِ غنیمت سے اپنا گذارہ
کرنے کی آزادی تھی اور ان پر سپہ سالار کے احکام کی تعمیل واجب و لازم
تھی۔ جب دیسی ریاستوں کی باقاعدہ فوجیں ٹوٹ گئیں اور حکومتوں میں سے
زور و زر جاتا رہا تو یہ گروہ تمام فوجی اور ملکی پابندیوں سے اپنے تئیں آزاد
کر کے اپنے سردار کے جھنڈے تلے الگ الگ آزاد ٹولیوں میں
قتل و غارت کے لیے جمع ہو گئے۔ اس وقت تک انھوں نے مملکت ہائے نظام
اور پیشوا یعنی اتحادیانِ برطانیہ پر حملہ کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر کے
ان سے اپنے قدم رنجہ فرمانے کے نذرانے بھی وصول کر لیے تھے
اور اب وہ آتش زنی و تیغ آزمائی کی دھمکیاں خود انگریزوں کے صوبۂ بہار کو بھی
دے رہے تھے۔ اول اول تو انگریزوں نے عدم مداخلت کے اصول پر
اس مفروضے کے مطابق عمل کیا کہ یہ تمام متضاد و متخالف عناصر خود ہی
دھیرے دھیرے امتزاج پا کر مستحکم و منتظم حکومتوں میں مستحیل ہو جائیں گے
لیکن بہت ہی جلد یہ ظاہر ہو گیا کہ جس طرح کسی عالمگیر وبا کو ایک آبادی
کے کسی خاص رقبے میں محدود کرنے کی کوشش کرنا ایک احمقانہ حرکت
ہے اس سے بہت زیادہ یہ ناعاقبت اندیشی ہے کہ سیاسی بدنظمی کو
قلب ہندوستان میں جڑ پکڑنے اور پھلنے پھولنے دیا جائے۔
سب سے پہلی خرابی یہ تھی کہ مرہٹہ سرداروں کے تیور پر بل پڑے ہوئے
تھے اور وہ اس حکومت کی طرف سے نہایت بدگمانی اور بے اطمینانی
کے خیالات اپنے دل میں رکھتے تھے جس نے زمانۂ حال میں ان کے
اقتدار کو سرنگوں کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی فوجی طاقت کی اصلاح و توفیر کے
موقعے کی تلاش میں تھے۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ مرہٹے ایک محدود
رقبے میں قید سے کر دیئے گئے تھے اور ان کے گرد و پیش کے
اقطاع میں نظم و ترتیب کا دور دورہ تھا۔ اور یہ صورتِ حال ان واقعات

باب نمبر ۱۴
فصل اول

کی منافی تھی جو ان کے وجود کے قیام اور ان کی قوت کی ترقی کے لیئے ضروری تھے۔ کیونکہ مرہٹہ سردار صرف اسی صورت میں بڑی بڑی فوجیں قائم رکھ سکتے تھے جبکہ ان فوجوں کی مصروفیت کے لیئے برابر قتل و غارت کی تاختیں ہوتی رہیں اور ان کی کفالت کے لیئے بھاری بھاری نذرانے وصول ہوتے رہیں۔

تیسری خرابی یہ تھی کہ ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر بے قاعدہ لڑائیاں موقوف ہوکر مستقل حفاظت و حمایت کے قائم کیئے جانے سے اُن باقی کے حصوں کی مصیبتوں اور بدنظمیوں میں اضافہ ہو جانا لازمی تھا جن کو امن قائم کرنے والی صاحب اقتدار حکومت نے اپنے حیطۂ اختیار سے باہر چھوڑ دیا تھا اور جن کے معاملات میں مداخلت کرنے کے تمام حقوق سے باضابطہ دست برداری داخل کردی تھی۔ خود حکومت برطانیہ نے بھی اور اُس کے دیسی اتحادیوں نے بھی کثرت سے فوجیں توڑ دی تھیں۔ اور چونکہ یہ کثیرالانفار گروہ جس کا گزارہ شمشیر زنی او رنیزہ بازی پر تھا اب اقلیم آئین کو اپنی پرحوصلہ ہنرمندی کی جولانگاہ نہیں بنا سکتا تھا اس لیئے وہ نظم و ترتیب کے ممالک میں سے نکل کر سیدھے بدنظمی اور بے ترتیبی کے قطعات میں بالکل اسی طرح گھس گئے جیسے اونچے کھیتوں کا پانی کہ جب اوپر ٹھیرنے کی جگہ نہ ملی تو نشیب کی دلدلوں میں بہکر چلا گیا۔

یہ ناممکن تھا کہ ان خانہ بدوش لٹیروں اور آوارہ گرد غارتگروں کے امن شکن گروہ کو سیاسی بے چینی کے باوجود ایسے ملک میں رواداری کے ساتھ رہنے دیا جائے جس نے ابھی امن و سکون کی حالت اور صنعت و حرفت کی زندگی میں قدم رکھا ہو۔ مگر فوری غور و فکر کی بنا پر جس نئے اصول عمل پر کام کیا جا رہا تھا اس کا لازمی نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ حکومت برطانیہ کسی طرح ہاتھ پاؤں باندھکر بیٹھی یا تماشا دیکھنے کے لیئے کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس طرح کہ اس کے ایک طرف امن و سکون کی حکومتیں

اور دوسری طرف بدامنی اور ریل چل پڑی ہو۔ آدھے ہم جنس ایک رنگ کے نظم سیاست سے بہرہ مند ہو رہے ہوں اور آدھے دوسرے رنگ کی بدنظمی اور مطلق العنانی کا شکار ہو رہے ہوں۔ کیونکہ اگرچہ ہندوستان کے باشندے قوموں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے منتشر ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی وہ سب بعض اخلاقی و مادی خصوصیات کی وجہ سے بقیہ ایشیا کے مقابلے میں اسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ان کا ملک پہاڑوں اور سمندروں کی طبعی خصوصیات کی وجہ سے ہے۔ اس بڑے ملک کے اجزائے ترکیبی طبعی اور سیاسی اعتبار سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایران، چین یا ایشیائی ٹرکی کی طرح اس ملک میں بھی حکمرانی کے دو متضاد طریقوں کی گنجائش نہیں ہے۔ عدم مداخلت کا اصول اس وقت بے شک ناقابل عمل نہیں تھا جبکہ مملکت برطانیہ ابھی عالم طفولیت میں تھی اور دیسی ریاستوں کے درمیان زبردست اور مساوی وسائل کی وجہ سے توازن قوت قائم تھا اور ان کی فوجیں بہتر حالت میں تھیں۔ اس وقت ممکن تھا کہ اہل فونیشیا کی طرح یا بحیرۂ روم سے آنے والے اہل وینس کی طرح انگریز بھی اپنی اولوالعزمیوں کو بحر ہند اور بحیرۂ عرب کے ساحلی علاقے پر ایک زبردست تجارتی و بحری قوت قائم کر لینے تک محدود رکھتے لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے نصف آخری میں انگریز لوگ اندرون ملک میں گھس پڑے۔ مقامی جنگوں میں شریک ہونے لگے اور ممالک پر قبضے کرنے لگے تاکہ اپنی حفاظت کر سکیں اور فرانسیسیوں کے قدم اکھیڑ دیں۔ اس کے بعد ابھی فرانسیسی رقابت کے خطرات سے ٹلنے نہیں پائے تھے کہ انگریزوں کی مرہٹہ سرداروں سے اور سلطان میسور سے مڈبھیڑ ہو گئی جن کی انگریزوں کے روز افزوں ترقی کرنے والے اقتدار پر حسد کی آگ کو فرانسیسیوں نے دم دیکر اور بھڑکا دیا تھا۔ اور جن کی باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوجیں انگریزوں کی خیثیت کو بگاڑ دینے کی دھمکی [illegible] تھیں۔ اس خطرے کا مقابلہ [illegible] کے لیے لارڈ ولزلی نے

باب شانزدہم
فصل اول

ان حمایتی فوجوں کا بڑے پیمانے پر ڈھنگ ڈالا جن کی غرض یہ تھی کہ جو ریاستیں انگریزی تاثیر حکومت کے ذیل میں آجائیں گی ان کی حفاظت و حمایت کی ذمہ دار حکومت برطانیہ ہو گی اور جو الگ تھلگ رہنا چاہیں گی ان کو معینہ رقبوں کے اندر محدود کر دیا جائے گا۔ آخر کار حکومت میسور اور مرہٹہ براوری میں سے جب ایک کو بالکل تباہ اور دوسری کو بالکل نہتا کر دیا گیا تو انگریزی اقتدار کا سایہ تمام ہندوستان پر اس طرح چھا گیا کہ اب اس معراج کمال پر سے اُترنا بعد از وقت اور اس عالمگیر تحکم کے بیچ راستے پر یکایک ٹھہر کر منہ دیکھنے لگنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ برطانیہ اس وقت فاتح کا دوست بن چکا تھا۔ برطانیہ نے اقلیمی شاہنشاہی کا لباس زیب تن کر لیا تھا اس لیے برطانیہ ہی پر تمام ہندوستان کے نظم و نسق اور استحفاظ و استحکام کا بار پڑ سکتا تھا۔ اگر برطانیہ لادعوی ہونے کا ارادہ کرتا تھا تو اس سرانجام کی ذمہ داری لینے کو کوئی اور قدم نہیں بڑھاتا تھا اور جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں اس عدم مداخلت میں اپنی تباہی و بربادی کے سامان دیکھ رہی تھیں وہ ایسی حکومت کے طرز عمل پر احتجاج کرنے کا حق رکھتی تھیں جس کو تخت شاہی پر جلوہ فرما ہونے کا دماغ تھا مگر جس کے پاس شاہی ذمہ داریاں قبول کرنے کا دل نہیں تھا۔ یہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ لارڈ ولزلی نے جو عظیم الشان سیاسی عمارت قائم کر دی تھی اس کا سنگ محراب انگریزی اقتدار تھا اور تاوقتیکہ اس سنگ محراب کو خط اتصال پر اچھی طرح نہیں جما یا جاتا تمام عمارت بالکل ناپائیدار اور غیر محفوظ رہتی تھی۔ برطانیہ نے شاہراہ سلطنت پر اس حد تک قدم زنی کر لی تھی کہ اب ٹھہر جانے کا امکان نہیں رہا تھا۔ اسی زمانے میں مونسٹوارٹ الفنسٹن نے اپنی رائے حسب ذیل معقولیت کے ساتھ ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

"ہم نے عرصے سے وہ اصول عمل ترک کر دیا ہے
جو شاید دوسری ہندوستانی ریاستوں کے رشک رقابت
کا علاج ہو سکتا تھا اور ہم اس راستے کے بیچوں بیچ ہیں اگر

ٹھہر گئے جو اصل سلامت روی اور منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ تھا یعنے تمام ہندوستان پر اپنا حاکمانہ اقتدار قائم کر دینے کا راستہ۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم نے ایک فاتح قوم کی قوتِ عمل سے بے بہرہ ہو کر فاتحین کے تعصب کی نفرت مول لے لی ہے۔ اور ایک وسیع سلطنت کے تمام وسائل اور جنگی فوائد سے اپنے تئیں محروم کر کے سلطنت کی تمام ذمہ داریاں خرید کر لی ہیں۔ موجودہ پرخطر حالت میں زندگی بسر کرنے اور اس کو بدلنے کی کوشش نہ کرنے کی موجہ صورت یہی ہو سکتی ہے کہ امن و امان بدستور قائم رہے۔ مگر ہم اس امن و امان سے اس قدر دور جا پڑے ہیں۔ کہ ہمارے صوبے اور ہمارے اتحادیوں کے علاقے زمانہ جنگ میں بھی زیادہ حملہ آور قتل و غارت کے جولانگاہ بنے ہوئے ہیں"۔

غرض یہ کہ اس اثناء میں تمام وسطی ممالک کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارھویں صدی میں ہندوستان میں ایسے سرفروشوں کا ہجوم تھا جن کا پیشہ جنگ بازی تھا اور آبادی کا ایک نہایت کثیر حصہ صرف بے باکانہ لوٹ مار پر گزراوقات کرتا تھا اور یہ دولت انگیز پیشہ کئی کئی پشت سے ہندوستان میں سرسبز ہوتا چلا آ رہا تھا۔ لارڈ ولزلی کے عہد حکومت کی فتوحات والحاقات انگریزی حدود اور برطانوی حمایت کے حلقۂ اثر کی کشادگی۔ کثرت سے فوجیں ٹوٹ جانے کا باعث ہو گئی تھیں۔ ایک قابل اعتبار مبصر نے اندازہ لگایا تھا کہ بالکل بلا مبالغہ تخمینے کے مطابق بھی اس وسیع قیام امن کی وجہ سے پانچ لاکھ پیشہ ور سپاہی بے لگام چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے اکثر اشخاص جو زیادہ تر غارتگری کا پیشہ رکھنے والے تھے شخصی اولوالعزمیوں کا میدان تنگ ہو جانے کی وجہ سے اپنے پیشے کو

باب شانزدہم فصل اول

بالکل نابود ہوتے دیکھکر وسط ہند میں آکر جمع ہو گئے تھے جہاں بجائے کم ہونے اور بس پڑنے کے وہ خلاف امید بڑھنے لگے اور ڈر ہے کے قابل ہونے لگے تھے۔ بعض دیسی رئیسوں نے چپکے ہی چپکے ان کی پیٹھ ٹھپکارنی شروع کی۔ اور بعض کو خود ان لٹیروں نے دبا لیا۔ اور اس طرح کوئی ایسی زبردست قوت نہیں تھی جو ان کی روک تھام کر سکتی۔ اگر یہ غارتگر ٹولیاں تمام ہندوستان میں پھیل جاتیں تو اس کو ایک عارضی اور اتفاقی مصیبت سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ معینہ حدود کے اندر گھری ہوئی تھیں اسلیئے ان کا وجود ایک مہلک وبا سے کم نہیں تھا جس نے تمام اندرونی اقطاع ہند کو مخصوص مقامی قتل و غارت سے تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ایک طرف تو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا بڑے اہتمام کے ساتھ خون چوس چوس کر دم لیا جا رہا تھا اور دوسری طرف بڑے بڑے برداشت سردار اپنی فوجوں سے قواعد لے رہے تھے۔ اپنے خزانوں کو پھر بھر رہے تھے اور اپنے میدان عمل کو وسیع کرتے چلے جا رہے تھے اور ان کو بہت کچھ امیدیں اپنے اس ہولناک جنگی اقتدار کے پھر حاصل کر لینے کی بندھتی چلی تھیں جو وہ گذشتہ جنگ میں کھو بیٹھے تھے۔

عہد حمایت نے صرف یہی نہیں کیا تھا کہ بے لگام نزاشناؤں کو آزاد کر کے وبائے غارتگری کو وسط ہند پر طاری کر دیا ہو بلکہ ایک اور سقم بھی اس کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ چونکہ حمایت میں آ جانے والی دیسی ریاستوں کی فوجی قوت بالکل برطانیہ کے ہاتھ میں آ گئی تھی اسلیئے ان رئیسوں کے اندرونی انتظامات کمزور ہو گئے تھے کیونکہ ان میں سے عمدگی اور اعتدال کے ساتھ حکومت کرنے کی ذمہ داری کا احساس جاتا رہا تھا اور انھیں اندرونی بغاوت یا بیرونی حملے کے وقت برطانوی حمایت کا گھمنڈ ہو گیا تھا۔ حقیقتاً ایک اعلیٰ طاقت کے بل بوتے پر کھڑے ہونے کی وجہ سے دیسی رئیس کا اپنا کس بل وشست پڑ گیا تھا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جب کہیں مفر نہیں رہے گا تو وہ برطانیہ کو اپنی حمایت

باب شانزدہم
فصل اول

کے لیئے اپنی جان بچانے کی خاطر پکار رہے گا۔ معاہدات استیجار کے ان تمام اقدام کے مقابلے میں یہ بھی ضرور لحاظ کرنے کے قابل ہے کہ بغیر برطانیہ کی حمایت کے اکثر اتحادی ریاستیں اُس زمانے کی شورش و خونریزی میں اپنی جگہ کی جگہ تکا بوٹی کردی جاتیں۔ اس لیئے ان معاہدات کا اثر ان ریاستوں پر یہ ہوا کہ اُن کے استیصال کے قدرتی اسباب کا سدِ باب تو کردیا گیا مگر اُن کے فرمانرواؤں کے اندرونی اختیارات کو بھی کوئی قوت نہیں حاصل ہو سکی۔ بہرحال برطانیہ نے عدم مداخلت اختیار کرکے بیرونی مدافعت کے فرائض کو منتقل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بدنظمیوں کا بوجھ برطانیہ کے اتحادیوں کے کندھوں پر ضرورت سے زیادہ پڑ گیا اور اُن کو سہارا دینے میں وہ بوجھ لوٹ کر پھر برطانیہ کے ہی کندھوں پر آگیا۔ آئندہ کا حال کون جانتا تھا کہ برطانیہ کا اصولِ عمل کوئی پیش قدمی کرے گا یا رجعت قہقری۔ بصورتِ موجودہ برطانیہ نے اپنے تدریجی طور پر ہر نزاع کے آخری ثالث و حکم کے منصبِ عالی کی طرف چڑھتے پایا اور یہی منصب ہندوستان کی عدالت امن وامان کے صدر الصدور کا منصب تھا۔

جو واقعات ہم بیان کرچکے ہیں اُنھی کے ذیل میں وسط ہند کے غارتگر گروہ بھی قرونِ وسطیٰ کے یورپین آزاد سپاہیوں (Free Companies) کی طرح بڑھتے اور پھیلتے رہے یہانتک کہ ۱۸۱۱ء میں ان کا ایک سربرآوردہ جبردآزما مسمی امیر خان اپنے تیس ہزار کے جرار لشکر اور زبردست توپ خانے کے ساتھ راجپوتانہ کے خوان یغما پر بسر کرنے لگا۔ اُس زمانے میں کس قدر بے امنی و بدنظمی کا دور دورہ تھا اس کا اندازہ اس امر واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس قماش کی ایک باقاعدہ فوج تمام وسط ہند میں نقل و حرکت کرتی رہتی تھی اور نہ کسی مشخص حکومت کو تسلیم کرتی تھی نہ کسی معین حد بست کی پرواہ کرتی تھی۔ نہ کسی ملکی یا سیاسی ذمہ داری کے آگے سر جھکاتی تھی اور کوئی اس کا مزاحم کار نہیں ہوتا تھا۔

ہاسٹنز ہوم
فصل اول

بہرحال امیر خاں کی فوجیں کسی نہ کسی قاعدے کے تحت میں کام کرتی تھیں۔ اُن سے ایسے طریقے پر کام لیا جاتا تھا جو باضابطہ جنگ سے ملتا جلتا تھا۔ اور اُن کے سپہ سالار کی غایت یہ تھی کہ اپنے لیئے کوئی مملکت قائم کر لے۔ البتہ اصل پنڈاروں کی جو ٹولیاں تھیں اُن کی غرض سب سے صرف لوٹ مار تھی۔ اُن کی حیثیت گھوڑچڑھے راہزنوں سے زیادہ وقیع نہیں تھی۔ اُن کا سب سے سربرآوردہ سردار چیتو اپنی رکاب میں دس ہزار سوار سے کم نہیں رکھتا تھا۔ اُن کے گزارے کی صرف یہی صورت تھی کہ متمول و زرخیز علاقوں میں تاخت و تاراج جاری رکھیں۔ اور جو اقطاعِ ملک کہ برطانیہ کے قبضے یا حمایت میں تھے اُن کے لیئے بھی اُن کا وجود باعثِ خوف و خطر ہونے لگا تھا۔ اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ناگپور، پونا اور گوالیار کے خود مختار مرہٹہ سرداروں کے ساتھ ان پنڈاروں کے کچھ خفیہ سمجھوتے ہو چکے تھے اس لیئے ان سرداروں کو خاص طور سے کچھ اس کی تشویش نہیں تھی کہ اُن مسلح گروہوں کی سرکوبی میں شریک ہوں جو مرہٹہ ممالک سے دامن بچا جاتے تھے اور نواب نظام الملک کی اور انگریزوں کی سرزمین پر خوب ہاتھ صاف کرتے تھے۔ بلکہ مرہٹہ سرداروں کو یہ اطمینان سا تھا کہ آئندہ اگر کبھی اُنھیں برطانوی اقتدار کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا تو یہ پنڈارے بڑے کام کی چیز ثابت ہوں گے؛

Cartoons
Discipline Indian
army creation
Study

فصل دوم

جنگِ نیپال

نیپال کے ساتھ ۱۸۱۴ء میں جو جنگ ہوئی اُس سے مرہٹوں کو پھر یہ امید بندھ گئی کہ انگریزوں کی اس وقت کی مشکلات سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ گورکھا قوم ہندوؤں اور پہاڑی قوم کی مخلوط نسل ہے۔ ان کے ایک سردار نے ۱۷۶۸ء میں ہمالیہ کے جنوبی ڈھلان کے اُس تمام مرتفع علاقے کو تسخیر کر لیا تھا جو بنگال کے رخ پر ہے۔ اُس کے جانشینوں نے اپنی فتوحات کو شمال مغرب میں اور آگے بڑھا کر اودھ، روہیلکھنڈ اور گنگا جمنا کے دو آبے کے برابر برابر پنجاب کی حدود تک پہنچا دیا تھا۔ اس دشوار گذار کوہستانی علاقے کی طرف سلاطین مغلیہ نے کبھی عنانِ فتوحات منعطف کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی تھی اور اس پر اُس زمانے میں چھوٹے چھوٹے متعدد ہندو راجہ حکمراں تھے جو عموماً نشیبی میدانوں پر تاخت و تاراج کر کے اپنے خزانے بھرتے رہتے تھے۔ گورکھا سردار نے بنگال کے واقعات سے سبق حاصل کر کے ایک باقاعدہ فوج تیار کی جس کی مدد سے اُس نے آسانی کے ساتھ تمام چھوٹے چھوٹے راجاؤں کا فیصلہ کر کے اپنا خاندانِ حکومت قائم کر دیا۔ اس خاندان میں برابر جانشینی کے جھگڑے ہوتے رہے۔ آخر ۱۸۰۵ء میں اُس کے پوتے کو ایک سازش کر کے قتل کر دیا گیا اور عنانِ حکمرانی بجائے کسی ایک شخص کے ایک پوری فوجی جماعت کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سردار گورکھا قوم کی ایک اعلیٰ نسل سے تھے اور ان کا فوجی اقتدار

باب ششم بیست و سوم فصل دوم

اتنا زیادہ تھا کہ وہ اصلی جانشین کو بالکل اپنے قبضے میں کر کے اُس کے نام سے خود حکومت کرنے لگے۔ گورکھے فوجی معاملات میں انگریزوں کی نقل فطرتاً بہت اچھی اُتار سکتے ہیں اس لیئے اُنھوں نے اپنی فوجوں کو بالکل یورپ کے طریقوں پر تعلیم و تربیت کیا اور اُنھی آلات حرب سے آراستہ کیا اور اپنی فتوحات کو بڑی تیزی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستوں پر پھیلا دیا اور اُن کا قضیہ طے کر کے دامنِ ہمالیہ کے نشیبی قطعات پر انگریزی سرحد سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ یہ زمانہ قدیم سے ہوتا چلا آیا تھا کہ پہاڑی علاقوں کے چھوٹے چھوٹے راجہ اور نشیبی علاقے کے بنگالی زمینداروں کے درمیان سرحدی تنازعات کسی نہ کسی پیمانے پر ہوتے ہی رہتے تھے کیونکہ ان کو ہستانی سرداروں نے بنگال کے میدانی اضلاع کے بعض حصوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اب اُن تمام چھوٹے راجاؤں کی جگہ گورکھا حکومت قائم ہوگئی تھی اور بنگال کو تمام و کمال انگریزوں نے اپنے حیطۂ اختیار میں داخل کر لیا تھا اس لیئے وہ قدیم سرحدی جھگڑے بہت ہی جلد ان دونوں میں کشیدگیٔ تعلقات کی نوبت لے آئے سرحد کے نیپالی سرداروں نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ انگریزی رعایا کی اراضی پر دخل کر لیا۔ خاص بنگال کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور واپسی سے انکار کیا۔ آخر کار ۱۸۱۴ء میں جب گورکھوں نے دو چھوٹے چھوٹے ضلعوں پر قبضہ کر لیا تو لارڈ ہیسٹنگز نے اُن پر تخلیے کا تقاضا کیا اور جب اُنھوں نے لیت و لعل میں ٹالنا چاہا تو گورنر جنرل نے ایک فوجی دستے کے ذریعے سے اُن اضلاع پر قبضہ حاصل کرنے کی کارروائی کی اور گورکھا سردار اُس دستے کے سامنے خوشی خوشی کے ساتھ پسپا ہو گئے۔ لیکن جوں ہی انگریزی فوج واپس بلا لی گئی کہ گورکھوں نے انگریزی پولیس کی چوکی پر اچانک حملہ کر دیا اور تقریباً بیس جوانوں کو قتل کر ڈالا۔ اُن کی حکومت نے مجلس شوریٰ قائم کر کے اس اطمینان پر جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا کہ انگریزی فوجیں کسی طرح اُن پہاڑی علاقوں میں نہیں گھس سکیں گی۔

اس وقت سے اندرونِ کوہستان کے اُس سلسلۂ مہمات کی پہلی مہم شروع ہوئی جس میں انگریزی حکومت کو اس وقت کے بعد سے وقتاً فوقتاً مصروفِ کار رہنا پڑا ہے۔ جس خط سرحد پر کہ جنگ ہونے والی تھی وہ چھ سو میل تک پھیلتا چلا گیا تھا اور اُس میں جتنے درّے ایسے تھے جن میں سے ہوکر اندرون کوہستان میں داخلہ ممکن تھا اُن سب پر دشمن کا قبضہ تھا۔ انگریزوں نے تین مختلف نقاط پر حملہ کیا اور اگرچہ ایک پہاڑی قلعے پر حملہ کرنے میں جنرل گلیسپی کو سخت نقصان کے ساتھ پسپائی پر مجبور ہونا پڑا جس میں جنرل موصوف کی جان بھی جاتی رہی پھر بھی باوجود گورکھوں کی بہادری اور دلیری کے انگریزی فوجیں کوہستان میں قدم جمانے میں کامیاب ہو گئیں اور گورکھوں کو اُن کے تمام مغربی سرے کے مقامات سے نکال باہر کر دیا گیا۔ نیپال گورنمنٹ کو مجبوراً ایک ایسے صلحنامے پر دستخط کرنے پڑے جس کی رو سے ہمالیہ کے دامن کا ایک طویل قطعۂ ملک اُس نے انگریزوں کے حوالے کر دیا اور اُس کے ساتھ ہی بہت سا حصّہ اُس جنگلی علاقے کا بھی پیش کیا جو نیپال کی موجودہ مغربی سرحد سے شروع ہوکر شمال مغرب میں دریائے ستلج تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ چنانچہ اس طور پر وہ تمام کوہستانی علاقہ جو آجکل ممالک متحدہ اور روہیلکھنڈ کے محاذات میں مرتفع ہوتا چلا گیا ہے مع اُس تمام قیمتی منطقہ کے جو ہمالیہ کے جنوبی دامن میں ایک جنگل کی صورت میں نشیب کی طرف ہندوستان تک پھیلتا چلا گیا ہے انگریزوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس الحاق سے برطانوی ہندی سرحد اُن بلند ترین پہاڑوں میں سے نکلنے والے دریاؤں کے درمیانی حدّ فاصل تک پہنچکر اور آگے بڑھ گئی جو ہندوستان کو تبت یا خطا سے جدا کرتے ہیں اور انگریزی سلطنت کا ڈانڈا چینی سلطنت سے مل گیا اور حکومت چین اُسی وقت سے انگریزوں کی نقل و حرکت کو برابر خاص توجہ و تشویش کی نظروں سے دیکھتی چلی آ رہی ہے۔ گورکھا حاکمان نیپال اُسی وقت سے ایک ایسے مدوّر علاقے میں محبوس ہو گئے ہیں جو انگریزوں کے زرخیز ترین

باب شانزدہم
فصل دوم

علاقے پر چھایا ہوا ہے۔ اگرچہ اُن کی مملکت میں اُس وقت سے برابر اندرونی انقلابات ہوتے رہے ہیں مگر اُنھوں نے اپنی فوجوں کو برابر یورپ کے قواعد حرب کے مطابق تربیت کرنا اور بہترین آلات حرب سے آراستہ کرنا ترک نہیں کیا ہے۔ بہرحال اختتام جنگ یعنے ۱۸۱۶ء کے بعد سے اُنھوں نے انگریزوں سے کبھی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی ہے اور انگریزوں نے بھی کبھی اُن کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روا نہیں رکھی ہے۔ نیپال کی یہ چھوٹی سی سلطنت ایک چھوٹی سی آہنی میخ کی طرح ہے جو سلطنت ہند و سلطنت چین کے درمیان قدرت کی طرف سے ٹھونک دی گئی ہے اور ان دونوں میں سے کوئی سی سلطنت بھی اس قدرتی حدِّ فاصل کو توڑنا نہیں چاہتی ہے۔

فصل سوم

پیشوا اور جنگ پنڈاری ۱۸۱۶-۱۸ء

اس اثنا میں وسط ہند کے غارتگر گروہوں کی تعداد اور حوصلے بڑھتے جا رہے تھے۔ پنڈاروں کے ساتھ مرہٹہ سردار ظاہرا بے تعلقی برتتے تھے مگر خفیہ طور سے اُن کی پیٹھ تھپکارتے تھے۔ اب پنڈاروں نے احاطۂ مدراس کے بعض اضلاع میں بھی تاخت کی تھی اور بہت سا مالِ غنیمت لے گئے تھے ادھر سرحدِ بنگال کو بھی لوٹ لیا تھا۔ امیر خاں پنڈاروں کے پٹھان سردار نے جے پور کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہاں کے راجہ نے انگریزوں سے استمداد کی تھی۔

باشاہ زادہ پیشوا
فصل سوم

بہت سے نامہ و پیام کے بعد لارڈ ہیسٹنگز کو اس میں کامیابی ہوگئی کہ اس نے نہ صرف بھوپال کو انگریزی حمایت میں لے لیا بلکہ بھونسلا خاندان کے راجہ ناگپور کے ساتھ ایک معاہدہ اتحاد بھی طے کر لیا جس کے ذریعے سے مرہٹہ برادری کا ایک بڑا رکن ٹوٹ گیا۔ لیکن راجہ ایسا معاہدہ کر کے پچھتانے لگا جس سے اسکی کامل خود مختاری پر اثر پڑتا تھا اور اس کے دربار میں جو جماعت انگریزوں کی مخالف تھی اُس کے زیر اثر راجہ موصوف نے پیشوا کے ساتھ خفیہ نامہ و پیام شروع کر دیا کیونکہ خود پیشوا نے بھی جب اپنی باجگزار اور ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ معاملات کرنے میں ہر موقع پر اپنے تئیں انگریزی مداخلت و توسط کا محتاج پایا تھا تو وہ بھی نہایت مضطرب و بیزار ہو کر بے صبری کے ساتھ کچھ نہ کچھ کر گزرنا ہی چاہتا تھا۔ جنگ نیپال کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ بہت طول پکڑے گی اور انگریزوں کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور مرہٹوں کا یہ حوصلہ ہوتا چلا تھا کہ ایک دفعہ پھر انگریزوں سے دو دو ہاتھ کریں لہٰذا پیشوا نے افواج اور ذخائر حرب جمع کرنا شروع کر دیا اور انگریزی ریزیڈنٹ نے اُس کے جواب میں حمایتی فوج کو طلب کر لیا اور ایک طرح کی بالمقابل بغاوت کے آثار تمام ملک میں ظاہر ہونے لگے جس کو پونا کے مرہٹہ سردار چپکے ہی چپکے مدد پہنچا رہے تھے۔ یہ تمام تشویش انگیز علامتیں اس واقعے سے اپنی انتہا کو پہنچ گئیں کہ گیکواڑ کا ایک سفیر ایک کار خاص پر انگریزی کفالت کے ساتھ پونا بھیجا گیا تھا۔ اُس کو پیشوا کے ایما سے اُس کے ایک منہ چڑھے سردار نے قتل کر ڈالا۔ رزیڈنٹ برطانیہ نے بڑی بڑی دقتوں سے قاتل کی سپردگی حاصل کی لیکن وہ حراست جائز سے فرار ہو گیا اور پیشوا اُس کی حمایت میں ہتھیار سنبھالنے پر تیار ہو گیا۔ لیکن قطع تعلقات کی نوبت آنے سے پہلے یکایک پیشوا کی ہمت پست ہوگئی اور وہ شرائط طے کرنے پر رضامند ہو گیا۔ ۱۸۱۷ء میں اُس نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کی رو سے اُس نے مزید حمایتی فوج کی کفالت کے لیئے مزید علاقہ انگریزوں کے حوالے کیا اور مرہٹہ برادری کی سرگروہی کے تمام دعاوی سے دست برداری داخل کر دی۔

باب شانزدہم
فصل سوم

اب لارڈ ہیسٹنگز کی رائے میں وہ وقت آگیا تھا کہ غارتگر گروہوں کا زور توڑنے کے لیئے اور وسط ہند میں ایسی اصلاحی کارروائیاں کرنیکے لیئے اتحاد عمل کیا جائے جن سے اس تمام لوٹ کھسوٹ کی یکقلم بیخکنی ہوجائے۔ اس نے خوب دیکھ لیا تھا کہ عدم مداخلت کا اصول بالکل بیکار تھا۔ اُس کا اثر صرف یہی نہیں ہوا تھا کہ انگریزی سرحد کے باہر بدامنی و بدنظمی پھیل گئی بلکہ انگریزی حکومت کی خاص حیثیت بھی خطرے میں پڑگئی تھی۔ اندازہ کیا جاتا تھا کہ پنڈاروں کے ساتھ اس وقت چالیس ہزار سوار تھے اور اُن کے گروہ میں دو مسلمان سپہ سالار بھی تھے جن کی سرکردگی میں بہت بڑی پیدل سپاہ اور زبردست توپ خانہ تھا۔ یہ سب کسی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اُن تمام بے قاعدہ زرآشناؤں کے گروہ کو بھی انھی میں شریک سمجھ لینا چاہیئے جو برائے نام مرہٹوں کے ملازم کہلاتے تھے۔ انگریزی مملکت کی حدود کے باہر تمام ملک تباہی اور فتنہ و فساد میں مبتلا تھا اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں اس طوائف الملوکی کا ذمہ دار انگریزی حکومت کو ٹھیراتی تھیں۔ چنانچہ لارڈ ہیسٹنگز نے یہ طے کرلیا کہ بحیثیت ایک ثالث بالخیر اور حکم کے قدم آگے بڑھائے اور غارتگر گروہوں کا استیصال کامل کرکے تمام اندرونی وسیع ملک کو باضابطہ قلمرو کی صورت میں ترتیب دے تاکہ اُس کا کوئی حصہ کسی نہ کسی ذمہ دار حکومت کے حیطۂ اختیار میں آئے بغیر نہ رہے۔ اُسے انگریزی حکومت کی فوجی قوت اور زبردست سیاسی اثر پر پورا بھروسا تھا اور اس کے زور سے کامیاب ہوجانے کے بعد اُس کا ارادہ تھا کہ جو جو علاقہ جس جس رئیس کے سپرد ہو اُسی کو اُس کے امن و امان کا ذمہ دار قرار دے دیا جائے۔ غرض یہ کہ جس کام کو لارڈ کارنوالس نے شروع کیا تھا اور لارڈ ولزلی نے بڑی حد تک اتمام کو پہنچایا تھا اُس کی تکمیل کا منصوبہ لارڈ ہیسٹنگز نے باندھا یعنے اُس نے عزم بالجزم کرلیا کہ انگریزی حکومت یا حمایت کو اندرون ہند کی ہر ایک دیسی ریاست پر بلا استثنا

باب شانزدہم
فصل سوم

جاری و ساری کر دے۔

ایسی کارروائی میں مرہٹہ سرداروں کے اتحادِ عمل کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ پنڈاروں کے پٹھان سردار امیر خان کو کسی نہ کسی طرح اپنی غارتگر فوجیں توڑ دینے اور اُس قطعۂ ملک میں امن سے بیٹھ جانے پر رضامند کر لیا گیا جو اُسے بطور کفالتی ریاست کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ لیکن سندھیا نے با دلِ ناخواستہ پنڈاروں کے خلاف فوج کشی میں شرکت اختیار کی۔ اس نے اپنی فوجوں کی روانگی میں قصداً اس وجہ سے دیر لگا لی کہ پہلے لڑائی کا رنگ ڈھنگ دیکھ لے اور صرف فوجی نمائش کے دباؤ سے اُسے اتحادِ عمل کے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کیا جا سکا۔ پیشوا کے کندھے پہ نئے معاہدے کے جوئے نے ایسا زخم ڈال دیا تھا کہ اُس نے اپنی تمام فوجیں جمع کر کے علانیہ مخاصمت کا اظہار کر دیا اور نومبر ۱۸۱۷ء میں پونا کی انگریزی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ ناگپور کے راجہ نے بھی پیشوا کو مرہٹہ برادری کا سرپنچ تسلیم کرنے کا اعلان کر کے اپنی فوجیں انگریزی رزیڈنسی پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیج دیں۔ اگرچہ ناگپور میں نہایت سخت مقابلہ ہوا مگر دونوں موقعوں پر مرہٹوں کو ہزیمت ہوئی۔ اور چونکہ دسمبر ۱۸۱۷ء میں مقام مہدپور پر ہلکر کی اُن فوجوں کو بھی سخت شکست ہو چکی تھی جو پیشوا کی شرکت کے لیے آ رہی تھیں اس لیئے گورنر جنرل کے امن قائم کرنے کے اصولِ عمل کی جو مخالفت مرہٹوں کی طرف سے ہو رہی تھی اُس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا انگریزی سواروں نے پیشوا کا تعاقب کیا اور اُس نے بھاگتے بھاگتے دو تین بڑی سخت لڑائیاں لڑیں مگر آخر کار اُس کی فوجیں بالکل منتشر کر دی گئیں۔ اُس کے تمام قلعہ جات پر قبضہ کر لیا گیا اور اُس کا یہاں تک تعاقب کیا گیا کہ اُس نے جون ۱۸۱۸ء میں معقول شرائط طے کرنے کا اطمینان دلا کر امان طلب کیا لارڈ ہیسٹنگز نے یہ طے کر لیا تھا کہ آئندہ کے لیے پیشوا اور اس کے خاندان کو جنوبی ملک میں کسی قسم کا اثر یا حکومت قائم کرنے سے یقیناً محروم

باب شانزدہم
فصل سوم

کر دیا جائے گا چنانچہ اسکی مملکت کا بہت سا حصہ تو بالکل انگریزی قلمرو میں شامل کر لیا گیا۔ بقیہ میں سے ستارا کی ریاست قائم کی گئی اور اس پر سیواجی کے اصلی حکمراں خاندان کا ایک شہزادہ گدی نشین کیا گیا جس کی نسل کو وزراء کے اس پیشوا خاندان نے ریاست سے محروم کر دیا تھا۔ ناگپور نے بھی کئی اہم اضلاع حوالے کیے اور اس کا فوجی انتظام بالکلیہ حکومت برطانیہ کی نگرانی میں لے لیا گیا۔ قدیم راجپوت ریاستوں کا وہ مجموعہ جو عرصے سے مرہٹوں اور امیر خاں کے قتل و غارت اور زبردستی کے نذرانوں کا شکار ہو رہا تھا اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے براہ راست انگریزوں کی حمایت و کفالت میں آگیا۔ بعض چھوٹی ریاستوں سے مرہٹے جو خراج وصول کرتے تھے اس کی رقم معیّن کر دی گئی اور یہ تصفیہ کر دیا گیا کہ آئندہ سے اس رقم کی ادائی انگریزی خزانے کے توسط سے ہوگی۔

ان تمام کارروائیوں سے پیشوا کی مرہٹہ حکومت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور سندھیا، ہلکر اور بھونسلا کی تینوں سربرآوردہ ریاستیں جو اب تک مقابلے میں انگریزوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوتی تھیں پوری طور سے ہندوستان کے امن کی ذمہ دار قرار دے دی گئیں۔ وہ پنڈارے جو در اصل کسی زمانے کی غارتگرانہ سپہگری کی ہولناک یادگار اور پوری ایک صدی کی طوائف الملوکی کے باقیات انطالحات تھے بالکل منتشر و استیصال کر دیئے گئے اور یہ امن شکن جتھے آناً فاناً میں ایسے غائب ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

لارڈ ہیسٹنگز اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ اصلی فوج کشی صرف تین ماہ تک جاری رہی اور پانچ سال بعد سر جان مالکم لے جس کے سر اصل کامیابی کا سہرا ہے یہ رپورٹ کی کہ پنڈاروں کا اس درجہ استیصال کر دیا گیا ہے کہ کوئی ان کا نام بھی اس ملک میں نہیں لیتا اور وہ سیکڑوں گاؤں جو اجڑ کر بالکل کھنڈر ہو گئے تھے اب پھر آباد اور ساز سر نو

باب شانزدہم
فصل سوم

تعمیر ہوتے جارہے ہیں۔ یہ تمام قطعہ ملک پوری ایک صدی کی ناقابل برداشت ابتری و سیاسی بدنظمی کی وجہ سے اس قدر ویران و برباد ہوگیا تھا کہ رعایا کو سب سے بڑھکر ضرورت ایک زبردست نظام حکومت کی محسوس ہورہی تھی۔ مرہٹہ ریاستوں کو نہایت باضابطہ حدبندی کرکے مشخص کردیاگیا تھا۔ تاخت وتاراج کی فتوحات اور قتل و غارت کی حملہ آوریوں کا پیشہ بالکل نابود کردیاگیا تھا اور جس طرز معاشرت وانداز حکمرانی نے ان تباہ کن گروہوں کو پیدا کردیا تھا اُس میں بالکل انقلاب ہوجانے کی وجہ سے یہ گروہ بھی اُسکے ساتھ ہی غائب ہوگئے تھے۔ اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ انگریزی صوبہ جات کو بھی اُن متخاصمانہ یورشوں اور قتل وغارت کی تاختوں سے دائمی امن نصیب ہوگیا تھا جن کے سامنے وہ اُس وقت تک برابر بے پناہ تھے جب تک خاص وسط ہند میں چیرہ دستیاں اور بے باکیاں زور شور سے بلا روک ٹوک جاری رہتیں ۔

لیکن ان مصائب ہائلہ کا دفعیہ بالکل بے سود تھا اگر ان کے پھر نازل ہونے کا قرار واقعی سدباب نہ کردیا جاتا۔ چنانچہ اس کے بعد ملکی حکمت عملی کا یہ اصول قرار دیدیا گیا کہ سوائے پنجاب اور سندھ کے ہر ریاست اپنے خارجیہ تعلقات کو بالکل برطانوی حکومت کے ہاتھ میں دیدے۔ تمام بیرونی تنازعات کو برطانیہ کی ثالثی پر منحصر کردے اور اُن تمام اندرونی انتظامات میں بھی برطانیہ کے مشورے پر کاربند ہو جن میں ابتری کے دفعیے اور بدنظمی کے تدارک کی ضرورت پڑے۔ تمام بڑے بڑے رئیسوں کے درباروں میں ایک ایک مشیر ملکی (Resident) بطور قائم مقام حکومت برطانیہ ان اعلیٰ اختیارات کو کام میں لانے کے لیئے مقرر کردیا گیا اور حمایتی اور امدادی فوجوں کے ذریعے سے جن کی کفالت ریاستوں کے ذمے تھی تمام فوجی انصرام برطانیہ کی زیر نگرانی و ہدایت لے لیا گیا ۔

وسط ہند کے اس سیاسی بندوبست کی رو سے جنگجو ریاستوں سے

باب ششم فصل سوم

ہتھیار رکھ کر وہاں امن قائم کر دیا گیا اور حاکم و محکوم کے ممتاز تعلقات کی تشخیص کر دی گئی اور اس طرح اس اصل الاصول کو عملاً تمام ملک میں تسلیم کرا دیا گیا جس پر برطانوی گورنمنٹ کی تمام عمارت قائم کی گئی تھی اور لارڈ ولزلی کی حکمت عملی کی تکمیل و استحکام کی کارروائی کر دی گئی۔ بصورت موجودہ کسی غیر ملکی ہچشم کی مداخلت کے بھی تمام خرخشے مٹا دیئے گئے حصول اقتدار کے لیئے جو مقاومتیں دیسی ریاستوں کی طرف سے ہوا کرتی تھیں اُن کا بھی قرار واقعی السنداد کر دیا گیا اور دونوں سمندروں سے جانب شمال سرحد سندھ تک اور دریائے ستلج تک تمام ملک میں ہندوستانیوں کے مکمل امن و حفاظت کے معاملے میں انگریزوں کے نہ صرف حقوق مداخلت بلکہ فرائض انتظام کو تسلیم کر لیا گیا۔ دہانہ دریائے سندھ یعنے سرحد ملک سندھ سے سواحل مغرب میں ہو کر راس کماری تک اور یہاں سے شمال مغرب میں خلیج بنگال کے محاذات سے گزر کر سرحد برہما تک تمام بحری خط پر انگریزوں کا حاکمانہ اقتدار قائم ہو گیا۔ شمال میں انگریزوں کے قبضے میں ہمالوی مرتفع علاقے کا ایک طویل منطقہ تھا اور اُن کا سیاسی حیطۂ اختیار اُس ریگستان کے مغربی کنارے تک جا پہنچا تھا جو سندھ و پنجاب کی سرحدوں پر پھیلا ہوا ہے بمفصلۂ صدر اقطاع کا بزرگترین۔ بہترین بلکہ متمول ترین حصہ انگریزوں کی خاص قلمرو میں شامل ہو چکا تھا اور بقیہ پر اُن کا شاہانہ اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ اگر ہندوستان کی قدرتی سرحدوں کو سمندر اور پہاڑ سے تعبیر کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ برطانیہ کی سلطنت میں بحری سرحد کا پورا دور آ گیا تھا۔ اُس کا قاعدہ نہایت استحکام کے ساتھ ہمالیہ میں قائم ہو گیا تھا اور اُس کا غربی ضلع بڑی حد تک ریگستان سندھ کے محاذ میں کھچا چلا گیا تھا۔ دو نقاط تقاطع پر اور صرف دو ہی نقاط پر اس وقت خط سرحد غیر با ُمداد اور قابل مداخلت تھا۔

ایک سمت شمال مشرق میں جہاں کہ اہل برہما آسام پر بڑھ رہے تھے اور دوسرے شمال مغرب میں جہاں سکھ سلطنت نے رنجیت سنگھ کے زیر نگیں ترقی کر کے زبردست فوجی قوت حاصل کر لی تھی ؎

باب ہفتم

تکمیل مملکت (۱۸۲۳ء سے ۱۸۴۹ء تک)

فصل اول

پہلی جنگ برہما

اس زمانے تک ایسٹ انڈیا کمپنی کی آویزشوں کی جولانگاہ اندرون ہند تک محدود رہی تھی۔ اور گزشتہ پچاس سال کے دوران میں یعنی ۱۷۶۳ء میں فرانسیسیوں کی پسپائی کے زمانے سے ۱۸۱۸ء میں پنڈاروں کی جنگ تک انگریزوں کے تمام متخاصمین صرف ہندوستانی رئیس رہے تھے۔ توسیع مملکت کی وجہ سے جب انگریزوں کے خطوط سرحد بیرونی ممالک کے قریب پہنچ گئے اور ان کی سریع السیر پیش قدمیاں انھیں ہندوستان کے قدرتی حدود تک لے پہنچیں تو روزانہ ان کے لیئے نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہونے لگیں اور نئی نئی اقوام کے ساتھ تصادم ہونے کی نوبتیں آنے لگیں۔ پہلی غیر ہندوستانی حکومت جس نے انگریزوں کو علانیہ مخاصمت پر اشتعال دیا گورکھوں کی ریاست نیپال تھی۔ لیکن چونکہ نیپال ہمالیہ کے جنوبی

باب ہفدہم
فصل اول

ڈھال پر واقع ہے اس لیئے بہ اعتبار نسل و مذہب کے وہاں کی مخلوق کو بڑی حد تک ہند و نسل سے متعلق سمجھا جا سکتا ہے۔ البتہ دوسری غیر ہندی قوم جس نے ہندوستانی سرحد پار سے انگریزوں کی مقاومت میں عملی حصّہ لیا ایسی تھی جو ہندوستانی اقوام سے ہر حیثیت سے بالکل مختلف تھی۔ وہ اہل برہما تھے۔

تطبیقِ واقعات کا یہ ایک طرفہ اتفاق تھا کہ جس پچاس سال کے عرصے میں ہندوستان کے اندر انگریزی مملکت کی توسیع و ترقی ہوتی رہی اسی دوران میں انگریزوں کے گرد و پیش دوسری مملکتیں بھی بالکل انھی اسباب کے تحت میں آہستہ آہستہ قائم ہوتی رہیں ۱۷۵۰ء سے ۱۸۰۰ء تک کے عرصے میں افغانستان کے مختلف جرگوں کو احمد شاہ کے خاندانِ حکومت نے زیر کر کے اپنی رعایا بنایا۔ پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ہندو اور مسلمان ریاستوں کو رنجیت سنگھ کے زبردست پنجے نے اپنی گرفت میں لے کر ایک جنگجو خود مختار شخصی حکومت کی صورت میں ترتیب دیا۔ ہمالیہ کے مرتفع علاقوں کے چھوٹے چھوٹے راجہ سب نیپال کے زیرِ نگین آ گئے۔ اور اس زمانے میں جبکہ کلائیو تسخیرِ بنگال میں مصروف تھا برہما کے ایک نبرد آزما نے اپنی فتوحات کے ذریعے سے ایک مملکت ایسی قائم کر لی تھی جو دریائے اراودی اور اس کی معاون ندیوں کے بالائی حصّے کے میدانوں سے شروع ہو کر سمندر تک پھیلتی چلی جاتی تھی اور جس کا دار الحکومت انھی میدانوں میں تھا جن کو دریائے اراودی اور اس کی معاون ندیاں سیراب کرتی ہیں ۱۷۵۷ء میں الومپرا نے پیگو کو فتح کر کے جو برہما کی مملکت قائم کی تھی اُن میں علاوہ اراودی اور سالوین کے وسیع قطعات کے وہ پہاڑیاں جہاں سے یہ دریا نکلے ہیں اور وہ کل سرزمین جو ان دریاؤں کے دہانے تک پھیلی ہے شامل تھی بلکہ یہ قطعات جنوب کی سمت میں بھی خلیج بنگال کے ساحلوں تک چلے گئے تھے۔ اس میں رفتہ رفتہ وہ تمام

باب چہارم
فصلِ اول

کوہستانی علاقہ شامل ہوتا چلا جارہا تھا جو ہندوستان کی مشرقی ارضی سرحد پر چھایا ہوا ہے اور برہما کی فوجیں اب اس حدِ فاصل کو طے کر آئی تھیں جو ان پہاڑی دریاؤں کے درمیان ہے جن میں سے دریائے برہمپتر نکلتا ہے اور مشرقی بنگال کے مسطح میدانوں کو دھمکی دے رہی تھیں۔ اس وجہ سے اس سرحد پر برہمی اور انگریزی افسران حدبست میں اکثر تنازع ہوتے رہتے تھے کیونکہ خطِ فاصل بالکل غیر مستقل و غیر منفصل تھا اور فریقین کی جانب سے ہر دفعہ خطِ سرحد کو کچھ آگے بڑھا کر مقرر کردیا جاتا تھا یہاں تک کہ دونوں مملکتوں کے درمیان ایک تیلی سی پٹی کچھ نیم مختار جرگوں کی رہ گئی تھی اور ہر فریق یہ چاہتا تھا کہ ان چھوٹے چھوٹے ٹھکانوں کو بھی اپنے حلقۂ اثر میں لے لے اور دوسرے فریق کا اثر وہاں سے بالکل ہٹا دے۔ یہاں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جو پہاڑ ہندوستان کے مسطح علاقے کو بقیہ اقلیم ایشیا سے جدا کرتے ہیں ان کے برابر برابر کوہستانی مرتفع علاقے کی ایک جھالرسی لگی ہوئی ہے جس کا سلسلہ کہیں نہیں ٹوٹتا اور جس میں کچھ مخلوط نسل کے جرگے آباد ہیں جو فطرۃً جنگجو اور آزادی پسند ہیں۔

بنگال کے شمال مشرق میں مملکت آسام واقع تھی جو اب برطانیہ کے مقبوضات میں صوبۂ آسام کے نام سے شامل ہے مگر اس وقت انگریزی ذمی ریاستوں اور برہمی مملکت کے درمیان ایک خودمختار حدِ فاصل کا کام دیتی تھی۔ اس مملکت میں حصول حکومت کی خاطر حکمراں خاندان کے چند شہزادوں اور ان زبردست وزیروں میں چند خونریز لڑائیاں ہوچکی تھیں جو کسی نہ کسی شہزادے کے نام سے اپنی حکومت کا سکہ بٹھانا چاہتے تھے اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ فریق مغلوب نے اپنی مدد پر مشرقی کوہستان پار سے برہمیوں کو بلا لیا تھا۔ مگر اس سے تازہ مصیبتیں ملک پر نازل ہونے لگیں کیونکہ جس شخص کو برہمی فوجوں نے تخت پر بٹھا دیا تھا اسے بہت جلد یہ محسوس ہونے لگا کہ خانہ جنگی میں فتح حاصل

باب ہفدہم
فصل اول

کرنے کا بدترین طریقہ یہ ہے کہ کسی بیرونی فوج سے مدد لی جائے چنانچہ اس کا اور برہمی فوج کے ساتھ مناقشہ ہونے لگا۔ برہمیوں نے اس سلسلے میں کسی برائے نام رئیسوں کو تخت پر کٹھ پتلی کی طرح بٹھایا اور اُتارا اور آخر کار قضیہ یوں طے کیا کہ آسام پر اپنے ملک کی طرف سے ایک عامل مقرر کر دیا۔ ایک مصیبت زدہ نیم ہندی ریاست کا انگریزی سرحد پر اس طرح ایک جنگ جو اور حوصلہ مند غیر ہندی چینی مملکت کا صوبہ بن جانا اصولاً انگریزوں کے اغراض کے ناموافق تھا کیونکہ ان کی سیاست کا پہلا اصول یہ رہا ہے کہ ہندوستان میں کوہستان پار سے یا سمندر کی طرف سے تمام مداخلت کرنے والوں کا راستہ بالکل بند کیے رکھیں۔ اس وقت برہمیوں کے ہاتھ میں دریائے برہم پتر اور ان تمام ندیوں کا بالائی حصہ آگیا تھا جو آسام کی پہاڑیوں سے نکل کر مشرقی بنگال میں بہتے گزرتی ہوئی سمندر میں گرتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس زبردست دریا یعنی برہم پتر کی اصل جنگی اہمیت اسی میں ہے کہ یہ قابل جہاز رانی ہے برہمی اس وقت ان تمام کوہستانی دروں کی چوٹیوں پر تھے جن میں سے ہو کر نشیبی علاقے میں آتے ہیں اور وہ انگریزی سرحد کے محاذات کے تمام چھوٹے چھوٹے رئیسوں کو یا تو زیر کر چکے تھے یا دھمکیاں دے رہے تھے۔ جن متمدن قوموں کو نیم وحشی اقوام سے سابقہ پڑتا رہتا ہے ان کے اس اصول پر انگریزوں کا بھی عملدرآمد رہتا چلا آیا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اپنی مملکت کے درمیان مختلف جرگوں کے ٹھکانوں یا ریاستوں کا ایک منطقہ بطور حد فاصل کے اس طرح قائم رکھا ہے کہ ان سرحدی ریاستوں یا ٹھکانوں کو اپنا اتحادی یا ذمی تصور کر کے اُن کو اپنے اور مداخلت کرنے والوں کے درمیان ایک حد فاصل بنا لیا ہے۔ برہمیوں نے بڑے پُرخطر طریقے سے انگریزوں کی اسی ذمیت و حمایت پر ضرب لگانی شروع کر دی تھی۔ وہ ہندوستان کا شمال مشرقی سنادیہ فتح کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ انھوں نے منی پور پر قبضہ کر لیا تھا

باب ہفدہم
فصلِ اول

اور کچھار پر یورش شروع کردی تھی جو انگریزوں کا ذمی علاقہ تھا اور انھوں نے
خاص انگریزی مقبوضہ علاقہ سہلٹ پر بھی اپنا حق جتایا تھا۔ فی الواقع یہ ان
تمام قدرتی حدود و فاصل کو توڑتے جارہے تھے جو ہندوستان کو شمالی
ایشیا سے جدا کرتی ہیں اور علاوہ ازیں ان تمام مستقروں اور کمینگاہوں پر قبضہ
کرتے جارہے تھے جن میں سے وہ بنگال کے مسطح علاقے پر جب چاہتے
اور جس طرح چاہتے تاخت و تاراج کرسکتے۔ انھوں نے ایک اس جزیرے پر بھی
کچھ خونریزی کے بعد قبضہ کرلیا تھا جو انگریزی سرحد کی طرف سمندر کے
اس دہانے پر واقع ہے جو انگریزی مملکت کو اراکان سے جدا
کرتا ہے۔

اس طرح علاوہ دراز دستی و حملے کا تختۂ مشق بننا انگریزوں کے لیئے
ہندوستان میں ایک نئی سی بات تھی۔ لیکن نیپالیوں کی طرح برہمیوں نے بھی
اب تک متمدن افواج کے مقابلے میں اپنی قوت کی پڑتال نہیں کی تھی اور
کوئی وجہ ان کو ایسی نظر نہیں آتی تھی کہ کیوں نہ اپنی مملکت کو وسیع کرتے چلے جائیں
یہاں تک کہ اپنے مدمقابل کی قوت مقاومت کا پورا پورا تجربہ ہو جائے۔
بہرحال جب باضابطہ اعلانِ جنگ ہوگیا تو سرحد آسام پر چند نہایت سخت
مڈبھیڑیں ہوئیں جن میں فریقین کو فتح و شکست ہوتی رہی اور ان میں انگریزی
فوج ہمیشہ کامیاب اور فتحمند نہیں رہی لیکن خلیج بنگال کو عبور کرکے رنگون
پر حملہ کرنے کے لیئے ایک چھوٹا سا دستہ انگریزی فوج کا بھیجا گیا جس نے
برہمیوں کی اجتماعی قوت کو توڑ کر اپنی طرف رجوع ہونے پر مجبور کیا۔
کیونکہ مملکت برہما کا سب سے کمزور رخ ایک بحری دشمن کے مقابلے
میں یہی تھا۔ اس کے بعد اس زمانے کے گورنر جنرل لارڈ امہرسٹ
نے پیگو پر ایک مہم بھیجی اور یہی پہلی مہم تھی جو برطانوی ہندی حکومت کی
ہندوستان پار کی پہلی فوج کشی کہلائی جاسکتی ہے۔ یہ مہم دریائے اراودی
کے بہاؤ کے رخ کے خلاف چڑھتی چلی گئی اور بڑی سخت مدافعت کے بعد
برہمیوں کو انگریزی شرائط قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس جنگ سے

نہایت اہم اور عمیق نتائج حاصل ہوئے کیونکہ اس سے برطانوی اسلحہ پہلی دفعہ سرحدِ ہند کے پار نکل گئے۔ انگریزی حکومت کی توسیع ایک بالکل غیر ملک میں ہونی شروع ہوگئی اور نئی ایشیائی قومیں انگریزی حکومت کے زیر نگیں آگئیں۔ صوبہ جات اراکان و تناسرم کے الحاق سے انگریزوں کے ہاتھ تقریباً وہ تمام ساحلی علاقہ آگیا جو خلیج بنگال کے اس پار ہندوستان کے محاذات میں واقع ہے۔ اور مملکت برہما کی حدود اس پہاڑی سلسلے کے دریاؤں کی حدِ فاصل کی طرف پیچھے کو سرکا دی گئیں جو اس بحری خط کے محاذ میں واقع ہے۔ اب سلطنتِ ہند کی قلمرو میں ایک کثیر آبادی ایسی آگئی جو باعتبار نسل۔ معاشرت۔ زبان اور مذہب کے ہندوستانیوں سے بالکل مختلف تھی اور یورپ کی برابر بڑھنے والی اور اپنے ہر ایک سنگِ راہ کو پیس پیسا کر برابر کر دینے کی قوتوں نے اب ایک نئی سمت میں عمل کرنا شروع کیا اور انگریز اب ایک ایسے راستے پر چل کھڑے ہوئے جہاں ان کو پھر اتنی ہی مدافعتوں کا مقابلہ کرنا تھا جتنی اس راستے پر چلنے اور آگے بڑھنے میں پیش آنے والی تھیں۔ برہمیوں کی ہزیمت کا ایک ثانوی مگر نہایت اہم نتیجہ یہ بھی نکلا کہ برہمیوں نے انگریزوں کی حمایت و حفاظت کو آسام۔ کچھار اور منی پور پر تسلیم کر لیا یعنے اس تمام قطعۂ ملک پر جو بنگال سے پار دریائے برہم پتر کے برابر واقع ہے اور جو سب کا سب آجکل آسام کی شمال مشرقی چیف کمشنری کے تحت میں شامل ہے۔

برہمیوں سے جتنا ملک حاصل ہو سکا اس سے انگریزوں کی مشرقی سرحد کی حفاظت و تکمیل پر مہر لگ گئی جس طرح جنگ نیپال سے وہ ریاست ہمیشہ کے لیے بالکل خموش کر دی گئی تھی جو ہمالیہ کے شمال مشرقی خط پر سے انگریزوں کو تنگ کر سکتی تھی۔ ادھر ۱۸۲۶ء میں جب ایک غاصب نے ریاست بھرت پور پر قبضہ کر لیا تو لارڈ کومبرمیر نے بھرت پور کے اس زبردست قلعے کو بھی بلّہ بول کر فتح کر لیا جس کے سامنے

سے ۱۸۰۵ء میں لارڈ لیک کو پسپا ہونا پڑا تھا۔ اب ہندوستان میں صرف دو شاہانہ طاقتیں رہ گئی تھیں ایک انگریز دوسرے سکھ۔ کیونکہ امیران سندھ کو ہندوستانی حکمرانوں کے ذیل میں مشکل سے شمار کیا جاسکتا تھا۔ رنجیت سنگھ جس کے زیرنگیں سکھ حکومت پنجاب میں اس صدی کے شروع میں معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھی کچھ اظہار مخاصمت کے بعد اس اصول عمل پر رضامند ہوگیا تھا کہ انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ چنانچہ اس نے ۱۸۰۹ء میں ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کی رو سے اس کی مملکت دریائے ستلج کے شمال اور مغرب تک محدود ہوگئی تھی اور اسی دریا کے جنوبی کنارے پر بھی ایک پٹی اسی کی ہوگئی تھی مگر اس میں شرائط معاہدہ کی رو سے اس کو افواج رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس شرط استثنائی سے بعد کو بڑے اہم نتائج پیدا ہوئے۔ بہرحال دونوں مملکتوں کے درمیان ممتاز خط سرحد دریائے ستلج رہا اور اس انتظام سے انگریزوں کی شمالی سرحد پر تقریباً چالیس سال تک بے خرخشہ امن قائم رہ سکا۔

فصلِ دوم

لارڈ ولیم بینٹنک کا عہد حکومت

سنہ ۱۸۲۸-۳۵ء

لارڈ ولیم بینٹنک کے عہد حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ برطانوی ہند کی تاریخ میں ایک مختصر اور نادر الوجود خموشی اور امن و امان کا دور طاری

باب پنجم
فصلِ دوم

ہوگیا تھا۔ اس کو ایسا عصر امن کہا جا سکتا ہے جس میں آزاد اور متمدن انتظام حکمرانی ہوتا رہا۔ پر امن معقول ترقیاں ہوتی رہیں۔ اور بعض نہایت اہم اخلاقی اور تعلیمی اصلاحیں عمل میں آئیں۔ بین ٹنک سے پہلے لارڈ امہرسٹ نے ابھی ایک نہایت پریشان کن برہمی جنگ کو جس میں بہت روپیہ صرف ہوا تھا اختتام تک پہنچایا تھا اور لارڈ ولیم بینٹنک کے بعد لارڈ آکلینڈ کے آتے ہی انگریزوں کو بُرا دن دکھانے والی افغانی فوج کشیاں شروع ہوگئیں۔ امہرسٹ اور آکلینڈ کی حکومتوں کے درمیان میں وہ پر امن حکومت کا وقفہ انگریزوں کو مل گیا تھا جس کو ہندوستان کے ملکی نظام اور اندرونی ترقیوں میں صرف کیا گیا اور انگلستان کے سیاسی مباحثات و تنازعات کی رو بھی اس استفاضۂ امن کی حامی بنی رہی۔ انگلستان میں جس احساس رواداری نے رومن کیتھولک فرقے کو حقوق شہریت دلائے تھے اور جس نے ایوانِ حکومت کی اصلاح کا مطالبہ کیا تھا اسی نے انگریزوں کے ان خیالات پر بھی ایک حد تک اثر ڈالا تھا جو وہ ہندوستان کے متعلق رکھتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اجازت نامے کے اختتام اور اس کی تجدید کے متعلق ایوانِ حکومت میں مباحثات نے قوم کی توجہ کو ہندوستانی معاملات کی طرف رجوع کر دیا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں توسیع اجازت نامہ کے متعلق ایوانِ حکومت سے جو فرمان نافذ کیا گیا اس نے کمپنی کے تجارتی اجارے کا آخری نقش قدم بھی مٹا دیا اور آخر کار اس قلب ماہیت کی تکمیل کر دی جس کے ذریعے سے ایک تجارتی کارکن جماعت ایک وسیع ایشیائی مملکت پر حکومت کرنے کے لیے سلطنت کی قائم مقام بنا دی گئی ہو۔

یہ لارڈ ولیم بینٹنک ہی تھا جس نے اپنے عہد حکومت کے اختتام سے چند ماہ قبل وہ تجویز شائع کی تھی جس کی منظوری پر ہندوستان کی دفتری زبان انگریزی قرار دے دی گئی۔ اس اہم سرکاری تجویز کی بنا میکالے کی اس مشہور یادداشت پر رکھی گئی تھی جس میں میکالے نے نہایت زور شور سے اس فریق کی مخالفت و تردید کی تھی جو اب تک مشرقی زبانوں

باب ہفدہم فصل دوم

کے وسیلے سے ہندوستان میں ترویج علوم و فنون کا موئد تھا۔ یہ معرکہ آرائی ملکی خزانے سے تعلیمی امدادیں عطا کرنے کے مسئلے پر شروع ہوئی تھی اور میکالے نے اپنے ساکت و صامت کرنے والے دلائل سے اس وقت یہ ثابت کر دیا تھا کہ انگریزی ہی وہ زبان ہے جو تمام حقیقی علوم کے خزانوں کی کنجی بن جاتی ہے اور اعلیٰ علوم کے حصول کا ذریعہ ہو جاتی ہے اس نے جس زور شور سے اور جس شان و شوکت سے مشرقیت پر حملہ کیا اس کے آگے تمام مفاومتیں ماند پڑ گئیں۔ اس نے یہاں تک اوغا کر دیا کہ یورپ کے کسی اچھے سے کتبخانے کی صرف ایک الماری تمام ہندوستان اور عرب کے مجموعی علوم کے برابر ہوتی ہے اور یہ کسی طرح معقول نہیں معلوم ہوتا کہ ہندوستانی بچوں کو مالی امداد دیکر ایسی کتابیں پڑھنے کی ترغیب دی جائے جن میں بدترین قسم کی غلطیاں بھری پڑی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میکالے کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ انھی ہندوستانی کتابوں میں ہندوستان کے قدیم مذہب۔ فلسفہ اور شاعری کے بے بہا موتی بھی بھرے پڑے ہیں اور ہم کو بہ حیثیت مورخ کے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ میکالے باوجود اپنے فہم و ادراک کے قومی احساس کے لطیف و عمیق جذبات سے بالکل بیگانہ محض تھا[علا]۔ بہرحال لارڈ ولیم بین ٹنک نے میکالے کے خیالات سے متاثر ہوکر ایسے احکام جاری کر دیے جن کو انگلستان میں کچھ تامل و تعقل کے ساتھ ہاتھ میں لیا گیا۔ اس زمانے میں معاملات ہند کی نگران کار جماعت کا ایک مقتدر رکن جیمز مل تھا

[علا] میتھیو آرنلڈ نے لکھا ہے کہ جب برطانوی عجائب خانے کے لیے اسپر لینڈ کے چند قلمی نسخے خریدنے کی تجویز انگلستان میں کی گئی تو لارڈ میکالے نے یہ لکھا تھا کہ اس تمام دفتر میں کوئی چیز بجز سوائے لارڈ میلویل کے خطوط متعلقہ جنگ امریکہ کے نہیں ہے جو خرید کرنے کے قابل ہو۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی نظر میں اپنے وطن کا قدیمی علم ادب ایک دفتر بے معنی سے زیادہ وقیع نہ ہو وہ سنسکرت یا عربی کی کتابوں کی کیا قدر و قیمت سمجھ سکتا ہے۔ ۱۲- مصنف

باب پنجم
فصل دوم

جس نے بینٹنک کی اس کارروائی پر اظہار تنفر کرنے کے لیے ایک زبردست یادداشت تیار کی اور اس سیاسی نافہمی پر سخت زور دیا کہ اصول تعلیم کو اس طرح یکایک منقلب کر کے ہندوستانی بچوں پر انگریزی تمدن کا ایک اوپری رنگ ایسا چڑھایا جائے گا جسے وہ صرف تحصیل علوم حقیقی کا وسیلہ نہیں گردان سکیں گے بلکہ حصول ملازمت کا ایک پروانہ بنالیں گے مل اور میکالے پر اس نے مختلف الخیال تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میکالے کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مستشرقین ناقابل برداشت دروغ بیانی سے کام لیتے ہیں۔ لیکن جو اہل الرائے نظر غائر رکھتے ہیں ان کی نظر میں میکالے کے اس استدلال کی بہت زیادہ وزن و وقعت نہیں۔ بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیمز مل کی اختلافی یادداشت شائع نہیں ہوسکی اور ہندوستان میں تمام اعلیٰ تعلیم صرف انگریزی ہی میں دی جانے لگی اور وہ تمام قوانین بھی بہت جلد منسوخ کردیے گئے جو انگریزی علم ادب کی ترویج و اشاعت میں مانع تھے۔ بہرحال دفتری اور تعلیمی صیغوں کو تمام قوائے ذہنی و دماغی کے مجلّٰی و مصفّٰی کرنے کا آلہ سمجھا جاسکتا ہے اور ان دونوں کے اس طرح ہم آہنگ ہوجانے سے جو زبردست تحرک ہونہار طبیعتوں کے جوش میں پیدا ہوگیا ہوگا اس کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ غرض یہ کہ اس نئے اصول سے اس وقت سے اب تک نہایت اہم اور نہایت کارگر نتائج مرتب ہوچکے ہیں۔

لیکن لارڈ ولیم بینٹنک جس کارنامے سے اپنا نام نیک اپنے بعد بطور یادگار کے چھوڑ گیا وہ اس کا مردانہ وار اس حکم کا نافذ کرنا تھا۔ جس کی رو سے ہندو بیواؤں کو جلانے کی رسم قانونی جرم قرار دی گئی تھی۔ آج کل کے زمانے میں ایسی کارروائی نہایت ضروری اور نہایت منصفانہ نظر آسکتی ہے مگر ۱۸۲۹ء میں اس کو بڑے تامل اور بہت پس و پیش کے بعد اختیار کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں اس کا نہایت ہی نامکمل اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ایسے معاملات کو ہندوستانی کس رنگ میں دیکھیں گے

یہ صحیح طور سے سمجھ لینا ہمیشہ مشکل رہا ہے کہ وہ کون سی صورت معاملہ ہے جہاں انسان کے فطرتی اخلاق سے قانون ملک کو یہ مدد مل سکے کہ وہ اُن رواجوں پر غالب آجائے جنھیں اوہام پرستی نے جائز قرار دے رکھا ہے۔ لیکن یہ مسلّم ہے کہ قانون اور اخلاق میں ایک نہایت لطیف تعلق وتاثر باہمی ہے چنانچہ جس حرکت کو قانون جائز نہیں ٹھہراتا وہ اکثر بداخلاقی میں شمار ہوتی ہے اور جس کو اخلاق مذموم قرار دیتا ہے وہی عموماً خلاف قانون بن جاتی ہے۔ یہ بے تکلف قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ایسی رسمیں کبھی ہر دلعزیز نہیں ہوتیں جن میں مردم آزاری یا دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو اور یہ یقین کرلینے کی بات ہے کہ جب کوئی ملکی قانون کسی مسلّمہ اخلاقی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے تو خود مذہب کو بھی اس کے لیے راستہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ مجرمانہ رسم زیریں بنگال کی تربیت پذیر اور فطرۃً محکومی پسند قوموں میں رائج تھی اور گورنر جنرل نے یہ بالکل صحیح رائے قائم کرلی تھی کہ اس کے انسداد قطعی سے بجائے کسی قسم کی سیاسی بے چینی یا خطرہ پیدا ہونے کے ایک ایسا اطمینان اور امتنان پیدا ہوجائے گا جو کسی ایسے جوئے کے کندھے سے اُتر جانے سے ہوتا ہے جس کو خود اتار پھینکنے کی ہمت و قوت نہ ہو۔

لارڈ ولیم بینٹنک کی خارجہ حکمت عملی کے متعلق کوئی بات لکھنے کے قابل نہیں ہے۔ میسور اور کورگ کی مقامی سرکشیوں کے فرو کرنے کے لیے جو فوجیں بھیجی گئی تھیں ان کو ہم اگر نظر انداز کردیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ولیم بینٹنک ہی سب سے پہلا اور سب سے آخری گورنر جنرل تھا جس کے عہد حکومت میں ہندوستان کو بلا خرخشہ امن نصیب ہوا حیدرآباد اور راجپوت ریاستوں کے معاملات میں کچھ مشکلات پیش آگئی تھیں مگر اس کے انصرام کو اس نے سر چارلس مٹکاف کے عقل وتجربے پر بے غل وغش چھوڑ دیا تھا اور خود اس نے رنجیت سنگھ حکمران پنجاب کے ساتھ برطانیہ کے سفارتی تعلقات کے اہم تر مسئلہ کو بڑی قابلانہ

کامیابی کے ساتھ اتمام کو پہنچا یا۔ لیکن رنجیت سنگھ کے ساتھ جو تجارتی معاہدہ
اس نے کیا تھا اور امیران سندھ کے ساتھ جو سمجھوتا اس نے کیا تھا
جس کی رو سے دریائے سندھ برطانوی تجارت کے لیے کھل گیا تھا
یہی دونوں معاملے دراصل ایسے تھے جن کو افغانی سیاست کے وسیع اور
پرخطر میدان عمل میں گام زنی کرنے کے پہلے قدم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے
ہندوستان پر خشکی کی طرف سے حملہ ہونے کے امکان نے اور شمال
مغربی سرحد کی حفاظت کے وسائل اختیار کرنے کی ضرورت نے حکمرانان ہند
کے دل و دماغ پر اب قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ سیاسی بحث مباحثہ
شروع ہو چکا تھا جو اس وقت سے اب تک بند نہیں ہوا ہے ۔

فصل سوم

افغانستان

پنجاب اور افغانی کوہستان کے دوسری جانب ایسی نقل و حرکت
کا ظہور ہو رہا تھا جو ہندوستان میں غیر محفوظیت کے پرانے خطرے کو
پھر تازہ کرتی جاتی تھی۔ ایشیا کو عبور کرنے کی جو یورش روسیوں کی طرف
سے شروع ہوئی تھی اور جس میں نپولین کی جنگ بازی کی وجہ سے تعویق
ہوگئی تھی وہ اب پھر شروع ہوگئی۔ روس کا دباؤ بحیرۂ کاسپین سے دریائے
جیحوں تک تمام وسطی ممالک پر محسوس ہونے لگا اور ۱۸۲۸ء کے
معاہدۂ ترکومنچائی سے روس نے ایران پر ایک زبردست سیاسی اثر
قائم کر لیا۔ اس وقت سے انگریزوں کی تمام حکمت عملی اور جنگی ہنرمندی
کا رخ شمال مغربی سرحد پر روس کے فرضی ارادوں کی پیش بندی یا اس کی نقل و حرکت

باب ہفدہم
فصل سوم

کا رد عمل کرنے کی طرف رہا ہے۔ اس زمانے کے انگریزی مدبرین کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ انگریزوں نے اپنا خط مدافعت اس حد سے بہت آگے بڑھا کر قائم کرلیا ہے جہاں تک ان کو حق حاصل کرنے کا اطمینان ہوسکتا تھا کیونکہ ایران کی آزادی کے پامال ہوتے وقت انگریزوں نے یہ محسوس کرلیا کہ ان کے پاس ایسے وسائل نہیں تھے جن سے وہ اس قدیم ملک کی خود مختاری کو روس کی دستبرد سے بچاسکیں چنانچہ انگریزوں نے ۱۸۲۶ء میں ایران کے ساتھ نامہ وپیام کرکے اپنے مدافعانہ معاہدے کی پابندی سے آزادی حاصل کرلی اور افغانستان کو اپنی حد فاصل قرار دیکر اسی کی طرف تمام توجہ منعطف کردی نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان کی پسپائی کے ساتھ روس نے پیش قدمی کی۔ اس نے اس تمام میدانِ سفارت پر اپنا عملہ و دخلہ کرلیا جس پر سے انگریز اپنے تئیں بیدخل کرچکے تھے اور اس نے مملکت فارس کو اپنے ان اغراض کے حصول کا آلہ بنالیا جن سے انگریز بے تعلقی اختیار کرچکے تھے اور یہ اغراض و مقاصد ایسے تھے جو انگریزوں کی مخالفت پر مبنی تھے۔ چونکہ ایران نے شمال مغرب کے کچھ اضلاع روس کو حوالے کردیئے تھے اس لیئے اس کے معاوضے میں اس کی ہمت افزائی کرنے کے لیئے روس نے اس کو یہ اجازت دیدی کہ اپنے اس دعوے کی تجدید کرے جو اسے اپنی شمال مشرقی سرحد مقبوضۂ افغانستان پر زمانۂ قدیم سے تھا۔ شاہِ ایران کو مغربی افغانستان کے متعلق یہ دعویٰ تھا کہ یہ قطعہ تختِ ایران کا موروثی مقبوضہ ہے اس لیئے ۱۸۳۳ء میں شاہِ ایران نے ہرات پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں جو کہ افغانیوں کا خاص سرحدی شہر ایران کی سمت کو واقع ہے اور جو ایران سے ہندوستان کو آنے والے تمام راستوں کی کنجی ہے۔ چند سربراوردہ افغانی سرداروں نے شاہِ ایران سے خفیہ سازباز کرلی تھی۔ شاہ شجاع جو موروثی بادشاہِ افغانستان تھا پنجاب میں جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا یہیں پنجاب میں رہ کر وہ انگریزوں اور سکھوں سے امداد کی ناکامیاب التجائیں کررہا تھا کیونکہ اسے ایک دوسرے خاندانِ حکومت نے بےدخل کرکے افغانستان سے نکال دیا تھا۔ شاہ شجاع اصل حکمران خاندان یعنے احمد شاہ ابدالی کی نسل سے تھا جس نے

باب ہفدہم
فصل سوم

افغانی سلطنت کی بنا ڈالی تھی لیکن چند سال سے اس خاندان کو ایک دوسرے زبردست وزرا کے خاندان نے تاج و تخت سے محروم کر دیا تھا۔ ایشیا میں خاندانی انقلابوں کی یہ مشہور مثالیں ہیں جو عموماً اس حالت میں پیش آتی رہتی ہیں جبکہ ایسے خاندان میں سے حکومت منتقل ہو جاتی ہے جس میں زور نہیں رہتا اور ایسے خاندان میں پہنچ جاتی ہے جس میں زور رہتا ہے۔ اور غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ مرہٹوں کے شاہی خاندان کو اسی طرح اٹھارھویں صدی میں وزرا کے خاندان پیشوا نے بے دخل کر دیا تھا اور انیسویں صدی میں نیپال کے اندر بھی اسی قسم کی صورت پیش آگئی تھی۔

تمام ایشیائی مسئلہ کا جزو اعظم اب افغانستان ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا جائے وقوع اس کا قدرتی استحکام اور اس کی جنگی چالوں کے معین مفید مواقع نے اس ملک کو حکمرانان ہند کی نظر میں ہمیشہ نہایت ہی قدر و قیمت کے قابل رکھا ہے۔ اور اس وقت ایران کے اس دعوے نے بساط سیاست کا اصلی مہرہ افغانستان ہی کو بنا دیا۔ انگلستان میں حکومت برطانیہ نے یہ اصول عمل طے کر لیا تھا اور اس کے حاصل ہونے والے زبردست اور مستحکم نتائج بھی اخذ کر لیے تھے کہ ہندوستان کی حفاظت کے لیے افغانستان کی آزادی و خود مختاری کا برقرار رہنا ناگزیر ہے چنانچہ ہندوستان سے سفارتیں بھی دریائے سندھ کو عبور کرکے کابل پہنچ گئی تھیں اور امیر دوست محمد خاں نے ان کا معقول خیر مقدم بھی کر لیا تھا جس وقت ۱۸۳۷ء میں شاہ ایران نے بنفس نفیس اپنی فوج کی قیادت کر کے چند روسی افسروں کی سرکردگی میں ہرات پر فوج کشی کی اور امیر افغانستان کو انگریزی استمداد میں ناکامی ہو جانے کی وجہ سے اس نے ایک روسی دائرۂ مقام سلطنت سے نامہ و پیام شروع کیا تو یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ بدگمانی و اشتباہ کے تمام اسباب نہایت سرعت سے جمع ہو گئے۔ فوراً ایک انگریزی مہم خلیج فارس پر پہنچی گئی جس نے جزیرہ قرق پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اسی مہم نے جنوبی ایران کی طرف کچھ فوجی نمائش کی جس سے شاہ ایران کو ہرات سے واپس لوٹنے کا اچھا خاصہ حیلہ مل گیا کیونکہ ہرات

باب ہفدہم
فصل سوم

کے محاصرے میں اس کے پے در پے حملوں کو پسپائی کا منھ دیکھنا پڑا تھا اور اس کے ذخائر قریب الاختتام آ گئے تھے۔ لیکن ہندوستان کے حفظ ماتقدم کے اعتبار سے جو معیار مدافعت اس وقت انگلستان اور ہندوستان کی حکومتوں نے قائم کیا تھا اس کو پورا کرنے والی یہ ایرانی فوجوں کی ہرات سے واپسی نہیں سمجھی گئی۔ لندن میں وزرا نے اعلان کر دیا تھا کہ انگریزوں کے مشرقی مقبوضات کی سلامتی کا تقاضا یہ ہے کہ مغربی سرحد پر ان کا ایک ایسا زبردست حلیف موجود رہے جو ہر جارحانہ کارروائی کی مدافعت کرنے میں اپنا بھی فائدہ سمجھے بجائے اس کے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ایک سلسلہ رہے جو ہر جنگی قوت سے زیر ہو سکتی ہوں۔ چنانچہ وزارت نے لارڈ اکلینڈ پر اس کی تاکید کی کہ افغانستان میں کوئی کارروائی ضرور کرے۔ چنانچہ گورنر جنرل نے انگلستان کی وزارت سے استصواب و منظوری کے بعد تین فریقوں کا ایک ایسا معاہدہ طے کیا جس کی رو سے انگریزوں نے اور رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع سے وعدہ کیا کہ اسے بزور شمشیر تخت افغانستان پر متمکن کریں گے۔ لارڈ اکلینڈ نے انگلستان کی گورنمنٹ کو لکھا تھا:۔

> "افغانستان کی غیر مطمئن حالت اب ایسے نازک درجے پر پہنچ چکی ہے کہ وہ انگریزی مداخلت کا شد و مد سے تقاضا کر رہی ہے اور میں پورے زور و قوت کے ساتھ اپنی ان تدبیروں پر کاربند ہو تا رہوں گا جن کے ذریعے سے مشرقی افغانستان میں بجائے کسی مخالف قوت کے کوئی موافق دوست حاکم بنا دیا جائے تاکہ ہماری شمال مغربی سرحد پر تمام حملوں کے مقابلے میں ایک مستحکم حد فاصل قائم ہو جائے۔"

۱۸۳۹ء میں ایک انگریزی فوج سندھ میں سے گزر کر بلوچی دروں میں سے ہوتی ہوئی قندھار پر اس غرض سے چڑھ دوڑی کہ موجودہ حکمران

دوست محمد خاں کو معزول کر کے شاہ شجاع کو تخت کابل پر متمکن کر دے۔
ملکہ وکٹوریہ کے قابل یادگار عہد سلطنت کے آغاز میں ہندوستان کے انگریزی مقبوضات کی یہ حالت تھی۔ انگریزوں کے ابتدائی اتحادی اور دشمن یعنی نواب نظام الملک۔ اودھ۔ اور مرہٹہ سرداروں اور میسور کے تمام ابھی تک نقشے میں مخط جلی لکھے ہوئے تھے لیکن انگریزوں کی اس وقت کی پیش قدمی کے اعتبار سے یہ سب بہت پیچھے چھوٹ گئے تھے اور انگریزوں کے سامنے اس وقت ایک رنجیت سنگھ تھا جو پنجاب پر افغانی کوہستان تک حکومت کر رہا تھا۔ دوسرے امیران سندھ تھے جو وادیٔ سندھ پر حکمران تھے۔ اب وسط ایشیا کی سیاسیات کے اس بڑے لمبے تماشے کے پہلے کھیل کا پردہ دھیرے دھیرے اٹھ رہا تھا جو اب تک کھیلا نہیں جا چکا ہے۔ اس آغاز کے کیا معنی تھے۔ انگریزوں کا افغانستان سے کوئی تنازعہ نہیں تھا کیونکہ افغانستان اور ہندوستان کو جدا کرنے کے لیے وہ پانچ دریا حائل ہیں جن سب کی دھاریں دریائے سندھ میں مل جاتی ہیں۔ اس کے معنی یہ تھے کہ نصف صدی تک امین رہنے کے بعد اب پھر انگریزوں کو سرزمین ایشیا پر کسی یورپین ہم چشم سے دوچار ہو جانے کا خدشہ پیدا ہوتا چلا تھا۔ اس سے پہلے کی صدی میں ان کو اس قسم کی ہمسری کے دعوے کا ڈر سمندر کی طرف سے تھا لیکن اب ان کو ایک مدعی کے دھیرے دھیرے خشکی کی طرف سے قدم بڑھانے کی وہ آہٹ سنائی دے رہی تھی جو دریائے جیحوں کے پار سے چلی آ رہی تھی۔

انگریزوں کی پہلی افغانی فوج کشی کی کہانی سب کو معلوم ہے۔ شاہ شجاع کو آسانی کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا اور انگریزوں نے نواح کابل و قندھار پر دو سال تک فوجی قبضہ قائم رکھا۔ لیکن سیاسی تدبر کے اعتبار سے یہ تمام منصوبہ نہایت غلط باندھا گیا اور فن جنگ کے اعتبار سے یہ مہم نہایت کوتہ اندیشی و کم فہمی پر دلالت کرتی تھی۔ انگریزوں کی تمام جنگی کارروائیوں کا مستقر سندھ میں رکھا گیا تھا جو ایک غیر ملک تھا

باب ہفدہم
فصل سوم

جس کے حکمران انگریزوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور انگریزوں کے بازو پر آن کے ہندوستان کے ساتھ تمام سلسلۂ ارتباط پر قبضہ کیئے ہوئے پنجاب واقع تھا جو خود ایک غیر حکومت تھی اور اپنی زبردست فوج کے ساتھ انگریزوں کی ہر نقل و حرکت پر رشک و رقابت کی گہری نظریں ڈال رہی تھی۔ یہ حیثیت اس قدر ناپائدار تھی اور یہ پیش قدمی اس قدر خام کارانہ تھی کہ کسی شخص کو اس نوحہ انگیز بدنصیبی پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے جس کا منھ انگریزوں کو ہندوستانی حدود کے پار اپنی ذمی ریاست قائم کرنے کی پہلی کوشش میں دیکھنا پڑا۔

اپنے ملک پر ایک غیر قوم کا فوجی قبضہ دیکھکر آزاد افغانی قبائل کی بیزاری و اشتعال انتہا کو پہنچ گئی کیونکہ اس قوم نے اپنی قومی آزادی کے لیئے ہمیشہ نہایت پامردی سے مقابلے کیئے ہیں اور ان کی حب وطن ان کے مذہبی جوش سے کسی طرح کم نہیں رہی ہے۔ شاہ شجاع کی آمد پر اہل وطن نے معقول حد تک خوشیاں منائیں مگر یہ لازمی امر تھا کہ جتنی ہر دلعزیزی شاہ شجاع کو اصلی وارث تخت و تاج ہونے کی وجہ سے حاصل ہو سکتی تھی وہ سب نہایت تیزی سے کم ہوتی چلی گئی جبکہ یہ محسوس ہونے لگا کہ وطن کے تخت و تاج کو قائم رکھنے والی اور گھیرے رہنے والی انگریزی فوج ہے سچ ہے تلوار کی دھار پر چل لینا ممکن ہے مگر اس پر بیٹھ جانا محال ہے۔ غالباً بہترین طریق عمل یہ ہوتا کہ انگریزی فوجیں بالکل واپس کر لی جاتیں اور شاہ شجاع کو اس کے شخصی اثر اس کے موجودہ قبضے۔ اور اس قواعدواں افغانی فوج کے بھروسے پر چھوڑ دیا جاتا جو اس کی خدمات کے لیئے بھرتی کی گئی تھی۔ لیکن آکلینڈ اپنی مہم کی اس غایت کا اظہار کر چکا تھا کہ افغانستان کی خودمختاری و آزادی کو قائم رکھنا ہے اور یہ غایت شاہ شجاع کو اس ملک پر قبضہ دیکر اکیلا چھوڑ آنے میں نہیں پوری ہو سکتی تھی۔ اگرچہ اب واپسی بھی اپنی پیچیدگیوں سے خالی نہیں رہی تھی لیکن اس میں کچھ کامیابی کی امید تھی۔ ورنہ اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیئے یہ لازمی تھا کہ انگریز اپنا فوجی قبضہ اس کوہستانی علاقے پر مزید عرصے تک

قائم رکھیں جہاں سردی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ جہاں ذخائر کمیاب ہیں اور جہاں سلسلۂ ارتباط اس قدر دقت طلب ہے کہ کسی ایک مرکزی مقام پر سے اجتماعی کارروائیوں میں بھی ہمیشہ اس قوم کے ہاتھوں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جو چھوٹی چھوٹی بے قاعدہ لڑائیاں لڑنے میں خوب مہارت رکھتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے قیام ہی کی تجویز کو اختیار کیا گیا۔ سر ولیم میکناٹن اعلیٰ افسر سیاست کو یہ خبر ملی کہ روسی اور تبریز سے خیوا کی طرف پیش قدمی کر چکے ہیں۔ ادھر معزول امیر دوست محمد خاں شمالی صوبہ جات پر منڈلا رہا ہے اور سب پر طرہ یہ کہ سرحد کے قریب کے اضلاع میں بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میکناٹن نے یہ طے کر لیا کہ اپنی واپسی سے پہلے شاہ شجاع کی حکومت کا پورا استحکام کر دے۔ لیکن شاہ شجاع کے واسطے جو محفوظ فوج بھرتی کی جانے لگی اس سے افغانی جرگوں کے زبردست سرداروں میں رشک و رقابت کی آگ بھڑک اٹھی کیونکہ اور تمام جہان کے صاحب اختیار جاگیرداروں اور آزاد سرداروں کی طرح افغانی بھی اپنے بادشاہ کے آگے سر اطاعت خم کرتے ہیں مگر دوسرے آقا کے سامنے اکڑتے ہیں۔ بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ ۱۸۴۱ء میں جزوی بغاوتوں اور مقامی سرکشیوں نے ایک عام غدر کی صورت اختیار کر لی۔ انگریزی فوجوں کے ذخائر کم ہو گئے تھے۔ وہ آئے دن کی مڈبھیڑوں سے تھک چکی تھیں ان کی قیادت ناقابل ہاتھوں میں تھی اور ان کی تمام چوکیاں یا محصور کر لی گئی تھیں یا لشکر سے قطع کر دی گئی تھیں۔ اور میکناٹن انقلاب واقعات کے بھروسے پر تخلیۂ کابل میں تاخیر کرتا رہا یہاں تک کہ موسم سرما سر پر آ گیا۔ اس وقت جب کہ پسپائی ناگزیر ہو گئی تو متواتر ایسی ناقابل قیاس غلطیاں سرزد ہوئیں کہ کابل سے جلال آباد تک کے تنگ راستوں پر لوٹتے وقت انگریزی فوج ایک ایک کر کے کام آ گئی۔ قلعۂ جلال آباد پر انگریز لوگ بڑی جانبازی سے مدافعت کرتے رہے یہاں تک کہ

باب چہارم
فصل سوم

اکتوبر ۱۸۴۲ء میں جنرل پولک کی امدادی فوج نے محصورین کی جان بچائی اور پیش قدمی کرکے پھر شہر کابل پر قبضہ کرلیا۔ ادھر خاص قندھار پر جنرل ناٹ نے افغانیوں کی ان تمام پیش قدمیوں کا پامردی سے جواب دیا جو وہ اس کے قدم اکھیڑنے کے لیے کرتے رہے۔

لیکن ۱۸۴۱ء وہ وگ[1] وزارت شکست ہوگئی جو مداخلت افغانستان کے اصول عمل کی اصل موجد تھی اور ابتدا سے ۱۸۴۲ء میں لارڈ آکلینڈ کی جگہ لارڈ ایلنبرو نے حکومت ہند کا انصرام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے فوری احکام تمام انگریزی فوجوں کو کابل و جلال آباد سے واپسی کے نافذ کیئے۔ لیکن اس وقت بھی اگر انگریزی قائدین اپنی ذمہ داری پر زیادہ جرأت و پامردی سے کارروائیاں نہ کرتے تو نتیجہ السا نہ نکلتا کہ ہندوستانی گورنمنٹ کے سر نہایت ذلت آمیز و زود کارانہ پسپائی کا الزام لگا یا جاتا۔ بہر حال ۱۸۴۲ء کے آخر تک تمام انگریزی فوجیں بغیر مزید خونریزی کے واپس لے آئی گئیں۔ دوست محمد خاں کو پھر تخت پر بٹھا دیا گیا اور انگریزوں نے ملک کو خالی کر دیا۔ اس وقت افغانستان کو برطانوی اثر میں لانے کا اصول عمل بالکل ترک کر دیا گیا اور اس کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھایا گیا یہاں تک کہ بالکل دوسری صورت حالات پیش آجانے پر چالیس سال کے بعد اس کی تجدید پھر نہایت کامیابی کے ساتھ کی جاسکی۔

---

[1] حریت پسند۔

باب پنجم
فصل چہارم

فصل چہارم

سندھ و پنجاب

۱۸۳۹ء میں امیران سندھ کی مملکت کو لارڈ آکلینڈ نے انگریزوں کی سیاسی نگرانی میں لے لیا تھا کیونکہ اس کو جنوبی افغانستان میں کارروائیاں کرنے کے لیئے ایک مستقر کی ضرورت تھی جس کی پہلی سیڑھی وادیٔ سندھ کو سمجھا گیا۔ دریائے سندھ کے دہانے کے قریب جو بندرگاہ کراچی واقع ہے اس پر قبضہ کرلیا گیا اور دریائے سندھ کو انگریزی تجارت کے لیئے کھول دیا گیا۔ جب لارڈ النبرو نے افغانستان سے فوجیں واپس بلانے کا مصمم ارادہ کرلیا تو اس کا دل کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ سندھ میں جو قابل قدر حیثیت حاصل کرلی گئی تھی اسے ہاتھ سے جانے دے برخلاف اس کے اس کی یہ خواہش ہوئی کہ جن مقامات پر انگریزی فوجوں نے عارضی قیام کی وجہ سے قبضہ کرلیا تھا ان پر مستقل قبضہ حاصل کرلے چنانچہ خراج کی بے دیر وصولی کا حیلہ پکڑ کے اس نے تفویض مملکت پر زور دیا۔ سر چارلس نیپیر کو چھانٹ کر اس لیئے حکومت کا قائم مقام بنا کر سندھ بھیجا گیا کہ وہ ان مطالبات کو پیش کرے جن سے لازمی طور سے جنگ کی نوبت آجائے۔ اور اس نے وہاں جاتے ہی گورنر جنرل کے پاس ایک یادداشت بھیجی جس کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

"اگرچہ ہم پر معاہدات کی لفظ بہ لفظ پابندی واجب ولازم ہے لیکن ایسی لفظی پابندی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ہمیشہ کے لیئے انھی مقامات میں گھٹنے پڑے رہیں گے جو ہمارے لیئے

مقرر کردیئے گئے ہیں اور اسی طرح سندھ کی رعایا کے عام مفاد کے لیے جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں وہ کچھ نہیں کرسکیں گے۔
کیا ایسا ممکن ہے کہ موجودہ صورتِ حالات عرصے تک قائم رہ سکے ۔ اور اگر میری رائے صحیح ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم معاہدات کا فوری تصفیہ ان مقامات کا الحاق کرکے کریں جن پر اس وقت ہمارا عارضی قبضہ ہے ۔
اگر اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس کافی وجوہ ایسی تحکمانہ کارروائی کے ہونے چاہئیں تو میں پانچ نظیروں کی ایک یادداشت منسلک کرتا ہوں جن سے ظاہر ہوجائے گا کہ ان ان موقعوں پر سندھ کے امیروں نے معاہدات کے الفاظ کی یامعنی کی خلاف ورزی کی ہے ۔
ان نظیروں کے ملاحظے سے سمجھ میں آجائے گا کہ یہ کوئی سخت گیری نہیں ہے بلکہ محض انسانیت کا فرض ہے کہ ہم ان امیروں کو مجبور کریں کہ وہ مقامات معلومہ ہمارے حوالے کردیں۔"

چنانچہ گورنر جنرل نے سر چارلس نیپیر کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ امیرانِ سندھ کو ایک نئے معاہدے کے طے کرنے پر مجبور کرے جس کی رو سے خراج کے معاوضے میں مملکت حوالے کی جائے ۔ امیروں نے اس معاہدے پر دستخط کردیئے مگر اپنی فوجیں بھی جمع کرلیں اور اپنے دارالسلطنت کے انگریزی سفارت خانے پر حملہ کردیا ۔ اس پر سر چارلس نیپیر نے خاص ان کے اندرون ملک پر فوج کشی کی اور مقام میانی پر فروری ۱۸۴۳ء میں ایک فیصلہ کن فتح حاصل کی ۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ امیروں کو معزول کردیا گیا اور وادیٔ سندھ کا حصۂ زیرین انگریزی مملکت میں شامل کرلیا گیا ۔ جس سے انگریزوں کے قبضے میں کراچی اور دریائے سندھ کا دہانہ آگیا اور تمام ہندوستان کے ساحلی علاقے کا مسلسل دور انگریزوں کی نگرانی

باب ہفدہم
فصل چہارم

میں آگیا۔ ۱۸۴۴ء میں لارڈ النبرو کا عہد حکومت ختم ہوگیا کیونکہ اس کو ایک دم واپس طلب کر لیا گیا اور اس کی جگہ سر ہنری ہارڈنگ کو بھیجدیا گیا ؎

اسی اثنا میں ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کے وفات پا جانے سے پنجاب کی سکھ حکومت جو صرف تیس سال تک قائم رہ سکی برابر زوال پذیر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے کئی سرداروں نے سلطنت کی تمام قوت و طاقت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا ان میں سے کوئی معزول کر دیا گیا تھا اور کوئی قتل۔ ایشیا میں تقریباً ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ نئی سلطنت کوئی ایسا قابل سردار قائم کرتا ہے جسمیں جنگی نظام مرتب کرنے کا مادہ ازل سے ودیعت کر دیا جاتا ہے اور جو ایسی پُرکار فوج تیار کر سکتا ہے کہ اس سے وہ نہ صرف مدعیان ہمسری کو میدانِ جنگ میں زیر کر سکے بلکہ اسی سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی توڑ کر اپنی سلطنت میں شامل کرے اور اپنے حدود اقتدار کے اندر جتنی مقاومتیں ہوں اُن سب پر قابو حاصل کر لے اور اُس کے ذاتی اختیارات کے جتنے سنگِ راہ ہوتے ہیں سب کو پیس پسا کر برابر کر دے۔ لیکن جو اس طرح تمام ذرائع مقاومت کو جھاڑ کر صاف کر دیتا ہے وہ گویا اپنے تمام ستون خود گِرا دیتا ہے کیونکہ ستون کی شان یہ ہے کہ وہ اس بار کی مقاومت کر سکے جو اس پر دباؤ ڈال رہا ہو۔ چنانچہ اس کے اپنے بنائے ہوئے آلۂ حرب کا زبردست بھَل اور تیز دھار اسی کے جانشینوں کے لیئے دوگونہ خطرے کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اگر پہلے ہی جانشین کا دل یا ہاتھ کمزور ہوتا ہے تو میزانِ سیاست کے ایک پلڑے میں جو زبردست گرانبار تلوار رکھی ہوتی ہے اس کے مقابلے میں حکومت کا دوسرا پلّہ اٹھتا چلا جاتا ہے اور یا وہ ریاست ہی سرنگوں ہو جاتی ہے یا کم سے کم اس خاندان کو روزِ بد دیکھنا نصیب ہوتا ہے سکھ سلطنت اس جوش مذہبی سے قائم ہوگئی تھی جو مسلمانوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے اوّل مذہبی حیثیت سے پیدا ہو کر علانیہ بغاوت کی نوبت تک

پہنچ گیا تھا اور جب تک اس قسم کے جمہوری بلکہ عالمگیر کل پرزے زبردست
رہے اور ان کو ترتیب دیکر ایک قوت متحرکہ نے ایک جنگی حکومت
قائم کرنے کے رخ پر استادی سے چلایا اس وقت تک وہ ایسا
کام کیئے گئیں کہ اظہر من الشمس تھا مگر اس قوت متحرکہ میں کسی قسم کی کمزوری
آجاتی یا اس کا رُخ ذرا سا بدل جاتا تو یہ لازمی امر تھا کہ تمام کل پرزے اپنے اپنے
طور پر پھرنے لگتے اور سارا ڈھانچہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ۔
رنجیت سنگھ کے صلبی یا متبنیٰ بیٹوں میں سے کسی کو رنجیت سنگھ کی قابلیتوں
کا ورثہ نہیں ملا تھا نہ ان میں سے کوئی اس جانباز اور خونخوار سپاہ کو
قابو میں رکھنے کا اہل تھا جس سے رنجیت سنگھ نے پنجاب کو فتح کیا تھا
افغانوں کو بھگا کر سندھ پار کوہستان میں واپس کر دیا تھا اور کشمیر کا الحاق
اپنی سلطنت میں کر لیا تھا ۔ اس کا سب سے بڑا صلبی بیٹا کھڑک سنگھ
اس کی وفات کے بعد ایک سال کے اندر مر گیا ۔ اس کا متبنیٰ بیٹا شیر سنگھ
جس نے اپنے باپ کے انگریزوں سے دوستانہ تعلقات قائم
رکھنے کے اصول پر آخری مرتبہ عمل کیا تھا بہت جلد معہ اپنے بیٹے
اور وزیر کے ایک سازش کا شکار ہو کر قتل کر دیا گیا ۔ جن سرداروں
یا وزیروں نے شیر سنگھ کے بعد حکومت کرنے کی کوشش کی
ان سب کا خاتمہ خونخوار تنازعوں ۔ مغویانہ سرکشیوں اور خفیہ خونریزیوں
کے ساتھ ہو گیا ۔ سکھ سلطنت طوائف الملوکی کی وجہ سے بالکل خاتمے
کے قریب آگئی تھی کیونکہ زمام حکومت فوجی افسروں کی جماعتوں کے ہاتھ
میں آگئی تھی جن کو اس تمام لشکر نے مل کر منتخب کیا تھا جو خود مذہبی جوش
سے دیوانہ ہو رہا تھا اور اپنی ہی حکومت کی طرف سے بدگمان تھا ۔
رنجیت سنگھ کی بیوہ ملکہ اور اس کے شیر خوار بچے دلیپ سنگھ کو برائے نام
مالک تخت و تاج بنا دیا گیا تھا ۔ لیکن ان کے لیئے بھی ہر لمحہ یہ خطرہ تھا
کہ کب سکھ فوج کے جوالا مکھی میں خونخوار اُبال آجائے اور کب دونوں
ماں بیٹوں کو بھسم کر کے رکھدے ۔ چنانچہ زیرک ملکہ نے اپنی بچت کی

باب ہفدہم
فصل چہارم

صورت صرف اس میں دیکھی کہ اُس سکھ فوج کے جوش نکالنے کی کوئی بدررو غیر ملک کی طرف تلاش کی جائے جس نے تمام سلطنت میں مطلق العنانی طوائف الملوکی پھیلا دی تھی۔ اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے یہ تدبیر سوچی گئی کہ فوجوں کو دریائے ستلج کے پار انگریزوں سے دو دو ٹکریں لڑانے کو بھیجا جائے تاکہ اس ترکیب سے یہ اچھی طرح کمزور ہو جائیں یا پورے طور سے فنا ہی ہو جائیں۔ فوجی سرداروں کی آنکھیں ایسی بند نہیں تھیں کہ وہ یہ بھی نہ سمجھتے کہ ان کو کس نیت سے انگریزی سرحد پر کوچ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے مگر ان کے حبِّ وطن کے جذبات میں انگریزی فوج کی پیش قدمی کی افواہوں سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا تھا کیونکہ گورنر جنرل سر ہنری ہارڈنگ نے کسی بے ضابطہ یورش کے حفظ ماتقدم کے طور پر انگریزی سرحدی چوکیوں کا فوجی استحکام شروع کر دیا تھا۔ علاوہ بریں کچھ حد نسبت کے تنازعات بھی ایسے ہو گئے تھے جن میں سلطنت لاہور حق بجانب تھی اور انگریزوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے سکھوں کے تعلقات میں بہت کچھ بد مزگی آگئی تھی چنانچہ جب گھر پر سکھوں کی سپاہ کو یہ طعنہ دیا گیا کہ کان دبا کر یورپ کے اقتدار کے آگے جھک جاؤ تو ان کو اس قدر اشتعال پیدا ہو گیا کہ وہ فوراً دریائے ستلج کو عبور کر آئے جو دراصل جنگی خطِ سرحد تھا اور اس رقبے میں خندق بندی کرنے لگے جو دریائے ستلج کے جنوب مشرقی کنارے پر دراصل لاہور کا مقبوضہ تھا مگر بروئے معاہدہ سکھوں کا اس میں کسی بڑی فوج کے ساتھ داخلہ ممنوع تھا۔ انگریزوں نے اس کو اعلانِ جنگ سمجھا اور دسمبر ۱۸۴۵ء میں ان کے مقابلے کے لیئے انگریزی فوجیں آجمیں۔ انگریزوں کی طرف تیاریاں ناکمل تھیں انھوں نے سکھوں کی قوت و جمعیت کا اندازہ غلط لگایا تھا اور انگریز اتنے عرصے تک میدانی لڑائیوں کی سبے وقت فتوحات کے ایسے عادی ہو چکے تھے کہ سکھوں نے اپنی خندقوں میں سے جو پامردی کے ساتھ مدافعت شروع کی اور ان کے توپ خانے نے جو موقع موقع سے آگ برسائی

باب پنجم
فصل چہارم

شروع کی تو انگریزی فوجیں حیران رہ گئیں۔ غرض یہ کہ مدکی کی پہلی لڑائی میں جو فتح
انگریزی فوجوں کو حاصل ہوئی اس کی قیمت بہت کچھ جان و مال سے دینی
پڑی۔ تین دن بعد ۲۱۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو فیروز شہر میں وہ حد سے زیادہ خونخوار
اور اٹل لڑائی شروع ہوئی جیسی کہ آجتک کبھی برطانوی ہندی فوجوں نے
نہیں لڑی تھی۔ جس وقت یہ لڑائی ختم ہوئی ہے تو انگریزی فوج کے قبضے میں
صرف اپنا پڑاؤ رہ گیا تھا اور تیج سنگھ کی سرکردگی میں سکھوں کی امدادی فوج کے
آجانے سے حالت نہائیت مخدوش ہو گئی تھی۔ مگر انگریزوں نے بہادری
سے مجارحت کی اور تیج سنگھ کو پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد دو لڑائیوں میں علی وال،
اور سبراؤں پر ۱۰۔ فروری ۱۸۴۶ء کو لڑی گئی اور جس سے اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا باوجودیکہ سکھوں
نے نہایت پامردی و خونریزی کے ساتھ مدافعت کی مگر ان کو ستلج کے اس پار تک
پسپا کر کے میدان چھوڑ بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ بعد ازاں فروری ۱۸۴۶ء
میں گورنر جنرل نے بیس ہزار کی جمعیت سے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ رنجیت سنگھ
کے شیر خوار بچے کو انگریزوں کی سرپرستی میں تخت نشین کر دیا گیا۔ کچھ
قطعات کا انگریزی سلطنت میں الحاق کر لیا گیا اور دو سال تک
پنجاب کی حکمرانی بطور ایک ایسی ریاست کے ہوتی رہی جو انگریزی سلطنت کی
حمایت اور عام نگرانی میں رکھی گئی تھی۔

لیکن دیسی ریاستوں کے انتظام کو عارضی یورپین نگرانی میں رکھنے کی
تدبیر صرف اسی وقت کارگر ہوا کرتی ہے جبکہ نگرانی کرنے والی قوت کے
اختیار و اقتدار کو عام طور سے محسوس اور تسلیم کر لیا جائے ورنہ یہ طریقہ
چونکہ مستقل نہیں ہوتا اس لیئے پائیدار نہیں ہوتا اور جنگی بغاوت کے
اندر ہی اندر سلگنے والے جوش کو بالکل بجھا دینے والے بلاواسطہ اور
زوردار دباؤ کا جو اس میں نہیں ہوتا۔ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے
سکھ تمام پنجاب کی آبادی کے چھوٹے حصے سے زیادہ نہ تھے لیکن ابھی
ان کے دل میں اپنی حکومت کی یاد تازہ تھی جس نے ان کو متحد الخیال بنا
رکھا تھا۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ نبرد آزما قوم جس میں ابھی انگریزوں

باب ہفدہم
فصل چہارم

کے ساتھ برابر کی ٹکر اٹھا چکنے کی نخوت باقی تھی کان دبا کر کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہوجاتی۔ دربارِ لاہور میں رقابتوں اور سازشوں کا زور ہونے لگا اور بیرونی اضلاع میں کئی کئی سرکشی کی جادہ گاہیں تیار ہوگئیں۔ اپریل ۱۸۴۸ء میں ملتان میں دو انگریزی افسروں کا قتل کیا جانا گویا اس بغاوت کا اعلان تھا جس سے تمام جنگجو طبقے میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور پھر پرانی خالصہ فوج جمع ہوکر انگریزوں سے ایک دفعہ اور زور آزمائی کرنے کے لیئے تیار ہوگئی۔ جنوری ۱۸۴۹ء میں مقام چلیانوالہ پر انگریزی جنرل نے اپنی فن جنگ کی ناقابلیت سے دو ہزار چار سو سپاہی اور افسروں کو کھو کر لڑائی فتح کی۔ لیکن فروری ۱۸۴۹ء میں مقام گجرات پر باوجودیکہ سکھوں نے نہایت جانبازی سے مدافعت کی گمران کو شکستِ فاش نصیب ہوئی اور تمام فوج اس طرح تہ وبالا ہوگئی کہ انگریز لوگ تمام ملک پنجاب کے مسلمہ مالک بن گئے۔

اس ردّ و بدل کی نوبت قدرتی سلسلۂ علت و معلول سے کے بعد آئی تھی۔ تعلقات سے تصادم پیدا ہوا اور تصادم کا انجام ایک غیر مستقل اور بد انتظام حکومت کے اختتام پر ہوا۔ انگریزوں کو مجبور ہو کر اپنے ہاتھوں سے وہ حد فاصل گرادینی پڑی جو پچاس برس پہلے وسط ایشیا کے حملوں کے مقابلے میں سکھوں نے شمالی ہند میں کھڑی کردی تھی۔ اب یہ ناممکن تھا کہ اس ملک کو غیر ملکی اسلامیوں کے حملے کے واسطے خالی اور بے پناہ چھوڑ دیا جاتا۔ اور یہ لازمی اور ضروری ہوگیا تھا کہ اب ہندوستان کے دروازے انگریزوں کے قبضے میں لے لئے جائیں کیونکہ دریائے جیحون کی طرف روسی فوجوں کی پیش قدمی اگرچہ ہندوستان سے ابھی بہت دور تھی تاہم اس کا باقاعدہ اعلان ہوچکا تھا اور گزشتہ جنگ میں افغانیوں نے سکھوں کا ساتھ بھی دیا تھا۔ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت رہا۔ اور اس وقت لارڈ ڈلہوزی نے بہت کچھ غور و خوض کے بعد یہ طے کرلیا کہ اب پھر اس کا تجربہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ پنجاب میں ذمی ریاست کے طریقے کو جاری رہنے دیا جائے اور وہاں انگریزوں

باب ہفدہم
فصل چہارم

کی نگرانی اور ضمانت میں ایک حکمراں قائم کر دیا جائے۔ اس فیصلے کو بھی ایک خوش قسمتی کی دلیل سمجھنا چاہیے کیونکہ جس وقت آٹھ سال بعد ہندوستانی سپاہیوں نے غدر کیا اس وقت اگر ستلج پار پنجاب میں کوئی خود مختار ریاست موجود ہوتی تو سکھوں کو انتقام لینے کا ایسا موقع مل جاتا کہ پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ۱۸۴۵ء کی مخاصمت شروع ہونے سے پہلے سکھوں نے کئی مرتبہ یہ کوششیں کیں کہ انگریزوں کے دیسی سپاہیوں کی وفاداری کو متزلزل کر دیں اور انگریزی کی ہندوستانی فوجوں پر اس کا ضرور اثر ہوا تھا کہ سکھ سپاہی کس طرح اپنی سلطنت پر رعب جما کر من مانی شرح تنخواہ مقرر کرا لیتے ہیں۔ گورنر جنرل کے ۱۸۴۹ء میں الحاق پنجاب کے اعلان نے انگریزی مملکت کی سرحد کو سندھ سے پار لیجا کر ٹھیک افغانی کوہستان کے دامن میں قائم کر دیا۔ ہندوستانی تھمریوں کے طویل سلسلے ہی کو بالکل قطع کر دیا اور اس آخری سلطنت کو بھی انگریزی حدود کے اندر گھیر لیا جو اب تک برطانیہ کی سلطنت ہند سے باہر نکلی ہوئی تھی۔

چنانچہ اس طریقے سے۔ انگریزی قوم کے کامل اتفاق رائے کے ساتھ جس کا اظہار ایوانِ حکومت کے ذریعے سے ہوتا رہتا تھا۔ یکے بعد دیگرے گورنر جنرلوں نے انیسویں صدی کے دوران میں زوردار فوج کشیوں کے وسیلے سے ہندوستانی سلطنت کی تکمیل کر کے لارڈ کلایو کی پیشین گوئی کو پورا کیا اور اس کے وسواس کی تردید کی۔ انگریزوں کے عالمگیر اقتدار کی آخری سدِ راہ سکھوں کے خلاف خونریز مگر فیصلہ کن فوج کشیوں کے ذریعے سے بالکل منہدم کر دی گئی۔ اس کے بعد سے انگریزوں کی تمام فوج کشیاں ہندوستان سے باہر اور ہندوستان کے ارد گرد ہوتی رہیں۔ کیونکہ سلطنت برطانیہ نے ایسی اول درجے کی ریاست کی حیثیت سے استحکام حاصل کر لیا تھا جو سمندر سے کوہستان تک پھیلی ہوئی تھی اور جس طرح ان تمام سیاروں کے اندرونی اجزا میں حرکت سالبہ پیدا ہو جاتی ہے جو آفتاب کے دور کے اندر واقع

ہیں اسی طرح جتنی حکومتیں سلطنت ہند کے سیاسی تاثر میں آجاتی تھیں۔ ان کا اندرونی انتظام اس کی انتظامی کشش سے مختل ہونے لگ جاتا تھا اور ایشیا کے تمام سلسلۂ سیاسیات پر اس کا اثر غالب ہوتا چلا جا رہا تھا ؏

فصل پنجم

برہمائے زیریں

لارڈ ڈلہوزی نے ابھی پنجاب کو تسخیر کر کے پشاور میں انگریزی جھنڈا کھڑا کیا ہی تھا کہ اُسے برہمی حکومت کے ساتھ برسرپیکار ہونا پڑا جس سے جنوب مشرق میں نہایت اہم مقبوضات مملکت کا الحاق عمل میں آیا۔ سلطنت چین جتنی معتدل مزاج اور دوراندیش غیرملکیوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں رہتی ہے اسی قدر برہمی حکومت تند مزاج اور ضدی اس معاملے میں ثابت ہوئی اور اس کے افسروں نے انگریزی رعایا کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا تھا اس کے واسطے اس نے کسی قسم کی معذرت یا تلافی کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔ تعجب یہ ہے کہ ۱۸۲۶ء میں جو جنگ برہما ہو چکی تھی اس کے نتائج ایسے نکلے تھے کہ احمق سے احمق حکمراں بھی اس جہاز راں قوم سے پھر اُلجھتے ہوئے ڈرتے جس کی خلیج بنگال کی بحری طاقت ان کے تمام ساحلی علاقے پر قبضہ کر سکتی تھی ان کے تمام منافذ کی ناکہ بندی کر سکتی تھی اور دریائے اراودی میں ہو کر ان کے اندرونِ ملک میں گھس سکتی تھی۔ اور گورنر جنرل کو مجبوراً یہی سب

باب نہم
فصل پنجم

کارروائیاں اختیار بھی کرنی پڑیں جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیگو جس میں ایک غیر برہمی قوم رہتی تھی جس کو برہموں نے مغلوب کر لیا تھا آسانی سے ۲۰ دسمبر ۱۸۵۲ء کو انگریزوں کے ہاتھ آگیا اور جب برہمی فوجیں وہاں سے ہزیمت دیکر بھگا دی گئیں تو وہ بعد کو انگریزوں کے ہی قبضے میں رہ گیا۔ اس تسخیر نے انگریزی مقبوضات کو خلیج بنگال کے مشرقی سواحل پر مسلسل و مربوط کر دیا اور پھر انگریزوں کی حیثیت اس قسم کی بنا دی جو ہر سمت میں توسیع مملکت کے لیئے خاص طور سے موزوں ثابت ہو چکی تھی۔ کسی بڑے دریا کے دہانے کے قریب ایسے مسطح میدان پر قبضہ ہو جاتا جس میں اس دریا کی شاخوں کا جال بچھا ہو چاہے ایشیا میں ہو یا افریقہ میں مگر وہ ایک جہاز راں قوم کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ سمندر میں اپنا مستقر قائم کر کے خشکی پر مضبوطی سے قدم جما سکتی ہے۔ بلکہ اس کے ہاتھ تجارت کی ایک زبردست رگ آجاتی ہے اور اندرون ملک میں گھسنے کے لیئے اعلیٰ درجے کا آبی راستہ مل جاتا ہے۔ چونکہ ایسے اقطاع کے باشندے عموماً جفاکش مگر امن پسند ہوتے ہیں اس لیئے ان فوائد سے کام لیکر ایک حوصلہ مند اجنبی رفتارِ واقعات کے ساتھ دریا کے بہاؤ پر اندرون ملک میں چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اسی عام اصول سے انگریزوں کی برہما میں پیش قدمی مستثنیٰ نہ ہو سکی۔ جس طرح انگریزوں نے گنگا کے ایک دہانے پر کلکتے میں قدم جما کر بنگال کو تسخیر کر لیا۔ جس طرح انگریز کراچی پر قبضہ کر کے مملکتِ سندھ کے مالک بن بیٹھے اور جس طرح قاہرہ میں جگہ مل جانے سے بالائی مصر پر انگریزوں کا پنجہ گڑتا جاتا ہے اسی طرح دریائے اراودی کے دہانے کے قریب رنگون کے مقام پر ایک انگریزی مستقر کے قائم ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دریا کے ذریعہ سانڈے تک پہنچنے کا راستہ ان کے لیے صاف ہو گیا ؎

فصل ششم

اندرونی الحاقات وبلی سپاہ کا غدر

دو صوبہ جات کو سلطنت کے بالکل دو مقابل سرحدوں پر تسخیر کر چکنے کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے اندرون ملک پر توجہ مبذول کی۔ ۱۸۱۸ء میں جب پیشوا کی مرہٹہ حکومت کا استیصال کر دیا گیا تو سیواجی کے خاندان کا قدیمی وارثِ تخت و تاج نظربندی سے آزاد کر دیا گیا تھا اور لارڈ ہیسٹنگز نے ستارا کی حکومت اس کو تفویض کر دی تھی۔ ۱۸۴۸ء میں اس راجہ کے ایک جانشین نے جب لاولد انتقال کیا تو لارڈ ڈلہوزی نے کسی متبنیٰ وارث کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے یہ اصول قائم کیا کہ گورنمنٹ برطانیہ کا یہ فرض ہے اور یہی اصولِ عمل ہے کہ جب کسی دیسی ریاست میں صلبی وارث تخت و تاج نہ رہے تو اس ریاست کو سلطنت کے ساتھ یقیناً ضم کر لے تاوقتیکہ قوی وجوہات اس کے خلاف عمل کرنے کی موجود نہ ہوں۔ چنانچہ ستارا کو ہضم کر لیا گیا۔ دوسرا لقمہ ۱۸۵۳ء میں جھانسی کا بن گیا اور تیسری دفعہ ۱۸۵۴ء میں ناگپور میں صلبی وارث معدوم تھا اس وقت لارڈ ڈلہوزی نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا کہ جب تک گورنر جنرل کو یقین قطعی نہیں ہو جاتا کہ کسی ریاست کو سلطنت کے ساتھ ضم کرنے میں وہاں کی رعایا کی مرفہ الحالی اور سرسبزی میں ترقی ہو جائے گی اس وقت کوئی اور وجہ ایسی نہیں قرار دی جا سکتی جو گورنر جنرل کو ایسی کارروائی پر مجبور کر دے۔ اصول حکمرانی کی اس مسئلہ حکمت عملی کے متعلق کبھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس کی قدیم رسم و رواج سے تائید ہوتی تھی کہ کوئی ریاست کسی متبنیٰ وارث کے سپرد

باب ہفدہم
فصل ششم

بغیر انگریزوں کی شاہی حکومت کی منظوری کے نہیں کی جاسکتی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی کو اس سے انکار نہیں تھا کہ وراثت بذریعہ تبنیت کے جائز ہی نہیں لیکن اس کا ادعا یہ تھا کہ جو ریاست گورنمنٹ برطانیہ ہی کی قائم کی ہوئی ہے یا پہلے سے قائم ہے مگر بعد کے واقعات نے اسے گورنمنٹ برطانیہ کا ماتحت یا باجگزار بنا دیا ہے اس میں مصالح ملکی کے لحاظ سے گورنمنٹ برطانیہ کو یہ شاہی حقوق حاصل ہیں کہ وراثت بالتبنیت کی منظوری دے یا نہ دے چنانچہ جس ریاست کے متعلق گورنر جنرل نے منظوری نہیں صادر فرمائی وہ مملکت برطانیہ میں بصیغہ لاوارث ضم ہو گئی۔ گورنر جنرل کا یہ خیال تھا کہ دیسی ریاستوں کی رعایا کے واسطے اس سے زیادہ کوئی خوش قسمتی کی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ اس قسم کے سیاسی اختلال کی وجہ سے ان کے سر سے بیہودہ ٹیکس کی بالکل باطل ہو جائے۔ یہاں یہ تشریح کر دینے کی ضرورت ہے کہ یہ بصیغہ لاوارث ضبطی کا اصول عمل آجکل بالکل منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ لارڈ کیننگ کے عہد حکومت میں اس کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ دیسی حکمرانوں کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ اپنے مذہب یا اپنی قوم یا اپنے خاندان کے رواج کے مطابق لاوارث ہونے کی حالت میں اپنا جانشین متبنیٰ کر سکیں بشرطیکہ وہ تاج برطانیہ کے ساتھ وفادار اور اپنے معاہدات کے پابند رہیں۔ جس حد تک اس حکم کے نفاذ سے روسا کو حکومت برطانیہ پر اعتماد ہو گیا ہے اس کا اندازہ اس امر واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ابتک شاذ و نادر ہی کسی لاولد رئیس نے اپنے حین حیات میں کسی وارث کو متبنیٰ کیا ہے۔ وہ گود لیا ولیعہد جس کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ گدی کا وارث ہوگا اور اس کی وراثت میں دیر بھی لگے اس کو اکثر توڑ جوڑ والے رئیس پسند نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ وارث کو متبنیٰ کرنے کا کام اکثر بیوہ ملکہ کے سپرد ہو جاتا ہے جو اپنے خاوند کے منشا سے واقف ہوتی ہے اور جو ہر طرح سے اپنے خاوند کی زندگی کی طالب رہتی ہے۔

باب ہفدہم
فصل ششم

پنجاب و پیگو ثمرات جنگ بنکر ملے۔ اور ریاستہائے ستارا۔ جھانسی اور ناگپور لاوارث ہوکر حاصل ہوگئیں۔ مملکت اودھ ہی صرف ایک بڑی دیسی ریاست ہے جس کے رئیس کو ناقابل برداشت بدنظمی کی وجہ سے معزول کیا گیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں نواب وزیر اودھ نے لارڈ ولزلی کے ساتھ ایک معاہدہ کرکے اپنے تئیں اس امر کا پابند کیا تھا کہ آئندہ ایسی طرز حکمرانی اختیار کرے گا کہ اس سے رعایا نہایت سرسبز و خوش حال رہے گی اور یہ بھی قرارداد ہوگئی تھی کہ اس معاملے میں وزیر مذکور ہمیشہ کمپنی کے افسروں سے صلاح و مشورے کو طلب کرتا رہے گا اور اس پر کاربند ہوتا رہے گا۔ مگر ان معاہدہ و مواثیق سے اتنی بے اعتنائی برتی گئی کہ تمام مملکت اودھ پر روز افزوں ابتری طاری ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ مخلوق کی جان پر آئے دن کی چل چل۔ سرکشی۔ غارتگری۔ اور جابرانہ تشدد کی بلائیں نازل ہونے لگیں۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ برطانیہ نے جو چاروں طرف سے مملکت اودھ کو گھیر رکھا تھا اور برطانیہ کی حمایتی فوج جو اندرون اودھ میں موجود رہتی تھی صرف اس کی وجہ سے چند نا قابل حکمرانوں نے کچھ دن تک اوپری طور پر حکومت کا ڈھچر چلائے رکھا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے باضابطہ بلکہ تہدید آمیز تنبیہیں جو وقتاً فوقتاً اودھ کی حکومت کو بھیجی جاتی رہیں وہ بالکل ویسی ہی بے اثر ثابت ہوئیں جیسی ان لوگوں پہ ثابت ہونی چاہئیں جن کا نہ ارادہ نصیحت حاصل کرنے کا ہو نہ اس سے فائدہ اٹھانے کا مقدور ہو۔ یہاں تک کہ یہ ناممکن معلوم ہونے لگا کہ ایسی لغویت کو ان برطانوی افواج کی امداد سے قائم رہنے دیا جائے جو ملک اودھ میں متعین تھیں اور اگر ان فوجوں کو وہاں سے ہٹا کر بالکل بے تعلقی کا اظہار کیا جاتا تھا تو وہ بھی مطلق العنانی کی اجازت دیدینے اور فتنہ و فساد برپا کردینے کے برابر تھا۔ اور چونکہ بعد غور و خوض کے اس تجویز کو بھی بالکل مخدوش اور ادھورا سمجھکر مسترد کر دیا جاچکا تھا کہ حکمران اودھ کو کچھ عرصے کے لیئے معزول کردیا جائے اس لیئے ملکہ وکٹوریہ کی سلطنت نے

باب ہفدہم
فصل ششم

یہ فیصلہ صادر کیا کہ اودھ کو خالصہ کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کارروائی کی تکمیل فروری ۱۸۵۶ء میں ایک اعلان کے ذریعے سے کر دی گئی اور اسی ماہ کے اختتام سے پہلے لارڈ ڈلہوزی نے اپنے عہدے کا انصرام لارڈ کیننگ کے سپرد کر دیا۔

اس وقت سلطنت برطانیہ امن۔ مرفہ الحالی اور عظمت کی معراج کو پہنچ گئی تھی کیونکہ اس کی بلاواسطہ حکومت کی سرحد نہایت وسیع ہو چکی تھی اس کا خط سرحد شمال میں دریائے سندھ سے اور جنوب مشرق میں دریائے اراودی سے پار نکل چکا تھا۔ اور اس کی تمام مملکت کے عرض و طول میں ضابطے اور قاعدے کا دور دورہ تھا۔ لیکن بے چینی کی وہ مخصوص علامتیں جن کو شکسپیر نے ہر امن کے زمانے کا کیڑا کہا ہے ایشیا اور گذشتہ زمانے میں یورپ میں ہمیشہ طویل جنگ بازی کے لازمی ثمرات کے طور پر موجود رہتی ہیں کیونکہ تنازعات کا یک قلم انقطاع اور تمام ملک کی بلا استثنا خموشی ان زرآشناؤں کو بالکل بے اطمینان کر دیتی ہیں جو اپنی خدمات جگہ جگہ بیچنے کے پیچھے بیتے پھرتے تھے۔ ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۹ء تک مخاصمتیں اگرچہ رک رک کر عملی پہلو اختیار کرتی تھیں تاہم کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا سلسلہ جاری رہا ہی تھا دیسی سپاہیوں کو افغانیوں۔ بلوچیوں۔ گوالیار کے مرہٹہ سرکشوں۔ اور پنجاب کے جانباز سکھوں کے مقابلے میں سر میدان رہنا ہی پڑا تھا اور ۱۸۵۲ء میں ان کو برہما کی دوسری مہم میں مصروف کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۴۱-۴۲ء میں سوائے کابل کی منحوس واپسی کے جس میں ایک پورا انگریزی لشکر ضائع ہو گیا تھا اور سب جگہ انگریزی فوجیں فتحمند رہی تھیں لیکن ایشیا کی فتحمند فوج ینگ چری یا مملوکوں کی طرح ہمیشہ بڑا اوپر رہنے کا سر رکھ کر ناقابل انقیاد ہو جاتی ہے۔ بنگال کے دیسی سپاہیوں کو یہ گھمنڈ ہو گیا تھا کہ تمام ہندوستان ان کی ٹھوکر پر آگیا ہے اور ۱۸۵۶ء کے اودھ کے الحاق نے ان کی نخوت کو ایک دھکا سا لگایا اور ان کی اغراض کو صدمہ پہنچایا۔ کیونکہ اودھ ہی ایسا صوبہ تھا جس میں سے اعلیٰ نسل کے جانباز اکثر

باب ہفدہم
فصل ششم

فوج میں بھرتی ہوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ جس وقت چکنے کارتوسوں نے ان کے مذہبی توہمات کو برانگیختہ کر دیا تو وہ اچھے بُرے کی تمیز بھول کر اپنے انگریزی افسروں پر ٹوٹ پڑے اور نہایت ہی بے باکانہ وسفاکانہ غدر کر بیٹھے۔

اس نیم مذہبی جوش وخروش کو ۱۸۵۷ء میں فرو کرنے کے سلسلے میں انگریزوں کو مجبوراً ہندوستان کی قدیم عظمت وشان کی یادگار خاندانِ مغلیہ کے جسد بے روح کے سائے کو بھی مٹا دینا پڑا۔ چنانچہ دہلی میں سے شہنشاہ مغل اور اس کے دربار کا کابوس بھی الگ اڑا دیا گیا۔ کانپور میں سے مرہٹوں کے پیشوا خاندان کے اعزاز کا آخری مدعی غائب کر دیا گیا اور تمام مملکت ہند کی بلا واسطہ حکمرانی کمپنی کے قبضے سے منتقل ہو کر ۱۸۵۸ء میں تاج برطانیہ سے متعلق کر دی گئی۔ اب اس سلطنت کی فوقیت ایسی مسلّم ہو چکی ہے کہ تمام قلمروئے ہند میں کوئی رائے یا کوئی احساس ایسا نہیں ہے جو اس کو تسلیم کرنے میں تامل کر سکے۔ خاندانی تنازعوں اور ہچشمیوں کے فنا ہو جانے سے سیاسی زندگی کا ایک عہد جدید شروع ہو گیا۔ سلطنت ہند کی تکمیل کو تسلیم کر لیا گیا اور اگرچہ نئے نئے سیاسی معیار کی نئی نئی جماعتیں اندرونِ سلطنت میں پیدا ہو گئی ہیں جو بلحاظ اپنے انتظامی نقطۂ نظر و بلحاظ اپنی حوصلہ مندیوں اور بلحاظ اپنی غایت مقصود کے مختلف الخیال ہیں مگر وہ سب تاج برطانیہ کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری رکھنے میں بالکل متحد القلوب ہیں۔

باب ہیجدہم

برطانوی مملکتِ ایشیا

اس وقت[1] ملکہ معظمہ کی نظر کے سامنے تمام ہندوستان انگریزی قلمرو کے ذیل میں شامل نظر آتا ہے کوئی حصہ براہ راست فتوحات کے ذریعے سے تسخیر ہوا ہے اور اس پر براہ راست شاہی حکومت قائم ہے اور کوئی حصہ اتحادی اور ذمی رئیسوں کی زیر حکمرانی ہے۔ اور چونکہ بالائی برہما بھی ۱۸۸۶ء میں انگریزی تسلط میں آگیا اس لئے اس برطانوی ہندی سلطنت کے دوش بدوش ایک ہندی چینی سلطنت بھی دریائے اراوتی و سالوین کے کناروں کے وسیع قطعات کے الحاق سے پیدا ہوگئی اور

[1] یہ واضح کردینے کی ضرورت ہے کہ یہ باب انیسویں صدی کے اختتام سے پہلے لکھ لیا گیا تھا بیسویں صدی کے آغاز سے سیاسی معاملات کی حالت اور رخ میں ایسی معقول تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں جن سے ایشیا کی سیاسی حیثیت پر خصوصاً ہندوستان کے خارجہ تعلقات پر بہت بڑا اثر پڑا ہے۔ آئندہ باب کی فصل اول میں ۱۹۰۰ء تک کے ہندی سیاسیات خارجہ کا خاکہ کھینچا گیا ہے لیکن اس باب کے شائع ہونے کے بعد روس اور برطانیہ میں ایشیائی مسائل کے متعلق سمجھوتہ ہوجانے سے انگریزوں کی حیثیت افغانستان میں بہت کچھ متغیر ہوگئی ہے اور ان کے معاملات ایران بھی بہت کچھ سدھر گئے ہیں۔ ۱۲- مصنف۔

باب ہجدہم

یہ مملکت بعض نقاط پر دریائے میکانگ کے مغربی کناروں سے ملحق ہوجاتی ہے اور اسی دریا کو آجکل کے زمانے میں فرانسیسیوں نے اپنی جنوب مشرق کی طرف سے پیش قدمی کے سلسلے میں اپنی حدّ فاصل قرار دیا ہے۔

مگر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ برطانیہ کے حیطۂ اختیار کا اصلی اندازہ کبھی ان اضلاع سے نہیں کیا جاسکتا جو بلا واسطہ برطانوی انتظام کے اندر ہیں۔ اُنیسویں صدی کے آغاز سے سلطنت کچھ برطانوی صوبہ جات سے اور کچھ ان ریاستوں سے مل کر بنتی رہی ہے جو برطانیہ کی حمایت یا شاہی اثر کے تلے رہی ہیں اور اسی ممتزج ساخت کے ساتھ سلطنت کی حیثیت و شان میں برابر نہایت وسیع اور معقول ترقیاں ہوتی رہی ہیں۔ اور چونکہ حیثیت کی اس قابلِ لحاظ تبدیلی کو بہت کچھ ذمیت کی مستقل حکمتِ عملی سے منسوب کیا جاسکتا ہے اس لیئے اس حکمتِ عملی کی اصلیت اور اس کے ثمرات سے مختصر سی بحث کر کے یہ دکھانا مقصود ہے کہ عمل توسیع برابر جاری رہنے سے برطانوی مملکت ہندوستان کی حیثیت تبدیل ہوکر برطانوی مملکت ایشیا کیونکر بن گئی۔

ذمیت در اصل وہ اصول عمل ہے جو قدیم الایام سے تاجر اور رفاہ قومیں اپنی ناقابل مقاومت پیش قدمی پر پردہ ڈالنے کے لیئے اختیار کرتی چلی آئی ہیں اور اسی کے ذریعے سے انھوں نے بڑی مملکتوں کی اس قوت جاذبہ کو ضابطے کی صورت دیدی ہے جس کے ذریعے سے چھوٹی چھوٹی مملکتیں خود بخود کھچکر اپنے بڑے ہمسائے کے ساتھ ضم ہوجاتی ہیں۔ اس اصول پر رومیوں کا بہت زیادہ عمل درآمد رہا ہے جن کے ابتدائی تعلقات ایشیا اور افریقہ کے ساتھ انگریزوں کے تعلقات سے بہت مشابہ تھے۔ اگرچہ علت مختلف ہوتی تھی جو کبھی سیاسی ہوتی کبھی جنگی اور کبھی تجارتی مگر معلول ہمیشہ ایک ہی ہوا ہے سیاسی حیثیت سے اس اصول کا استعمال اس لیئے کیا جاتا ہے کہ یہ مختلف مدارجِ اختیارات کی

باب ہیجدہم

توسیع کا آسان طریقہ ہے۔ اور بغیر تسلط کامل کا اعلان کیئے ہوئے بھی اکثر شاہی شیونات سے متصف ہوجانے کا معقول ذریعہ ہے۔ یہ اصول وہ خاص تدبیر ہے کہ کسی خاص معرکے کے مقام پر یا کسی قدرتی خط سرحد پر قبضہ کرنے کے لیئے یا کسی ایسے درمیانی قطعۂ ملک کو حاصل کرنے کے لیئے جس کی کچھ جنگی یا مدافعانہ حیثیت ہوتی ہے اسی کے وسیلے سے ایک بڑی سلطنت دوسری بڑی سلطنت کے اثر و اقتدار کو زائل کر کے خود اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اسی اصول پر بحری یا بڑی راستوں کو ملنے کے مقاموں اور تجارتی منڈیوں پر تسلط حاصل کرنے کے لیئے ایک اولوالعزم حریف دوسرے حوصلہ مند حریف کے مقابلے میں کاربند ہوتا ہے۔ اور یہ اسی اصول کی بدولت ہے کہ آج کے دن اس کی نت نئے رنگ کی صورتوں پر عمل پیدا ہونے سے انگریزوں کی خارج الممالک ذمہ داریاں دنیا بھر میں سرعت کے ساتھ بڑھتی جارہی ہیں اور ان کی سرحدیں تیزی کے ساتھ پھیلتی چلی جارہی ہیں جو

انگریزوں کی نوبت کی ابتدا اور اس توسیع اقلیم ایشیا میں نہایت سلجھی ہوئی اور یکرنگ عمل ترقی کے راستے پر چلتی رہی ہے جس طرح کسی قلعے یا سلسلۂ خندق بندی کے لیئے اس کے چاروں طرف یا اس کے سامنے کھلے ہوئے میدان کی ضرورت ہوتی ہے بالکل اسی طرح ایک سرحد کے قریب کے صوبے کی حفاظت کے لیئے یہ ضروری ہے کہ جو علاقۂ غیر اس سے متصل ہو اس کو ہر زبردست ہمسایہ کے دخل یا قبضے سے بالکل آزاد رکھا جائے اگر ہمسایئے ایسے زبردست نہیں ہیں کہ ان سے کسی سخت خطرے کا خیال ہو تو پھر اس پر کوئی بہت زیادہ اعتراض نہیں کیا جاتا کہ ایسے ہمسایوں کو قائم رہنے دیا جائے جو محض تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایسے جرگے جو اکثر سرکشی اختیار کر لیتے ہوں یا قتل و غارت کی وارداتیں کرنے لگتے ہوں۔ یا ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو کبھی کبھی

محاصمانہ انداز بھی اختیار کر لیتی ہوں مگر اتنی طاقتور نہ ہو سکتی ہوں کہ کسی وقت زبردست ہمسایہ سلطنت کے مدمقابل ہو سکیں۔ یہ مسئلہ اب تک زیر بحث چلا آیا ہے کہ نہایت ہی سرکش وحشی قوم بہ حیثیت مجموعی بہتر ہمسایہ ہو سکتی ہے یا ایک برابر کی قوت اور وسائل رکھنے والی متمدن قوم۔ اگر کوئی آزاد جرگے اپنے پڑوسی ہوں یا کوئی چھوٹی سی شخصی ریاست ہو تو اگرچہ سرحد مشترک کے امن میں کچھ عرصے تک خلل پڑا رہے مگر یہ ہمیشہ ممکن ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ ان کو پُرامن خصائل اور رفیقی تعلقات انقیاد کی طرف لے آیا جائے۔ اگر کوئی متمدن ریاست اپنے پڑوس میں ہو تو دونوں طرف سے حد بست کا معاملہ نہایت تشخص و تعین کے ساتھ بے شک طے ہو جاتا ہے لیکن خود سرحد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہاں نہایت باخبر گرداوری کی ضرورت رہتی ہے۔ قلعے تعمیر کرنے پڑتے ہیں۔ فوجیں متعین رکھنی ہوتی ہیں اور جو خط دونوں مملکتوں کی جغرافیائی تقسیم کرتا ہے اس کے پار جتنی جنگی یا سفارتی نقل و حرکت ہوتی رہتی ہے اس کے ہر ہر قدم پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔

غالباً یہ انگریزوں کے اہل جزیرہ ہونے کی خصوصیت کا موروثی اثر ہے کہ ان کو ہمیشہ ایسی سرحد کے خطرات سے بے اطمینانی اور بے اعتباری رہتی ہے جو محض ایک جغرافیائی خط ہوتا ہے جس پر ایک قدم اٹھا کر آدمی اِدھر سے اُدھر جا سکتا ہے۔ انگریزوں کے قبضے میں یورپ کے اندر سوائے جبل طارق کے اور کوئی سرحد ایسی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی کی وجہ یہ ہے کہ انگریز لوگ ایشیا میں بھی کسی زبردست ہمچشم سے بالکل ڈانڈا ملانا نہیں چاہتے ہیں۔ اس اصول پر گورنمنٹ ہند کی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ جتنی دیسی ریاستوں ٹھکانوں یا جرگوں کی سرحدیں انگریزی سرحدوں سے متوازی ہوں ان سب کو انگریزی حمایت میں طوعاً یا کرہاً لے لیا جائے۔ اور باہمی سمجھوتا اس

باب بیستم

شرط پر کیا جاتا ہے کہ اگر وہ سب سوائے دولت برطانیہ کے اور کسی غیر ملکی دولت سے کوئی معاملات نہیں رکھیں گی تو برطانیہ بھی ہر قسم کی مجارحت سے ان کی حفاظت کرنے کا ذمہ وار رہے گا۔ اس طرح انگریز اپنے تئیں ایک ایسے منطقے سے محصور کر لیتے ہیں جو کبھی تنگ کبھی نہایت فراخ ہوتا ہے اور جس ہم چشم کے ادعائے ہمسری کا کوئی سیاسی اثر پڑ سکتا ہے اس کے واسطے ایک قسم کے سیاسی حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ انگریزوں کا سیاسی اثر ان کے اصلی مقبوضات کے حدود سے بہت باہر تک سایہ ڈالتا ہے اور گرد و پیش کے اقطاع کو اپنے لمبے چوڑے اور جھولدار دامن کے تلے ڈھانپ لیتا ہے۔ بہر حال جس نکتے کی یہاں توضیح مد نظر ہے وہ یہ ہے کہ برطانوی سلطنت ایشیا کی اصلی سرحد یعنے وہ خط جس کی حفاظت کی پابندی برطانیہ پر لازم ہوتی ہے اور جس میں دخل در معقولات کرنے کی بہ بانگ دہل ممانعت کر دی گئی ہے۔ کسی طرح اس وسیع مملکت کا آخری کنارہ نہیں ہے جس میں انگریز اپنے اختیارات حکمرانی کو کام میں لاتے ہیں یعنے جس میں تمام باشندے رعایائے برطانیہ کہلاتے ہیں اور جس میں برطانیہ کو نفاذ قانون کا اختیار ہے۔ اصلی سرحد میں صرف یہی مملکت شامل نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ وسیع قطعات بھی شامل ہیں جن پر برطانیہ نے گرد و پیش کے حالات اور مخصوص واقعات کے مطابق مختلف مدارج کی ذمیت قائم کر لی ہے۔ کہیں اس ذمیت کا منشا اندرونی انتظام قائم کرنا ہے۔ کہیں اس کی مراد محض غیر متعین شہنشاہیت حاصل کرنی ہے اور کہیں اس کا مدار صرف اس وعدے پر ہے کہ اگر کسی بیرونی دشمن کا بلا اشتعال حملہ ہوگا تو اس کی مدافعت کی جائے گی۔ لیکن خواہ کوئی سا طبقہ ہو جس سے اس ذمی کا تعلق ہے۔ خواہ وہ کسی درجے کا اقتدار ہو جو انگریز اس ملک پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس ذمیت کی غرض یہ ہے کہ ہر دوسری ذی اقتدار ہمسری کو خارج کر دیا جائے۔

باب بست و چہارم

اور یہ حق اخراج اپنے ساتھ لزوم حفاظت بھی رکھتا ہے۔ غرض یہ کہ جس ملک کی حفاظت کرنے کے لیئے برطانیہ ہر وقت تیار رہے اس ملک کی بیرونی حدود کو برطانوی سرحد سمجھنا چاہیئے۔

اس اصول کو برطانیہ کی ایشیائی سرحدوں پر منطبق کرنے کے لیئے اور یہ تشریح کرنے کی غرض سے کہ کیوں یہ سرحدیں اس قدر تغیر پذیر رہی ہیں ہمکو تیز قدمی کے ساتھ اس تمام خط پر دوڑ جانا چاہیئے جو ان سرحدوں کا اس وقت سلسلہ قائم کرتا ہے۔ مصر کے نہایت پیچیدہ معاملے کو نظرانداز کر کے ہم برطانیہ کی ایشیائی ذومیت بحر قلزم میں عدن سے شروع کرتے ہیں۔ قدیم الایام سے مصر و ہندوستان کی باہمی تجارت گویا عدن کی چول پر گھومتی چلی آرہی ہے۔ عدن پہلی سیڑھی ہندوستان کی طرف آنے کے لیئے ایشیائی سمندروں کو عبور کرنے کی ہے۔ یہ اقلیم ایشیا میں برطانوی مقبوضات کا انتہائی مغربی نقطہ ہے۔ اور اس سے چھوٹے سے پیمانے پر نہایت عمدہ نمونہ اس طرز کا نظر آجاتا ہے جس پر برطانیہ کی ذمی ریاستیں قائم کی جاتی ہیں۔ انگریزوں نے عدن پر قبضہ کر کے اس کو اس لیئے مستحکم کیا کہ بحر قلزم کا دروازہ اُن کی زد میں رہے۔ لیکن انگریزوں کا اصلی مقبوضہ عدن جبل طارق کی طرح کی پانی میں گھسی ہوئی ایک چٹان ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے اس کے گرد ایک ذمی حلقہ سرحد قائم کیا ہے اور اس حلقے میں رہنے والے عرب قبیلوں پر بذریعۂ معاہدات کے یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ صرف انگریزوں کے سیاسی اقتدار کے آگے گردن جھکائیں۔ اور کسی دوسرے کو تسلیم نہیں کریں۔ عدن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ذمی جزیرہ سقوطرا ہے جو پرانے یونانی نام ڈیا سکوریڈیس کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور عدن سے مشرق کی جانب ٹھیک عرب کے گرد عمان مسقط۔ اور خلیج فارس سے گذرتا ہوا تمام ساحلی علاقہ برطانوی ذومیت میں ہے۔ برطانوی جہاز ان سمندروں کی نگرانی و حفاظت کرتے ہیں اور تمام علاقے کے عرب قبائل اپنے تنازعات برطانیہ

باب بیجدہم

کی طرف رجوع کرتے ہیں اور برطانیہ کے فیصلے پر کاربند ہوتے ہیں۔

لیکن مغربی ایشیا کے یہ تمام منتشر ذمی اقطاع یا بالکل تنہا معرکے کے مقامات ہیں یا ساحلی علاقے کی تنگ وطویل پٹیاں ہیں۔ ان کا انحصار برطانیہ کی ان سمندروں میں بحری فوقیت رکھنے پر ہے۔ یہ سب در اصل ماتحت اور متعلق ہیں برطانیہ کی خاص ایشیائی مملکت سے جس کا نام ہندوستان ہے۔ یہ ہندوستان ہی میں ممکن ہے کہ انگریز مدبرین نہایت بڑے پیمانے پر مختلف اور متنوع نظریں پیش نظر رکھ کر اس عجیب سیاسی حیثیت پر غور وخوض کرتے ہیں جو دوگونہ خط سرحد قائم کرنے سے پیدا ہوتی رہتی ہے جن میں اندرونی خط وہ ہے جو اصلی مملکت برطانیہ کی آخری حد ہے اور بیرونی خط وہ تمام علاقۂ غیر کا عرض وطول ہے جس کی حمایت وحفاظت کی اور جس میں سے غیر ملکی دخل اندازوں کے نکالنے کی ذمہ داری برطانیہ نے اپنے اوپر عائد کر رکھی ہے۔

ہندوستان کی طویل بحری سرحد کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ساحلی علاقے کو محفوظ رکھنے اور خشکی کی سرحد کو ذمی علاقے کے ذریعے سے مامون رکھنے کا اصول کس قدر مشابہ ہے۔ دونوں حالتوں میں غایت اصلی یہی ہوتی ہے کہ اصلی خط سرحد کے سامنے اور اس کے پار بہت دور تک میدان صاف رکھا جائے۔ اور اس غایت کے حاصل کرنے کے لیئے برطانیہ اپنی کمزور سرحد کی طرف ایک منطقۂ ذمی علاقہ اپنے اور اپنے ہمسایوں کے درمیان قائم کرلیتا ہے۔ اور جو بحری منطقے برطانیہ کے ساحلی علاقہ جات سے متصل ہیں ان پر اپنا تسلط قائم رکھنا بھی خاص اسی اصول کی شان عمل رکھتا ہے۔ انگریز لوگ بالعموم اس خیال پر قائم ہیں کہ ان کی اصلی حفاظت سمندر کرتا ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت یہ حفاظت کرتی اس نیلے پانی کے وسیع حلقے کی شان نہیں ہے بلکہ اس انگریزی بیڑے کی آن بان ہے جو اس سمندر میں کوس لمن الملکی بجایا کرتا ہے۔ اور جو قوم جہازرانی

کے شریف فن سے ناآشنا ہے اس کے ساحلی علاقے سے زیادہ کوئی سرحد نہ حملوں کے آگے بے پناہ ہو سکتی ہے نہ حفاظت کے اعتبار سے مخدوش ہو سکتی ہے۔

غرض یہ کہ خشکی و تری کی سرحدوں کا اصول حفاظت یہ ہے کہ ایک ذمی منطقہ قائم کر کے دشمن کی پیش قدمی کے خلاف ایک دیوار کھڑی کردی جائے۔ اگر کوئی دشمن اس مقام ممنوع میں داخل ہو تو اس کو فوراً صاف الفاظ میں واپسی کی ہدایت کردی جائے اور اگر وہ ہیکڑی کرے تو اسی کو اعلان جنگ سمجھا جائے۔

لہٰذا یہ سمجھ لینا غلطی ہے کہ برطانیہ کی ایشیائی ارضی سرحد اس کے ایشیائی مقبوضات کی حدود پر ختم ہو جاتی ہے۔ یعنے اس کا دوراس مملکت کے حدود سے گھرا ہوا ہے جس پر برطانیہ حکمراں ہے اور جس پر برطانوی ایوان حکومت کے احکام کا نفاذ ہوتا ہے۔ یہ سرحد کینیڈا کی سرحد کی طرح یا فرانس اور جرمنی کی درمیانی حد فاصل کی طرح محض ایک جغرافیائی خط نہیں ہے جس کے اِدھر سے اُدھر قدم رکھ لینے سے ہر انگریز ایک مملکت سے دوسری مملکت میں چلا جا سکتا ہے۔ ایشیائی سرحد کے متعلق یوں کہنا چاہیئے کہ وہ انگریزی قلمرو کے بعد کی وہ انتہائی بیرونی حد ہے جہاں تک کہ برطانیہ کے سیاسی اثرات کو آگے بڑھایا جا سکا ہے۔ اور اس کو خاص طور سے ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ہم نے بیرونی حد کی تشریح اس لیئے کی ہے کہ خود قلمرو ہند کی اندرونی اور بیرونی حدیں علٰحدہ علٰحدہ معین ہیں۔ ایسے ملکوں میں جیسے فرانس اور اسپین ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی تقریباً تمام زمانہ حال کی سلطنتوں میں حکومت یکساں اور مستحکم اختیارات ایک ایسی مجتمع اور مربوط قومی ریاست پر استعمال کرتی ہے جس کی سرحد اس کو احاطے کے تاروں کی طرح گھیرے ہوتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی سلطنت برطانیہ اپنے حلقۂ مملکت میں متعدد دیسی ریاستوں کو

باب چہارم

سپیلے ہوئے ہیں جو برطانوی علاقے سے چاروں طرف سے محدود و محبوس ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان میں سے بہت سی ریاستیں سلطنتِ مغلیہ کے باغی عمّال یا فوجی افسروں نے اُنھی زوال پذیر صوبوں میں قائم کرلی تھیں جن پر یہ بانیانِ ریاست ابتداءً بادشاہ کے فرستادوں یا قائم مقاموں کی حیثیت سے حکومت کرنی شروع کرتے تھے اور بعد کو جب مرکزی حکومت کی بے دست و پائی ان کو یہ پردہ ہٹا دینے کا موقع دے دیتی تھی تو وہ علانیہ خود مختاری کا ادعا کرلیتے تھے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ سلطنت برطانیہ کا عروج ہوا اور ایک صدی کے دوران میں بہت سے آزاد ہوجانے والے شاہی صوبہ جات تو سلطنت برطانیہ میں ضم ہوگئے اور بہت سے بااختیار رئیسوں کے پاس بہ حیثیت ذمی ریاستوں کے باقی بچ رہے۔ ان کے علاوہ ایک پورا مجموعہ راجپوت ریاستوں کا بھی ہے جن کے رئیسوں کو ہمیشہ زیر اقتدارِ سلطنتِ عالیہ کامل اندرونی اختیارات حاصل رہے ہیں۔

ان ریاستوں کے حکمرانوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح و جنگ کرسکیں۔ اور نہ وہ اپنے مقامی قوانین بناتے ہیں۔ اپنے محاصل وصول کرتے ہیں۔ انگریز ان کے علاقے کے ساتھ بالکل علاقۂ غیر کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔ اگرچہ فریقین کے ممالک کے درمیانی حد فاصل کو سرحد نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ ریاستیں ہر طرف سے بالکل برطانوی ہند سے بند ہیں۔ بہرکیف ان ریاستوں کی تاریخ ملکہ مملکت برطانیہ کے جنوبی سواحل سے ہمالیہ تک اور اس سے بھی آگے تک توسیع پانے کی تاریخ ہر انقلاب کے وقت برطانوی سرحد پر ان ذمی ریاستوں کے تاثرات کو ثابت کرتی چلی آتی ہے۔ جو کچھ اب ہو رہا ہے اس کو ایک سلسلہ سمجھنا چاہیئے اُس کا جو اس سے پہلے ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے انگریزوں کو ہندوستان میں ایک دولت کا رتبہ حاصل ہونا شروع ہوا ہے یعنی ۱۷۶۵ء کے بنگال کے حصول کے وقت

باب بیجدہم

سے انگریزوں نے برابر اس حکمت عملی کو اختیار کیا ہے کہ اپنے اصلی مقبوضات اور اپنے ان زبردست ہمسایوں کے مقبوضات کے درمیان جن کی چھوت سے وہ دور رہنا چاہتے تھے انھوں نے ایک ذمی علاقے کو ضرور قائم رکھا ہے۔ اٹھارھویں صدی میں اودھ کی امداد و حفاظت۔ اس لیئے کی گئی کہ اس کو مرہٹوں کا سدباب بنایا گیا تھا۔ اور شروع انیسویں صدی میں وسط ہند کی راجپوت ریاستوں کو بھی اسی غرض سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ ستلج کی باجگذار ریاستوں کو تسخیر پنجاب سے پہلے دراصل اسی لیئے قائم رکھا گیا اور مستحکم کیا گیا تھا کہ وہ سکھوں کی زبردست قوت کے مقابلے میں بیرونی حد فاصل کا کام دیں۔ اس تدبیر کو اچیا دمتصادمہ (Buffer) سے مشابہ سمجھا گیا ہے کیونکہ متصادمہ وہ جراثقال کی ترکیب ہے جو دو وزنی اجسام کے تصادم کو بالکل ساقط یا کمزور کر دیتا ہے۔ اسی طرح یہ سیاسی متصادمات سیاسی تصادم کے زور کو کم کر دیا کرتے تھے اگرچہ اس کو بالکل توڑ نہیں سکتے تھے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس اصول سے بجائے محدود ہونے کے یا گھٹنے کے انگریزی سرحد اور وسیع ہوتی چلی گئی کیونکہ انگریزوں نے اپنے ہمسروں کے ساتھ ہر مرتبہ تصادم ہونے سے نیا نیا علاقہ حاصل کیا اور ہر مرتبہ اپنے ذمی علاقے کو ملحقہ علاقہ جات کی بیرونی حدود سے اور آگے کو بڑھا یا غرض یہ ہر مرتبہ دوگامہ چال چلی گئی اور اپنی مقبوضہ قلمرو سے ہمیشہ آگے کو بڑھی ہوئی اپنی سیاسی یا جنگی سرحد رکھی گئی۔ انگریزوں کی ابتدائی سرحدوں کے خطوط کا موجودہ سرحد سے بہت پیچھے۔ اندرونِ ملک میں بعض ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وجود سے پتہ چل سکتا ہے جو اپنے زبردست ہمسایوں کا لقمہ بن جانے سے اس لیئے بچی رہ گئیں کہ ان کی حفاظت و حمایت بھی یہ انگریزی اصول عملداری مبنی تھا۔

اپنے ذمی مقدمۃ الجیش کو اسی وقت جب وقت کہ اس سے آگے بڑھنے کی تیاری مکمل ہو جائے آگے بڑھا دینے کے اصول پر عمل کر کے انگریزی مملکت سیدھی ہندوستان سے پار نکلتی چلی گئی ہے۔ لیکن جب وقت

باب بیستم

انگریز ہندوستان کی قدرتی جغرافیائی حد یعنے اس کوہستان تک پہنچ گئے تھے جو ہندوستان کو وسط ایشیا سے جدا کرتا ہے اور غالباً دنیا بھر میں مستحکم ترین حد فاصل ہے اس وقت یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ یہ ذمی ریاستیں جو در اصل انگریزوں کی بے پناہ سرحدوں کے مصنوعی استحکامات کا رتبہ رکھتی ہیں اب غیر ضروری ہو جائیں گی۔ لیکن وہ مملکت برطانیہ کے بڑھاؤ اور پھیلاؤ کے ساتھ بڑھتی اور پھیلتی چلی جارہی ہیں اور سلطنت برطانیہ اگرچہ اس وقت اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی ہے لیکن ان ذمی ریاستوں کو ہمیشہ سے زیادہ اہم محسوس کرنے لگی ہے۔ انگریزوں نے اپنی قلمرو کی سرحد کو ان پہاڑیوں تک پہنچا دیا ہے جو ہندوستان کے وسیع مسطح قطعات پر جھالر کی طرح لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں مگر شمال مغرب میں انگریزوں کو صرف ایک کوہستانی دیوار کی حفاظت پر پورا اطمینان نہیں ہے کیونکہ جب وہ اس دیوار کے اوپر سے اس کے پار دریائے جیحون تک دیکھتے ہیں تو ان کو روس بھی وسط ایشیا کے کوہستانی علاقے پر بالکل اسی اصول عمل کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ بھی اپنے اندرونی خط سرحد تک فتح کرتا جاتا ہے اور مستحکم کرتا جاتا ہے۔ ضم کرتا جاتا ہے اور الحاق کرتا جاتا ہے۔ اور اس خط کے باہر ہندوستان کے رخ پر وہ بھی ایک نہ ایک ذمی ریاست قائم کرتا جاتا ہے۔ اس وقت یہ نوبت پہنچ چکی ہے کہ صرف دریائے جیحون افغانستان اور بخارا۔ یعنے انگریزی اور روسی ذمیت کے درمیان حائل رہ گیا ہے۔ یہ ایک ہم چشم اور کبھی نہ کبھی بن جانے والا دشمن ایسا ہے جس سے زیادہ سخت اب تک افق سیاست پر انگریزوں کی نظر نے نہیں دیکھا اور یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کی ذمی سرحد ہمیشہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر قائم کی گئی ہے۔ وہ ملک جن کی کافی وسعت اور قدرتی استحکام نے ان کو قدرتی بیرونی پشتے

سنے کے لیئے خاص طور سے موزوں بنا دیا ہے یعنے افغانستان اور بلوچستان انگریزوں کی مغربی سرحد سے متصل واقع ہیں۔ ان میں بڑے بڑے ریگستان اور کوہستان ہیں جن میں سے گزرنا نہایت مشکل ہے اور جن کی حفاظت کرنی بہت آسان ہے اور جن میں ایسی آزاد اور جنگجو قومیں رہتی ہیں جن کے نزدیک انگریزوں کی طرح آزادی شریف ترین صفت ہے۔ ان دونوں ملکوں کو انگریزوں نے اپنے سیاسی اقتدار کے حلقے میں لے لیا ہے اور اس طرح انھوں نے گویا اس تمام وسیع قطعۂ ملک پر اپنی ذمیت کو پھیلا دیا ہے جو ہندوستان کے حدود سے ایران اور دریائے جیحون تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اگر وکٹوریہ جھیل کو جس کے کنارے دریائے جیحون کے کوہستانی گہوارے ہیں مقام آغاز قرار دیا جائے تو جو خط انگریزی اور روسی حلقہ ہائے اثر کو تقسیم کرتا ہے مشرق میں سرحد چین تک اور مغرب میں دریائے جیحون کے بہاؤ کے برابر چلا جاتا ہے۔ دریائے جیحون سے جانب جنوب بحرِ ہند کی طرف مڑ کر تمام مغربی خط سرحد جو افغانستان و بلوچستان کو روس و ایران سے جدا کرتا ہے خاص انگریزوں کی نگرانی میں مختلف معاہدوں اور سمجھوتوں کے ذریعے سے قائم کیا گیا ہے مگر یہ فرض نہ کر لینا چاہیئے کہ انگریزوں نے اس بیرونی خطِ سرحد کو اس کے پار والی ریاستوں یعنے روس اور ایران سے باضابطہ نامہ و پیام کر کے قائم کیا ہے۔ وعدہ کیا ہے اور زبان دی ہے کہ اس کا احترام ملحوظ رکھیں گے ؎

چنانچہ ہندوستان کے انتہائی شمال مغرب پر ہم کو یہ ذمیت کی شان نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور یہاں ہم کو سب سے اچھا ثبوت اس دعوے کا مل سکتا ہے کہ اصلی سرحد صرف اس مملکت کی حدود پر ختم نہیں ہو جاتی

باب بیچ و ہم

جہاں برطانیہ حکمراں ہے بلکہ وہ وہاں تک پھیلتی چلی جاتی ہے جہاں تک برطانیہ کی ذہنیت حاوی ہے۔ اس خاص سمت میں انگریزوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی ہے کہ اپنی مملکت کے گرد آزاد قبیلوں کا ایک احاطہ کھینچ لیں یا چھوٹے چھوٹے ٹھکانوں کی ایک قطار اپنی سرحد کے سامنے باندھ لیں بلکہ وسط ایشیا سے ہندوستان کو آنے والے راستوں کو دو آزاد مملکتوں یعنے افغانستان و بلوچستان کی نہایت زبردست دیواروں سے روکا گیا ہے۔ سترھویں صدی کے آخر تک سلطنت ایران اور سلطنت مغلیہ کی سرحدیں برائے نام ملی ہوئی تھیں۔ کیونکہ کابل اور قندھار پر سلطنت مغلیہ کا قبضہ تھا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے سیاسی تشنج میں ایران و ہندوستان کا درمیانی کوہستانی علاقہ پھٹ کر علیحدہ ہوگیا۔ اور اس میں وہ ریاستیں قائم ہوگئیں جو اب انگریزوں کو حد فاصل کا کام دے رہی ہیں۔ ان کو وہ زبردست چٹانیں یا سلیں سمجھنا چاہیئے جو اصل مملکت میں سے گویا سرنگ کے ذریعے سے اُڑ کر الگ جا پڑی ہیں۔ مختصر یہ کہ چونکہ روس و انگلستان دونوں ایک ہی طرح کی سیاسی چالیں چل رہے تھے یعنے یہ کہ اپنے ذمی علاقوں کو آگے سرکاتے جاتے تھے اور معرکے کے مقاموں پر قبضہ کرتے جاتے تھے اس لیئے یہ ہوکر رہنا تھا کہ افغانستان جو دونوں کے بیچوں بیچ میں واقع ہے ایک نہ ایک دن ان دونوں میں سے کسی ایک کے حلقۂ اثر میں آہی جائے۔ اگر انگلستان اپنی حمایت میں افغانستان کو نہ لیتا تو وہ ملک روس کی اتالیقی میں آجاتا جس نے بخارا پر اپنی دھونس جما ہی لی تھی۔ افغانستان کے پہاڑ اِدھر ہندوستان کے میدانوں پر چھائے ہوئے ہیں اُدھر دریائے جیحون سے دریائے سندھ تک کے راستے کو اپنی زد میں رکھتے ہیں۔ اور ایسے قدرتی استحکام کا ملک جس میں ایک نیم مہذب اور کمزور حکومت ہو اور جو دو متمدن اور

باب چہلم

زبردست سلطنتوں کی سرحدوں پر چھایا ہو۔ کشمش سیاسی کے قانون کے مطابق ہمیشہ اس طرف یا اس طرف ڈھلک کر رہیگا۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا ہونے کی کیا ضرورت ہے کیوں نہیں یورپ کا طریقہ کمزور ریاستوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کا برتا جاتا یعنے کیوں نہیں بلجیم یا سوٹزرلینڈ کی طرح افغانستان کو بھی غیر جانبدار قرار دیکر ایک باہمی معاہدے کے ذریعے سے اس کی آزادی و خودمختاری کا احترام کیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احترام غیر جانبداری ایشیا کی تدبیر مملکت کا کبھی کوئی جزو نہیں رہا ہے۔ اگر کسی بدانتظام مشرقی حکومت کو دو یورپین دولتوں کے درمیان غیر جانبدار قرار دیکر چھوڑ دیا جائے اور ان دونوں میں سے ایک بھی اس غیر جانبدار کے اندرونی معاملات میں دخیل ہونے کا اختیار نہیں رکھتی ہو تو یہ غیر جانبدار ریاست بہت جلد ناقابل برداشت ابتری بلکہ تنزل کا شکار ہو جائے گی۔ دو متخاصم و متحکم ہمشموں کے مطالبوں اور تقاضوں سے غیر جانبدار حاکم کی جان عذاب میں رہے گی۔ کبھی وہ ایک کی سُنے گا کبھی دوسرے کی۔ اور دونوں کو برابر ناراض کرتا رہے گا۔ وہ بالکل چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں ایک دانے کی طرح ہو جانے لگا اور قرین قیاس یہ ہے کہ اس کا حشر بالکل ایسا ہو جیسا پولینڈ کا ہوا جو سازشوں اور طوائف الملوکی کا منبع و مخزن بن گیا تھا یہانتک کہ تجزیہ ہو کر فنا ہو گیا۔

ایک نہایت ہی خاص نظیر افغانستان کے ہندوستان اور روس کے درمیان ہونے کی آرمینیا کی اس وقت کی حیثیت سے دی جا سکتی ہے جبکہ وہ رومی اور پارتھیوں کے درمیان دوسری صدی عیسوی میں تھا۔ حاکم آرمینیا کے قبضے میں وہ کوہستانی ملک مع اپنے دروں کے تھا جو یورپ اور ایشیا کے درمیان واقع ہے۔ اس کی مملکت دو زبردست جنگی سلطنتوں کے درمیان بطور

حد فاصل کے واقع تھی اور رومیوں کی حکمتِ عملی کا یہ جزو لازمی تھا کہ وہ ایسے حاکم پر اپنا اثر اور ایسے ملک پر اپنی ذہنیت کو قائم رکھیں۔ آرمینیا کا حاکم کبھی روما کی طرف جھکتا تھا اور کبھی پارتھیا کی۔ وہ اپنی خود مختاری کو توازن قائم رکھ کر محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جب کبھی وہ پارتھیا کے ساتھ اتحاد کر لیتا تھا تو اُس پر روما کی طرف سے اُسی طرح حملہ کر دیا جاتا تھا جس طرح کہ برطانیہ کی طرف سے افغانستان پر ۱۸۷۹ء میں حملہ کر دیا گیا تھا جبکہ اُس نے روس سے معاہدہ کر لیا تھا۔ افغانستان کی طرح آرمینیا کی بھی کوئی حیثیت اُس کی اندرونی قوت کی وجہ سے نہیں تھی کیونکہ وہ بھی کمزور اور نیم مہذب تھا۔ بلکہ اُس کی اصلی حیثیت اُس کی جغرافیائی شان یعنی جائے وقوع کی وجہ سے تھی۔ اور جو شخص روما کے ساتھ آرمینیا کے تعلقات کی تاریخ پڑھے کہ کس طرح ایک کفالتی بادشاہ تخت سے اُتارا جاتا تھا اور دوسرا بٹھایا جاتا تھا۔ کس طرح آدمی برابر یہ کوشش کرتے رہتے تھے کہ اُس ملک کی حکومت پر صرف رومیوں ہی کی نگرانی رہے اور پھر قبضہ بھی کر لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس شخص کو افغانستان کے وہ تعلقات ضرور یاد آئیں گے جو اس وقت برطانیہ کے ساتھ قائم ہیں۔

یہ تعلقات جو اب ہمیشہ سے زیادہ قریبی ہو گئے ہیں اصول ذہنیت کے وسیع ترین پھیلاؤ اور اعلیٰ ترین عروج کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے پر اثر ہونے کا امتحان کسی قریبی وقت میں ضرور ہو کر رہے گا۔ ۱۸۸۵ء میں مغربی افغانستان کی حدبست کا ایک روسی اور انگریزی مشترکہ جماعت کے ذریعے سے عمل میں آنا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ انگریزی اور روسی حلقہائے اثر جو دونوں طرف سے قدم بقدم بڑھتے چلے آرہے تھے اب ایک دوسرے سے ملصق ہو گئے ہیں۔ آج کل کے سیاسی

دولاب کو جس نزاکت و احتیاط کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اُس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ پہلے ہی اتصال سے ایک دم تصادم کی نوبت آگئی تھی جس کا دھماکا تمام یورپ کی مجالسِ شوریٰ میں سنسنی پیدا کرتا چلا گیا تھا۔ ہندوکش کے ڈھال پر سے ہو کر حد بست کرنے میں ذرا سا اختلاف ہو گیا تھا جس سے ۱۸۸۵ء میں مقام پنجدہ پر افغانیوں اور روسیوں میں خفیف سی مڈبھیڑ ہو گئی تھی اور تمام یورپ میں یہ افواہ گونجنے لگی تھی کہ روس اور انگلستان میں جنگ چھڑ جائے گی۔ اُس زمانے میں ہندوستان کا ویسرائے لارڈ ڈفرن تھا جو اپنے سفارتی تدبر اور سیاسی تجربات میں نہایت مشہور تھا اس لیئے اس معاملے میں باہمی معاہدہ ہو گیا۔ لیکن اُسی وقت سے انگریزوں کی اچھی طرح آنکھیں کھل گئی ہیں اور وہ خوب پہچاننے لگے ہیں کہ اُن کی اصلی سرحد کس مقام پر ہے اور اُس کا اصلی خط کھینچنے کے ساتھ اُن کے سر کیا کیا سنگین ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اب وہ اس کو خوب سمجھ گئے ہیں کہ خاص سرحدِ ہند اور اصلی خطِ سرحد کے درمیان جو کئی میل کا لمبا چوڑا علاقہ ایسا واقع ہے جس پر امیر افغانستان کی حکومت ہے وہ ہرگز علیحدہ کر کے دیکھنے اور سمجھنے کے قابل نہیں ہے بلکہ اُن کی اصلی سرحد ہمیشہ اُس ملک کی بیرونی سرحد ہوگی جو اُن کی حمایت و ذمیت کے ذیل میں لیا جا چکا ہے۔

بہر حال انگریزوں کی حمایت کے اس وسیع نقطۂ نظر سے اُس قطر کی زبردست زد کو دیکھنا چاہیئے جس سے انگریزوں کی ایشیائی سرحد کا بیرونی دائرہ بنتا ہے۔ جو لوگ اس تشویش میں ہیں کہ یہ سرحد ضرورت سے زیادہ بڑھ اور پھیل گئی ہے اُن کے لیئے بھی اب یہ تسکین کی صورت نکل آئی ہے کہ اب یہ موجودہ حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ایک صدی کی مسلسل توسیع کے بعد اب اس کو بالکل اپنی جگہ پر ٹھیرنا پڑ گیا ہے کیونکہ مغرب و مشرق میں آگے سنگلاخ زمین آگئی ہے

باب ہیجدہم

یعنے ان دونوں سمتوں میں اب اس کے مقابلے کے لیئے دوسری متمدن اور آئینی سلطنتوں کی اُس طرف سے بڑھنے والی سرحدیں آگئی ہیں۔ جب یہ نوبت آجاتی ہے تو برابر بڑھنے اور تبدیل ہونے والا خط ایک جگہ قائم ہوکر استحکام حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ذمی ریاستیں دھیرے دھیرے باجگذار بنتی چلی جاتی ہیں۔ سرحدی تنازعات باقاعدہ سفارتی تعلقات کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ اور باہمی صلح وجنگ کے تمام مسائل کا تعلق بھی اصلی متمدن سلطنتوں سے ہوجاتا ہے۔ سلطنت ہند اور اُس کی اتحادی ریاستیں اس وقت اُس تمام رقبے کو گھیرے ہوئے ہیں جو روس اور چین کے درمیان اُس خط پر واقع ہے جو شمال مغرب میں دریائے جیحوں سے شروع ہوکر جنوب مشرق میں دریائے میکانگ پر ختم ہوجاتا ہے۔ شمال مغرب میں چونکہ روس کے قرب کی وجہ سے خاص احتیاط کی ضرورت ہے اس لیئے ہندوستان پر یورش ہونے کے راستوں کی حفاظت تین زبردست ریاستوں کو حد فاصل بنا کر کی گئی ہے۔ یعنے افغانستان۔ بلوچستان اور کشمیر۔ کشمیر کے علاوہ دامن ہندوکش تک کی اور بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں یہی کام دیتی ہیں۔ کوہ ہمالیہ کے بڑے شمالی خط سرحد پر انگریزوں کی ذمی ریاستیں بہت ہی کم ہیں کیونکہ اُس طرف ایسی کوئی ضرورت نہیں وہاں ایک پتھری دیوار ناقابلِ گزار پہاڑی سلسلے کی ہے اور اُس کی پشت پر وسط ایشیا کا مرتفع کوہستانی علاقہ ہے۔ اور اُس کے بعد منگولیا کا ریگستان ہے۔ لیکن اسی سلسلۂ کوہستان کی بیرونی سمت میں یعنے نیپال اور کشمیر کے درمیان جو خطِ سرحد واقع ہے اُس کے متعلق برطانیہ نے اپنا پورا اطمینان کرلیا ہے۔ یعنے وہ نیپال میں شمال کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت گوارا نہیں کرسکتا اور اُس کے مشرق میں کچھ آگے بڑھکر ایک مرتبہ اہل تبت نے ذمی ریاست سکم کے حقوق پر کچھ دست درازی کی تھی تو سنہ ۱۸۹۲ع میں ایک چھوٹی سی جنگ کی نوبت آگئی تھی جس طرح

شمال مغربی سرحد پر روس کی ہمسائگی کی وجہ سے ہر وقت چوکنّا رہنا پڑتا ہے اسی طرح برہما کے شمال مشرق میں ناقابل گزار پہاڑوں اور مرتفع علاقوں کے اُس پار ایک دوسری متمدن سلطنت کا وجود سامنے آجاتا ہے جو قدیم ترین متمدن سلطنت ہے اور ایشیا کے اُس حصّے میں مدّتوں سے اپنا حاکمانہ اثر و اقتدار قائم کیئے ہوئے ہے۔ یہ سلطنت چین ہے شمال مغربی سمت کی طرح اس سمت میں بھی برطانیہ تمام خالی علاقوں پر اپنے قبضہ و حمایت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے جس سے اُس کی مملکت کی برابر توسیع ہوتی چلی جا رہی ہے اور اُس کا خطِ سرحد آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس سمت میں بھی توسیع مملکت و حصول اقتدار کا وہی طریقہ ہے کہ اصلی مقبوضات سے آگے ذمی ریاستیں برابر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ سات سال ہوئے کہ برطانیہ نے مشرق میں نہایت ہی اہم پیش قدمی کی۔ اس کو مجبوراً برہما کا الحاق کرنا پڑا جس کے حاکم نے نہ صرف مخاصمت کی علامتیں ظاہر کی تھیں بلکہ فرانس کے ساتھ اس غرض سے نامہ و پیام بھی شروع کر دیا تھا کہ برہما کو فرانس کی حمایت میں دے دے۔ چنانچہ اس تسخیر نے برطانیہ کے قدم برہما سے بھی آگے بڑھا دیئے کیونکہ اس طرف بھی اصلی مقبوضات اور ذمی ممالک کا دوگونہ خط کھنچنا شروع ہو گیا۔ اور برطانیہ کا خطِ سرحد آگے بڑھ کر دریائے میکانگ تک پہنچ گیا اور وہ تمام نیم مختار چھوٹی چھوٹی ریاستیں زیر اقتدار آگئیں جو برہما اور چین کے درمیان حدفاصل کا کام دے سکتی ہیں۔ اس وقت برطانیہ نے ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر اپنا اثر و اقتدار قائم کرنا شروع کر دیا ہے اور سرحدی قبائل کو اپنی حمایت میں لینے کی کوشش میں مصروف ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ اس وقت میں برطانیہ اُس منطقے کے استحکام میں مصروف ہے جو اُس کے اندرونی اور بیرونی خطوط سرحد کے درمیان واقع ہے۔ یعنے جو اُس کے اصلی مقبوضات کی بیرونی حد سے شروع ہو کر علاقۂ غیر کی بیرونی حد تک چلا گیا ہے اور

باب ہیجدہم

جس پر اپنی ذمیت قائم کر لینا برطانیہ کا اصول عمل ہے ؎
اس طرح مشرق و مغرب میں برطانیہ آہستہ آہستہ اپنے برابر کا سیاسی اقتدار رکھنے والی سلطنتوں سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے اُس کا انتہائی خطِ سرحد سیام اور چین تک پہنچتا چلا جا رہا ہے اور ایک ایسے نقطے پر پہنچ گیا ہے جہاں اِدھر برہما کی طرف سے انگریزی پیش قدمی اور اُدھر ٹانکوِن کی طرف سے فرانسیسی پیش قدمی کی نہایتیں بالکل بالمقابل آکر ختم ہو گئی ہیں۔ جس وقت یہ تمام حدود متمدن سفارتوں کے ذریعے سے باقاعدہ معین و مشخص ہو جائیں گے اُس وقت ایشیا کے آئندہ سیاسی تصفیے کی داغ بیل مکمل ہو جائے گی اور یہ کہنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ اُس وقت جتنا علاقہ سلطنت چین سے باہر رہے گا وہ سب دول یورپ میں سے کسی نہ کسی کے قبضے یا ذمیت میں آ جائے گا ؎

ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ برطانیہ کی ہندی سلطنت نے جس طرح ترقی کی ہے اور جس طرح تعین و تشخص اختیار کیا ہے اُس کی تفصیل کو تھوڑے سے لفظوں میں ایک دلکش پیرائے کے ساتھ بیان کر دیں تاکہ یورپ والوں کو یہ نئی بات بالکل نادرالوقوع اور ناقابل توجیہہ نہ معلوم ہو کیونکہ آجکل یورپ بھر میں اس طرح کی توسیع مملکت کا کوئی سلسلہ کہیں نظر نہیں آتا۔ دراں حالیکہ کسی زمانے میں سلطنت روما کی تدریجی وسعت و ترقی میں یہی اصول عمل اور یہی اُس کے ثمرات مع اُنکی سیاسی و جنگی دوگونہ خطوط سرحد کے بخوبی نظر آ سکتے ہیں۔ عرصہ ہو چکا کہ اقلیمِ یورپ ایسی مستحکم قومی سلطنتوں میں تقسیم ہو چکی ہے کہ ذمیت و حمایت کے اصول پر وہاں عملدرآمد کی گنجائش ہی نہیں رہی ہے اور ملکی اور سیاسی خط سرحد ہر ملک میں صرف وہی ایک کا ایک ہے یورپ میں بلجیم یا سوئٹزرلینڈ جیسے چھوٹے چھوٹے ملک بھی ہیں جو کوئی خاص جغرافیائی اہمیت رکھتے ہیں یعنے ایسے موقعے پر واقع ہیں

باب سیزدہم

کہ بڑی بڑی سلطنتوں کی وہ سرحدیں اُن سے ملحق ہیں جن پر آسانی سے پیش وپیش قدمی کی جاسکتی ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے ملکوں کو مداخلت سے بذریعہ ذمیت کے آزاد نہیں رکھا جاتا ہے بلکہ اُن کو بین الاقوامی معاہدات کے مطابق غیر جانبدار قرار دیکر مکمل عدم مداخلت برتی جاتی ہے اور اُن کی آزادی اور سلامتی کا احترام کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی ایشیائی ذمیت وحمایت کے متعلق اب یہ بات بدیہی ہے کہ یہ طریقہ اب صرف انگریزوں ہی کے اجارے میں نہیں ہے اگرچہ زمانۂ موجودہ میں انگریزوں ہی کے سر اس کے ایجاد کا سہرا رہا ہے۔ جب تک کہ اپنے پیشرو رومیوں کی طرح انگریز لوگ ایشیا میں بالکل اکیلے تھے۔ تمام اقلیم اُن کے سامنے کھلی پڑی تھی اور کوئی مدمقابل اُن کے سامنے نہیں تھا اُس وقت تک اُن کی مملکت کی توسیع نہایت آسانی واستقلال کے ساتھ رومیوں کی سلطنت کی طرح ہوتی چلی گئی جو خود بھی برابر جانب مشرق اُس وقت تک وسعت پاتی چلی گئی تھی جب تک کہ اہل پرتھیا اُس کے مقابلے میں نہیں آگئے تھے جنھوں نے نہایت شدت سے اُس کی مقاومت کرکے اُس کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔ انگریزوں کی زبردست بحری فوقیت نے اُن کو اس قابل کردیا تھا کہ وہ تمام بحری مقاومتوں کو مار کر پیچھے ہٹا دیں۔ اور خشکی پر اُن کے مقابلے کے لیئے صرف بے قاعدہ اور غیر متمدن سلطنتیں تھیں۔ لیکن اُنیسویں صدی کے نصف آخر اور خاص کر گذشتہ بیس سال میں مغربی یورپ کو جو امن وامان نصیب رہا ہے اُس سے ایشیا اور افریقہ میں تجارت وفتوحات کی ہمسری کا خیال تمام اقوام یورپ میں نہایت زور پکڑ گیا اور براہ راست سلطنت کی طرف سے یا بالواسطہ مجاز کمپنیوں کے ذریعے سے ذمیت وحمایت کے اصول پر عمل کرنے میں تمام دول یورپ نے انگریزوں کی نقل اُتارنی شروع کردی ہے۔

فرانس۔ اٹلی۔ جرمنی اور روس کے باہمی مقابلے کی وجہ سے تمام پرانی دنیا کے چپے چپے پر ذمی ریاستوں کا سلسلہ پھیل گیا ہے۔ افریقہ میں ٹیونس مصر حبش۔ زنجبار اور بے شمار قبیلے اور ریاستیں اس ذیل میں آ گئی ہیں۔ ایشیا میں کوچین چین انام کی ریاستیں۔ ٹانکوئن اور بہت سے ایسے سرحدی علاقے ذمی بنا لیئے گئے ہیں جن کی ابھی پوری طور سے سیاحت بھی نہیں کی گئی ہے ؛

سوال یہ ہے کہ اقوام یورپ کی اس نئی ایشیائی جدوجہد کے خاص اور ظاہری اثرات کیا مرتب ہوئے ہیں۔ وہ اثرات یہ ہیں کہ ایشیا اور یورپ کے معاملات میں نہایت ہی قریبی اور نہایت ہی گہرے تعلقات کی تجدید ہو گئی ہے۔ قومی نقاط نظر جس قدر بین الاقوامی رقابتوں اور بدگمانیوں کی وجہ سے بڑھتے جا رہے ہیں اُسی قدر نقاط تقاطع و تصادم کی بھی کثرت ہوتی جا رہی ہے۔ سیاسی اور تجارتی تعلقات میں باہمی عمل اور ردِ عمل ہو رہا ہے۔ یورپ کی قوت ایشیا کو ہر طرف سے خشکی اور تری میں۔ بحیرۂ قلزم سے بحیرۂ خزر تک اور خلیج فارس سے بحرِ چین تک دباتی چلی جا رہی ہے۔ اور قدیم سلطنتیں یا ریاستیں بڑی مشکل سے یورپ کی حوصلہ مندی و اسلحہ کا بار اُٹھانے کے قابل ہو رہی ہیں۔ ایشیا کی قدیم اور فاتح قومیں۔ یعنے استنبول و طہران کے ترکی خاندان۔ بخارا کے ازبک۔ کابل کے افغان۔ اور سیام و انام کی حکمراں نسلیں۔ سب کسی نہ کسی حیثیت سے مغربی اقوام کے اثر و اقتدار کو قبول کرتی چلی جا رہی ہیں۔ چونکہ اس میدانِ عمل میں انگلستان کا قدم سب سے آگے ہے اور اُس کے پاس ہندوستان جیسا مرکزی مقام ہے اسلیئے یہ اظہر من الشمس ہے کہ یورپ کی سیاسیات سے ہندوستان کا الگ تھلگ اور غیر متاثر رہنا بھی چندروزہ نہیں ایک ناقابل عمل نظیریہ ہو جائے گا۔ اس وقت بھی ہندوستان یورپ کے سفارتی حلقۂ اثر کی طرف تیزی سے قدم زنی کرتا چلا جا رہا ہے۔ [illegible] کی سرحدی توسیع کا

باب ہجدہم

تمام یورپ سے یکساں تعلق ہوگیا ہے اور آئندہ یہ ہوکر رہنا ہے کہ ہندوستان کی خارجہ حکمتِ عملی اور جنگی نظام کی ترتیب بھی یورپ کی سیاسیات کی تابع ہوگی نہ کہ ایشیا کی۔ اس وقت ایشیا کی بساط پر تجارتی کمپنیوں کی رقابتیں اور ہمچشمیاں نہیں ہیں ہمسر نوآبادیات کے ساتھ یا دیسی رئیسوں کے مقابلے میں بے ضابطہ لڑائیاں نہیں ہیں۔ بلکہ دنیا کی تین سب سے زبردست فوجی طاقتیں یعنی انگلستان فرانس۔ روس۔ موجود ہیں جو اپنا اپنا راستہ ٹٹولتی اور نکالتی ایک دوسری کی طرف لق و دق ریگستانوں میں دشوار گزار کوہستانوں میں شمال کی طرف دریائے جیحون کے اور جنوب کی طرف دریائے میکانگ کے متنازعہ علاقوں میں ہوتی ہوئی قدم بقدم آگے چلی آرہی ہیں۔ جو اہل الرائے اس وقت یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اب برطانیہ کو اپنا خطِ سرحد بالاستقلال قائم کرلینا چاہیئے اُن کو غور کے ساتھ اس تفصیل و تشریح پر نظر ڈالنی چاہیئے جس کے ساتھ ہمنے گزشتہ اوراق میں اُس سعی و تجسس کا خاکہ کھینچا ہے جو ہندی سلطنت کے ہر گورنر جنرل کے زمانے میں صرف اس لیئے کی جاتی رہی ہے کہ کسی طرح ایک مستقل اور با اصول خطِ سرحد ایسا قائم ہوجائے جس کی طرف سے اطمینان ہوجائے۔ انگریزوں نے اس کی ابتدا یوں کی کہ پہلے ایک سیاسی منطقہ قائم کیا یعنے اپنے اصلی مقبوضات کے بعد ایک ذمی ریاست اپنے علاقے اور ایسے غیر علاقے کے درمیان قائم کی جس کی طرف سے نقضِ امن کا اندیشہ تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی مملکت کی زبردستی توسیع ہوتی چلی گئی یعنے انگریزوں کو بہت ہی جلد یہ ضرورت محسوس ہونے لگتی تھی کہ اُس حد تک اپنے مقبوضات کو بڑھالیں جہاں تک اُن کا ہمچشم نہیں بڑھ آیا ہو اور نہیں بڑھنے دیا جاسکتا ہو۔

ایشیا کی سیاسی حدبست کا برابر تغیر پذیر ہونا کبھی اُس کی

طرف سے اطمینان حاصل ہونا۔ اسی میں طرح طرح کی پیچیدگیوں کی گنجایشوں کا نکل آنا۔ اور ہمیشہ حوادث روزگار کا خدشہ اُس کے ساتھ لگا رہنا یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ آجکل بھی تمام یورپ کے مدبّرین اپنے دل و دماغ کو اسی طرف لگائے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اُس خطِ سرحد کا وجود دریافت کریں جو صرف افق پر نمودار ہوتا ہے اور جب اُس تک رسائی حاصل کر لی جاتی ہے تو وہ اُتنا ہی اور پیچھے سرک جاتا ہے ؏

باب سیزدہم
فصل اول

حاصل کلام

جس طرح انگریزوں نے رفتہ رفتہ ہندوستان میں معراج اقتدار تک ترقی حاصل کی اُس پر یہ مجمل تبصرہ کرنے سے ہماری اصلی غرض یہ تھی کہ ہم اُس سلسلۂ علت و معلول کو ناظرین کے سامنے پیش کریں جس نے یورپ اور ایشیا میں وقوع پذیر ہو کر انگریزوں کو اس ایشیائی مملکت کا مقتدر حاکم بنا دیا۔ ایسی تفصیل مصنف کتاب کی نظر میں کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اور گزشتہ تین سو سال کے اندر جو تاریخی واقعات یورپ اور ایشیا میں پیش آتے رہے ہیں اُن کا بالمقابلہ مطالعہ کرنے سے تمام مدارج بہت اچھی طرح نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ انگلستان کی اس تمام ترقی کا راز یہ ہے کہ چونکہ انگلستان ایک جزیرہ ہے اس لئے اُس کے احاطہ کرنے والے سمندر نے اُسے اُن یورشوں۔ بیرونی جنگوں اور انقلابوں سے بڑی حد تک بچائے رکھا جن کی وجہ سے خاص اقلیم یورپ میں رہنے والی قوموں کی تجارتی اور نوآبادکاری حوصلہ مندیوں میں بہت کچھ خلل پڑتا رہا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز لوگ اپنے سلسلۂ تجارت کو برابر ترقی دیتے چلے گئے اور اپنی بحری عظمت کو برابر دیگر اقوام کے مقابلے میں قائم کرتے چلے گئے۔ اگرچہ اس طرح علت و معلول کے سلسلے کا اعادہ کرنے سے تمام معاملہ نہایت سلیس و سادہ ہو جاتا ہے مگر جو نتیجہ برآمد ہوا ہے اُس کے مہتم بالشان ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایشیا میں برطانوی مملکت کی تاریخ کی ایک قابل لحاظ خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے ہماری نظر کے سامنے

باب ہیجدہم
فصل اول

ایک ایسی سلطنت کی ابتدا۔ ترقی اور توسیع کے مدارج آجاتے ہیں جس کو اول درجے کی مملکتِ محروسہ کا لقب دیا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ قدیم میں اس کو سلطنت روما کی اسی قسم کی نظیر ملتی ہے جو اپنی ابتدا سے انتہا تک اسی قسم کے مدارج پیش کرتی چلی جاتی ہے لیکن زمانۂ حال میں صرف برطانوی ہند ہی ایک ایسی مثال ہے جس میں مکمل ارتقا سلطنت کی شان نظر آتی ہے۔ کولمبس کے ہسپانیولا فتح کر لینے کے بعد سے ہسپانیہ کی محروسات نے امریکہ میں بڑی وسعت حاصل کر لی تھی مگر آج یہ وقت ہے کہ انھی محروسات کے ٹکڑے ہوتے ہوتے ہسپانیہ کے پاس اپنے اصلی مقبوضات کا صرف ایک جزو باقی رہ گیا ہے۔ غرض یہ کہ برطانیہ کی اس ہندی سلطنت کی حیثیت اکثر اعتبار سے بالکل لاثانی ہے جس کا جواب موجودہ دولِ عظمیٰ کے تاریخی کارناموں میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اور اب تک مسئلہ حل طلب ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا یا برا۔ جس وقت کہ جیمس سیکلناش نے یہ کہا تھا کہ انگلستان نے ۱۷۸۳ء میں امریکہ میں ایک بڑی سلطنت کھو دی اور ۱۸۰۵ء تک ہندوستان میں ایک بڑی مملکت پالی اُسی وقت مورخ موصوف نے یہ بھی اضافہ کیا تھا کہ اب تک یہ تصفیہ طلب ہے کہ اُس نقصان کو اصلی نقصان کہا جائے یا اس فائدے کو مستقل فائدہ سمجھا جائے۔ تاریخ انگلستان کے زمانۂ مابعد کے ایک زبردست حکم مسٹر اسپنسر والپول نے اس قول کی طرف رجوع کیا ہے کہ آخر میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا ہوگا۔ وہ لکھتا ہے کہ "اب سے صدیوں بعد کوئی فلسفی مورخ برطانوی ہند کی تاریخ کو ایسے فسانۂ عجائب سے تعبیر کرے گا جس کا کوئی معقول اثر نسلِ انسانی کی ترقی پر مرتب[۱] نہیں ہوا ہوگا" اس قول پر ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انگلستان

---

[۱] ہسٹری آف انگلینڈ جلد پنجم صفحہ ۳۴۴ء

باب ہیجدہم
فصل اول

کو اسپنے اس مشرقی مقبوضہ سے جو فوری فوائد حاصل ہوئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں - اب جو فائدے بعد کو حاصل ہونے والے ہیں وہ ہوں یا نہوں مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نسل انسانی کی ترقی پر اس نے معقول اثر کیا ہے - یعنے مغربی یورپ کی ایک پیش قدم قوم نے جو روشنی اور آزادی کے مقدمتہ الجیش کی طرح ایشیا میں چلی تھی ایک ایسی سلطنت ایشیا میں قائم کرلی ہے جس سے یورپ کے تمدن کے لیئے ترقی کرنے کا ایک نیا راستہ نکل آیا ہے اور اُس راستے پر چلنے کے لیئے ایک زبردست وجہ تحریک پیدا ہوگئی ہے - یہ یاد ہوگا کہ جب سے سلطنتِ روما کا زوال شروع ہوا مشرق کی طرف تہذیب و تمدن کا پھیلنا بند ہوگیا تھا بلکہ ایشیا میں اُس نے پسپائی اختیار کرلی تھی - ترکی سلطانوں نے اُس کے قدم اُکھیڑ کر اُس کے اثرات یہاں تک مٹادیئے تھے کہ مصر - شام - اور ایشیائے کوچک میں رومی حکومت کے بقیات سے سوائے کھنڈر اور ناموں کے کچھ باقی نہیں رہا - ساتھ ہی اس کے نئے خیالات اور نئے انقلاباتِ معاشرت کا مشرقی اقوام میں نہایت ہی آہستگی سے پھیلنا بھی اچھی طرح یہ ثابت کرتا ہے کہ ایشیا کے طرزِ ماندو بود کی آڑ میں یورپ کے تمدن کا ردِّ عمل کرنے والی ایک زبردست غیر مہذب اور وحشیانہ قوت موجود ہے جس میں تہذیب و تمدن کی مقاومت ومقابلے کی پوری طاقت ہے - غرض یہ کہ تمدن نے جس ملک کو صدیوں اپنی حمایت میں لے لیا تھا وہ ایشیا میں ہندوستان کا ہے - اور اس وقت اس پر انگریزوں کا قبضہ ہے ؛

بہرحال اگرچہ تمدن و تہذیب نے ایشیا میں نہایت آہستگی سے اب تک قدم بڑھایا ہے مگر یورپ کی قوت جس قدر ایشیا پر غالب آتی جاتی ہے اُسی قدر ایک نہایت وسیع خطۂ پیش قدمی پر تمدن بھی تیزی سے قدم اُٹھاتا جاتا ہے - باوجود تمام خطروں اور رکاوٹوں کے

باب ہیجدہم
فصل اول

بڑے بڑے علاقوں کو ذمی ریاستوں کی حیثیت سے نت نئے خطوط سرحد کے حلقے میں لے لینے کا سلسلہ سیاسی جنگی اور تجارتی اغراض کی خاطر اب بھی جاری ہے اور خاص کر انگریز تو سالانہ اپنے محروسات کے ناموں کی فہرست میں کوئی نہ کوئی اضافہ کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سرحدی علاقے کی ذمہ داریوں کی روز افزوں ترقی سے غور کرنے والے اور سمجھنے والے دل ودماغ پر ہر ملک اور ہر زمانے میں بڑا بار پڑ جاتا ہے سینٹ آگسٹائن نے روما میں بیٹھکر رومی سلطنت کی وسیع حدوں پر نظر ڈال کر اس سوال پر بحث کی تھی کہ آیا نیکوکاروں کے لئے یہ جائز بھی ہے یا نہیں کہ وہ کسی سلطنت کی توسیع فتوحات و مملکت پر فخر ومباہات کریں خواہ فاتحین بمقابلہ مفتوحین کے کتنے ہی متمدن کیوں نہ ہوں اور جو لڑائیاں لڑی گئی ہیں وہ کتنی ہی منصفانہ اور مدافعانہ کیوں نہوں۔ لیکن آخرکار سینٹ موصوف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جنگ کرنا اور مفتوح قوموں پر حکمرانی کرنا بدکاروں کے نقطۂ نظر سے تفریح ہے مگر نیکوکاروں کے نقطۂ نظر سے فرض انسانی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ خود انگریز لوگ اپنے متعلق بھی اس سے بہتر نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل توسیع و ترقی انگریزوں کے قومی خصائل کا ایک جزو بن گئی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نتیجہ اچھا نکلے یا برا اس وقت جو حیثیت انگلستان کو نصیب ہے اس کا انحصار انگریزوں کی اولوالعزمانہ بیش قدمیوں پر دنیا کے اقطاع بعید میں طالع آزمائی کرنے پر اور زمانۂ موجودہ کی سیاسی دنیا کو جس مسلسل کشاکش میں مبتلا رہکر ارتقا حاصل ہوا ہے اس میں دلیرانہ حصہ لینے پر ہے۔ کیونکہ ہماری یہ مادی دنیا انھی متضاد و متصادم قوائے طبعی سے بن گئی ہے جو فضائے عالم میں بکھرے پڑے ہیں۔ نئی نئی تجارتگاہوں کا قائم کرنا۔ نت نئے ملکوں کا دریافت کرنا تازہ بتازہ منصوبوں کا باندھنا۔ وحشی قبیلوں اور

باب بیجا ہم
فصل اول

ناپائیدار حکومتوں سے کبھی لڑنا اور کبھی ان میں امن قائم کرنا۔ اپنے مقبوضات کی حفاظت اور اپنے ہمسایوں کی مدافعت کی ضرورت کا محسوس ہونا۔ یہ تمام اسباب ایسے ہیں جنھوں نے برطانوی سرحدات کی برابر توسیع کی ہے اور آئندہ بھی کرتے چلے جائیں گے۔

اس شوکت و شان کی مدافعت کرنے کی قابلیت بحالت موجودہ کسی ایشیائی قوت میں بہت ہی کم ہے اب وہ قوتیں اس اقلیم سے مفقود ہو چکی ہیں جنھوں نے زمانۂ قدیم میں اپنے سے بہتر اصولِ حکومت کو توڑ پھوڑ کر رکھدیا تھا اور اپنے سے بہتر مذہب کو دھکا دیکر پیچھے ہٹا دیا تھا۔

ان قوتوں میں مصنف کتاب نے غالباً مسلمانوں کی قوت کو بھی شامل کیا ہے جس نے رومانی مشرقی سلطنت کا خاتمہ کیا تھا اور اسپین میں قوطا کی حکومت کا قلع قمع کر کے صدیوں تک یورپ کے مغربی و مشرقی گوشوں پر حکومت کی تھی۔ اس کے نوبہت سے عیسائی مورخ خود قائل ہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے یہ عیسائی حکومتیں کیسی ذلیل و پست حالت میں تھیں اور مسلمانوں نے کس طرح خاصکر اسپین میں علوم و فنون کو ترقی دیکر ان ملکوں کو رونق بخشی رہا عیسوی مذہب تو ایک عیسائی مصنف کا اپنے مذہب کو دوسرے مذہب کے مقابلے میں بہتر سمجھنا ایک نہایت ہی معمولی بات ناقابل توجہ ہے لیکن ہم یہاں مصنف کے اس فقرے کے متعلق جناب مولانا مولوی صفی الدین صاحب ناظر مذہبی کتب جامعہ عثمانیہ کا نوٹ نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ "یہ اہل یورپ کا خیال ہے جو اُن کی موجودہ قوت کی بنا پر قائم کیا گیا ہے لیکن اہل اسلام کے پاس چونکہ خدائے قادر مطلق کا کلام موجود ہے اسلئے جو مواعید اُنکے ساتھ کئے گئے ہیں اور جو یقین دلایا گیا اُسکو وہ بدل نہیں سکتے"۔

اور اب یورپ کو نہ ایشیا کی جنگی قوت عمل کا ذرا بھی ڈر ہے نہ مذہبی جوش و دیوانگی کا ذرا بھی دھڑکا ہے۔ صرف یہی یقینی نہیں کہ ایشیا اس وقت یورپ کی اعلیٰ فوجی قوت اور زبردست وسائل کے رحم و کرم پر دم لے رہی ہے بلکہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ تمام قوائے نظری و عملی

باب ہیجدہم
فصل اول

کے اعتبار سے بھی ایشیا یورپ کے مقابلے میں بہت ادنیٰ و کمتر ہے۔
نظر برین حالات اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ اب یورپ کی پیش قدمی کو کسی مشرقی ردِ عمل کے زور سے پھر کسی قسم کی سیاسی پسپائی پر مجبور کیا جاسکے اور جو سلطنت انگریزوں کی ایشیا میں قائم ہو چکی ہے اُس کو اگر کوئی دوسرا زیادہ زبردست مغربی ہمچشم ہی اُلٹ دے تو ممکن ہے ورنہ کسی ایشیا والے میں یہ دم درود نہیں ہے اسلئے یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ آئندہ اگر کوئی آویزش ہوگی تو وہ مغربی و مشرقی اقوام میں نہیں ہوگی بلکہ اُن مغربی اقوام میں ہوگی جو اپنی تجارت کے فروغ اور اپنی مملکت کی توسیع کے لیئے ایشیا کے میدان عمل کو اپنی حوصلہ مندیوں اور ہوا الہوسیوں کی جولانگاہ بنائیں گی[۱]۔ اور خود انگلستان کو اس قسم کی آویزش سے خطرہ کرنے کی اب بہت کم ضرورت ہے۔ اسی اثناء میں انگلستان نے ہندوستانی قوموں کی دماغی قوتوں کو ترقی دینے کے راستے نکال لیئے ہیں اور انگریزی اثر سے دھیرے دھیرے تمام ہندوستانیوں کے خیالی مذہبی اور اخلاقی مطمح نظر میں بڑا تغیر ہوتا چلا جارہا ہے۔ اگرچہ ابھی سے کسی اہل الرائے کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ اُس راستے کے متعلق پیشین گوئی کرے جو مشرقی و مغربی اثرات کے اختلاط و امتزاج سے ہندوستان کی لطیف اور عمیق طبیعتیں اختیار کرلینگی مگر ہمکو اس پر یقین رکھنا چاہیئے کہ تعلیم کی عمومیت اور معقولات کا مسلسل حدوث و تغیر ایسے اثرات ہیں جو دل و دماغ پر برابر مستولی ہوتے چلے جارہے ہیں اور کسی آئندہ مورخ کو ضرور اُس قوت کے وجود کو ثابت کرنیکا موقع مل جائے گا جو ایک زبردست اور منتظم تمدن میں ایسی موجود ہوتی ہے کہ اُس سے کروڑہا مخلوق کی شان معاشرت اور صورت مستقبل ایک نئے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ اور یہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ خواہ برطانیہ کی اس ہندی سلطنت کا حشر کچھ بھی ہو مگر جو مہتم بالشان اور مستقل فوائد انگریزوں نے ہندوستانیوں کو پہنچائے ہیں اُن کی وجہ سے صفحات تاریخ ہند پر انگریزوں کا نام ہمیشہ نیکی کے ساتھ ثبت رہے گا۔

---

[۱] یہ خیالات ۱۹۰۳ء میں ظاہر کیئے گئے تھے۔ اس کے بعد جنگ روس و جاپان نے ایشیا کی سیاسی حیثیت اور اسکے مستقبل کی امیدوں میں نمایاں تغیر پیدا کردیا ہے۔ م۔ مصنف

باب نوزدہم
فصل اوّل

باب نوزدہم

ہندوستان کا تاج برطانیہ کے ماتحت

فصل اوّل

بیرونی سیاسیات

گذشتہ ابواب میں ہم نے انگریزوں کے ہندوستانی مقبوضات کی بتدریج توسیع کا ایک مختصر خاکہ کھینچکر دکھایا ہے۔ اس کو شروع کیا ہے اُس زمانے سے جبکہ سلطنتِ مغلیہ کے تیزرو انقراض نے سارے ملک کو ایک سیاسی ابتری کے حوالے کر دیا تھا اور ختم کیا ہے اُس زمانے پر جبکہ ہندوستان کامل طور پر برطانیہ کی مٹھی میں آگیا ہ

اٹھارھویں صدی کے وسطی زمانے سے تقریباً سنو سال تک انگریز برابر اپنے ہمسران اقتدار کو مغلوب اور منتشر صوبہ جات کو متحد و پُرامن کرنے میں مصروف رہے۔ مغربی دنیا کی قدیم وجدید تاریخ کو تقسیم کرنے والا کوئی زمانہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے دورِ قدیم وجدید کو تقسیم کرنے والا وہ زمانہ ہو سکتا ہے جبکہ

باب نوزدہم
فصل اول

ہندوستان کا ہر ایک صوبہ انگریزی تسلط یا حمایت میں آگیا۔ اگر اس کی ضرورت ہے کہ بہ حیثیت مجموعی صرف ایک تاریخ ایسی مقرر کردی جائے جس سے دورِ قدیم و جدید کا امتیاز ہوسکے تو وہ ۱۸۵۸ء کا وہ وقت ہوگا جبکہ ملکہ وکٹوریہ نے ہندوستان کو تاج برطانیہ کا آویزہ بنایا۔ ہندوستانی سپاہیوں کے غدر سے جو ہلچل مچ گئی تھی اُس کے اثرات در اصل ۱۸۵۹ء تک قائم رہے۔ لیکن ان ہولناک شعلوں کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ کی بے چینی کے تمام عناصر جل کر خاک ہوگئے اور سلطنت کے متفرق اجزا سلک واحد میں منسلک ہوکر مستحکم ہوگئے۔ یہ آگ بجھتے ہی ہندوستان کی اندرونی لڑائیوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا اور اُس کے بعد اب نصف صدی سے امن و امان کا دورہ ہے۔ ملکہ معظمہ کے اعلان میں اس امر کی وضاحت کردی گئی تھی۔ کہ اگرچہ کمپنی نے سلطنت تاج برطانیہ کو منتقل کردی ہے مگر اس نے جتنے اقرار نامے یا معاہدے دیسی رئیسوں کے ساتھ کئے ہیں وہ سب جوں کے توں بحال و برقرار رہیں گے۔ ملکہ معظمہ کی دیسی رعایا کے مذہبی احکام اور قدیمی رسم و رواج میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اور جہانتک ممکن و مناسب ہوگا تمام رعایا بلا تفریق قومیت و مذہب سرکاری ملازمت میں داخل کی جائے گی۔ اس مہربانی و عنایت کے ساتھ امن کے قیام اور اصلاح کی کارروائی نہایت آسانی اور تیزی کے ساتھ جاری ہوگئی۔ اودھ جس کا الحاق ۱۸۵۶ء میں کرلیا گیا تھا دو سال کے اظہار ناراضی کے بعد خموش ہوگیا۔ بڑے بڑے تعلقداروں سے ہتھیار لے لیے گئے اور اُن کے ساتھ لگان کی رعایتی شرحیں قائم کرکے اُن کا اطمینان کردیا گیا۔ پنجاب میں جہاں سکھوں نے کثیر تعداد میں انگریزی فوج کی ملازمت اختیار کرلی تھی اور غدر کے زمانے میں بڑی جانبازی سے لڑے تھے سر جان لارنس کے قابلانہ اور مستعدانہ انتظام نے تمام طبقات آبادی کو نئی حکومت کے ساتھ جلد مانوس کردیا۔ قدیم خاندان

باب نوزدہم
فصل اول

مغلیہ کا آخری نام لیوا دہلی کے شاہی محل سے غائب ہوا ہی تھا کہ اُس کی جگہ ایک نئی حکومت کا افتتاح کر دیا گیا اور سلطنت مغلیہ کے منتشر صوبہ جات کی سیاسی ترتیب و تنظیم کی کارروائی مختلف و مسلسل احکام و قوانین کے ذریعے سے کر دی گئی۔ جس حصے کو خاص برطانوی ہند کہا جاتا ہے اُس کی تاریخ اس زمانے میں سوائے اندرونی معاملات اور انتظامی اصلاحات کے اور ہر قسم کے واقعات سے بالکل خالی ہے۔ لیکن کچھ حال بیرونی معاملات کا بھی بیان کرنا بہت ضروری ہے۔ یعنے پہلے اُن دیسی ریاستوں کا جن کا علاقہ اگرچہ برطانوی ہند میں شامل نہیں ہے مگر ہر طرف سے برطانوی ہند سے گھرا ہوا ہے دوسرے اُن واقعات و معاملات کا جو برطانیہ کے حدود و اختیارات و محروسات سے باہر یا اُس سے ملحق ممالک کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں اور جنمیں بعض بڑی خاص اہمیت رکھتے ہیں ؎

ہم نے مختصراً اُس حکمت عملی کا تذکرہ کر دیا ہے جو لارڈ ولزلی نے شروع کی تھی اور جس کی وقتاً فوقتاً اُس کے جانشینوں نے تکمیل کی۔ یعنے وہ اصول حمایت یا ذمیت جس کے ذریعے سے تمام دیسی ریاستیں رفتہ رفتہ انگریزی اقتدار حکومت کے ذیل میں آگئیں۔ اس اصول کے مطابق سلطنت برطانیہ نے ان دیسی ریاستوں کی حمایت و حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ اُن کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کرتی ہے۔ جانشینوں کے دعاوی کا تصفیہ کرتی ہے بغاوتوں اور سرکشیوں کے وقت میں حاکم اصلی کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے اور اگر سخت ابتری یا بےجا استعمال اختیارات کی نوبت آجائے تو اُن کے اندرونی معاملات میں بھی دخل دیتی ہے۔ ۱۸۶۰ء میں گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے ملکۂ معظمہ کی طرف سے جملہ رؤسائے ہند کو یہ اطمینان دلایا کہ اُن کی

باب نوزدہم
فصل اول

ریاستیں ہمیشہ کو قائم رکھی جائیں گی اور جو جانشین وہ اپنے خاندانی یا مذہبی رسم و رواج کے مطابق مقرر کریں گے اُن کو تسلیم و تصدیق کیا جائے گا۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ آئندہ کے لیئے اصول جانشینی کا تشخص و تعین بھی مصالح ملکی کی بنا پر ہو گیا اور دیسی رئیسوں کو بھی یہ اطمینان ہو گیا کہ آئندہ لاولد ہونے کے حیلے سے اُن کی ریاستیں برطانوی علاقے میں الحاق کیئے جانے سے بچی رہیں گی ؎

اس وقت ان دیسی ریاستوں کے قبضے میں تقریباً ساڑھے چھ لاکھ مربع میل علاقہ ہے جس میں تقریباً چھ کروڑ ساٹھ لاکھ نفوس کی آبادی ہے۔ ان میں سے بڑی سے بڑی حیدرآباد کی ریاست ہے جس کی آبادی ایک کروڑ پندرہ لاکھ نفوس ہے اور چھوٹی سے چھوٹی وہ ہیں جن میں صرف ایکہزار نفوس کی آبادی ہے۔ ان ریاستوں میں اکثر تو ایسی ہیں جو اُن علاقوں اور جاگیروں سے بن گئی ہیں جن پر سلطنت مغلیہ کے زوال کے وقت حوصلہ مند سرداروں نے بغاوت کر کے یا جنگی خدمات کے صلے میں قبضہ کر لیا ہے۔ اور بعض اُن رئیسوں کے موروثی مقبوضات ہیں جنھوں نے عام ابتری اور طوائف الملوکی کے زمانے میں اپنی ہستی و حیثیت کو کسی نہ کسی طرح قائم رکھا اور پھر برطانوی اقتدار کا تسلط ہوتے ہی اُن کی حیثیت اور مستحکم ہو گئی ؎

سنہ ۱۸۶۰ء سے جس اندرونی امن و آسائش کا دور اُن ریاستوں میں چلا آرہا ہے اُس کے اعتبار سے شاذ و نادر ہی کوئی واقعہ قابل ذکر ہے البتہ کبھی کبھی گورنمنٹ برطانیہ کو ایسی صورتوں میں مداخلت کرنی پڑی ہے جبکہ کسی خاص رئیس کو کسی سخت بدکرداری یا مجرمانہ اطوار پر سزا دینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ یا مسند کے متخالف دعویداروں کے تنازعات کا تصفیہ کرنا پڑا ہے۔ بڑی بڑی ذی ریاستوں کے دارالحکومتوں میں انگریزی حمایتی فوج کی

باب نوزدہم
فصل اول

موجودگی سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوا ہے کہ ہر رئیس کے حقوق اُس کی رعایا کے مقابلے میں محفوظ رہے ہیں بلکہ یہ بھی نتیجہ نکلا ہے کہ ہر رئیس نے اپنے اُن فرائض کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے جو رعایا اُس پر رکھتی ہے۔ جس موقعے پر گدی نشینی کا مسئلہ مشتبہ اور غیر منفصلہ رہا ہے تو حکومت برطانیہ سے رجوع کیا گیا ہے کہ حکم بنکر تصفیہ کر دے۔ کبھی کبھی سرکشیوں کے فرو کرنے کے لیئے۔ اور شاذ و نادر کسی رئیس یا اُس کے وزرا کی ذاتی مجرمیت یا بداطواری کی سزا دینے کے لیئے فوجی مداخلت کرنی پڑی ہے۔ اس استحقاقِ مداخلت کے استعمال کی مثال کے طور پر دو غیر معمولی سنگین واقعات کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ ۱۸۷۵ء میں گیلوار بڑودہ پر برطانوی رزیڈنٹ کی جان کے خلاف سازش کرنے کا اور سخت بدنظمی کے ساتھ حکومت کرنے کا الزام لگایا گیا۔ ایک بااختیار قانونی جماعت کے سامنے اُس کا مقدمہ پیش ہوا اور باقاعدہ تحقیقات کے بعد چونکہ ہر دو الزامات ثابت ہو گئے اس لیئے رئیس مذکور کو ضابطے کی پابندی کے ساتھ معزول کر کے ایک مقامِ نظربندی پر بھیجدیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں مہاراجہ منی پور مشرقی بنگال نے برطانوی ہند میں اس لیئے پناہ لی کہ اُس کے بھائی بندوں نے فوجی بغاوت کر دی تھی چیف کمشنر آسام نے اس معاملے کی تحقیقات شروع کی اور راستی کو رفع کرنے کی کارروائی کی۔ اُس کو ایک مجلسِ شوریٰ میں دھوکے سے بلا کر معہ اُس کے عملے کے خاص شہر منی پور میں قتل کر ڈالا گیا۔ اس پر ایک انگریزی دستہ فوج بھیجا گیا جس نے کچھ عرصے تک ریاست پر قبضہ رکھا یہاں تک کہ ان تمام سازشیوں کو کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا جنھوں نے چیف کمشنر کے قتل میں شرکت کی تھی۔ مہاراجہ خود تخت سے دستبرداری داخل کر چکا تھا اور چونکہ اُس کی ناقابلیت بھی پوری طور پر ثابت ہو گئی تھی اس لیئے اُس کی جگہ حکمران خاندان میں سے ایک دوسرے

باب نوزدہم
فصل اول

مستحق کو گدی نشین کر دیا گیا ۔

ان با اختیار ریاستوں کی تعداد میں ایک اور معقول اضافہ جنوبی ہند کی ریاست میسور کے دوبارہ قائم کر دینے سے ہو گیا ہے ۔ کسی پہلے باب میں کچھ مختصر سا حال اس ریاست کا بیان کیا جا چکا ہے ۔ اس علاقے پر حیدر علی نے زبردستی قبضہ کر لیا تھا اور لارڈ ولزلی نے اس کو ٹیپو سلطان کے قبضے سے پھر تسخیر کیا تھا اور اس کا ایک حصہ قدیم ہندو حکمران خاندان کے سپرد کر دیا گیا ۔ لیکن ۱۸۳۱ء میں گورنمنٹ ہند کو اس ریاست کے خالصہ کر لینے کے لیے مجبور ہونا پڑا تھا اور یہ بصیغۂ خالصہ پچاس سال تک رہی ۔ مگر ۱۸۸۱ء میں اس ریاست کو پھر قائم کر دیا گیا اور اصلی خاندانِ حکومت کے ایک مستحق رُکن کو پھر ایسی شرائط پر گدی نشین کر دیا گیا جن سے میسور میں برطانوی شہنشاہی کا اقتدار اور رعایا کے حقوق دونوں بدرجۂ وسط قائم ہو گئے ۔ ان تمام شرائط کی ہمیشہ پوری طور سے پابندی کی گئی ہے اور اس منصفانہ اور مدبرانہ اصولِ عمل پر تمام دیسی رئیسوں نے ہندوستان بھر میں اطمینان کے ساتھ یہ سمجھ لیا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ اُن کی ریاستوں کو ضبط کرنے کا کوئی حیلہ نہیں تلاش کرنا چاہتی ۔

اس میں شک نہیں کہ برطانیہ کے تعلقات اپنی باجگذار ریاستوں کے ساتھ نہایت کامیابی کے ساتھ قائم و مستحکم رہے ہیں لیکن بیرونی سرحدوں سے ملحقہ مقامات میں رفتارِ معاملات نے اکثر اپنے اہم واقعات و نتائج کے اعتبار سے بڑی بڑی پیچیدگیاں اختیار کر لی ہیں ۔ برطانیہ کے الحاق پنجاب کی وجہ سے مملکت ہند افغانی کوہستان کے دامن تک پھیل گئی تھی اور اُس کی سرحد بالکل اُن کوہستانی علاقوں سے مل گئی تھی جن میں وہ جنگجو قبیلے رہتے ہیں جن کو مدتہائے دراز سے نیچے کے میدانوں پر تاخت و تاراج کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے ۔ برطانوی علاقے کی حفاظت کے لیے اور

باب نوزدہم
فصل اول

قتل و غارتگری کی سزا دینے کے لیئے کئی مہمیں اس کوہستانی علاقے میں بھیجی گئیں مگر اُن کا کوئی پائدار اثر ان نا تربیت پذیر وحشیوں پر مرتب نہیں ہوا۔ ۱۸۶۳ء میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک زبردست فوج اُس کوہستان میں بھیجی جائے جس کی زد میں وادیِ پشاور ہے تاکہ اُن جوشیلے مسلمان قبائل کی ایک پوری بستی کو قرار واقعی سزا دے جس کی غارتگرانہ تاختوں نے تمام سرحدی علاقے کو سہما رکھا تھا اور قرب و جوار کے غارتگر قبائل کو جرأت دلا رکھی تھی۔ درۂ امبیلا پر انگریزی سپہ سالار نے اپنے مقابلے کے لیئے تمام قرب و جوار کے قبائل کو مجتمع پایا اور اُس کو مدافعانہ پہلو اختیار کرنا پڑا جہاں اُس پر ہر طرف سے سختی کے ساتھ حملہ کیا گیا اور اُس کی تمام فوج کے استیصال کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔ یہ بُرا شگون تھا۔ کیونکہ اگر اس فوج کو ہزیمت ہو جاتی تو یقین تھا کہ تمام قرب و جوار کے قبائل جرأت پا کر متحدہ طور پر انگریزی سرحدی علاقے میں گھس پڑیں گے برطانوی سپہ سالار نے بڑی جانبازی کے ساتھ اُس وقت تک کئی خونریز مدافعتیں کیں کہ امدادی فوج پہنچ گئی۔ دشمن کو سخت شکست دی گئی اور اُن کے سرداروں نے برطانوی شرائط کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ اُن کے قلعے کو بالکل منہدم کر دیا گیا اور اُن کی جتھہ بندی کو بالکل توڑ دیا گیا یہ مہم جس کو فوج کشیِ امبیلا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ایک سخت ترین چھوٹے سے پیمانے کی جنگ تھی جو برطانیہ کو اپنے شمال مغربی سرحد کے پہاڑی جرگوں سے کرنی پڑی ہے۔ جو مختصر تذکرہ ہم نے اس جگہ کیا ہے اس سے اُس بے اطمینانی اور خدشے کا اندازہ ہو سکتا ہے جس کا اُس وقت سامنا کرنا پڑا ہے جب گورنمنٹ برطانیہ نے اپنی توسیعِ مملکت کو روک دیا ہے اور اپنا سرحدی خط کھینچ لیا ہے اور پرائے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا اصولِ عمل اختیار کیا ہے۔ جس طرح کہ ایشیا کے بہت سے

باب پنجم
فصلِ اول

حصوں میں کسی ریگستان کے صرف اُسی قطعے میں زراعت ہو سکتی ہے جہاں مصنوعی آب پاشی کے وسائل بہم پہنچا دیئے گئے ہوں۔ اور جہاں اس پانی کی رسد ختم ہو جاتی ہے ٹھیک وہیں سے سبزہ غائب ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک متمدن سلطنت کے حدود ختم ہوتے ہی پہلے کنارے سے وحشت و جہالت کا دور شروع ہو جاتا ہے اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر جو حالت رہتی ہے اُس سے اس تمیز و اختلافِ حیثیت کا اندازہ بہت اچھی طرح کیا جا سکتا ہے اگرچہ یہ ایک نہایت دشوار اور نہایت مسرفانہ کارروائی نظر آتی ہے کہ ان قبائل کے منطقے کو حدودِ برطانیہ میں شامل کر لیا جائے مگر ابھی تک اُس بے ترتیبی اور بدنظمی کا جو وہاں طاری رہتی ہے کوئی بہتر چارہ کار بھی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ بہرحال بصورتِ موجودہ یہ مسئلہ مدبرینِ برطانیہ کے زیرِ غور ہے۔

۱۸۶۴ء میں اسی قسم کے واقعات و اسباب سے مجبور ہو کر حکومتِ برطانیہ کو بھوٹان سے جنگ کرنی پڑی۔ بھوٹان کوہ ہمالیہ کے اندرونی سلسلے اندر نیپال کے مشرق میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس میں ایک مفلوک اور جاہل قوم آباد ہے جن کی عادت یہ تھی کہ بنگال پر غارتگرانہ یورشیں وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے۔ انھی میں سے ایک یورش میں بھوٹانیوں نے چند کس رعایائے برطانیہ کو پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے اور حکومتِ برطانیہ نے دارالحکومت بھوٹان میں ایک سفارت اُن قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرنے کو بھیجی۔ لیکن اس مطالبے کو حقارت کے ساتھ مسترد کر دیا گیا سفارت کے ساتھ نہایت ہتک آمیز برتاؤ کیا گیا اور خاص سفیر کی توہین و تذلیل کی دھمکی دی گئی۔ چنانچہ اس کی ضرورت پڑی کہ اُس ملک میں مسلح فوج اس غرض سے بھیجی جائے کہ اہلِ بھوٹان اپنی گستاخی کی معذرت کریں اور برطانوی رعایا کو آزادی دیں۔ چونکہ فوجوں کو پہاڑوں اور

باب نوزدہم
فصل اول

جنگلوں کے ایک غیر مانوس اور دشوار گزار ملک میں جانا پڑا تھا اور اُن کی قیادت بھی کسی قابل ہاتھوں میں نہیں تھی اس لیئے اُن کو شکست کھا کر قدرے بے ترتیبی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ لیکن بھوٹانی یہ سمجھ گئے کہ ایکی دفعہ کا حملہ نہایت سخت اور نہایت قابلیت سے کیا جائے گا اس لئے انھوں نے ان شرائط کو منظور کر لیا کہ بطور تاوان کے دامنِ ہمالیہ کی اپنی مقبوضہ ایک پٹی علاقے کی انگریزوں کے حوالے کر دیں۔ اسکے بعد سے بھوٹان نے انگریزوں کو اب تک کوئی تکلیف نہیں دی ہے۔ چونکہ تمام بھوٹان پر صرف ایک ہی حاکم کی حکومت ہے اور ایک مخصوص رقبے پر اُس کے اختیارات حاوی ہیں اس لیئے اُسکے ساتھ مستقل معاہدے کر لینا بہ نسبت شمال مغربی مطلق العنان قبائل کے زیادہ آسان ہو گیا۔

بلوچستان یعنے بلوچی قبائل کا ملک پنجاب اور سندھ کی مغربی سرحد پر واقع ہے اور بحیرۂ عرب تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ ملک ایک سردار کی برائے نام ماتحتی یا حکومت میں ہے جس کا دارالحکومت قلات میں ہے۔ لیکن اُس کی طاقت اتنی نہیں تھی کہ وہ ہمسر قبائل کے سرکش سرداروں کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ چنانچہ یہ سب قبائل برابر بغاوت کرتے رہتے تھے اور انگریزی سرحدی علاقے کو اُن کے قتل و غارت سے برابر مصیبت کا سامنا رہتا تھا۔ ۱۸۷۶ء میں جبکہ لارڈ لٹن وائسرائے تھا میجر سنڈیمن کو اس لیئے بھیجا گیا کہ وہ جا کر خان قلات اور اُس کے سرداروں میں باہمی تصفیہ کرا دے اور تجارتی راستوں کی آزادی اور سرحدی علاقے کے امن و امان کا کافی انتظام کر دے میجر موصوف نے کچھ نامہ و پیام کے بعد ایک معاہدے پر خان قلات سے دستخط کرا لینے میں کامیابی حاصل کی جس کی رو سے خان موصوف نے بلوچستان پر برطانیہ کے حاکمانہ اقتدار کو تسلیم کر لیا اور برطانیہ نے اُس کی حمایت و حفاظت کی ذمہ داری لے لی ماتحت سرداروں نے بھی بڑی خوشی سے ایسے معاہدے کو لبیک کہا جس کے ذریعے سے آئے دن

باب نوردہم
فصل اول

کی خانہ جنگیوں اور فرقہ بندیوں کا خاتمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس ملک کی تمام شورشیں بہت ہی جلد فرو ہوکر امن قائم ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس وقت برطانوی قائم مقام کے اختیارات اصولاً تمام بلوچستان پر ایران کی سرحد تک تسلیم کیئے جاتے ہیں اور تمام ملک میں اُسی کی ہدایت و نگرانی کے مطابق انتظامِ حکومت کیا جاتا ہے۔ جن بلوچی درّوں میں سے ہوکر ہندوستان کو راستے ہیں وہ سب کھول دیئے گئے ہیں اور اُن پر فوجی حفاظت قائم کردی گئی ہے۔ دیسی سپاہیوں کا ایک دستہ کوئٹہ میں متعین کردیا گیا ہے جو قندھار کے راستے پر اُس جگہ واقع ہے جہاں بلوچی سرحد افغانی جنوبی سرحد سے ملتی ہے۔ بعد کے واقعات سے اس فوجی پیش قدمی کی اور اُس کے عقب میں درّۂ بولان سے ہوکر ہندوستان کے ساتھ سلسلۂ ارتباط قائم کرلینے کی اہمیت اور قدر و قیمت اچھی طرح ثابت ہوگئی۔

اس چھوٹے سے باب میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ۱۸۷۸-۱۸۸۱ء کی جنگ افغانستان کے وقوع پذیر ہونے کے جو اسباب اور واقعات پیش آئے تھے اُن کی تفصیل کی جاسکے۔ اُن کا بڑی حد تک یورپ کے حلقۂ جنگ و سفارت سے اور وسط ایشیا میں روس کے طرزِ عمل سے تعلق تھا۔

جب برطانوی ہند نے اپنی جغرافیائی حدود یعنے سواحل سمندر سے دامنِ کوہستان تک وسعت حاصل کرلی تو اُس وقت یہ امید بندھنے لگی تھی کہ اب برطانیہ کے جنگی کارنامے ایشیا میں قریب الاختتام ہیں۔ انگریزوں کی بحری فوقیت مسلّم ہوچکی تھی اسلیئے بحری طرف سے کسی حملے کا خدشہ نہیں رہا تھا۔ اور خشکی کی طرف سے تو ہندوستان کی سرحد کی حفاظت کارکنانِ قضا و قدر نے جیسی کی ہے ویسی اور کسی ملک کو نصیب نہیں۔ لیکن ایشیا کی اُنیسویں صدی کے نصف آخری کی تاریخ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ

باب نوزدہم
فصل اول

اقوام یورپ کا اقتدار اس اقلیم میں جگہ جگہ بڑھنا شروع ہو گیا جس سے سیاسی ناپائداری کا ایک عام احساس پیدا ہو گیا۔ ایشیا کی ہر سلطنت نے اپنے زبردست ہمسایوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو محسوس کرنا شروع کر دیا۔ دول یورپ نے اپنے ہمسروں کو اپنے سے دور اپنی پوری زد میں رکھنے کی کوشش شروع کی اور اپنی اپنی سرحدوں کے تدریجی تقرب کو رقیبانہ خطرے کی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ اقلیم ایشیا میں برطانیہ کی سلطنت اپنی جغرافیائی حدود تک پہنچکر افغانی کوہستان کے دامن میں آکر ختم ہو گئی تھی۔ لیکن وسط ایشیا میں روس کی پیش قدمی اتنی ہی تیز اور زوردار ہوتی جاتی تھی جتنی روسی فتوحات بڑھتی جاتی تھیں اور روسی مملکت کی توسیع ہوتی جاتی تھی۔ ملکی و جنگی حکمت عملی کے مقتضا کے مطابق انگریزوں نے اپنے یوروپین ہمچشموں کو ہمیشہ اپنے سے دور رکھنا پسند کیا ہے اور اسی غرض کے لیئے جو علاقہ بطور حدِ فاصل کے کام میں لایا جاتا ہے یعنے وہ علاقہ جس کی سرحد انگریزی سرحد سے متوازی چلی گئی ہو اُس پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر کے کسی بیرونی مداخلت کو کبھی اُس میں گوارا نہیں کیا ہے۔ اس وجہ سے اُنیسویں صدی کے آخری زمانے میں برطانوی گورنمنٹ نے دریائے جیحون کی طرف اور افغانستان کے شمال مغربی صوبہ جات کی جانب روس کی پیش قدمی کو بڑی تشویش و اشتباہ کی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔

جس وقت روس نے خیوا کو مسخر کر لیا تو روسی فوجی چوکیاں افغانی سرحد سے بہت ہی قریب آگئیں اور انگریزوں نے اس بڑھتی ہوئی نقل و حرکت کو بذریعہ نامہ و پیام روکنے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ مبہم اور پیچیدہ سے طریقے پر دار الحکومت روس کی طرف سے اطمینان دلا دیا گیا۔ لیکن ۱۸۷۳ء میں شہنشاہ روس نے افغانستان کے اس حلقے سے بالکل باہر ہونے کا اعلان

باب نوزدہم
فصل اوّل

کر دیا جہاں تک روسی اثر حاوی سمجھا جاتا تھا اور ایک باہمی سفارت کے ذریعے سے مملکت افغانستان کی حد بست کا کام ایک حد تک انجام کو پہنچ گیا۔ غرض یہ کہ اس وقت تمام برطانوی مدبرین کی حکمتِ عملی کا رجحان یہ تھا کہ افغانستان کی سلامتی و خود مختاری کا کسی نہ کسی طرح اطمینان کر لیا جائے۔ اُس زمانے کے دفترِ خارجہ کی دستاویزوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بے نتیجہ اور غیر اطمینان بخش نامہ و پیام کا ایک طومار ہے جس کی وجہ سے غلط فہمیاں بڑھتی چلی گئی ہیں یہاں تک کہ واقعات نے وہ رخ اختیار کیا کہ اس ابر آلود مطلع پر ۱۸۷۸ء میں جنگ افغانستان کی بجلیاں چمکنے لگ گئیں۔ جب ۱۸۶۸ء میں امیر شیر علی خاں نے تخت نشینی کی نہایت خونریز و جانباز خانہ جنگی کے بعد تمام ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی تو اُس کو اپنے ملک کی اس مذبذب حیثیت سے ایک تازہ تشویش پیدا ہوئی کہ اُس کے ایک طرف ایک یورپین سلطنت تھی اور دوسری طرف دوسری تھی۔ ایسی حالت میں اُس نے اتحاد و امداد کی خاطر ہندوستان کی طرف رجوع کیا۔ ۱۸۶۹ء میں وہ انبالہ کے مقام پر لارڈ میو وائسرائے کا مہمان ہوا اور بڑے تزک و احتشام سے اُس کا استقبال کیا گیا اور زرِ نقد اور اسلحہ کے معقول پیشکش اور دوستانہ الفاظ کے ساتھ اُس کا ہر طرح سے اطمینان کیا گیا۔ لیکن امیر یہ چاہتا تھا کہ باضابطہ معاہدہ طے ہو جائے اور اُس کو ایک مقررہ رقم سال بسال دی جایا کرے۔ لارڈ میو کو ایسی کارروائی بطور خود کرنے کے اختیارات نہیں تھے۔ چنانچہ یہ مجلس شوریٰ صرف یہیں تک ختم ہو کر رہ گئی اور کسی باضابطہ اتحاد کی معقول بنیاد پر کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ ۱۸۷۳ء میں پھر سلسلۂ نامہ و پیام شروع ہوا۔ اور لارڈ نارتھ بروک وائسرائے نے یہ تجویز کی کہ بیرونی حملے کے وقت افغانستان کی حمایت و حفاظت کرنے کی

باب نوزدہم
فصل اوّل

ذمہ داری برطانیہ سے لے۔ گر انگلستان کی وزارت نے اس پر منظوری صادر نہیں فرمائی اور اس بے اعتباری اور بدمزگی سے اس تمام طرز معاملت کو منسوب کیا جاسکتا ہے جو امیر شیر علی خاں نے بعد کو گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ اختیار کی۔

بہر حال ۱۸۷۶ء میں انگلستان کی وزارت کو اس کی ضرورت یقینی طور پر محسوس ہونے لگی کہ امیر کے ساتھ زیادہ قریبی اور زیادہ مشخص تعلقات قائم ہو جائیں اور لارڈ لٹن کو جب اپنے عہدۂ وسرائی پر انگلستان سے روانہ کیا گیا تو اُس کو اس اصول پر عمل پیرا ہونے کی خاص ہدایات کر دی گئی تھیں۔ لارڈ لٹن نے پہلی کوشش یہ کی کہ کابل کو ایک سفارت بھیجنے کی تجویز کی مگر اس کی پیش دستیوں کا امیر نے ایسے دل شکن طریقے سے جواب دیا کہ کچھ بے نتیجہ نامہ و پیام کے بعد یہ تجویز مسترد کر دی گئی اور فریقین میں کچھ شکر رنجی اور مغائرت کی نوبت بھی آگئی۔ ۱۸۷۷ء میں روس و ترکی میں جنگ چھڑ گئی اور ۱۸۷۸ء میں جب روسی فوجیں قسطنطنیہ کے سامنے پہنچ گئیں تو حکومت برطانیہ نے فوجی مداخلت کی تیاری کی اور ہندوستانی فوجیں مالٹا کو روانہ کیں۔ روسیوں نے جوابی نقل و حرکت شروع کی یعنے انھوں نے اپنی وسط ایشیا کی فوج کا ایک دستہ افغانی سرحد کی طرف بڑھایا اور ایک روسی سفیر کابل پہنچا جس نے روس اور افغانستان میں معاہدۂ اتحاد کا ڈول ڈالنا شروع کیا۔ ہندوستان کے ویسرائے نے اسکے جواب میں فوراً یہ مطالبہ کیا کہ انگریزی سفیر کو بھی کابل میں داخلے کی اجازت دی جائے لیکن سر نیول چیمبرلین کی سرگردگی میں جو انگریزی سفارت بھیجی گئی تھی اس کو کابل کی فوجی چوکیوں پر سے زبردستی واپس کر دیا گیا۔ اس پر ایک آخری تحریر امیر کے پاس اس شرط کے ساتھ بھیجدی گئی کہ برطانوی سفیر کو کابل میں آنے دیا جائے اور ایک مقررہ تاریخ تک جواب دیا جائے۔ اس تاریخ تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اسلئے نومبر ۱۸۷۸ء میں اعلان جنگ کر دیا گیا اور تین فوجیں افغانستان میں مختلف نقاط سے داخل ہوئیں۔ جو فوج جنوبیہ

باب نوزدہم
فصل اوّل

کی طرف سے کوئٹہ ہوکر روانہ ہوئی تھی اُس نے قندھار پر بلا مزاحمت قبضہ کرلیا۔ دونوں شمالی فوجوں نے وادیِ کرم و جلال آباد سے کابل کو دھمکی دینی شروع کی۔ اور جس وقت جنرل رابرٹس نے افغانی فوجوں کو پیوار کوتل پر شکست دیدی تو امیر شیر علی خاں نے کابل سے فرار ہوکر اپنے بالائی صوبہ متصلہ دریائے جیحون میں پناہ لی اور روسیوں سے امداد کی استدعا کی لیکن جنگ ترکی و روس کا خاتمہ معاہدۂ برلن پر ہوچکا تھا اور اب روس کے اغراض اس سمت میں باقی نہیں رہے تھے اس لیئے اُدھر سے امیر کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ برطانیہ سے صلح کرلے۔ اور ۱۸۷۹ء میں امیر شیر علی خاں نے بڑی مصیبت میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے یعقوب خاں نے مخاصمت ختم کردینے کی اس شرط پر خواہش کی کہ اُس کو انگریزی امداد سے تخت پر بٹھا دیا جائے۔ بہت سے رد و کد کے بعد اُس کے ساتھ معاہدۂ گندمک طے کیا گیا جس کی رو سے اُس نے کئی ایسے سرحدی قطعات انگریزوں کے حوالے کردیئے جن سے افغانستان کو جانے کے راستے انگریزوں کی زد میں آگئے اور ایک برطانوی مشیر کو کابل میں مقیم رکھنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس عہدہ پر ۱۸۷۹ء میں سر لوئیس کواگنیری کو بھیجا گیا۔

لیکن جنگ کی وجہ سے تمام ملک میں ابتری پھیل چکی تھی اور امیر شیر علی خاں کی موت سے تمام افغانستان لاوارث بنگیا تھا۔ یعقوب خاں کو نہ ایسا تجربہ تھا نہ اُس میں ایسی قوت تھی جس کی ضرورت ایسی نازک حالت میں ہوا کرتی ہے۔ اُس کی فوجوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی اور اُن میں سرکشی کے آثار نمایاں تھے۔ چنانچہ ایسے خونخوار اور غیر مفتوح قوموں پر اُس کا اثر بالکل ہیچ ثابت ہوا جن کو غیر ملکی مداخلت سے معہودی نفرت تھی اور یہ نفرت ایک برطانوی افسر کی کابل میں موجودگی سے اور بڑھ گئی تھی۔ افغانستان کے ساتھ معاہدۂ گندمک کی رو سے

جو تصفیہ کیا گیا تھا اُس کی اصل بنیاد برطانوی مشیر کی شخصی سلامتی و حفاظت پر تھی۔ اور تین ماہ کے اندر ہی اس سفیر کے قتل کر دیئے جانے سے اس کا تمام ڈھچر ٹوٹ پھوٹ کر نیچے آ رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کی پہلی نوبت میں انگریزوں کو صرف امیر شیر علی خاں سے ہی لڑنا پڑا تھا مگر اس دوسری نوبت میں انگریزوں کے سر یہ سخت بلا نازل ہوئی کہ اُن کو تمام افغانی قوم سے لڑنا پڑا۔ کواگنری کے مع اسٹاف کے قتل کیئے جانے کی خبر ملتے ہی جنگ پھر چھڑ گئی۔ سر فریڈرک رابرٹس نے ایک سریع السیر اور بہادرانہ کوچ کر کے کابل کو تسخیر کر لیا اور قندھار پر جس کو سر ڈانلڈ سٹوارٹ نے ابھی ہی خالی کیا تھا پھر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن اگرچہ انگریزوں نے ان دونوں معرکے کے مقاموں کو مضبوطی سے اپنی فوجی گرفت میں لے رکھا تھا تاہم حکومت ہند اس وقت ایک سخت دُگدے میں پھنس گئی تھی۔ تمام ملک کو تسخیر کر کے اس میں امن قائم کرنے کی کوشش کرنے کا کبھی پہلے ارادہ نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی یہ کام حکومت ہند کے امکان میں تھا اور اگر انگریزی فوجیں واپس لائی جاتی تھیں تو افغانستان کو طوائف الملوکی کا شکار بننے کے لیئے چھوڑ دینا پڑتا تھا۔ اور گویا یہ تمام جنگبازی زرداد ن وورد سرخرید ثابت ہوتی تھی۔ تمام مسلح قبائل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ انگریزوں نے تسخیر افغانستان کا عزم کر لیا ہے اس لیئے اُنھوں نے کابل کے قرب و جوار میں سخت شورش برپا کر رکھی تھی اور دسمبر ۱۸۷۹ء میں وہ سب اس غرض سے مجتمع ہو گئے کہ شہر کے باہر جو انگریزی فوجیں خندق بندی کیئے پڑی تھیں اُن پر یکدل ہو کر ہلہ بول دیں۔ لیکن چند خونریز مڈبھیڑوں کے بعد ان سب کو ہزیمت دیدی گئی جس سے قرب و جوار کے علاقوں میں بھی کچھ خموشی طاری ہو رہی اور ہندوستان کے ساتھ سلسلۂ آمد و رفت بھی قائم ہو گیا۔ لیکن حکومت ہند کا اصلی منشا یہ تھا کہ افغانستان کو کسی ایسے قابل حکمران کے سپرد کر دیا جائے جو برطانیہ کا دشمن نہ ہو۔

باب نوزدہم
فصل اول

اور یہ جنگ بھی خاص اسی غرض کے لیئے کی گئی تھی ۔
اس ضغطے سے انگریزوں کو اس طرح نجات ملی کہ صوبۂ شمالی کی سرحد پر عبدالرحمن خاں کا پتہ لگا جو امیر کبیر علی خاں کے پیشرو کا بھتیجہ تھا اور جس کو اُس وقت کابل سے نکال دیا گیا تھا جبکہ امیر شیر علی خاں نے خانہ جنگی میں فتح پا کر تخت حاصل کر لیا تھا عبدالرحمن خاں اس وقت روسی حفاظت میں دریائے جیحون کے پار رہتا تھا اور لارڈ لٹن نے اُس سے باہمی سمجھوتے کا طور ڈالنا شروع کیا اور اُس کو یقین دلایا کہ اُس کی تخت نشینی کابل کی کوئی مخالفت نہیں کی جائے گی اگر وہ کابل کے برطانوی مستقر پر آ جائے اور اُن شرائط پر مباحثہ کرے جن پر اُس کو برطانیہ کی طرف سے امیر کابل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اسکے بعد کابل کی فرماں روائی اُس کے سپرد کر دی جائے گی۔ ماہ جون ۱۸۸۰ء میں لارڈ لٹن نے اپنے عہدے کا انصرام لارڈ رپن کے سپرد کر دیا جس کے ہاتھوں یہ انتظام بدقت تمام تکمیل کو پہنچا۔ عبدالرحمان خاں کی تخت نشینی کا اعلان کابل کے انگریزی لشکر میں کر دیا گیا۔ اُس کی قوت کو اسلحہ اور زر نقد کی امداد سے مستحکم کر دیا گیا اور بیرونی حملے کے وقت اُس کی امداد و اعانت کا وعدہ کیا گیا۔ برطانوی فوجیں واپسیٔ ہندوستان کے لیئے کوچ کرنے ہی والی تھیں کہ یہ خبر آئی کہ شیر علی خاں کے چھوٹے بیٹے ایوب خاں نے ہرات سے قندھار پر چڑھائی کر دی ہے۔ جولائی میں اُس نے مقام میوند پر ایک انگریزی فوج کو سخت شکست دیدی اور خاص قندھار کے انگریزی دستے کو محصور کر لیا۔ اُسی وقت کابل سے ایک زبردست انگریزی فوج سر فریڈرک رابرٹس کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ سپہ سالار مذکور نے دو اسپہ کوچ کر کے اواخر اگست تک قندھار کے باہر ایوب خاں کے محاصرین کو جا لیا۔ اور ایوب خاں کو کامل شکست دیکر انگریزی محصورین کو آزاد کیا اور درۂ بولان میں سے ہوتا ہوا

اپنی فوج کو لیئے ہوئے ہندوستان میں داخل ہو گیا۔ اُسی وقت بقیہ برطانوی فوج بھی سیدھے شمالی راستے سے کابل سے ہندوستان کو واپس روانہ ہو چکی تھی اور قندھار والی فوج نے بھی ۱۸۸۱ء میں قندھار کو خالی کر دیا جس سے امیر عبدالرحمٰن خاں کو اپنے جنوبی صوبہ جات پر اپنے مکمل اختیارات عمل میں لانے کی پوری آزادی حاصل ہو گئی ایوب خاں اس عرصے میں پھر واپس آچکا تھا اور عبدالرحمٰن خاں کو چونکہ اپنے وسائل استعمال کرنے کی آزادی مل چکی تھی اس لیے اُس نے بہت جلد ایوب خاں کو افغانستان سے باہر نکال دیا اور اپنے اختیارات کو ہر طرف نہایت تیزی سے حاوی کر لیا۔ اس وقت افغانستان اپنی تاریخ کے اعتبار سے پہلی مرتبہ متفق و متحد ہو کر ایک ایسے فرماں روا کے زیر نگیں آگیا جو جتنا اپنی قابلیتوں میں بے نظیر تھا اتنا ہی اپنی سخت گیری میں بے رحم بھی تھا۔ اس کے بعد کے زمانے میں مملکت افغانستان کی سرحدیں بھی معین کر دی گئیں۔ دریائے جیحون سے ایران تک شمال مغربی حدبست کا کام انگریزی اور روسی عہدہ داروں کی ایک مشترک جماعت کے سپرد کیا گیا تھا لیکن اس خط کے ایک حصے پر کچھ نزاع ہو گئی جس سے مقام پنجدہ پر روسی اور افغانی فوجوں میں کچھ تصادم ہوا اور ۱۸۸۵ء میں انگریزوں اور روسیوں میں قطع تعلقات ہو جانے کی نوبت آپہنچی۔ خود امیر عبدالرحمٰن خاں اُس وقت میں لارڈ ڈفرن وائسرائے کا شمالی ہند میں مہمان تھا۔ جب کسی نہ کسی طرح یہ خطرہ ٹل گیا تو تمام شمال مغربی سرحد جو روسی مقبوضات سے متصل تھی ایک بین الاقوامی سمجھوتے کے مطابق معین کر دی گئی۔ اس کے بعد افغانی سرحد کو سمت مشرق میں معین کرنا رہ گیا جہاں کہ کوہستانی قبائل کا ایک منطقہ انگریزی اور افغانی علاقوں کے درمیان حائل ہے چنانچہ امیر افغانستان سے یہ معاہدہ طے پا گیا کہ اس متنازعہ علاقے کے سرکش قبائل سرحد کے برطانوی افسران کی سیاسی نگرانی میں رہیں گے۔

باب نوزدہم
فصل اول

ان تمام کارروائیوں کے عام نتائج انگریزوں کی ہندوستانی سلطنت کے حق میں نہایت ہی اہم نکلے ہیں۔ اُنیسویں صدی کے دوران میں افغانستان بالکل ایک غیر علاقہ تھا۔ اور انگریزوں سے بالکل غیر مانوس تھا۔ اگرچہ انگریز اُس پر تسلط کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے ہیں مگر سیاسی ضروریات اُن کو اس پر مجبور کرتی ہیں کہ اس مملکت کو باوجود ہر طرح کے مصارف و مصائب کے بھی برطانوی اثر میں رکھا جائے کیونکہ ہندوستان میں حکمرانی کرنے والی ہر قوم اور ہر خاندان کے لیئے افغانستان کی سلامتی لازمی رہی ہے۔ مغلوں کے زمانے میں افغانستان بھی ہندوستان کا ایک صوبہ تھا۔ برطانیہ کے زمانے میں وہ ایک ذی ریاست ہے۔ کیونکہ افغانی کوہستان اب بھی ہندوستان کے میدانوں پر یورش کے مقابلے میں مستحکم فصیل کا کام دیتے ہیں۔ ۱۸۸۰ء سے جبکہ افغانستان کی بیرونی حملوں کے وقت امداد و اعانت کا باضابطہ وعدہ کیا گیا ہے اس مملکت کی حالت میں مستقل طور پر ترقی ہوئی ہے۔ اب اس پر مزمن خانہ جنگیوں اور اندرونی فسادوں کی بلائیں نہیں نازل ہوتی ہیں۔ اب تک اس میں برابر سکون رہا ہے اور ہر طرح کی مرفہ الحالی اسے نصیب رہی ہے اور عبدالرحمن خاں کے جانشین کو جس امن و اطمینان کے ساتھ تخت پر بیٹھنا نصیب ہو گیا وہ اُن تمام جانشینوں کے مقابلے میں قابل لحاظ ہے جن میں ہمیشہ بغاوتیں۔ فرقہ بندیاں اور خونریزیاں ہوا کرتی تھیں۔ اندرونی حالات کی اس قلب ماہیت کو دو اسباب سے منسوب کیا جا سکتا ہے جن میں سے ایک تو وہ امداد و اعانت ہے جو حکمران افغانستان کو حکومت برطانیہ سے حاصل ہوتی رہی ہے اور دوسرا وہ حدبست کا تصفیہ ہے جو دو یورپین دولتوں کے درمیان باضابطہ فیصلہ و تصدیق ہوا ہے۔ سب سے

باب نوزدہم
فصل اوّل

آخری مفاہمہ جس کی باضابطہ برطانیہ اور روس نے تصدیق ۱۹۰۷ء میں کی ہے اُس سے اُن سرحدوں میں مزید ترمیم و ترقی ہو گئی ہے اس معاہدے کے ذریعے سے یہ طے پا گیا ہے کہ جب تک یہ قائم رہے امیر کے علاقے کی حفاظت اور اُس کی آزادی کا احترام بین الاقوامی طریقے پر کیا جائے گا۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایشیا میں جو برطانیہ اور روس کے درمیان ایک صدی سے رقابتیں مخاصمتیں اور بدگمانیاں چلی آ رہی تھیں اُن سب کا بصورتِ موجودہ خاتمہ ہو گیا ہے۔

ہندوستان کی شمالی سرحد کے واقعات کے تذکرے کی تکمیل کے لیے یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ ۱۸۹۶ء-۱۸۹۷ء میں کوہستانِ ہندوکش کے ڈھلان کی اُن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی برطانوی ذمیت میں لے لیا گیا ہے جو کشمیر کے پرے پھیلی ہوئی ہیں۔ انگریزوں کے اس سیاسی تسلّط کی توسیع و تکمیل بالکل بلا مزاحمت عمل میں نہیں آگئی ہے بلکہ اس غیر متمدن اور دشوار گزار ملک کے جنگجو قبائل نے بڑی سختی سے مدافعت کی تھی۔ یہ سب قبائل مجتمع ہو گئے اور مقام چترال پر انھوں نے ایک انگریزی فوج کو بری طرح سے محصور کر لیا تھا یہاں تک کہ ایک زبردست مہم اس انگریزی فوج کی امداد کے لیے بھیجی گئی جس نے بڑی دشواریوں اور جانبازیوں سے کوچ کر کے اس فوج کو آزاد کرایا۔ غرض یہ کہ اب انگریزوں کا اثر و اقتدار کاشغر کے چینی حدود تک پہنچ گیا ہے اور اُس دور و دراز کوہستان میں برطانوی عظمت کی آخری حد استقلال و پامرادی کے ساتھ قائم کر دی گئی ہے۔ ان تمام سفارتی اور جنگی کارروائیوں کی اصلی غرض و غایت جو کچھ تھی وہ حاصل ہو چکی ہے یعنے جو علاقہ براہ راست برطانیہ کے زیر نگیں ہے اُس کے اور چینی اور ایرانی علاقوں کے درمیان بطور حد فاصل کے ہندوستان

باب نوزدہم
فصل اوّل

کی شمالی اور شمال مغربی سرحد پر ایک وسیع منطقہ ذمّی ریاستوں کا حائل کر دیا گیا ہے۔

اسی اثنا میں جبکہ برطانیہ اپنی شمالی سرحد کے پار اپنی جنگی حیثیت کے قیام و استحکام میں مصروف تھا بڑی بڑی تازہ پیچیدگیاں جنوب مشرقی سرحد کی طرف پیدا ہو گئی تھیں۔ ۱۸۵۲ء میں جبکہ برہما کے زیریں صوبہ جات تسخیر کر کے ملحق کر لیئے گئے تھے اس وقت سے برہمی حکمرانوں کے دل میں برطانوی حکومت کی طرف سے کینہ و انتقام کے خیالات موجود تھے۔ ۱۸۸۵ء میں شاہ برہما نے اُن مطالباتِ تلافی کو منظور کرنے سے انکار کر دیا جو برطانوی رعایا کو نقصان پہنچانے کی وجہ سے اُس کے ذمّہ عائد کیئے گئے تھے۔ اس سے بھی سنگین تر یہ حرکت کی کہ اُس نے خفیہ نامہ و پیام فرانسیسیوں کے ساتھ شروع کر دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ فرانس کے اغراض برہما میں غالب ہو جائیں۔ جبکہ فہمائش و تنبیہ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو اُس کو ایک آخری مراسلہ بھیجا گیا جس کے ساتھ فوجی نمائش بھی اُس کی سرحد پر کی گئی۔ اس مراسلے کا جواب ایک ایسے اعلان کے ذریعے سے کیا گیا جس میں آثارِ مخاصمت صاف عیاں تھے۔ چنانچہ نومبر ۱۸۸۵ء میں انگریزی فوجوں نے مانڈلے پر پیش قدمی کی۔ برہمی فوج کوئی زبردست مدافعت نہیں کر سکی اور انگریزی فوجوں نے آسانی سے دارالحکومت پر قبضہ کر کے شاہ برہما کو گرفتار کر لیا اور بالائی برہما کو بھی سلطنت برطانیہ کے ساتھ الحاق کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ چونکہ ان تمام مفتوحہ صوبہ جات میں غارتگر گروہ اور برخاست شدہ سپاہی لوٹ مار کرتے پھرتے تھے اس لیئے دو سال کی اندرونی بدامنی کے بعد آخرکار امن قائم ہو گیا اور ملکی انتظام کی ترتیب مکمل کر دی گئی۔ برہما کے شمال مشرقی اضلاع کے پرے جنگلی علاقے کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو دریائے میکانگ تک پھیلی ہوئی ہیں انگریزوں کی باجگذار بنگئیں اور

باب نوزدہم
فصل اوّل

شمالی و دشوار گزار کوہستان کے قبائل نے بھی انگریزی نگرانی کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد برہما کے مشرق میں جو ملک سیام ہے وہاں کے حکمراں کے فرانسیسی حکام کے ساتھ کچھ تنازعات ہو گئے تھے۔ سیام ایسے موقعہ پر واقع ہے کہ برہما کو فرانسیسی مقبوضہ کوچین سے جدا کرتا ہے اس لیئے سیام کی سلامتی ہندوستان کے لیئے لازمی و ضروری ہے چنانچہ ۱۸۹۶ء میں حکومت برطانیہ نے سفارتی مداخلت کی تا کہ سیام کو تجزیئے سے بچائے اور سیام کے اُن اضلاع پر برطانوی ذمیت تسلیم کرائے جو برطانوی سرحد سے بالکل متصل ہیں۔

بالائی برہما کے الحاق سے جو آخری توسیع مملکت حاصل ہو گئی ہے اُس سے برطانیہ پر سیاسی ذمہ داریوں کا بوجھ اور بڑھ گیا ہے۔ ہندوستانیوں اور ہندی چینیوں میں کوئی مشترک خصوصیات نہیں ہیں۔ اس طرف برطانیہ نے ایشیا میں گویا نئی زمین کو توڑا ہے اور اپنی مسلسل پیش قدمی کی وجہ سے اُس کو بالکل نئی قوموں اور نئی زبانوں سے سابقہ پڑنے لگا ہے۔ اب برطانیہ ایک ایسے قطعۂ ملک کی سیاحت میں مصروف ہے جہاں پر کسی دوسرے یورپین کو قدم رکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ اب اس علاقے کی سرحد بندی کر کے اندرونی خلا کو سیاسی نقشے میں بھرنے کا کام ہو رہا ہے۔ غرض یہ کہ چینی سرحد کے اس پار برطانیہ کا اصول یہ ہے کہ اُن چینی حکام کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے جائیں جو انگریزوں کی ہر کارروائی کو بڑے اشتباہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ اور چینی اور ہندوستانی سلطنتوں کے درمیان جو علاقہ حائل ہے۔ اُس کے باشندوں پر اس حد تک برطانوی ذمیت قائم ہو جائے کہ وہ لوگ رفتہ رفتہ اپنی وحشت و جہالت سے دست بردار ہو کر سرحدی علاقے پر تاخت و تاراج ترک کر دیں۔ ساتھ ہی اس کے اُن کے علاقے میں غیر اقوام کا اثر و اقتدار بھی سوائے برطانیہ کے قائم نہ ہونے پائے۔

باب نوزدہم
فصل اول

سوائے الحاق برہما کے اور کوئی ترمیم ۱۸۵۶ء کے بعد سے اُس علاقے میں نہیں ہوئی جو ہندوستانی حکومت کے بلا واسطہ انتظام میں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر سلطنتِ ہند کی بیرونی سرحد کا کوئی خط کھینچا جائے تو اُس میں وہ بیرونی علاقے بھی شامل ہو جائیں گے جن پر پچاس سال کے اندر برطانوی اثر و اقتدار قائم کر دیا گیا ہے۔ اور اس طرح یہ سرحد بہت زیادہ وسیع ہو جائے گی۔ یہ سرحد شمال مغرب میں روسی مقبوضاتِ وسط ایشیا کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور کئی ہزار میل تک سلطنتِ چین سے متصل چلی جاتی ہے۔ اور جنوب مشرق میں فرانس کی ایشیائی نو آبادیات سے ملصق ہے۔ حال ہی کے زمانے میں لاسہ دار الحکومت تبت میں ایک مہم بھیجی گئی تھی جس کے ذریعے سے انگریزوں نے بتاکید یہ جتا دیا ہے کہ وہ کسی دوسری یورپین قوم کی مداخلت اُن کوہستانی اور ریگستانی اقطاع میں نہیں گوارا کریں گے جو ہمالیہ سے شروع ہو کر شمال کی طرف منگولیا تک چلے جاتے ہیں۔ برطانیہ کا اصول یہ ہے کہ ہندوستان کے جتنے راستے ہیں اُن سب کو مداخلت سے پاک رکھے اور تمام دروازوں کی کنجیاں اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اور اس اصول پر عمل درآمد کرنے کے لیئے انگریزوں کو مجبوراً اپنی جنگی چوکیاں زیادہ تعداد میں اور بہت آگے بڑھا کر قائم کرنی پڑی ہیں اور مختلف و متنوع ذمہ داریوں کا ایک بڑا بھاری بوجھ اُٹھانے پر رضامند ہونا پڑا ہے۔ مملکت برطانیہ کی جس بیرونی سرحد کی حفاظت کرنے کی ضرورت اس وقت برطانوی حکمتِ عملی کے مقتضا کے موافق پڑتی ہے اُس کا محیط بہت ہی وسیع ہو گیا ہے۔ اس کا جنوب مشرقی کنارۂ سیام پر قائم ہے۔ جہاں سے اس کا پھیلاؤ شمال کی طرف سیدھا تبت تک چلا جاتا ہے۔ ایک طرف اُس کا اتصال کوہ ہندوکش اور دریائے جیحوں سے ہوتا ہے۔ شمال مغرب میں وہ افغانستان و بلوچستان کو اپنے حلقے میں لے لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی مغربی انتہا پر بحیرۂ عرب میں ختم ہو جاتا ہے اصلی قلمرو کے

باایں ہمہ اس قدر وسیع سیاسی حلقۂ اثر ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مملکت برطانیہ کی سرحدوں کی شان اکثر بدلتی رہتی ہے۔ خاص ہندوستان کے حدود کا تعین تین طرف سے مسلسل کوہستان یا ریگستان سے اور چوتھی طرف سمندر سے کیا جاتا ہے۔ لیکن مملکت ہند کے سیاسی حدود مصنوعی خطوط کے ذریعے سے قائم کیئے گئے ہیں جو بین الاقوامی تصفیے کے مطابق وسط ایشیا کے کوہستان کی ڈھلان سے شروع ہو کر چٹیل میدانوں اور دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں کھنچے چلے گئے ہیں۔ یہ مقررہ خطوط انگریزوں کی جنگی حیثیت کا اصلی بیرونی خاکہ کھینچتے ہیں اور شمال مغرب سے جنوب مشرق تک وہ برابر ایشیا کی دو زبردست سلطنتوں یعنے روس اور چین سے ملحق ہوتے چلے گئے ہیں۔ ایشیا کی سیاسی حیثیت اس زمانے میں بالکل عالمگیر بین الاقوامی تعلقات کی بھول بھلیاں کے تابع ہو گئی ہے۔ چنانچہ جب کسی سخت جھٹکے یا کھچاؤ کی نوبت آجاتی ہے تو اُس کا اثر صرف ہندوستان ہی میں محسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ اُن تمام ملحقہ ممالک میں دوڑتا چلا جاتا ہے جو اقوام یورپ کے اثر و اقتدار میں ہیں۔ اور یہ کہنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ ایشیا کے بڑے حصے کا سیاسی حشر اس وقت یورپ کے توازن قوت و ترتیب عمل پر منحصر ہے۔

باب نوزدہم
فصل دوم

فصل دوم

اندرونی انتظام

برطانوی مملکت ہند کی تاریخ اس جگہ تک محض بطور تذکرے کے لکھی گئی ہے اور اندرونی انتظام کے معاملات کا بہت ہی کم حوالہ دیا گیا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے موٹا موٹا خاکہ گورنمنٹ برطانیہ کی ابتدا و توسیع کا فتوحات و الحاقات کی صورت میں کھینچ دیا ہے اور یہ دکھا دیا ہے کہ کس طرح رفتہ رفتہ برطانوی اقتدار تمام ہمچشم ہندوستانی طاقتوں پر غالب آگیا اور برطانیہ نے اپنے ہندی مقبوضات کی حفاظت و مدافعت کے لیئے کیا خارجہ حکمتِ عملی اختیار کی۔ لیکن انیسویں صدی کے نصف آخری میں بڑی بڑی اندرونی تبدیلیاں پیش آگئی ہیں۔ توسیع مملکت کی وجہ سے آبادی کی تعداد اور گوناگونی بہت بڑھ گئی ہے اور رعایا کی مادی اور اخلاقی حالت نے اہم ترقیاں کرلی ہیں۔ اس لیئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے کچھ مختصر سا حال ملکی حکومت کی ترقی اور اُن اصلاحی کارروائیوں کا بھی بیان کردیا جائے جو وقتاً فوقتاً اس دوران میں کی گئیں۔

۱۸۵۷ء کا غدر اپنے اسباب کے اعتبار سے استردادی تھا اور اپنے نتائج کے اعتبار سے انقلابی تھا۔ اُس نے کچھ دیر کے لیئے سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا لیکن اسی نے جدید تعمیر و ترقی کے لیئے میدان بھی صاف کردیا۔ کسی پہلے باب میں یہ تذکرہ ہوچکا ہے کہ ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک کے بیس سال کے اندر لوٹ کھسوٹ کرنے والی لڑائیوں

باب نوزدہم
فصل دوم

کے درمیان اکثر وقفے امن و امان کے بھی مل مل جاتے تھے اور برطانوی علاقہ متواتر الحاقات کی وجہ سے بہت وسیع ہوگیا تھا جبکہ ۱۸۴۹ء میں دو سخت فوجکشیوں کے بعد پنجاب کو تسخیر کرکے اُس میں امن قائم کردیا گیا اور جبکہ ۱۸۵۶ء میں لارڈ ڈلہوزی نے اودھ کی عظیم ترین مملکت کو برطانوی سلطنت میں ضم کرلیا تو اُس وقت اطمینان سے یہ پیشین گوئی کی جاسکتی تھی کہ اب جنگ و جدل کا ناگوار زمانہ ختم ہوگیا ہے اور تمام ملک برطانوی حکومت کے سائے میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے گا۔

مگر دراصل اُس وقت تاریخ کے ایک نئے باب کا پہلا ورق شروع ہورہا تھا جس میں ایک خونریز خانہ جنگی کا تذکرہ کیا جانے والا تھا۔ بغاوت کا طوفان آرام و اطمینان کے خواب نوشیں میں افق امن و سکون پر یکایک جھوم کر آیا اور پھٹ پڑا۔ دیسی فوجیں جنھوں نے ۱۰۰ سال تک انگریزوں کا فتح و شکست میں ساتھ نہیں چھوڑا تھا انگریزوں کے خلاف بغاوت کر بیٹھیں اور نہایت ہی جانبازانہ و خونریز کشاکش کے بعد اس بغاوت کو فرو کیا جاسکا۔ اودھ میں بڑے بڑے تعلقداروں نے علم بغاوت بلند کرلیا اور تمام شمالی صوبہ جات میں انگریزی حکومت یا تو بالکل مستاصل کردی گئی یا بمشکل تمام بنوک شمشیر قائم رکھی جاسکی جس میں اُن جانبازوں کا بڑا حصہ تھا جنھوں نے اس نازک حالت میں دم خم نہ چھوڑا اور اپنی جان پر کھیل کر اپنی سلطنت کو بچالیا۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء میں جب امن قائم ہوچکا تو نئے صوبہ جات نے اُس رستاخیز کے بعد حواس برجا کرنے شروع کیے جس نے اردگرد کی دیسی ریاستوں کو بھی مضطرب اور پریشان کردیا تھا۔ البتہ جو علاقے حال ہی کے زمانے میں حاصل کیے گئے تھے اُن میں چونکہ انتظام حکومت ابھی نیا ہی تھا اس لیے وہ اس طوائف الملوکی اور ابتری کا اثر کیا زیادہ قبول کرسکتے تھے کیونکہ ابھی خود اُنھی میں اچھی طرح امن و سکون قائم نہیں جاسکتا تھا۔ ملک میں کامل امن قائم ہوجانے کے بعد

باب نوزدہم
فصل دوم

سے نئے سرے سے ساخت پرداخت کی فرصت نصیب ہوئی مختلف مقامی حکومتوں کے انتظامی اختیارات کو ایک معقول بنیاد پر قائم کیا گیا اور بے قاعدہ کارروائی اور خودمختارانہ احکام کی جگہ وہ قواعد و قوانین رائج کیے گئے جن کو اعلیٰ اور قابل دماغوں نے ہر قسم کے حالات کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ یہ موقع اس کام کو ہاتھ میں لینے کے لیے نہایت موزوں تھا کیونکہ ہندوستانی حکومت کا نظام مختلف مدارج تغیر سے گزر کر اب ایسی حالت پر پہنچ گیا تھا کہ انہیں جامع ترمیمات لازمی نظر آتی تھیں تاکہ اُس کو متمدن معاشرت کے مطابق بنایا جا سکے۔ سلطنت مغلیہ کا نظام ایک حد تک با اصول تھا اور اُس کا صوبہ جات و اضلاع میں تقسیم ہونا اور مقامی محاصل کی شرح کا معین کر دیا جانا برطانیہ کے واسطے تجدید نظام کی داغ بیل کا کام دینے کو موجود تھا۔ لیکن جو دیسی ریاستیں برطانوی حکومت سے پہلے ہی قائم ہو چکی تھیں اُن میں نہ کوئی اصول تھا نہ کسی بات کی پائداری تھی کیونکہ اٹھارھویں صدی میں حصول علاقہ جات کے واسطے جو برابر جنگ و جدل اور باہمی کشاکش ہوتی رہی ہے اُس کی وجہ سے قابل ترین ہستیوں کو بھی انتظام و بندوبست کا موقع نہیں ملا تھا۔ مگر مغل شہنشاہوں نے اپنی عظمت و شان کے زمانے میں بھی دیوانی و فوجداری قوانین کا کوئی ضابطہ نہیں رائج کیا تھا جس کو یورپ کی اصطلاح میں سلطنت کا منظور فرمودہ ضابطہ کہا جا سکتا ہے نہ انھوں نے کبھی رعایا کے رواج اور مقامی تعلقات کا لحاظ کر کے حاکموں کے حدود اختیارات مقرر کیے تھے۔ بلکہ صرف اسی کو کافی سمجھا تھا کہ تحصیل محاصل میں بھی اور انفصال مقدمات میں بھی بادشاہ یا اُس کے عمّال کی سمجھ کے موافق انتظام کر دیا جاتا تھا۔ وہ کثیر التعداد گروہ جن سے ہندوستان کی آبادی بنتی ہے اپنے آبائی رسم و رواج کے مطابق جو اکثر اُن کے مذہبی عقائد سے مستنبط کر لیے جاتے تھے زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ ایشیا میں قانون اور مذہب ایک ہی تصویر کے دونوں رخ سمجھے جاتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی عہد حکومت میں یہ طریقہ جاری تھا کہ پرانے طریقے کے مطابق صوبہ وار آئین نافذ کر دیے جاتے تھے جن کو مختلف مقامات اور اوقات کی ضروریات و واقعات سے

تطبیق و دیگر ترتیب و تدوین کیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ تشریحات و ہدایات بھی مخلوط رہتی تھیں اور ان کو مقامی عدالتوں کے فیصلوں اور تجویزوں کی نظیروں سے اور بھی پیچیدہ کر دیا جاتا تھا۔ آخر کے زمانے میں کچھ معقول اور اہم ضابطے ایسے بھی پیراتے نے صوبہ جات میں رائج کر دیے گئے تھے جو قانون ساز جماعت نے منظور فرمائے تھے۔ لیکن جو نئے علاقے اصل مملکت میں ضم کیے گئے تھے اُن سب کو گورنر جنرل نے اپنی بلاواسطہ نگرانی میں لے لیا تھا اور اُس نے یہ اختیارات اپنے واسطے محفوظ کر لیے تھے کہ جس جس مقام پر مناسب سمجھے قوانین و ضوابط کو جاری فرمائے جس کے ساتھ ہی یہ ہدایات بھی جاری فرما دی جاتی تھیں کہ ان ضوابط کے لفظ کے مطابق نہیں بلکہ معنی کے مطابق عملدرآمد کیا جائے اور جو مواقع شکوک و اشتباہ کے آجائیں اُن میں اپنے ایمان اور عقل سلیم کی مدد سے فیصلہ دیا جائے۔ اس کو غیر آئینی انتظام کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

غرض یہ کہ جب غدر بالکل فرو ہوچکا اور اُس نے کھلبلی شمالی اضلاع میں ڈال دی تھی اُس کو سکون ہو گیا اُس وقت طرز حکومت کی دوبارہ ساخت پرداخت کی ضرورت محسوس ہوئی اور موقع بھی نظر آیا اس لیے برطانوی حکام کا یہ کام ہوا کہ اس ابتری سے ترتیب اور اس بدنظمی سے ایک نیا اور مکمل نظام پیدا کریں۔ اقوام عالم کی تاریخ میں کبھی اتنے متواتر اور نمایاں تغیرات نہیں آئے ہوں گے جتنے ہندوستان میں غدر کے زمانے میں آگئے تھے۔ تمدن کی نئی اور پرانی صورتیں مخلوط ہو گئی تھیں کیونکہ نہ صرف ایشیائی معاشرت پر یورپین خیالات کی زد پڑ رہی تھی بلکہ خود ہندوستان ہی میں مختلف طبقات آبادی ایسے موجود تھے جو مادی و اخلاقی ترقیوں کے مختلف مدارج طے کر رہے تھے۔ انگریزوں کے ہاتھ دراصل ایک ایسی سلطنت آئی تھی جو پورے پورے سیاسی زوال کی حالت میں تھی اور اب اُن کو ملکی انتظام کی ترتیب ماہرانہ اصول پر کرنی تھی جس میں متنوع آبادی کے قدیم مراسم و روایات کا بھی پورا پورا لحاظ رکھنا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے اصلاحات کا کام بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا لیکن اس کے بعد سے اس کی رفتار نہایت تیز ہو گئی۔ ۱۸۵۸ء میں ایوان حکومت نے ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے ہندوستانی

باب نوزدہم
فصل دوم

معاملات کی نگرانی کے اعلیٰ اختیارات جو اب تک کمپنی کے ناظموں اور سلطنت
کے وزیروں میں منقسم تھے ایک سکریٹری آف اسٹیٹ با جلاس کونسل کے
سپرد کر دیئے گئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی تمام بحری و بری افواج کی خدمات
سلطنت کی طرف منتقل کر دی گئیں۔ پھر ۱۸۶۱ء میں انڈیا کونسل ایکٹ کے
نفاذ سے گورنر جنرل کی مجلس شوریٰ میں مزید ترمیم کر دی گئی اور قانون سازی
کا نئے پیمانے پر اس طرح انتظام کیا گیا کہ ایک کونسل بصدارت گورنر جنرل
قائم کی گئی جو تمام ہندوستان کے واسطے ضابطۂ قوانین تیار کرتی تھی۔ اس کے
ساتھ ہی مدراس، بمبئی اور کلکتہ میں علٰحدہ علٰحدہ ماتحت مجالس قانون سازی
قائم کر دی گئیں۔ ایک دوسرے اعلان کے ذریعے سے شاہی فرمان کے مطابق
تینوں دارالحکومتوں میں عدالتہائے اعلیٰ قائم کر دی گئیں۔ اور ۱۸۶۰ء میں
مجموعۂ تعزیرات ہند اور ضابطہ فوجداری کے نفاذ سے تمام ملک میں فوجداری
قانون کا تشخص و تعین کر دیا گیا۔ ان طریقوں پر انتظامی و عدالتی صیغے ایک اصول
کے مطابق پھر ترتیب دے دیئے گئے چنانچہ جس وقت ۱۸۶۲ء میں لارڈ کیننگ
وائسرائے نے ہندوستان چھوڑا تو اس نے اپنے جانشین کو ایسی حکومت
سپرد کی جو اس حکومت سے اپنے انداز و شان میں بالکل مختلف تھی جو چھ سال
پہلے لارڈ ڈلہوزی نے لارڈ کیننگ کو سپرد کی تھی۔ شاہی اقتدار کے اعلان سے
تمام دنیا کو علم ہو گیا کہ ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے ساتھ ایسے وقت
میں ضم کر لیا گیا ہے جبکہ اس کے احاطے میں بڑے بڑے علاقے آ چکے
تھے۔ اور ملکۂ معظمہ کے بلاواسطہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے لینے سے اپنے
اتحادِ اغراض کا احساس پیدا ہو گیا جس پر پورا پورا اعتماد تھا اور جس کی وجہ سے
ہندوستانیوں کی مادی و اخلاقی ترقیوں میں زبردست تحرک پیدا ہو گیا۔"

بعد کے پچاس سال کی انتظامی تاریخ ہند کو صرف ان مختصر الفاظ
میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا انھی اصولوں پر کیا گیا جن پر انتظامی
و قانونی صیغوں کا تشخص و تعین عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ تاریخ ایسی باقاعدہ
کارروائی کا خاکہ کھینچتی ہے جس کے ذریعے سے زمانۂ حال کی سلطنتوں کے

باب نوزدہم
فصل دوم

آئین کو ایک مختلف و متنوع آبادی کے حال پر چسپاں کر کے رائج کیا جانا ہے
ایک طرف شخصی قوانین۔ ذات پات کے رسم و رواج۔ اور کتابی احکام کا احترام
کرنا تھا۔ دوسری طرف بہت سے پرانے مراسم و روایات پر قواعد و قوانین کا
یہ اثر ہوتا جا رہا تھا کہ اُن کی ترمیم یا تنسیخ خود بخود ہوتی چلی جاتی تھی کیونکہ جن حالات
و ضروریات کے ماتحت یہ مراسم و رواجات جاری کیے گئے تھے خود اُنھی میں
تغیر و تبدل ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس طرح تمام مبہم اور لچکدار احکام جو قدیم معاشرت
سے تعلق رکھتے تھے خود بخود متروک ہوتے اٹھتے جا رہے تھے اور اُن کے
بالکل مفقود ہو جانے کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن انگریزی عدالتہائے قانونی کا عملدرآمد
جو پرانے صوبہ جات میں رائج چلا آ رہا تھا ایسا تھا کہ جس سے قدیم رسم و رواج کا
فقدان رک گیا تھا کیونکہ حقوق کے تمام مسائل۔ وراثت۔ جائداد۔ اور برادری
کے رواج کے تمام سوالات میں لازمی طور سے انھی ماہرین قدیمیات کی طرف
رجوع کیا جاتا تھا اور نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ قانونی فیصلے کو اُس رنگ سے جیتکرا
کیا جاتا تھا جو ایسے رسم و رواج کا رنگ تھا جن میں بجائے خود کھینچ تان کی
بہت گنجائش تھی اور جو ایک بے قانون زمانے میں قائم ہو گئے تھے اور
زمانۂ موجودہ کی معاشرتی اور اقتصادی ضروریات کے بالکل منافی تھے۔ اور
اس دور امن و امان۔ اضافۂ متول۔ حفاظت اموال۔ اور توسیع تعلیم میں ان کی
بالکل ضرورت نہیں تھی۔ غرض یہ کہ اکثر غیر مخصوص مبہم مراسم نہایت اہی جائز
اور معقول دستور العمل بن گئے تھے کیونکہ ایک مجاز برادری کو بیشک یہ اختیار
تھا کہ وہ کسی تکلیف دہ رسم یا رواج کی ترمیم یا تنسیخ کر لے مگر ایک انگریزی حاکم
عدالت کے ہاتھ میں یہ قاعدے مسلمات بن جاتے تھے اور ان کی گرفت
بڑی سخت ہو جاتی تھی۔ بہر حال ہر طبقۂ آبادی کی طرز ماند و بود پر برطانوی قیام
سلطنت سے اس قدر گہرا اثر پڑتا چلا تھا کہ سوائے جامع و مانع ضابطۂ قانونی
کے اور کوئی طاقت ایسی نہیں تھی جو قدیمی روایات و نظامات کو انگریزیت کے
ساتھ مدغم ہو جانے سے بچا سکتی۔ چنانچہ یہ صورت پیش آئی کہ ایک تو ہندوستان
کا دیوانی قانون پہلے ہی بڑی حد تک پیچیدہ اور تغیر پذیر تھا کیونکہ صوبے بصوبے

باب نوزدہم
فصل دوم

کے واسطے اُس کی صورتیں اس لیئے جدا جُدا تھیں کہ مذہبی خصوصیات و مقامی روایات کی رعایت سے اُس میں کثرت سے امتیازات و مستثنیات داخل کر دیئے گئے تھے دوسرے اُس کی پیچیدگی ایک غیر ملکی ضابطہ بری کی الجھنوں کی وجہ سے اور بڑھ گئی تھی۔ لیکن چونکہ ملک کی ترقی اور رفاہ الخالی کے لیئے ایسی حکومت کی ضرورت ہے جس کا تدوین کیا ہوا ایک واضح اور عالمانہ ضابطۂ قوانین موجود ہو جس کی پابندی عُمّال حکومت پر لازم ہو اور جو رعایا کے حالات و روایات کے مطابق ترتیب دیا گیا ہو اس لیئے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اِن مختلف الاحکام دفعات و نظائر کو ایسے سانچے میں ڈھالا جائے کہ یہ قابل تشخیص و تفہیم صورت اختیار کریں۔ حل طلب یہ مسئلہ تھا کہ دیوانی قانون اور ضابطے کو سلیس اور محیط بنا دیا جائے اور انصاف و اخلاق کے مہتم بالشان اصولوں کو اس طرح مدون کیا جائے کہ ہندوستان کے نظام معاشرت اور مراسم و روایات کو اُس سے اقل ترین صدمہ پہنچے ؛

بہر حال سر ہنری مین کی نگرانی میں اس مسئلے کا حل آسانی سے ہو گیا کیونکہ صاحب موصوف اس خاص کام کے لیئے اس لیئے نہایت ہی موزوں ثابت ہوئے کہ اُن کو تمدنِ قدیمہ کے احساسات و اشکال میں پوری معلومات تھیں۔ جب سر ہنری مین نے ۱۸۶۲ء میں صیغہ قانون سازی کا انصرام اپنے ہاتھ میں لیا ہے تو اُس وقت تعزیرات ہند اور ضابطۂ فوجداری مرتب ہو کر منظور ہو چکے تھے لیکن ضابطۂ دیوانی کا معاملہ بڑی اُلجھنوں میں پڑا ہوا تھا۔ مثلاً ظاہر ہے کہ شادی بیاہ اور وراثت کے مسائل کا تعلق ہر طبقۂ معاشرت سے ہے کیونکہ ان کا واسطہ بنیادی اغراض اور نہایت نازک احساسات سے ہے اس لیئے کوئی غیر ملکی مقنن ان مسائل کو بغیر کافی و کامل احتیاط کے ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ ہندوستان میں وہ قوانین جو تاہل کی زندگی یا تقسیم وراثت پر حاوی ہیں مذہبی رسوم و عقائد کے ساتھ مخلوط و وابستہ ہیں اور اُن کی کثرت و گوناگونی اس امر کی منافی ہے کہ اُن کو

باب نہم
فصل دوم

کسی ایک جامع و مانع ضابطۂ دیوانی کے اندر محیط کر لیا جائے۔ اس لیئے سب سے بہتر قابل عمل طریقہ یہ تھا کہ ایسے ضابطے تیار کر دیئے جائیں جو انصاف کے موٹے موٹے اصولوں پر حاوی ہوں۔ مگر ہوں اس ڈھب کے کہ ارتقاء معاشرت میں اُن سے برابر امداد ملتی رہے۔ ان الجھنوں کو سلجھانیوالے ضابطوں کی غایت اور اُن کے اثر سے اس جگہ بالتفصیل بحث نہیں کی جاسکتی ہے اگرچہ اس موقع پر ضابطۂ جانشینی کو بطور مثال کے دکھایا جا سکتا ہے۔ اس میں وہ قانون ہے جو جائداد کے وارثوں پر وفات یا شادی کے تاثرات کا یا وصیت نامے کے حقوق کا تصفیہ کرتا ہے۔ لیکن اس ضابطے کا عمل ہندوؤں مسلمانوں یا دوسری ایسی قوموں پر نہیں ہوتا جن کے اپنے ذاتی قوانین اس معاملے میں موجود ہیں۔ اس ضابطے کی رو سے ایک مشخص دیوانی معیار اُن طبقات آبادی کے لیئے مقرر کر دیا گیا تھا جو اپنی اصلی جماعتوں یا فرقوں سے اس لیئے علٰحدہ ہو گئے ہوں کہ وہ اُن عجیب و غریب رسوم و احکام کی پابندی نہیں کر سکتے ہوں جن کی وجہ سے ہندو مذہب میں برابر شاخوں پر شاخیں پھوٹتی چلی جا رہی ہیں یا اُنھوں نے اپنی ذہنی ترقیوں کی وجہ سے رواداری اور آزادی کو اپنی معاشرت کا جزو اعظم بنا لیا ہو۔ دوسرے ضابطے مثلاً مذہب عیسوی قبول کرنے والوں کے ازدواج مکرر کا ضابطہ وغیرہ ایسے ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ تبدیل مذہب سے معمولی دیوانی حقوق کا فقدان لازم نہیں آتا۔ قانونِ شہادت اور قانون معاہدہ میں اُن تمام قوانین کے مجموعے کو اختصار اور مناسب تفصیل کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے جو عدالتوں نے پہلے زمانے میں مقررہ کتب قانونی سے۔ قانونی حوالہ جات سے اور مختلف نظائر سے اخذ کر کے استعمال کیئے تھے اور تمام دیوانی عدالتوں کا ضابطۂ عمل بھی ایک جامع صورت میں مدون کر دیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ اس زمانے کی قانون سازی کی اصلی غایت یہ تھی کہ اصول انصاف کو آسان و مختصر کر دیا جائے۔ رفتہ رفتہ ملکی و مذہبی آزادی کے عام اصول کو ترقی دی جائے۔ اور جس قدر مخلوق ان قوانین کی موزونیت اور اخلاقی فوقیت کو تسلیم کرتی جائے اُسی قدر ان کا دائرہ مسلسل وسیع

باب نوزدہم
فصل دوم

کیا جائے تاکہ طبقات رعایا میں یہ قابلیت پیدا ہوتی چلی جائے کہ وہ آئینی حکومت کے معنی ومنشا کی حقیقت ذہن نشین کرسکیں ؟

اصلاح واستحکام کے اصول عمل کو اس زمانے میں حکمرانی کے ایک خاص صیغے میں جو اختیار کیا گیا ہے وہ اس قدر اہمیت رکھتا ہے بلکہ عام مفاد سے اس قدر تعلق رکھتا ہے کہ قانون سازی کے فوائد کے دوش بدوش اُس کی بھی تھوڑی سی تفصیل بے موقع نہ ہوگی۔ ہندوستان میں چونکہ خزانۂ سلطنت کا اصلی وسیلہ ملکی آمدنی ہے اور چونکہ آبادی کا کثیر حصہ زراعت پیشہ ہے اس لیئے اس ذریعۂ آمدنی کا منصفانہ اور عاقلانہ انتظام کرنا ہر حکومت کی نظر میں ہمیشہ اہم ترین امور سلطنت میں سے رہا ہے جس سے راعی ومرعی کے اغراض یکساں وابستہ ہیں۔ برطانوی حکومت کے آغاز ہی سے سرکاری حکام وعُمال کو برابر اراضی پر قبضہ و دخل کے مسائل طے کرنے پڑے ہیں۔ ہر جائداد سے اور کبھی کبھی ہر کھیت سے سرکاری خزانے میں مقررہ لگان داخل ہونے کے انتظامات کرنے پڑے ہیں قدیمی شرحات لگان پر نظرثانی کرنے کی ضرورتیں پیش آئی ہیں اور ایسے قواعد وقوانین وقتاً فوقتاً نافذ کرنے پڑے ہیں جن سے تنازعات ملکیت کے طے کرنے میں اور زراعت پیشہ طبقات کی حالت سدھارنے میں امداد ملے۔ اس امر واقع نے ہر ہندوستانی حکومت کو کاشتکار کی امداد واعانت پر ہمیشہ آمادہ رکھا ہے کہ زمانۂ قدیم سے زراعت کے فاضل منافع میں ریاست کا بھی ہمیشہ حصہ ہوا کرتا تھا۔ اور ملک پر ہر کبھی خشک سالی طاری ہوجانے کے خدشے نے اس آمادگی کی پابندی میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ لیکن بہت سے صوبے ایسے تھے کہ جب وہ پہلے پہل انگریزی حکومت کے تحت میں آئے ہیں تو وہ اس وجہ سے نقصان کثیر اُٹھا چکے تھے کہ اُن میں سے فوجیں گزری تھیں۔ اُن پر قتل وغارت کی تاختیں ہوچکی تھیں۔ اُن کے کاشتکار تتر بتر اور مفلوک ہوگئے تھے اور اُن کو جنگ وجدال کے تمام مصائب برداشت کرنے پڑے تھے۔ مملکت دہلی اصل بہ

قابض ہو جانے کی اندھا دھند کشمکش میں اراضی پر زبردستی قبضے کر لیے جاتے تھے اور نئے اور پرانے مالکوں میں جنگ و جدل کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ کنارے کے اضلاع میں اس بدنظمی و ابتری کے زمانے میں نہ کوئی باقاعدہ شرح مقرر کی جاسکتی تھی نہ کوئی لگان وصول ہو سکتا تھا۔ لینے والے ضرورت سے زیادہ لینا چاہتے تھے اور دینے والے کم سے کم بھی دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس طرح کاشتکاروں میں۔ زمینداروں میں اور سرکاری محصّلوں میں نوبت بہ نوبت نزاعات برپا رہتے تھے۔ غرض یہ کہ کچھ تو تنازعات کے برابر جاری رہنے سے کچھ مقامی حادثات سے۔ اور کچھ سیاسی اختیارات کے تبدیل ہو جانے سے ملکیت اور حقوق زراعت کا کچھ ایسا پیچیدہ غلط مبحث پیدا ہو گیا تھا اور شرح لگان بھی کچھ ایسی غیر مستقل اور بے قاعدہ سی ہو گئی تھی کہ مختلف اوقات میں جو جو صوبے انگریزوں کے زیر انتظام آتے گئے اُن میں سے ہر ایک کی حالت اپنی اپنی قسم کی بھول بھلیاں ہوتی گئی۔ ملکیت و قبضے کے حقوق کی غیر مشخص صورت میں ایک طرف کے تباہ کن استحصال اور دوسری طرف کے سرکشانہ لیت و لعل کی دونوں صورتیں ایسی صاف نظر آرہی تھیں کہ ہر قسم کی تاویل کی گنجائش اس اصول کے متعلق نکل آئی تھی۔ جس پر زمیندار اور کاشتکار یا ریاست اور زمیندار کے تعلقات عارضی یا مستقل طور پر قائم کیے جا سکتے تھے۔ ایسے تمام مسائل کو انصاف و موزونیت کے مقتضا کے مطابق حل کرنے کی ضرورت تھی کہ مقامی رواج اور رسمی حقوق کے کیا معنی سمجھے جائیں اور اُن کو کس حد تک قانونی وقعت دی جائے۔ کاشتکاروں پر جو پابندی معاہدات زمینداروں کی طرف سے عائد کر دی جاتی تھی اُس میں کس درجے تک قانونی مداخلت کی جائے۔ ریاست کے مقررہ شرح لگان کو بڑھایا جائے یا گھٹایا جائے اور اراضی کی شکلی ملکیت کو ضابطے کے تشخص کے ساتھ کس طرح چسپاں کیا جائے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ ملکیت زمینداری قبضۂ کاشتکاری کے حدود کا تصفیہ کر دیا جائے کیونکہ ان اغراض پر اقتصادی تغیرات کا ایسا فوری اور لازمی اثر ہوتا ہے کہ

باب نوزدہم
فصل دوم

اب تک ان حقوق کا تعین کرنے کی بے انتہا قابلانہ کوششیں اور شرائط معاہدہ مقرر کرنے کے تمام ضابطے باوجود اپنی تمام کھینچ تان کی گنجائش کے بھی اس قابل نہیں ہو سکے ہیں کہ جو کھچاؤ اور دباؤ کے اندرونی واقعات اور حادثات ان تعلقات پر وقتاً فوقتاً طاری ہوجاتے ہیں اُن کا کوئی معقول اور پائدار علاج کر سکیں؛

اس باب کے احاطے سے یہ خارج ہے کہ ہم اُن ضابطے کے اختلافات و مباحثات کو نقل کر سکیں جو امور تنقیح طلب کے متعلق پیش آتے رہے ہیں یا ان قانونی یا انتظامی طریقوں کا کوئی مفصل خاکہ کھینچ سکیں جن کے ذریعے سے یہ امور تنقیح طلب مختلف صوبہ جات میں آخری فیصلے تک پہنچائے گئے صرف اتنا سا کہہ دینا کافی ہے کہ شمالی ہند خصوصاً اودھ و پنجاب میں ان مسائل کو قابلِ اطمینان طریقے پر طے کرنے میں گورنمنٹ کی توجہ کئی سال تک مصروف رہی ہے۔ اس عنوان کی جگہ ہندوستان کی انتظامی تاریخ میں سب سے اوپر ہونی چاہیئے کیونکہ جو زرعی اصلاحات اور تفصیلی قواعد طویل اور صحیح تحقیق و تفتیش کے بعد اس وقت جاری کر دیئے گئے اُن سے بمقابلۂ دیگر کارروائیوں کے برطانوی حکومت کی ہر دلعزیزی اور مضبوطی کو بہت ہی زیادہ امداد ملی ہے؛

ہندوستان میں تمدّن پھیلانے کے سب سے زبردست وسائل میں ریل گاڑیاں ثابت ہوئی ہیں ۱۸۵۰ء تک خاص خاص سڑکیں پکی نہیں ہوئی تھیں اور اس کے چند سال بعد پہلے پہل ریل کی پٹڑی بچھانی شروع کی گئی۔ اس کے بعد سے ان کا سلسلہ تمام ملک میں پھیل گیا ہے جس سے سلسلۂ ارتباط میں نہایت سرعت و آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ تجارتی کاروبار میں بڑے منافع ہو گئے ہیں اور انگریزوں کی جنگی حیثیت کو ہر جگہ برابر کا استحکام حاصل ہو گیا ہے ہندوستان کی بیرونی تجارت بندرگاہوں تک نئے نئے آئی راستے نکال دینے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ اور زمین کی قوت پیداوار میں بہت بڑے رقبے پر مصنوعی ذرائع آب پاشی سے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں کے

باب نوزدہم
فصل دوم

گے بہاؤ کوئی سوویل کے سلسلۂ انہار میں پھیر پھار کرکے اور پانی کے بہت سے مخزنوں میں جگہ جگہ جمع کرکے ہندوستان کے اندر دُنیا بھر میں سب سے بڑا سلسلۂ آبپاشی قائم کر دیا گیا ہے۔ ان تمام زرخیز کارگزاریوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ قومی تموّل کی ترقی و تقسیم بڑے معقول پیمانے پر ہوگئی ہے اور اُس سے ملک کی حالت اس قدر سدھر گئی ہے اور مخلوق کی عادات میں اسقدر بہتر تغیر ہو گیا ہے کہ ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آسکتا ہے۔ ان تمام کاموں پر حکومت نے جو سرمایہ لگایا ہے اُسکا اکثر حصّہ قرض کے ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے جو برطانیہ کی ساکھ پر بہت ادنیٰ شرح سود پر لیا گیا ہے۔ انگلستان کا ملکی قرضہ جو ہندوستان پر ہے اُسکو بعض موقعوں پر ناقابل برداشت بوجھ سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں ملکوں کے عام تعلّقات میں کوئی واقعہ اتنا زیادہ ہندوستان کے واسطے مفید نہیں ہوا ہے جتنا یہ کروروں کا صرفہ ہے جو ملک کے قدرتی وسائل کی ترقی و توفیر میں کیا گیا ہے[1]۔

۱۸۷۷ء میں شہر دہلی کے اندر رئیسوں اور سرداروں اور سربرآوردہ اصحاب کے عظیم الشان مجمع کے سامنے وہ شاہی اعلان پڑھا گیا جسمیں ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے قیصرۂ ہند کا خطاب اختیار فرمایا تھا۔ اس اعلان سے شہنشاہیت کو ضابطے کی حیثیت حاصل ہوگئی اور برطانوی عروج و اقتدار کے مسلّم ہونے کی تصدیق ہوگئی۔

غرض یہ کہ ہندوستان کیلئے سنہ ۱۸۶۰ء کے بعد کا زمانہ نفاذ قوانین اصلاحات انتظامی کے ذریعے سے استحکام حکومت کا دور کہا جاسکتا ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کو اب نہایت سلیقے سے ترتیب دی ہوئی کل سے تشبیہ دیجاسکتی ہے جو ایسی زبردست ہے اور جسکے پرزے ایسے پیچیدہ ہیں کہ اُن کے نہایت ہی ماہرانہ انتظام و نگرانی کی ضرورت ہے۔ اسی لیئے اُنکی اعلیٰ نگرانی ابھی تک انگریزی قوم کے ہاتھوں میں رکھی گئی ہے غیر ملکی مقبوضے کے لیئے ضرورت ہے کہ حصول کے بعد کچھ عرصے تک شخصی حکومت کا انداز لیئے رہے۔

---

[1] اس قرضے کے سالانہ سود کو اکثر فلتینتی بدنام کرنے والے خراج کے نام سے پکارتے ہیں جو ہندوستان سے زبردستی وصول کیا جاتا ہے لیکن آسٹریلیا کی طرف سے اسی قسم کے قرضے پر جو سود سالانہ انگلستان بھیجا جاتا ہو اُسکو اگر دیکھا جائے تو ان دونوں ملکوں کی آمدنی کے تناسب سے بہت زیادہ ہے ۱۲ مصنف

اور چونکہ ابتداءً اپنے مقبوضے پر قبضہ قائم رکھنے کیلئے فاتحین کو مجبوراً اپنے اہل وطن کی قوت وفاداری پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے اسلیئے فوجی اور ملکی عہدہ دار عموماً ولایت فاتحین سے لائے جاتے ہیں شہنشاہان مغلیہ اپنی فوجی سپہ سالاریوں پر اور اپنے اکثر ملکی مناصب پر اپنی قوم کے آدمیوں کو متعین کرتے تھے ۔ انہی سیاسی حالات کی موجودگی کی وجہ سے انگریزی قوم کو بھی اس پر مجبور ہونا پڑا ہے کہ ہندوستانی انتظام کے اعلےٰ عہدوں کو صرف انگریزوں کیلئے محفوظ رکھے لیکن مغلیہ حکومت خالص شخصی اور مطلق العنان تھی اور فی الحقیقت اتبک کسی خاص ایشیائی ریاست میں شخصی کے سوائے کسی دوسری طرز حکمرانی کی آزمائش بھی نہیں کی گئی ہے مخلوق کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ صرف اس سے بحث رکھتے ہیں کہ جو شخصی حکومت اُن پر قائم تھی وہ زبردست تھی یا کمزور ۔ قابل برداشت تھی یا ناقابل برداشت کیونکہ طرز حکمرانی کی شان تبدیل کردینے کی تجویز کو کسی ایشیائی دماغ نے دریافت نہیں کیا تھا البتہ اگر معاملات کی صورت حد برداشت سے زائد سقیم ہو جاتی تھی تو حاکم کی شخصیت تبدیل کردیجاتی تھی ۔ اس انداز و شان کی حکومت کی جگہ اب اُس انگریزی حکومت کو لینی پڑی جس میں تمام یکجا جمع ہوجانے والے صوبہ جات پر ایک صدر حاکم مقرر کردیا گیا تھا اور جس میں مختلف النسل اور متنوع المعاشرت آبادی تھی لیکن اس ذریعے سے ہندوستان کے باشندے اُن اہل یورپ کے ہموطن بن گئے ہیں جو صدیوں سے ملکی نظام کو بالکل ہی مختلف آب و گل کے ساتھ خمیر کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ وہ اُس جزیرے کے رہنے والے ہیں جو بیرونی حملوں سے بالکل محفوظ ہے ۔ اُنکے گرد و پیش کے حالات ایسے ہیں جو حکومت خوداختیاری کیلئے خاص طور سے موزوں ہیں اور وہ تمام قوم کی قوم ایک نسل اور ایک معاشرت رکھنے کی وجہ سے ایک حبل متین میں بندھی ہوئی ہے اور ملکی اغراض اور قومی جذبات میں بالکل ہم آہنگ ہے ۔ برخلاف اسکے ہندوستان کی جان پر مدتہائے دراز سے یورشوں کی بلائیں نازل ہوتی رہی ہیں اُسکا وسیع علاقہ برابر غیر ملکی فاتحوں اور متخاصم خاندانوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہو ہو کر تقسیم ہوتا رہا ہے اور مختلف قوموں اور مذہبوں کی ہزمن گوناگونی کی وجہ سے تمام آبادی اس درجے منقسم و متفرق ہے کہ اُسکی نظیر دُنیا کی کسی اور اقلیم میں

حتیٰ کہ خود ایشیا میں بھی نہیں ملتی۔ اس موقع پر یہ بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی آبادی کے اخلاقی و مادی تمدن نے گزشتہ پچاس سال کے اندر جتنی ترقی کی ہے اُتنی گزشتہ تاریخ ہندوستان میں صدیوں تک نظر نہیں آتی ساتھ ہی اس کے یہ صورت بھی لازمی طور سے پیش آگئی ہے کہ تعلیم وتموّل میں معتدبہ اضافہ ہوجانیکی وجہ سے۔ یورپ کے ساتھ اکثر ارتباط واختلاط رہنے کے سبب سے۔ اور تعلیم یافتہ طبقے کے مغربی خیالات کے رنگ میں رنگ جانے کے باعث سے ہندوستان کی عام رائے کے رہبروں میں اب اپنے ملک کی حکومت میں زیادہ حصہ حاصل کرنے کے خیالات میں بہت کچھ تحرک پیدا ہوگیا ہے۔ اب ایسے آئین سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا جو بالکل غیر ملکی فاتحین کے ہاتھوں میں ہے اور اسی آئین نے اب اُنکی امیدوں کو بڑھادیا ہے اور اُنکے حوصلوں کو بلند کردیا ہے۔ انگریزوں نے ترکیبی اصلاحات سے کام شروع کیا۔ پولیس اور محبس کی اصلاح کے ضابطے جاری کیئے قانونی عدالتوں کو مرتب کیا۔ ملکی خدمات کے تعلیمی امتحانات قائم کیئے غرض یہ کہ زمانۂ حال کی آئینی حکمرانی کے تمام انتظامی صیغوں کو قائم کیا۔ بعد کے زمانے میں آہستہ آہستہ مقامی کونسلیں قائم کی گئیں۔ تمام اہم صوبہ جات میں قانون ساز مجالس رکھی گئیں۔ اور ہر بڑے شہر میں میونسپلٹیاں قائم کی گئیں۔ یوں کہنا چاہئیے کہ انگریزوں نے خود بھی ہندوستانیوں کو مقامی اور صوبہ دار حکومت خود اختیاری کے لیئے تیار کرنا شروع کردیا ہے۔

لیکن آئینی حکومت کی عالیشان عمارت کا ہندوستان میں تعمیر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ملک کے لمبے چوڑے رقبے کی وجہ سے اور خصوصاً آبادی کی کثرت وگوناگونی کی وجہ سے بڑی بڑی اور مستقل اصلاحی کارروائیوں میں رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں اور چونکہ انگریزوں کے سامنے اس خاص معاملے میں ہدایت حاصل کرنے کیلیئے کوئی نظیر بھی موجود نہیں ہے اسلیئے اُنکو غیر معمولی مشکلات کا سامنا اس کام کے انجام دینے میں کرنا پڑرہا ہے۔ تمام اصلاحی کارروائیاں اسطرح کی جانیکی ضرورت ہے کہ برطانوی شہنشاہی کی بنیاد غیر متزلزل اور غیر متغیر رہے کیونکہ تمام سیاسی دولاب کے چلنے اور کام کرنے کیلیئے برطانوی شہنشاہی ایسی ہی ناگزیر ہے جیسے کالسکۂ بخار کیلیئے لوہے کی پٹریاں ہوتی ہیں۔ بہرحال اب زمانے کا تقاضا ہے کہ ان مشکلات کا کسی طرح حل کیا جائے کیونکہ اب جبکہ انگریزوں نے رومیوں کے شاندار

باب نوزدہم
فصل دوم

انداز کے مطابق ایک کثیر الالسنہ سلطنت کی عمارت قائم کرلی ہے تو اس تمام ڈھیر کی پائداری کا انحصار قابلانہ تقسیم اوزان پر رہگیا ہے کیونکہ ضرورت سے زیادہ اجتماع ایک نقطے پر کردینا اصولاً مخدوش ہے اور تمام ستون بالکل بیکار ہوتے ہیں اگر انسے بوجھ اٹھانے کا کام نہ لیا جائے۔ ان مسائل کے حل کرنے کیلئے ہمدردانہ نکتہ رسی اور ماہرانہ تدبر کی ضرورت ہے جس کی مدد پر خود ہندوستانیوں کی نیک ارادتیں اور روزافزوں قابلیتیں بھی ہونی چاہئیں ؛

پہلے زمانے میں بڑے اطمینان سے یہ پیشین گوئی کردی گئی تھی کہ معاشرت کی تیز رفتار ترقیوں اور اقتصادیات کی ناگزیر تبدیلیوں کے زمانے میں ناتجربہ کاری کے مغالطوں اور جہالت کی بے صبریوں کے سم قاتل کے مقابلے میں اعلیٰ تعلیم تریاق کا کام دیگی لیکن موجودہ تعلیم کی جب کسی جگہ یکایک اشاعت کیجاتی ہے اور سرکاری امداد بڑے زور و شور سے اسکو ملنے لگتی ہے تو بعض طبقات آبادی پر ملتہبات کا کام دیتی ہے اور یہ تو ضروری ہوتا ہے کہ معاشرت کی جو پرانی اور اٹل ترکیب ہوتی ہے اسکا تار پود بکھیر کر رکھدیتی ہے بہرحال یہ امید کیجاتی ہے کہ قوائے دماغی کو جسقدر تعصبات سے آزادی حاصل ہوتی جائیگی زیور علم و فن سے آراستہ ہونیکا شوق بڑھتا جائیگا۔ ملکی معاملات سے واقفیت پیدا ہوتی جائیگی اور عملی سیاسیات کی سمجھ کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا اسیقدر آئینی اصلاحات کے سب سے پیش قدم حامیوں میں ایسے خیالات پیدا ہوتے جائیں گے کہ اُن کی تجاویز سے یہ ثابت ہوگا کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں وہ روزافزوں اندرونی مشکلات کو پیش نظر رکھکر کہنا یا کرنا چاہتے ہیں۔ دونوں اقلیمیں یعنی ہندوستان اور انگلستان بصورت موجودہ مادی اور اخلاقی اغراض کی ایک ایسی جماعت بن گئی ہیں کہ ان کے اجتماع کو اکثر صوبہ جات ہند میں تو کئی پشتیں گزرچکی ہیں اور اسی اجتماع نے یورپ اور ایشیا میں دونوں قوموں کی تاریخوں پر زبردست اثر ڈالا ہے اور ان کے آئندہ قسمت کے فیصلے پر بھی بہت کچھ اثر ڈال کر رہے گا۔ بحالت موجودہ یہ حکم لگانا بالکل استنباط واقعات کے مطابق ہے کہ یہ اتحاد اب کمزور یا شکست اس وقت تک نہیں ہوسکتا جبتک کہ اختلاف و نفاق کے بے اندازہ نقصانات دونوں قوموں کو برداشت نہ کرلینے پڑیں ؛

تمت بالخیر

ضمیمہ

تصحیح تلفظ کے خیال سے عموماً غیر زبان کے نام اور خاص خاص ہندوستانی نام مع انگریزی ناموں کے لکھے جاتے ہیں

۱	آرگانوں	Argaon
۲	آرمینیا	Armenia
۳	آسٹنڈ	Ostend
۴	اتحاد ثلاثہ	Triple Alliance
۵	اٹریشٹ	Utrecht
۶	اراکان	Aracan
۷	اسائی	Assaye
۸	اسکندریہ	Alexandria
۹	الومپرا	Alompra
۱۰	امبوئنا	Amboyna
۱۱	امیرالبحر ڈی آشے	Admiral D'Ache
۱۲	امیرالبحر سفرن	Admiral Suffren
۱۳	امیرالبحر واٹسن	Admiral Watson
۱۴	اورمی	Orme
۱۵	ایڈمنڈ برک	Edmund Bruke
۱۶	ایم گوڈیہیو	M. Godehen

M. Perron	ایم پیرن	۱۷
M. Tibulle Hamont	ایم ٹیبل ہیمنٹ	۱۸
M. Conflaus	ایم کانفلنس	۱۹
Burgoyne	برگوئین	۲۰
Buxar	بکسر	۲۱
Pondicherry	پانڈیچری	۲۲
Pitt	پیٹ	۲۳
Plassey	پلاسی	۲۴
Pope Alexander Borgia	پوپ الگزنڈر بورجیا	۲۵
Pegu	پیگو	۲۶
Trichinopoly	ترچناپلی	۲۷
Tanjore	تنجور	۲۸
Trafalgar	ٹرافلگر	۲۹
Trincomalee	ٹرنکومالی	۳۰
Tenasserim	ٹناسرم	۳۱
George Thomas	جارج ٹامس	۳۲
Island of Karrak	جزیرۂ کرک	۳۳
Island of Mauritius	جزیرہ ماریشیس	۳۴
General Bussy	جنرل بسی	۳۵
General Pollock	جنرل پولک	۳۶
General Fredrick Roberts	جنرل فریڈرک رابرٹس	۳۷
General Gillespie	جنرل گلسپی	۳۸
General Lake	جنرل لیک	۳۹
General Notts	جنرل ناٹس	۴۰
Genoa	جینوا	۴۱

۴۲	چلیانوالا	Chillianwalla
۴۳	ڈو	Dow
۴۴	ڈوپلے	Duplax
۴۵	ڈوما	Duma
۴۶	ڈی لا ہے	De la Haye
۴۷	راس امید	Cape of Good Hope
۴۸	ریس وک	Ryswick
۴۹	سارا ٹوگا	Saratoga
۵۰	سالسٹ	Salsette
۵۱	سر آئر کوٹ	Sir Eyre Coote
۵۲	سر ایڈورڈ ہیوز	Sir Edward Hughes
۵۳	سر ٹامس رمبولڈ	Sir Thomas Rumbold
۵۴	سر ٹامس رو	Sir Thomas Roe
۵۵	سر جارج بارلو	Sir George Barlow
۵۶	سر جارج لارنس	Sir John Lawrence
۵۷	سر جان شور	Sir John Shore
۵۸	سر جوشوا چائلڈ	Sir Josua Child
۵۹	سر جیمس میکنٹاش	Sir James Mackintosh
۶۰	سر چارلس ڈیونٹ	Sir Charles Davenant
۶۱	سر چارلس مٹکاف	Sir Charles Metcalfe
۶۲	سر چارلس نے پیر	Sir Charles Napier
۶۳	سر ڈانلڈ سٹوارٹ	Sir Donald Stuart
۶۴	سر رابرٹ بارکر	Sir Robert Barker
۶۵	سر لوئی کواگنری	Sir Louis Cavagnari
۶۶	سر نیول چیمبرلین	Sir Neville Chamberlain

Sir William Temple	سرولیم ٹیمپل	۶۷
Sir William Macnaghten	سرولیم میکناٹن	۶۸
Sir Henry Maine	سرہنری مین	۶۹
Sir Henry Hardinge	سرہنری ہارڈنگ	۷۰
Sylhet	سلہٹ	۷۱
Fox	فاکس	۷۲
Francois Bernier	فرانسس برنیر	۷۳
Friedland	فریڈلینڈ	۷۴
Fort St: David	فورٹ سینٹ ڈیوڈ	۷۵
Count Lally	کاؤنٹ لیلی	۷۶
Captain Mahan	کپتان ماہن	۷۷
Cachar	کچھار	۷۸
Carnatic	کرناٹک	۷۹
Colonel Braith waite	کرنل بریتھ ویٹ	۸۰
Col: James Mill	کرنل جیمس مل	۸۱
Clive	کلائیو	۸۲
Coromandel	کورومنڈل	۸۳
Grant Duff	گرانٹ ڈف	۸۴
Lord Auckland	لارڈ آکلینڈ	۸۵
Lord Ellenborough	لارڈ ایلنبرو	۸۶
Lord Teignmouth	لارڈ ٹین متھ	۸۷
Lord Dufferin	لارڈ ڈفرن	۸۸
Lord Dalhousie	لارڈ ڈلہوزی	۸۹
Lord Cornwallis	لارڈ کارنوالس	۹۰
Lord Combermere	لارڈ کمبرمیر	۹۱

Lord Canning	لارڈ کیننگ	۹۲
Lord Lytton	لارڈ لٹن	۹۳
Lord Mornington	لارڈ مارننگٹن	۹۴
Lord Minto	لارڈ منٹو	۹۵
Lord Moira	لارڈ موئرا	۹۶
Lord Macaulay	لارڈ میکالے	۹۷
Lord Mayo	لارڈ میو	۹۸
Lord North	لارڈ نارتھ	۹۹
Lord Northbrook	لارڈ نارتھ بروک	۱۰۰
Lord Wellesley	لارڈ ولزلی	۱۰۱
Lord William Bentinck	لارڈ ولیم بن ٹنک	۱۰۲
Lord Hastings	لارڈ ہیسٹنگز	۱۰۳
Laswaree	لاس واڑی	۱۰۴
Labourdonnais	لیبرڈونا سے	۱۰۵
Lenoir	لینائر	۱۰۶
Mahe	ماہی	۱۰۷
Mr: Ellis	مسٹر ایلس	۱۰۸
Mr: Boughton	مسٹر بوٹن	۱۰۹
Peace of Amiens	معاہدۂ امینس	۱۱۰
Peace of Aix-la-Chapelle	معاہدۂ ایزلاشیپل	۱۱۱
Subsidiary Treaty	معاہدۂ استیجرا	۱۱۲
Treaty of Breda	معاہدۂ بریڈا	۱۱۳
Treaty of Turcomantchai	معاہدۂ ٹرکومنشائی	۱۱۴
Mounstuart Elphinstone	مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن	۱۱۵
Umbeyla Compaigue	مہم امبیلا	۱۱۶

Major Sandeman	میجر سنڈیمن	۱۱۷
Major Hector Munro	میجر ہکٹر منرو	۱۱۸
Maiwand	میوند	۱۱۹
Nepoleon Bonaparte	نپولین بونا پارٹ	۱۲۰
Warren Hastings	وارن ہیسٹنگز	۱۲۱
Vandewash	واندیواش	۱۲۲
Versailles	ورسیلز	۱۲۳
Verelst	ویرلسٹ	۱۲۴
Venice	وینیس	۱۲۵

صحت نامۂ ہندی مملکت برطانیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۲۲	عمل	عمل میں	۱۱۷	۲۵	پڑا	ہونا پڑا
۸	۲۲	مستقل	منتقل	۱۱۹	۲۲	رہنا	رہتا
۹	۱۰	کھودینے	کھودنے	۱۲۰	۱۴	سیلی	لیلی
۱۰	۱۴	اسپنش	اسپینش	۱۲۱	۱۲	بجیٹ	بجیت
۱۶	۱	اسلئے	اسلیئے کہ	۱۲۳	۱۸	کیوں	کیوں کہ
۱۷	حاشیہ	(سطر ۱۳) تک فصل اول	فصل دوم	۱۲۴	۱۴	قائدہ	قاید
				۱۲۸	۲۲	بڑی	بری
۲۱	۱۰	انکودم	انکو کہیں دم	۱۳۹	۲۱	بستی	بسی
۲۷	۲	ابزابیلا	ایزابیلا	۱۵۳	۱۴	اصلی	اصلی
۳۰	۲۲	نہوتے	نہونے	۱۵۶	۱۲	وزیر خزانے	وزیر خزانہ
۳۸	۵	شاخسانے	شاخسانے	۱۵۸	۱۸	جسد	جلد
۶۴	۱۷	نظام حیدر آباد	نواب نظام الملک حیدر آباد	۱۶۰	۸	بادشاد	بادشاہ
۸۱	۳	مقبضات	مقبوضات	۱۶۱	۴	اتحاد اختلاط	اتحاد و اختلاط
۸۸	۲	سمت	سخت	۱۶۳	۱۱	ہولر	ہوکر
۹۵	۱۶	یریشان	پریشان	۱۶۹	۱۹	کے	یا
۹۷	۲	کہ	کے	۱۷۶	۲۵	(جمہور)	جمہوری
〃	۱۸	ترک	تزک	۱۸۳	۱۵	تنزل	تنزل
۱۰۰	۲۰	عو	جو	۲۰۱	۹	اودھر	اودھ
۱۰۵	۶	دمت	وقت	۲۰۴	۱۶	استبجزا	استجزا
۱۰۹	۱۸	دلواله	دیواله	۲۰۶	۲	مصلح	صلح
۱۱۶	۱۲	ہندرستان	ہندوستان	〃	۳	ہواس	ہواس
۱۱۷	۲	تحرک	تحریک	۲۰۹	۳	دلت	ذلت

صحیح	غلط	سطر	صفحہ	صحیح	غلط	سطر	صفحہ
متنز	متنہ	۴	۲۷۷	تھی	تھا	۱۱	۲۰۹
فوجوں	فون	۲۱	۲۸۱	پورٹونووو	ٹڈو	۲۰	۲۱۱
اتحادی	اتحادہی	۱۰	۳۰۵	مار	پار	۲	۲۱۲
کے	سے	۱۹	۳۰۶	بیڑا انگریزوں	بیڑ انگریزوں	۸	۲۱۶
کرلی	کرکی	۲	۳۰۷	ہوجاتی تھی	ہوجاتی	۱۳	؍؍
جو	د	۴	۳۰۹	کیں کہ	کیں	۱۳	۲۱۷
لیکن یہ راجہ	لیکن راجہ	۳	۳۲۹	منافعے	منافع	۶	۲۲۰
رکھنا	رکھتا	۲۱	۳۵۲	فراخدلی	فرخدلی	۲	۲۲۱
خم	ختم	۱۵	۳۵۳	پڑیں	پڑی	۲۲	۲۲۵
نگران	ان	۶	۳۵۷	ذکرکررہے	ذکررہے	۶	۲۳۵
ہوجانا	ہوجاتا	۸	۳۶۴	صاف رہا	صاف	۱۵	۲۳۷
اس کی توسیع	اس توسیع	۱۴	۳۷۲	جنرلی	جنرل	۲۴	؍؍
ٹانکوئن	ٹانکوں	۶	۳۸۸	کے	لے	۲۴	۲۴۶
بااختیار	باختیار	۱۲	۴۰۳	کرلی جاتی	کرجاتی	۲۵	۲۴۷
سنہ ۱۸۷۸ء	سنہ ۱۸۷۶ء	۲۴	۴۱۱	وہ سب	وسب	۱۹	۲۵۲
پنجدہ	پیچیدہ	۱۵	۴۱۵	پذیر	بدیر	۱۳	۲۵۳
خالص	خاص	۷	۴۳۴	چنانچہ	جنانچہ	۲۱	۲۵۴
.	.	.	.	لارڈ ولزلی	لارڈ وولزلی	۱	۲۵۸

صحت نامۂ ضمیمہ

صحیح	غلط	نمبر	صفحہ	صحیح	غلط	نمبر	صفحہ
مہم امبیلا	مہم ابیلا	۱۱۶	۵	Burke	Bruke	۱۵	۱
.	.	.	.	لارڈ مارننگٹن	لارڈ ڈمانگٹن	۹۴	۵

تمت

فہرست مضامین